تاریخ اہلِ حدیث کی حقانیت اور علمائے اہلِ حدیث کی گرانقدر خدمات پر مشتمل
ایک اہم علمی وتاریخی دستاویز

سالنامہ
شمارہ-1

تاریخِ اہلِ حدیث

2016



اعداد وترتیب
عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی



باھتمام وتعاون
محسنِ جماعت عبدالشکور چودھری حفظہ اللہ
چیرمین المنار ھائی اسکول پوار بستی، پونہ

ناشر
مرکز تاریخ اہلِ حدیث ممبئی
برانچ آفس: بس اسٹاپ بڑھنی بازار سدھارتھ نگر یوپی

سالنامہ
تاریخ اہلِ حدیث
2016
1
اعداد وترتیب
عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی
مرکز تاریخ اہلِ حدیث ممبئی

بسلسلۂ اشاعت اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

تاریخ اہل حدیث کی حقانیت اور علمائے اہل حدیث کی
گرانقدر خدمات پر مشتمل ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز



اعداد و ترتیب
عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

اہتمام و تعاون
محسنِ جماعت عبدالشکور چودھری حفظہ اللہ
(چیئرمین المنار ہائی اسکول، پوار بستی، پونہ)

ناشر
مرکز تاریخِ اہل حدیث ممبئی
برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یوپی)

سلسلہ مطبوعات مرکز 2

سالنامہ تاریخ اہل حدیث

۲۰۱۶ء۔۳۷-۱۴۳۶ھ

شمارہ نمبر:۱

مرتب

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

سن طباعت: فروری 2018ء

صفحات: 376

ناشر

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئ

برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یوپی)

موبائل:9869395881

محتویات

باب سوم: یادرفتگاں

باب چہارم: مرحومین علمائے اہل حدیث ۲۰۱۶ء

باب پنجم: مرحومین اعیان جماعت وہمدردان جمعیت ۲۰۱۶ء

❑❑❑

کلمات تشکر وامتنان

سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۶ آپ کے ہاتھوں میں ہے اس سلسلہ مبارکہ کی اشاعت پر میں خلوص دل سے رب العالمین کے حضور دست بدعا ہوں کہ بارالہا اس کی اشاعت خاص میں مادی معنوی اور علمی تعاون اور نیک مشورے دینے والے تمام علماء اوراحباب جماعت کو دنیا وآخرت کی رحمات وبرکات سے مالا مال فرما اورہمیں آئندہ اس بات کی سعادت مندی نصیب فرما کہ ہم عزم وحوصلے کے ساتھ اس سلسلے کو آگے بڑھانے اورمنزل مقصود تک لے جانے میں کامیاب وکامران ہوجائیں۔

بالخصوص اس شمارہ کی اشاعت میں خصوصی تعاون پیش کرنے والے جماعت کے محسن مکرم ومحترم جناب بابوعبدالشکور چودھری رحفظہ اللہ رئیس پونہ وچیئرمین المنار ہائی اسکول پوار بستی کا میں تہہ دل سے مشکور وممنون ہوں جنہوں نے اہم تاریخی وجماعتی مشن کی تکمیل میں اپنا پیش قیمت تعاون پیش فرمایا۔

اللہ انہیں شرف قبولیت بخش دے اوران کے تعاون کا انہیں دنیا وآخرت میں بھرپور بدلہ عطا فرما۔اورایسے زندہ دلوں کو ہماری جماعت میں اس طرح کے کارناموں کی تکمیل کے لئے توفیق ارزانی عطا فرما۔ آمین تقبل یا رب العالمین اللھم بارك واجزی عنا جمیع المتعاونین والمحسنین۔

❑❑❑

انتساب

میری یہ حقیر علمی کاوش

تاریخ اہل حدیث کے رمز شناس، فخر سلفیت استاذی المکرم مولانا عبدالحمید رحمانی (تغمدہ اللہ بواسع رحمتہ)
بانی و مؤسس مرکز ابوالکلام آزاد و جامعہ اسلامیہ سنابل اور اس کے دیگر ادارے۔

کے نام

جن کی سلفیت اور تاریخ اہل حدیث سے متعلق عالمی پیمانے پر دلنشین علمی و تاریخی خطابات و محاضرات اور منہجی تقریروں اور تحریروں نے مجھے یہ حوصلہ دیا کہ میں تاریخ اہل حدیث اور اس کے متعلق انسائیکلو پیڈیا پر کام کرسکوں۔

برصغیر میں تاریخ اہل حدیث پر سنجیدہ اور معلوماتی قلمکار استاد مکرم مولانا محمد مستقیم سلفی، استاد الجامعۃ السّلفیہ بنارس

کے نام

جنھوں نے علمائے اہل حدیث کی تصنیفی صحافتی دیگر خدمات پر اپنے گہر بار قلم سے کئی کتابیں لکھ ہمیں اس سلسلے کو آگے بڑھانے کا حوصلہ دیا۔

بنارسی علماء کی تاریخ اور تراجم پر برسوں کی جہد مسلسل کے بعد ایک عظیم تاریخی وسوانحی شاہکار کے مرتب و مصنف استاذی الجلیل شیخ محمد یونس مدنی شیخ الجامعۃ السّلفیہ بنارس۔

کے نام

جنھوں نے ایک عظیم تاریخی خلا کو پر کر کے جماعت پر احسان عظیم کیا ہے۔
رب العالمین مرحومین کی مغفرت فرما! اور موجودین کو صحت و عافیت کے ساتھ اس کاز کو آگے بڑھانے کا حوصلہ عطا فرما! آمین۔

اور مجھ خاکسار کو اس سلسلہ تاریخ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت مرحمت فرما! بارالہا تمام کی کاوشوں کو قبول فرما!
اور اس علمی و تاریخی میراث جماعت کو ہمیں نسل نو اور متلاشیان حق کے لئے مرتب و محفوظ کرنے کی سعادت عطا فرما!

آمین تقبل یا الہ العالمین

رشحات قلم

ترجمان سلفیت، استاذی المکرم علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

''جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں جماعت کے جمود ورکود کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ اہل حدیث کا مشن برپا کرنے والے جوافاضل، اربابِ علم وفکراور اصحاب دعوت وعزیمت سرزمین ہند میں گزرے ہیں ان کے آثاروخدمات کے احیاء کی کوششیں نہیں کی گئیں اوران کی مجاہدانہ زندگیوں کا کوئی مفصل ومرکز خاکہ ہماری نوجوان نسل کے سامنے نہیں آسکا۔ اسلاف کے سوانح حیات اوران کی اصلاحی وتجدیدی کارنامے اخلاف کے حوصلوں اورعزائم فکروعمل کے لئے مہمیز کا کام کرتے ہیں مگر یہ کتنا بڑا حادثہ ہے کہ اس سب سے بڑی اصلاحی تجدیدی تحریک کی نشاۃ ثانیہ کے حاملین وزعماء (جن میں کاایک فرد پوری قوم وملت پر بھاری تھا) کے سوانح حیات پر جامع کتابیں ہیں نہ مقالات ومضامین''۔

(مجموعہ مقالات ۲/ ۲۵۸)

دوسری جگہ استاذ مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اگر جماعت اہل حدیث کواپنا رشتہ اپنے شاندار ماضی سے جوڑے رکھنا ہےاورآنے والی نسل کوتحریک احیاء کتاب وسنت کے تاریخی تسلسل کی سنہری کڑی بنانا ہےتوانہیں کم ازکم مذکورہ عباقرہ وائمہ کے سوانح وخدمات کومرتب کر کے موجودہ اورآئندہ نسل کے سامنے رکھ دینا چاہیے ورنہ ''ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں'' کی مثال توہمارے اوپر اپنی وسعتوں اور گہرائیوں کے ساتھ منطبق ہورہی ہے۔''

(ماہنامہ التبیان ماہ اکتوبر ۲۰۱۶ء ص ۱۵۔۱۶)



اداریہ

شجرۂ طیبہ

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

دین اسلام ایک ہمہ گیر عالمی دین ہے جس کی حقیقی تعبیر اور اساسی مصدر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔انہیں دونوں سرچشموں پر دین اسلام کی پوری عمارت قائم ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام نے انہیں دونوں کو دنیوی واُخروی نجات کا ذریعہ بنایا تھا۔کتاب وسنت کے پیروکاروں کا یہ قافلہ مقدس صحابہ کرام سے لے کر تابعین، تبع تابعین، محدثین، ائمہ مجتہدین سے ہوتے ہوئے کئی صدیوں تک سلسلہ بسلسلہ انہیں دونوں سرچشمہ ہدایت پر حق وصداقت کے ساتھ چلتا رہا، اوران شاء اللہ العزیز قیامت تک چلتا رہے گا۔اورانہیں اللہ کی نصرت وتائید حاصل رہے گی، جماعت اہل حدیث دراصل انہیں دونوں چشمہ اسلام اور آئینہ حیات کتاب وسنت کی پیروکار ایک قدیم تاریخی ومنہجی جماعت ہے جس کا سلسلہ عالیہ اور شجرۂ طیبہ اُصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے اور یہ انہیں کے نقش قدم پر اپنی منہجی، علمی اور عملی زندگی گزارنے کو باعث شرف اور قابل سعادت سمجھتے ہیں۔صحابہ، تابعین اور خیر القرون کے زمانے سے ہی انہیں اہل السنۃ، اہل الأثر اور أہل الحدیث کے نام سے جانا جاتا ہے اور آج بھی دنیا کے مختلف ممالک میں یہ انصار السنہ، اہل اثر، اہل حدیث اور سلفی کے نام سے موجود ہیں۔بالخصوص برصغیر ہندو پاک میں انہیں جماعت اہل حدیث اوران کے عقیدہ ومنہج کو مسلک اہل حدیث کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

برصغیر ہندو پاک میں اسلام کی آمد سے لے کر اب تک کسی نہ کسی شکل میں یہ جماعت کم وبیش ہر دور میں موجود رہی ہے۔ بالخصوص عمل بالحدیث اوراحیائے سنت کے تئیں اس میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م 1176ھ) کے عہد سے تحریک پیدا ہوئی، اور خاندان ولی الہیٰ کے مایہ ناز سپوتوں نے اسے بام عروج تک پہنچایا جن میں مولانا شاہ عبدالعزیز (م۱۲۳۹ھ) شاہ اسماعیل شہید (م۱۲۴۶ھ) شاہ محمد اسحاق دہلوی (۱۲۶۲ھ) قابل ذکر ہیں۔اسی طرح شاہ صاحب کے معاصرین میں مولانا محمد فاخرزائرالہٰ آبادی (م۱۱۶۴ھ)، مولانا محمد حیات السندی (م ۱۱۶۳ھ) اور مولانا محمد معین ٹھٹوی (م۱۱۶۱ھ) وغیرہم نے اپنے اپنے علاقوں میں اشاعت سنت کا بھرپور کام کیا۔اور مسلک حقہ کی ترویج واشاعت کی۔ان عباقرہ اورافاضل علماء کے بعد اس قافلہ صداقت کو میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی (م۱۳۲۰ھ) اور علامہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی (م۱۳۰۷ھ) جیسی دو عظیم المرتبت شخصیتیں نصیب ہوئیں جنہوں نے اشاعت سنت اور عمل بالحدیث کی تحریک کو رب العالمین کے فضل سے اپنی تدریسی، تصنیفی، اور دعوتی کاوشوں سے ایک انقلابی تحریک کی شکل میں کھڑا کردیا اور بے شمار تلامذہ اور شاگردان عالی وقار کی شکل میں علماء، دعاۃ

اور مدرسین و مصنفین کی ایک بڑی کھیپ تیار ہوگئی، جو نہ صرف یہ کہ ہندوستان اور برصغیر میں پھیلے بلکہ ان کی مساعی جمیلہ کا دائرہ ایشیاء وافریقہ تک دراز رہا ہے۔ میاں صاحب کے شاگردوں کے علاوہ تحریک شہیدین سے وابستہ افراد وعلماء بالخصوص صادقان صادقپور کی ایک ایک سنہری تاریخ ہے۔ ملک کی آزادی کی خاطر قربانی پیش کرنے والے قائدین علماء اہل حدیث کا ایک الگ باب ہے جو تاریخ کے صفحات پر درج ہے۔ تصنیفی خدمات اور اس دور میں قائم ہونے والے مدارس احمدیہ سلفیہ اور دارالہدیٰ یوسف پور سے لے کر دارالحدیث رحمانیہ دہلی آزادی کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس اور دیگر تعلیمی اداروں جامعہ محمدیہ منصورہ، جامعہ سنابل وغیرہ وغیرہ کی الگ الگ تاریخ ہے۔ بے شمار مدرسین مدارس کے چٹائیوں پر بیٹھ کر آج بھی اسلاف کے نقش قدم کو رواں دواں کئے ہوئے ہیں۔ میاں صاحب کے یوپی، بہار، بنگال، مئو، بنارس کے کثیر التعداد تلامذہ کے علاوہ رحمانی علماء اور آزادی کے بعد مختلف تعلیمی اداروں سے فارغ ہو کر اس قافلے کو مہمیز دینے والے بے شمار اساتذہ، قلمکاران، زعمائے جماعت اور بانیان مدارس کی ایک الگ ٹیم ہے اتنی بڑی تعداد پر مشتمل جماعتی علماء، ادارے اور تعلیم گاہوں کی کوئی یکجا تاریخ نہیں ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کا اخبار اہل حدیث اور اس کے علاوہ دیگر صحافتی جرائد ورسائل میں شائع شدہ جماعت اور علمائے جماعت کی سنہری تاریخ پر لکھا ہوا مواد کیسے منظر عام پر لایا جائے اس کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ مگر سوچنے سے اور کوسنے سے کچھ نہیں ہونے والا ہے۔ اس لئے خاکسار نے تاریخ اہل حدیث کے احیاء اور اس کی جمع وتدوین اور اشاعت کے لئے یہ محسوس کیا کہ کچھ شروع کیا جائے چنانچہ کئی سالوں کی محنت سے ایک ضخیم علمی مواد جمع ہوتا چلا گیا۔ احباب جماعت، اساتذہ اور علماء کے مشوروں سے میں نے اسے سمیٹنے اور یکجا کر کے افادۂ عام کی خاطر منظر عام پر لانے کے لئے ایک سالنامے کی اشاعت مناسب سمجھی جو ''سالنامہ تاریخ اہل حدیث'' کے نام سے موسوم ہے جسمیں سال مذکورہ کے مرحومین علماء اور بعض معاصرین اساتذہ ومشائخ کے خصوصی تذکرے کے ساتھ بکھرے ہوئے اوراق تاریخ اہل حدیث کو بھی رفتہ رفتہ شامل اشاعت کیا جائے۔ اس سلسلے کی یہ پہلی کڑی قارئین کی خدمت میں ''سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۶ء'' کی شکل میں پیش خدمت ہے۔ میں کتنا کامیاب ہوں یہ فیصلہ قارئین اور احباب جماعت پر ہے۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ ہمیں اس سلسلۂ تاریخ کو آگے بھی جاری رکھنے کی ہمت دے۔ مواد ۲۰۱۷۔۲۰۱۸ اور بعد کے لئے بھی جمع ہیں، ان شاء اللہ رفتہ رفتہ وسائل کی فراہمی کے ساتھ انہیں منظر عام پر لانے کی سعی کی جاتی رہے گی۔

رب العالمین میری اس خدمت کو قبول فرمائے اور اسے میرے لئے، میرے اساتذہ ومشائخ اور والدین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

تقبل یارب العالمین

❑❑❑

افتتاحیہ

تاریخ اہل حدیث کی تدوین ۔ وقت کی اہم ضرورت

□ ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ
□ مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی

مورخ جماعت ڈاکٹر بہاؤالدین حفظہ اللہ وتولاہ نے آج سے تقریباً ۴۱ سال قبل ۱۸ رجون ۱۹۷۶ء کو ایک مضمون بعنوان ''تاریخ اہل حدیث کی تدوین ۔ وقت کی اہم ضرورت'' تحریر کرکے ''مجلہ الاسلام لاہور'' میں شائع کیا تھا۔ اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے پہلے بڑے ایجاز واختصار کے ساتھ برصغیر ہندوپاک میں عوام الناس کی جہالت اور کتاب وسنت سے ان کی دوری کا تذکرہ کیا ہے اس کے بعد علماء اہل حدیث کی کاوشوں محنتوں اوران کے ذریعہ ہندو بیرون ہند اور عالم اسلام میں قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت پر روشنی ڈالی ہے اور پھر تاریخ اہل حدیث کی تدوین کرنے، پہلے سے موجود کتب کی خامیاں دور کرکے انہیں از سرنو مرتب کرکے دوبارہ منظر عام پر لانے نیز ان اکابر علماء کی سوانح عمریاں مرتب کرنے جن پر اس سے پہلے مستقل طور پر کچھ نہیں لکھا جاسکا ہے کہ جانب علماء، اعیان جماعت اور اصحاب ثروت کی توجہ مبذول فرمائی ہے۔ اور اسے وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب دی ہے۔

الحمدللہ ڈاکٹر صاحب کی یہ آواز لوگوں کے کانوں تک پہنچی اور جماعت کے غیور اور باشعور علماء کرام نے اس کی جانب توجہ دی اور اپنے اپنے اعتبار سے اس پر کام کرنا شروع کردیا۔

ڈاکٹر صاحب نے بذات خود آگے بڑھ کر اس عمل کو انجام دینے کی کوشش کی اور اس کے لئے بھرپور محنتیں کیں۔ رات ودن ایک کردیا اور تنِ تنہا ایک اکیڈمی ثابت ہوئے۔ آپ کی کاوشوں کے نتیجہ میں اب تک تاریخ اہل حدیث کی ۱۵ رجلدیں۔ اور تحریک ختم نبوت کی ۷۵ رجلدیں مرتب ہوچکی ہیں جن میں سے تاریخ اہل حدیث کی ۷ رجلدیں اور تحریک ختم نبوت کی ۳۸ رجلدیں منظر عام پر آکر قبولیت عامہ حاصل کرچکی ہیں۔ مزید کا کام چل رہا ہے۔ اس پیرانہ سالی میں بھی ڈاکٹر صاحب جو تاریخ اہل حدیث کی تدوین کا کام کررہے ہیں وہ قابل ستائش اور باعث عبرت بھی ہے۔ اللہ موصوف کو صحت وتندرستی عطا کرے اور انہیں اپنے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

ذھبیٔ دوراں مولانا محمد اسحاق بھٹی نے قافلۂ حدیث، گلستانِ حدیث، دبستانِ حدیث، کاروان حدیث، برصغیر میں اہل حدیث

کی سرگزشت، چمنستان حدیث، برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، روپڑی علماء اہل حدیث، ہفت اقلیم، بزم ارجمنداں، نقوش عظمت رفتہ نامی کتابیں تحریر کر کے کسی حد تک اس خلاء کو پر کرنے کی کوشش کی ہے۔

اہل حدیث اور سیاست:

مولانا نذیر احمد رحمانیؒ، تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں: قاضی محمد اسلم سیف، تاریخ اہل حدیث: مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت اور علماء اہل حدیث کی مساعی: مولانا ابوالمکرم عبدالجلیل مدنیؒ، کاروانِ سلف، اور علماء اہل حدیث کی خدمات: عبدالرشید عراقی، جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات: مولانا محمد مستقیم سلفی، شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی مجددانہ کارنامے اور قائدانہ کردار: صلاح الدین مقبول احمد مدنی، تراجم علمائے اہل حدیث: خالد حنیف صدیقی، علمائے اہل حدیث گونڈہ، بستی: بدالرزماں نیپالی، تراجم علمائے اہل حدیث بنارس: مولانا محمد یونس مدنی، تاریخ مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس: مولانا مطیع اللہ سلفی، تذکرہ علمائے سلف بستی، گونڈہ، سدھارتھ نگر: مولانا عبدالحفیظ ندوی، اور مشرقی ہندوستان کے علماء و داعیان کے ذکر جمیل پر مشتمل ایک عظیم سلسلہ جو ابھی بھی جاری ہے اور کئی سو صفحات پر مشتمل ہے۔ کاروان سلف: تین جلدیں: مولانا عبدالرؤف ندوی حفظہ اللہ وغیرھم کی تحریر کردہ کتابیں بھی اسی سے تعلق رکھتی ہیں۔

اور ابھی بھی یہ سلسلہ جاری ہے، علماء کرام اپنی بساط کے مطابق اس امر کو انجام دینے میں لگے ہوئے ہیں، نو سو باون صفحات پر مشتمل ''علامہ داؤد رازؒ: حیات و خدمات'' نامی کتاب مسجد اہل حدیث مومن پورہ بائیکلہ ممبئی سے، اور ''اضلاع بستی و گونڈہ میں میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ کے دعوتی و اصلاحی اثرات'': مرتب مولانا عبدالمنان سلفی، مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی کی جانب سے چھپ کر منصۂ شہود پر آ گئی ہیں۔

رفیق خاص اور مرکز تاریخ اہل حدیث کے فاؤنڈر مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی رحفظہ اللہ نے بھی تاریخ اہل حدیث کی تدوین اور مرحومین و موجودین علماء اہل حدیث کی خدمات و مساعی کو مرتب کر کے کتابی شکل میں لانے کا ایک بڑا منصوبہ بنایا ہے، اس منصوبے کے تحت اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب و تدوین کا کام جاری ہے جس میں برصغیر میں اسلام کی آمد سے لے کر تا حال قافلۂ حدیث سے جڑے تمام علماء، مدرسین و مصنفین اور اعیان جماعت کا علمی تعارف اور ان کی خدمات و انجازات کو قلمبند کیا جا رہا ہے، خاص طور پر سال بسال وفات پانے والے علماء و مدرسین نیز تمام معاصرین و موجودین کی شخصیات و خدمات کو ایک دستاویزی شکل دی جا رہی ہے۔ اس کام کو منظم کرنے کی خاطر ایک سالانہ میگزین بنام سالنامہ تاریخ اہل حدیث شائع کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے سالانہ میگزین ۲۰۱۶ء کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کے اندر کیا خوبیاں اور کیا خامیاں ہیں اس کی نشاندہی آپ کی ذمہ داری ہے، تا کہ آئندہ اس کی اصلاح کی جا سکے۔

اصحاب قلم اور علماءِ عظام سے گذارش ہے کہ جماعت اہل حدیث اور علماء اہل حدیث سے متعلق اپنے قیمتی مقالات اور علمی

تحریریں بھیج کر اس اہم کام میں مولانا کا تعاون کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے۔ اور دعا کریں کہ اللہ ان کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور انہیں ان کے مقاصد میں کامیاب کرے۔ آمین۔ (عبدالجبار انعام اللہ سلفی)

□ □ □

محمد قاسم ہندوشاہ فرشتہ کی معروف تصنیف ''تاریخ فرشتہ'' میں ایک مناظرے کی روئداد منقول ہے جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور قاضی رکن الدین کے مابین مسئلہ سماع پر غیاث الدین سلطان دہلی کے دربار میں منعقد ہوا تھا۔ خواجہ صاحب جواز سماع کے قائل تھے۔ قاضی صاحب نے دلیل طلب کی تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''السماع لاجلہ'' قاضی صاحب نے جواب دیا خواجہ صاحب آپ بھی حنفی مقلد ہیں اور میں بھی۔ اس لئے قائل کرنے کے لئے قول امام پیش کیجئے خواجہ صاحب نے غصہ میں آکر فرمایا میں تو صحیح حدیث رسول ﷺ کو بیان کر رہا ہوں اور تو مجھ سے قولِ امام طلب کرتا ہے؟

ہمیں اس بات سے بحث نہیں ہے کہ اس مناظرہ میں کون حق بجانب تھا۔ ہمارا مقصد تو اس دور کے ہند میں علوم اسلامیہ کی بیچارگی پر مظاہرہ کرنا ہے کہ اپنے دور کا سب سے بڑا فقیہہ اور سب سے بڑا صوفی دونوں علم حدیث سے کس قدر بے بہرہ ہیں۔ خواجہ صاحب نے امام غزالی کا ایک فقرہ بطور حدیث بیان فرما دیا اور قاضی صاحب کی بے خبری کا یہ عالم ہے کہ انہیں بھی صحیح صورتِ حال کا علم نہیں ہے وہ اس فقرے پر کسی فنی اعتراض کے بجائے قول امام طلب فرماتے ہیں۔

یہ صورت حال اکبر کے دور تک چلی آتی ہے۔ نہ یہاں قرآن با ترجمہ پڑھنے کا رواج تھا نہ تفاسیر یہاں موجود تھیں اور شروح حدیث یہاں کے علماء اور کتب خانوں میں بھی دیکھنے میں نہ آتی تھیں، حتیٰ کہ کتب صحاح بھی اکناف ہند میں کسی جگہ موجود نہ تھیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حرمین تشریف لے گئے۔ وہاں محدثین سے کسب واستفادہ کے بعد ان کی آنکھیں کھلیں تو معلوم ہوا کہ کنز ہی علوم اسلامیہ کی کل کائنات نہیں ہے بلکہ فقہ اسلامی کے اصل آخذ تو اور ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ترویج حدیث کے لئے ابتدائی قدم اٹھائے اور مشکوۃ کا ترجمہ فرمایا، وہ خود تو تقلید جامد کے حصار سے نہ نکل سکے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جمود، رفض اور بدعت کے خلاف بھرپور آواز اٹھانے والے حضرت شیخ مجدد سرہندی کے خلاف بھی محاذ قائم کیا تھا، تاہم وہ مبارکباد کے مستحق ضرور ہیں کہ ان کی کوشش سے ہندوستان کا صدیوں سے رائج درسی نصاب کچھ نہ کچھ حد تک متاثر ہوا۔

ان کے بعد مجدد صاحب اور پھر شاہ ولی اللہ کی بھرپور کوششوں سے فقہ کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت کی جانب امت کی توجہ مبذول ہوئی بعد ازاں شاہ محمد اسماعیل، شاہ محمد فاخر زائر، سید محمد نذیر حسین، نواب صدیق حسن خاں وغیرہم کی مساعی جمیلہ سے ماحول اس حد تک متاثر ہوا کہ علامہ رشید رضا جیسے بالغ نظر محقق کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ علماء ہند کی کاوشوں سے سارے عالم اسلام میں از سرِ نو حدیث رسول کا غلغلہ بلند ہوا ہے۔

اور آج برصغیر کا قریہ قریہ قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے گونج رہا ہے۔ برصغیر کی اکثر زبانوں میں علوم اسلامیہ کا

وافر ذخیرہ موجود ہے۔ایک زمانہ وہ تھا جب قرآن مجید جیسی اہم ترین کتاب یہاں کے عوام کے لئے لاطینی زبان کی انجیل بن چکی تھی جسے لوگ تبرکا پڑھتے تو تھے لیکن اس کے منشاومفہوم سے یکسر غافل تھے۔عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر فقیہانِ حرم اپنی اغراض مشئو مہ کے تحت اس کے مطالب میں ردوبدل کیا کرتے تھے۔حدیث کو یہاں شجر ممنوعہ قرار دیا جاچکا تھا کیونکہ اس کی اشاعت بوالہوس علماء اور مطلق العنان حکمرانوں کے لئے پیغام مرگ کی حیثیت رکھتی تھی لیکن تاریکی ہمیشہ کے لئے روشنی کو دبا نہیں سکتی، اندھیرے کو بالآخر کافور ہونا ہی پڑتا ہے۔ہند میں بھی یہی ہوا، یہ کارعظیم کن لوگوں نے انجام دیا؟ وہ کون تھے جنھوں نے زمانے بھر کی تیز وتند مخالفانہ ہواؤں کو اپنے سینے پر روکا اور انہیں رخ پھیرنے پر مجبور کیا؟ وہ کون باغبان تھے جو گلشنِ توحید اور ریاضِ رسول ﷺ کی آبیاری جیسی عظیم سعادت سے سرفراز ہوئے؟ تاریخ ہند کا یہ ایک ایسا باب ہے جس پر بہت کم لکھا گیا ہے جو کچھ موجود ہے وہ دودھ پینے والے کو خون دینے والے کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اور جن عظیم القدر افراد نے سردار نعرہ ہائے حق بلند کئے، انہیں عمداطاق نسیاں کی زینت بنادیا گیا ہے۔

اس میں کسی دوسرے کا قصور نہیں ہے، اس لئے کسی سے شکوہ بھی بے جا ہے، یہ ہمارا اپنا قصور اور ہمتوں کی پستی ہے، ہم نے تقدیر میں اپنے علماء کی خدمات کو سراہا ہے لیکن انہیں حیطۂ کتاب میں نہ لاسکے، ہم نے پدرم سلطان بود کے نعرے تو بہت لگائے لیکن کسی اہل علم کے نام سے اکیڈمی قائم کر کے اس کی خدمات وتعلیمات عوام کے سامنے تحریراً پیش نہ کر سکے۔ہم نے متنازعہ مسائل پر تو بہت کچھ لکھا لیکن اپنی تاریخ محفوظ نہ کر سکے اور جو لوگ اپنی تاریخ کتب کے سینے میں بطور امانت نہیں رکھواتے کچھ عرصہ بعد ان کا نام ونشان تک مٹ جاتا ہے۔

مولانا ابویحیٰ امام خان نوشہروی مرحوم نے کیا جو کچھ کیا لیکن وہ دیوانہ اکیلا کیا کرسکتا تھا، رنگون سے لے کر خیبر تک جابجا پڑے ہوئے نقوش قدم کی تلاش ایک فرد کا نہیں ایک ادارے کا کام ہے، میں خود گزشتہ ڈیڑھ سال کی دشت نوروی کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کیوں کہ ایک مکمل ومستند سرگزشت مہیا کرنا ایک بستی کا کام ہے جہاں سبھی منصور رہتے ہوں۔

ہمارے اکابر اس معاملہ میں ہماری رہنمائی تو کرسکتے ہیں لیکن ضعیف العمری میں ان سے جانفشانی کی توقع رکھنا سوءادب بھی ہے اور خلاف مصلحت بھی۔موضوع اس قدر بسیط ہے کہ اگرچہ خود میرے پاس ہزاروں صفحات کا مواد جمع ہوگیا ہے تاہم اسے سمندر میں ایک قطرے کی مثال سے تعبیر کرتا ہوا کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ضرورت ہے اس امر کی کہ چند باہمت اور باذوق نوجوان سر جوڑ کر بیٹھیں۔مستند علماء ان کی سرپرستی فرمائیں اور اصحابِ ثروت ان سے مالی تعاون کی صورت نکالیں۔ان تینوں طبقات کے اشتراک سے ایک ادارہ متشکل ہو جو نہ صرف تاریخ اہل حدیث مرتب کرے بلکہ پہلے سے موجود کتب کی خامیاں دور کر کے انہیں ازسرِ نو مرتب کر کے دوبارہ منظرِ عام پر لائے۔ہم جانتے ہیں کہ شاہ اسماعیل شہید کی سوانح حیات حیاۃ طیبہ از مرزا حیرت دہلوی میں کیا نقائص ہیں جن کے باعث مہر مرحوم نے اسے افسانہ قرار دے دیا تھا۔ہم جانتے ہیں کہ سوانح احمدی میں کون کون سی باتیں توجہ کی مستحق ہیں

اور کون کون سے خطوط کی عبارات تحریف شدہ ہیں جنہیں اصل مخطوطات سے مقابلہ کرانا ضروری ہے،ہم جانتے ہیں کہ شیخ الکل کی سوانح حیات ''الحیاۃ بعد المات'' میں فضل حسین بہاری مرحوم نے غلط طور پر میاں صاحب کو انگریزوں کا وفادار ثابت کر دکھایا ہے اس لئے اس کی ترتیب جدید میں میاں صاحب کی سیاسی زندگی پر روشنی ڈالنی ضروری ہے۔ہم جانتے ہیں کہ نواب سید صدیق حسن خان مرحوم کی سوانح حیات مآثر صدیقی کسی بھی طرح ان کے شایان شان نہیں ہے اور مولانا ابویحیٰ امام نوشہروی مرحوم نے تو شاہ اسماعیل کے والد شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالغنی مجددی کو ایک ہی شخصیت بنا دیا ہے۔

ان اصلاحات کے ساتھ ایک نہایت ضروری امر یہ ہے کہ ان اکابر علماء کی سوانح عمریاں بھی مرتب کی جائیں جن پر اس سے پہلے مستقل طور پر کچھ نہیں لکھا جاسکا۔مثلاً مولانا محمد ابراہیم آروی، بانی مدرسہ احمدیہ آرہ۔حافظ عبداللہ غازی پوری۔امام عبدالجبار غزنوی۔حافظ محمد لکھوی، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی، ڈپٹی سید احمد حسن، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، علامہ شمس الحق ڈیانوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، حافظ محمد عبداللہ روپڑی وغیرہم رحمہم اللہ اجمعین۔

یہ کام کئی افراد کئی سال اور بافراط مالی وسائل سے ہوسکتا ہے ہم جماعت اہل حدیث کے باب پر دستک دیتے ہیں کہ فرض کفایہ کے طور پر چند حضرات آگے آئیں جن کے دل میں کام کرنے کی تڑپ، ہمت اور اہلیت ہو ہم سے رابطہ کریں، تجاویز اور مشورے ارسال فرمائیں تاکہ ان کی روشنی میں کوئی قابل عمل منصوبہ روبہ عمل آسکے۔

ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ

❑ ❑ ❑

باب اوّل

تاثرات وانطباعات

پیغام مسرت وتہنیت

استاذ گرامی حضرت مولانا عاشق علی اثری رحفظہ اللہ ورعاہ

جنرل سکریٹری مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیہ نئی دہلی

عزیز گرامی قدر مولانا عبدالحکیم مدنی صاحب

سلمہ اللہ تعالیٰ، وفقنی وایاہ لکل ما یحبہ ویرضاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے تاریخ اہل حدیث کی ترتیب وتنظیم اوراس کی اشاعت کا جو پروگرام بنایا تھااوراس پر کام بھی شروع کردیا تھااس کی پہلی کڑی تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۶ کا اعلان باصرہ نواز ہوا۔اس خبر کو پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا کرے کہ یہ جلد سے جلد منظر عام پر آسکے۔اور رفتہ رفتہ اس کی بقیہ جلدیں بھی شائع ہوتی رہیں۔اور ہماری تاریخ کے منتشر اوراق یکجا ہوکر ضائع ہونے سے محفوظ ہوجائیں اور نسل نو کے لئے استفادہ کی راہ آسان ہوجائے۔کیونکہ جوقوم اپنی تاریخ فراموش کردیتی ہے وہ گمراہی کے عمیق غار میں پہنچ جاتی ہے۔

اس اہم جماعتی کام پر آپ اور مرکز تاریخ اہل حدیث سے منسلک تمام احباب مبارکباد کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا فرمائے اوراسے شرف قبولیت سے نوازے۔

جزاکم اللہ واحسن الجزاء

عاشق علی اثری

نئی دہلی

۲۰۱۷/۱۲/۱۷

کلمۂ تبریک

مولانا محمد رحمانی مدنی (صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی)

ممبئی مہاراشٹر کی سرزمین پر دینی خدمات انجام دینے والے فاضل نوجوان اور جماعت اہل حدیث کے کامیاب داعی وخطیب اور کہنہ مشق مدرس برادر گرامی شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی حفظہ اللہ نے جماعت اہل حدیث کی تاریخ مرتب کرنے کا جو جامع منصوبہ ''اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا'' کے نام سے تیار کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، اس پر وہ قابل مبارک باد ہیں۔

اس سلسلہ میں ماضی قریب کے امام المحدثین اور سلفیت کے رمز امام علامہ محمد ناصرالدین البانی رحمہ اللہ کے نام سے منسوب ''علامہ البانی ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ'' دھانو باغ نالاسوپارہ، ممبئی اور اس کی برانچ واقع بڑھنی بازار، سدھارتھ نگر، یوپی کے تحت باقاعدہ ''اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا'' کے علاوہ سالانہ میگزین ''مجلہ تاریخ اہل حدیث'' اور تاریخ اہل حدیث کانفرنس وسیمنار'' کا منصوبہ بھی جماعت اہل حدیث کی خدمات سے ملت اسلامیہ کو روشناس کرانے کے لیے اہم قدم ہے۔

شیخ عبدالحکیم مدنی اس سلسلہ میں اس وجہ سے بھی قابل مبارک باد ہیں کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دینے کے لیے بڑی مستعدی سے اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ ان کے یہاں علاقائیت اور ذات وبرادری کے امتیاز کی عصبیت اور بعض افراد پر کام کرنے اور بعض کو نظرانداز کرنے کا عنصر بالکل نہیں ہے، اس وجہ سے ان کی کاوش کے جامع اور وسیع ہونے کی اُمید ہے، ان شاء اللہ۔ انہوں نے بذاتِ خود یہ اہم ذمہ داری جو اپنے کندھوں پر اُٹھائی ہے یقیناً یہ وقت کا تقاضہ تھا اور جماعت اہل حدیث کی خدمات کے لیے اس طرح کے کام کی کمی ایک عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی۔

میں جماعت کے ذمہ داران، علماء کرام اور اصحابِ خیر حضرات سے اس اہم کام دامے درمے قدمے سخنے تعاون کرنے اور اسے آگے بڑھانے کے وسائل پیدا کرنے کی اپیل کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ یہ کاز ایک کامیاب مشن کی شکل میں آگے بڑھے گا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ گرامی "لا تزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم" صادق آئے گا۔

اللہ رب العالمین برادر گرامی کو اس مشن پر ثابت قدم رکھے اور اسے آگے بڑھانے اور ترقی دینے میں تعاون کرنے والوں کو ثوابِ دارین سے نوازے اور انہیں دنیا وآخرت میں سربلندی عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام

محمد رحمانی مدنی

(صدر) ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی

رشحاتِ تصدیق

عالمی شہرت یافتہ صاحب قلم اور تاریخ نویس

حضرت مولانا عبدالروف ندوی/حفظہ اللہ وتولاہ

مصنف ''کاروان سلف'' ومدیر مجلس التحقیق الاسلامی تلسی پور، بلرام پور، یوپی

زندہ قومیں اپنے اسلاف کی قربانیوں کو یاد رکھتی اور ان سے رہنمائی حاصل کرتی ہیں۔ جو لوگ انہیں بھول جاتے ہیں تاریخ ایسے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتی ہے۔ اپنے اسلام اور ان کی خدمات اور کارناموں کو بھلا دینا احسان فراموشی ہے، اسلاف کی پاکیزہ خدمات اور کارناموں کو یاد رکھ کر اور ان کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل طے کرنا بڑی سعادت اور خوش بختی کی بات ہے۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ جماعت کے تساہل اور غفلت کی وجہ سے سینکڑوں رجال اہل حدیث کی حیات وخدمات پر اتنا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے کہ نئی نسل ان کے کارنامے وخدمات تو کجا ان کے نام سے ناواقف ہے۔ ہمارے یہاں سوانح نگاری کا جذبہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ میرے خیال میں ابھی صرف ۵ فیصد کام ہو پایا ہوگا، ہمارا ماضی جتنا تابناک تھا ان کے تذکروں کے حوالے سے ہمارا رویہ بڑی حد تک مایوس کن ہے۔ دوسری جماعتوں نے اپنے اکابر وشیوخ اور اپنے حاشیہ نشینوں کی بھی تاریخ لکھ ڈالی ہے۔

غیر تو غیر ہمارے بہت سے اہل حدیث اور ان کی نئی نسل اس تاریخی حقیقت سے کہاں تک واقف ہیں؟ کہ برصغیر میں سب سے پہلے انگریزی استعمار کے خلاف مسلح جہاد اہل حدیثوں نے کیا جس کا آغاز انہوں نے ۱۸۲۶ء میں کیا اور ۱۹۴۷ء تک ان کی یہ سرفروشانہ تحریک کسی نہ کسی شکل میں جاری رہی۔

کیا ہم اس تاریخی حقیقت سے واقف ہیں کہ سوا سو سال پہلے شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید نے انگریزوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ انڈمان کے جیل میں مجاہد کبیر مولانا محمد یحییٰ علی صادقپوری رحمہ اللہ نے ۱۸۸۴ء کے وہابی مقدمات میں سزایاب ہو کر کالے پانی بھیجے گئے۔ اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ علمائے صادقپور اور ان کے بال بچوں پر لرزہ خیز مظالم ڈھائے گئے۔ اسی طرح ہمارے بہت سے علمائے اہل حدیث کی قربانیوں وخدمات پر دبیز پردہ پڑا ہے، وقت کا تقاضہ ہے کہ ان کو اجاگر کیا جائے تاکہ موجودہ اور نئی نسل اپنی تابناک تاریخ سے واقف ہو سکے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں سرگرم شخصیات کی حیات اور حالات زندگی پر ہماری نظر ہونی چاہیے تاکہ ان کی خدمات اور کارناموں کو قلمبند کیا جا سکے اور نئی نسل کو ان سے سیکھنے اور ان کی زندگی سے عبرت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا جا سکے۔ اگر ہمارے رفقاء جماعت اس اہم کام کی طرف توجہ فرمائیں تو یہ عظیم ملی اور جماعتی خدمت مکمل ہو سکے گی۔

راقم نے رجال اہل حدیث کی تذکرہ نویسی وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہوئے اللہ کا نام لے کر کاروان سلف کے نام سے شروع کردیا ہے۔ الحمدللہ تین جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں چوتھی جلد بھی عنقریب طبع ہوکر آرہی ہے۔ یہ چاروں جلدیں دو ہزار صفحات کو محیط ہیں اس میں اپنی بساط بھر رجال اہل حدیث کی دعوت وعزیمت، تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف، درس وتدریس، امامت وخطابت اورادبی، صحافی وسیاسی جدوجہد کو تفصیل سے اجاگر کیا ہے۔

ہمیں بڑی مسرت وشادمانی ہے کہ ہمارے عزیز فضیلۃ الشیخ عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی ممبئی رحفظہ اللہ تعالی نے اس کام کی اہمیت کے مدنظر موجودہ اور گذشتہ دور کے علمائے اہل حدیث اوران کے تذکروں کو قلمبند کرنے اوران کی خدمات وقربانیوں کو اجاگر کرنے کا عزم کیا ہے۔ اوران کے مطمح نظر سالنامہ تاریخ اہل حدیث میگزین، تاریخ اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا اوراس طرح کے اہم جماعتی وتاریخی موضوعات ہیں جن پر وہ مسلسل کئی سالوں سے کام کررہے ہیں۔ اوراس کے لئے باضابطہ ایک ادارہ مرکز تاریخ اہل حدیث کے نام سے قائم کیا ہے جوایک اکیڈمی کی شکل میں جماعتی تاریخ کی منظم ترتیب واشاعت پر اپنی بساط بھر سرگرم عمل ہے میں شیخ موصوف کو دلی مبارکباد دیتا ہوں اوردعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس عظیم مقصد میں کامیابی عطا فرمائے اوران کی یہ کوشش ہم سب کے لئے باعث استفادہ ہو۔ آمین۔

والسلام

طالب دعا

عبدالرؤف خاں ندوی

۲۰/جنوری ۲۰۱۸ء

پیغام مبارکبادی

فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

علمائے اہل حدیث کے حالات زندگی ان کی دعوتی واصلاحی اور ہمہ جہت خدمات کوملت اسلامیہ کے سامنے پیش کرنے کی فکر اورکوششیں اعمال مبارک وسعادتمندی کے لائق اور قابل قدروستائش ہیں۔ یہ ہر علاقے ووطن کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضہ ہے جس کا ثبوت بشکل قوم سنت الٰہی سے ہمیں ملتا ہے۔ اس کا تسلسل سے جاری رہنا بھی یقینی ہے، کیونکہ اللہ کی سنتیں اٹل ہیں، (ولن تجد لسنة الله تبديلا) اس لئے اپنے رہنماؤں، علمائے حق جو وارثین انبیاء ہیں ان سے ہر قوم کو آشنا رہنا بھی ہر دور میں ضروری ہے۔ کیونکہ ان کی بصیرت، صبر وعزیمت، حلم وبردباری اور کلمہ حق کی سربلندی کے لئے ہر میدان میں ان کی غیر معمولی قربانیاں ہی مشعل راہ ہیں، بلکہ کاروان دعوت واصلاح اور قائدین ملت کے لئے نوجوان کے تذکروں کو زندہ رکھنا اوران کی نمونہ جاتی زندگی کو سامنے رکھنا بے حد ضروری ہے تاکہ متداد وتسلسل بنا رہے۔ (لاتزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق منصورة لايضرهم من خالفهم حتىٰ ياتي امر الله)۔

اللہ کے فضل وتوفیق سے مختلف ادارے اوراہل علم اس طلب اور تقاضے پر کام کررہے ہیں، اللہ تعالی تمام جہود کومفید بنائے اورشرف قبولیت عطافرمائے۔ آمین

اس عظیم مشن کے لئے جماعت کے غیور اور ممتاز عالم دین شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی حفظہ اللہ نے مرکز تاریخ اہل حدیث انڈیا کے نام سے ایک مستقل ادارہ قائم کیا ہے جس کے تحت تاریخ اہل حدیث ہند کو بڑی تیزی اورقوت سے جمع کیا جارہا ہے۔

یہ ادارہ عنقریب اس پر تاریخی انسائیکلوپیڈیا جماعت وملت کے سامنے پیش کریگا۔ اس کی پہلی کڑی سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۶ء کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔ اس آغاز پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اوردعا گوہوں کہ یارب تو اسے مفید بنا اورقبولت عام عطا فرما اوراس مشن میں ہمیں ہر ممکن معاونت کی توفیق دے۔ آمین ۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

عبدالسلام سلفی

۲۸رفروری ۲۰۱۸ء ممبئی

تاثرات و احساسات

حامداً ومصلیاً أمابعد!

اس بات میں ادنیٰ بھی شک کی گنجائش نہیں کہ برصغیر میں طائفہ منصورہ جماعت اہل حدیث کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی غیر منقسم ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جماعت اہل حدیث کی خدمات کا دائرہ بھی بڑا ہمہ گیر، وسیع اور متنوع ہے، جماعت اہل حدیث کی طویل ترین تاریخ میں کتاب وسنت کے حاملین نے اپنے اپنے طور پر نہایت موثر انداز میں دعوت وتعلیم کے فروغ اور لوگوں کے عقیدہ وعمل کی اصلاح کے ساتھ مختلف دینی علوم وفنون میں بیش بہا کتابیں تصنیف کیں، تعلیم کے مراکز قائم کئے، اسلام خالص کی دعوت کو عام کیا اور کتاب وسنت کی روشنی میں تبلیغ وتزکیہ اور اصلاح وتربیت کا بنیادی کام کیا جس کے نقوش مرور زمانہ کے باوجود آج بھی نہ کہ بہت تابناک ہیں بلکہ ان کے اثرات پورے برصغیر میں واضح طور پر محسوس بھی کئے جارہے ہیں۔

مگر اسے اس طائفۂ منصورہ حقہ کی حرماں نصیبی ہی کہا جائے گا کہ جماعت اہل حدیث کی اس روشن، تابناک اور شاندار تاریخ کی ترتیب وتدوین کا کام منصوبہ بندطریقہ پر اب تک نہ ہوسکا، ماضی قریب کے بعض مخلص علماء کرام نے اپنے اپنے طور پر اس جانب توجہ ضرور مبذول کی اور کچھ حضرات نے بعض رجال حدیث کے سوانحی خاکے مرتب کئے اور بعض نے تاریخ اہل حدیث کے کچھ اہم گوشوں کو اجاگر کیا، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرمائے، آمین، ان علماء کرام میں نواب محمد صدیق حسن خاں بھوپالی رحمہ اللہ کا نام نامی سرفہرست ہے، ان کے بعد کے افاضل علماء میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا ابویحییٰ خاں امام نوشہروی، مولانا نذیر احمد املوی، مولانا احمد بن محمد دہلوی، مولانا محمد اسلم سیف فیروز پوری، مورخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا عبدالحمید رحمانی، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری اور مولانا ابوالمکرم سلفی رحمہم اللہ جیسی نابغہ روزگار شخصیات قابل ذکر ہیں، جنھوں نے تاریخ اہل حدیث کی ترتیب یا تحریک کے حوالے سے قابل قدر علمی خدمات انجام دی ہیں اور جماعت کی تاریخ کے مختلف گوشوں کی تدوین وترتیب میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔

اسی طرح اس تعلق سے علماء موجودین میں مولانا ارشاد الحق اثری اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن پریوائی کا نام بھی اہم ہے جنھوں نے علماء اہل حدیث ہند کی تفسیری اور حدیثی خدمات پر کتابیں تحریر فرماکر تاریخ اہل حدیث ہند کے ایک گوشہ کو اجاگر کیا، ان کے علاوہ متعدد علماء کرام نے سیر وسوانح اور جماعت اہل حدیث کی تعلیمی ودعوتی خدمات پر گراں قدر مواد جمع کر کے انھیں شائع کیا، ان علماء میں میری اپنی معلومات کے مطابق مولانا محمد مستقیم سلفی، مولانا اسعد اعظمی، مولانا عزیز الرحمٰن سلفی، مولانا بدرالزماں نیپالی، مولانا عبدالرؤف ندوی، مولانا خالد صدیقی اور مولانا محمد یونس مدنی بنارسی وغیرہم کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ (اوپر ذکر گئے اسماء گرامی بہ طور مثال ہیں حصر کے لئے نہیں کہ یہ فہرست طویل ہے)

جماعت کے تعلیمی اداروں میں مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس کو یہ شرف حاصل ہے کہ ۱۹۸۰ء میں ''مؤتمر الدعوۃ والتعلیم'' کے انعقاد کی مناسبت سے استاد محترم ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ کی تخطیط کے مطابق آپ کی رہنمائی میں جامعہ سلفیہ کے بعض مؤقر اساتذۂ کرام کی محنتوں سے جماعت اہل حدیث کی تصنیفی اور تدریسی خدمات کے تعلق سے قابل قدر کام ہوا، تدریسی خدمات کا مجموعہ استاد محترم مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ اور استاد مکرم مولانا عزیز الرحمٰن سلفی

حفظہ اللہ کی نگرانی میں ترتیب دیا گیا ہے جب کہ تصنیفی خدمات کا ضخیم اور وقیع مجموعہ استاد مکرم مولانا محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ کی شب وروز کی کاوشوں کا رہین منت ہے، تصنیفی خدمات کے اس مجموعہ کی اشاعت اول کے بعد استاد محترم ڈاکٹر ازہری رحمہ اللہ کی ہدایت کے مطابق مرتب مجموعہ مولانا محمد مستقیم سلفی رحفظہ اللہ مسلسل اس سلسلہ میں اضافہ کرتے رہے ہیں، تاریخ اہل حدیث کے تعلق سے یہ نہایت اہم کام انجام پذیر ہوا ہے۔

اسی طرح اس کانفرنس کے موقعہ پر استاد مکرم مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے تاریخ اہل حدیث اور علماء اہل حدیث کی خدمات کے حوالہ سے ایک نمائش کا بھی اہتمام کیا تھا، جس کی تفصیلات قدرے اختصار کے ساتھ مجلة الجامعة السلفية اور ماہنامہ محدث میں عربی اور اردو میں دونوں مجلّات کی خصوصی اشاعتوں ''مؤتمر الدعوۃ والتعلیم نمبر'' میں شائع ہوئی تھیں، یہ بھی اس تعلق سے نہایت وقیع اور گراں قدر خدمت ہے۔

ادھر گذشتہ پندرہ بیس برسوں سے برمنگھم برطانیہ میں مقیم ایک محترم بزرگ اور تاریخ اہل حدیث سے جنون کی حد تک محبت کرنے والے، دھن کے پکے فاضل اور جماعت کے قلم کار عالی جناب ڈاکٹر بہاء الدین صاحب رحفظہ اللہ نے تاریخ ختم نبوت کے عنوان سے تاریخ اہل حدیث کی ترتیب وتدوین کا کام شروع کیا اور اللہ کے خصوصی فضل وکرم اور مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری حفظہ اللہ جیسے مخلص معاونین کے تعاون سے دس ہزار سے زائد صفحات پر تاریخ اہل حدیث کی تدوین کا کام انجام دے ڈالا، ڈاکٹر بہاء الدین کا یہ گراں قدر کام بلاشبہ کسی کرامت سے کم نہیں کہ برصغیر سے دور دیار غیر میں بیٹھ کر انھوں نے کس طرح تاریخ اہل حدیث کے بکھرے اور منتشر اوراق کو یکجا فرمایا اور انھیں نہایت سلیقہ سے سجا کر کے ان کی اشاعت کا اہتمام کیا، ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، میرے اپنے علم کی حد تک یہ تاریخ اہل حدیث پر اب تک کا سب سے منظم اور مفصل کام ہے، اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو صحت وعافیت کے ساتھ اس عظیم خدمت کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ان سب کے باوجود ابھی تاریخ اہل حدیث کے مختلف گوشوں پر کام کرنے کی ضرورت باقی ہے، بالخصوص گمنام علماء کرام کے حالات اور ان کی خدمات، جماعت کی تاریخی بستیوں اور مراکز تعلیم ودعوت کی خاموش خدمات کو اجاگر کرنے اور انھیں اگلی نسلوں کے لئے محفوظ کرنے کی شدید ضرورت ہے جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے اور لوگ ان سے کما حقہ واقف نہیں ہیں، اسی طرح موجودہ وقت کے علماء، دعاۃ، مدرسین، مصنفین، مناظرین اور جماعت کے پروفیسر، ڈاکٹر، انجینئر اور حکومت ہند کے مختلف اداروں اور شعبوں میں مخلصانہ خدمات انجام دینے والے ایسے آفیسرز اور مخیّر حضرات جو کسی نہ کسی طور پر جماعت سے بھی جڑے ہیں اور اپنے مخصوص انداز میں توحید اور اتباع سنت کی دعوت عام کرنے میں اپنا کردار نبھا رہے ہیں' ان کا تذکرہ بھی محفوظ ہونا ضروری ہے، کہ ان کے گراں قدر مادی، علمی اور اخلاقی تعاون اور سرپرستی کا جماعتی خدمات میں اہم رول ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ میرے تلمیذ رشید اور فاضل عزیز شیخ رعبدالحکیم عبدالمعبود مدنی حفظہ اللہ استاد حدیث جامعہ رحمانیہ کاندے ولی، ممبئی کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ اہل حدیث ہند کی ترتیب کی توفیق بخشی، اور انھوں نے اتنے بڑے عظیم الشان علمی کام کا بیڑہ تنہا اپنے کندھوں پر اٹھا کر اپنے عزم راسخ کا ثبوت دیا، پورے ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کی تاریخ کی ترتیب اور جماعت کی متنوع خدمات کا تذکرہ آسان اور تنہا کسی ایک شخص کا کام نہیں، اس عظیم اور ہمہ جہت علمی کام کے تصور ہی سے عام شخص گھبرا اٹھتا ہے، لیکن قربان جائیے مولانا عبدالحکیم مدنی کے عزم راسخ پر کہ موصوف نے اللہ پر بھروسہ کرنے کے بعد اپنے اساتذہ، احباب اور ملک کے دیگر افاضل علماء کرام اور اپنے تلامذہ کے تعاون پر اعتماد کرتے ہوئے اس کام کی باقاعدہ تخطیط کی اور **''مرکز تاریخ اہل حدیث''** قائم کر کے عملی اقدام کیا، اور اپنی تدریسی اور دعوتی مصروفیات کے باوجود مختلف علاقوں میں خود جا کر اور جہاں خود نہ پہونچ سکے وہاں کے اہل علم سے رابطہ کر کے اس کام کو آگے بڑھایا، اور معلومات کی فراہمی کے لئے کچھ فارم تیار کر کے اسے سوشل میڈیا کے ذریعہ عام کیا، اور اس طرح تاریخ اہل حدیث ہند کے تعلق سے بہت قیمتی اور نادر معلومات جمع کرنے میں وہ کامیاب بھی ہو گئے، اور آگے منصوبہ بند طور پر کام جاری ہے، **''مرکز تاریخ اہل حدیث''** کا صدر دفتر ممبئی ہے جہاں مولانا عبدالحکیم کا قیام ہے جب کہ اس کی برانچ آفس انھوں نے اپنے آبائی وطن ملگھیا سے متصل بڑھنی بازار ضلع سدھارتھ نگر (یوپی) میں قائم کر رکھا ہے تا کہ کام تسلسل اور تیزی کے ساتھ جاری رہے۔

تاریخ اہل حدیث پر مرتب زیر نظر سالنامہ دراصل مجوزہ تاریخ اہل حدیث کا پہلا حصہ ہے جو سات ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب کے تحت فاضل مرتب نے اپنا اداریہ، مرکز تاریخ اہل حدیث کا جامع تعارف اور کچھ علماء کرام کے تاثراتی پیغامات کو شامل اشاعت کیا ہے، دوسرے باب کے تحت اہل حدیث، تاریخ اہل حدیث اور جماعت کے بعض تعلیمی و دعوتی مراکز کے تعارف وغیرہ پر مشتمل مستند اہل علم کی تحریریں جمع کی گئی ہیں، باب سوم میں بعنوان: ''یادرفتگاں'' ۱۹۱۵ء تک وفات پاچکے سترہ (۱۷) علماء کرام کی سوانح حیات اوران کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے، باب چہارم ۲۰۱۶ء میں وفات پانے والے علماء کرام کے ذکر جمیل کے لئے مختص ہے اوراس کے تحت سولہ (۱۶) علماء کرام کی سوانح حیات اوران کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے، باب پنجم میں ۲۰۱۶ء میں وفات پانے والے بعض ایسے اعیان جماعت کی وفات پر لکھی گئی تعزیتی تحریریں شامل ہیں جو باضابطہ عالم تو نہ تھے مگر جمعیت و جماعت اوراس کے کاز سے گہری دلچسپی اوروابستگی کے سبب انھوں نے اپنے طور قابل قدر خدمات انجام دیں، باب ششم میں پانچ (۵) اکابر علماء موجودین حفظہم اللہ کی خودنوشت سوانح حیات شامل ہے جو اپنی جگہ نہایت اہمیت کی حامل ہے، جب کہ آخری اور ساتویں باب میں متفرقات کے عنوان سے فاضل مرتب نے تین گراں قدر مضامین تاریخ اہل حدیث کے تعلق سے شامل کئے ہیں۔

اس طرح مرکز تاریخ اہل حدیث کا یہ پہلا سالنامہ اپنے موضوع کے مختلف گوشوں کو سمیٹے ہوئے ایک علمی مرقع اور حسین گلدستہ کی شکل میں منظر عام پر آرہا ہے، میں اس عظیم الشان خدمت پر اپنے تلمیذ رشید شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں مزید علمی، تدریسی، دعوتی، تحقیقی اور جماعتی خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اورانھوں نے تاریخ اہل حدیث کی ترتیب وتدوین کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم.

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ



عبدالمنان عبدالحنان سلفی

ناظم اعلیٰ ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر

ونائب ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی

{مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝٢٣}

مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اسے سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض موقعہ کے منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ (الاحزاب: ۲۳)

باب دوم

بحوث ومقالات

حدیث اور اہل حدیث

مولانا عبدالخالق محمد صادق (کویت)

علم حدیث وہ مبارک ومہتم بالشان اور رفیع القدر علم ہے جو کہ فجر اسلام ہی سے حاملین کتاب وسنت اور ورثائے علوم نبوت کی خصوصی توجہ اور عنایت کا مرکز رہا ہے۔اس لئے یہ دین اسلام کا بنیادی ماخذ اور سر چشمۂ وحی الٰہی ہے اور اس کا اطلاق قرآن اور حدیث دونوں پر ہوتا ہے کیوں کہ دونوں من جانب اللہ اور باہم لازم وملزوم ہیں، اور ان کی حجیت یکساں طور پر مسلمہ ہے۔اللہ تعالی نے اہل جہاں کی رشد وہدایت کے لئے جس طرح ایک جامع، عالمگیر اور کامل واکمل دستور حیات (قرآن کریم) نازل کیا ہے، اسی طرح اس کی تفسیر وبیان کو بھی ''حدیث مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم'' کی صورت میں نازل فرمایا ہے۔ارشاد باری ہے:

{إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ} (القیامۃ: ۱۷۔۱۹)

"ثم ان علینا بیانه" (پھر اس کا بیان وتفسیر بھی ہمارے ذمے ہے) سے اظہر من الشمس ہے کہ قرآن کا بیان اس کے علاوہ ہے اور دونوں ہی من جانب اللہ ہیں۔اور سورۂ ہود میں ارشاد ہے:

{الَر كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ} (ہود: ۱)

(یہ کتاب جس کی آیات محکم بنائی گئی ہیں اور پھر حکیم وخبیر (اللہ تعالی) کی طرف سے ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"الا انی اوتیت الکتاب ومثله معه" (ابوداؤد حدیث نمبر: ۴۶۰۴)

(خبردار! مجھے قرآنِ کریم کے ساتھ اس کی مثل (حدیث) بھی عطا کی گئی ہے۔)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاداتِ نبویہ اور احکام واعمال مصطفویہ کو واجب القبول اور واجب الاتباع قرار دیا اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اطاعت گردانا ہے۔ارشاد باری ہے:

{مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ} (النساء: ۸۰)

(اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والا گویا کہ اللہ کا مطیع ہے۔)

چنانچہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فکانت السنة بمنزلة التفسیر والشرح لمعانی احکام الکتاب" (الموافقات: ۱۰/۴)

(یعنی حدیث پاک قرآنی احکام کی شرح وتفسیر ہے۔)

علامہ سمعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اعلم وفقك الله! ان علم الحديث أشرف العلوم بعد العلم بكتاب الله سبحانه وتعالى. اذالاحكام مبنية عليهما ومستنبطة منهما، والله سبحانه وتعالىٰ شرّف نبينا (صلى الله عليه وسلم) حيث قال {وما ينطِقُ عَنِ الهَوٰى۔ ان هُوَ الا وحی یوحٰی}" (الانتصار لأهل الحديث، ص:۵۶)

یعنی کتاب اللہ کے بعد اشرف ترین علم اس کی تفسیر و بیان ''حدیث'' کا علم ہے۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) بر جاں مسلم داشتن

وحی الٰہی کی بکمالہ حفاظت وصیانت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ} (الحجر:۹)

(بلا شبہ، ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

آیت کریمہ میں لفظ ''الذکر'' سے قرآنِ کریم اور حدیث مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دونوں مراد ہیں۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ مبنی برحق ہے۔ لہٰذا وحی الٰہی بکمالہ محفوظ و مامون ہے، جس طرح قرآنِ کریم محفوظ ہے، اسی طرح اس کی تفسیر و بیان (حدیث) بھی محفوظ ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت چوں کہ قیامت تک آنے والوں کے لئے ہے جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ دین اسلام قیامت تک محفوظ ہو۔ لہٰذا یہ ہر دور میں اپنی اصلی و حقیقی شکل میں محفوظ رہا ہے اور محفوظ رہے گا۔ ان شاء اللہ

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ہر دور میں بعض نظریات اور مقاصد کی حامل تحریکات کی طرف سے دین اسلام کی اصلی و حقیقی صورت کو مسخ کرنے اور اسکے حسن کو گہنانے اور اسلامی تعلیمات کا حلیہ بگاڑنے اور اپنے مذموم مقاصد اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے تاویلاتِ باطلہ کے ذریعہ سے اس کی غلط تشریح کرنے اور من گھڑت اور موضوع روایات کے ذریعہ احادیث صحیحہ سے لوگوں کو دور رکھنے کی سازشیں ہوتی رہی ہیں لیکن تمام تر سازشیں اور کوششیں آفتاب پر تھوکنے کے مترادف ثابت ہوئیں۔ ایسے عناصر ہر دور میں رسوا ہوئے اس لئے کہ ؎

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اور چشم کائنات نے دیکھا کہ نور اسلام کو بجھانے اور دین حق کو دبانے کے لئے جس قدر سازشیں ہوئیں یہ اسی قدر نکھرا، چمکا اور ابھرا۔ کیوں کہ اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک رکھی ہے کہ یہ اتنا ہی زیادہ ابھرے گا جتنا کہ اسے دبایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت اور انبیاء کی میراث کے تحفظ کے لئے جن خدام کتاب وسنت کا انتخاب فرمایا انہوں نے اس منصب جلیل کو اپنی سعادت مندی اور بلندی اقبالی خیال کرتے ہوئے اس کارِ خیر کے لئے اپنا قیمتی سرمایۂ حیات وفورِ شوق سے لٹایا

اور علوم نبوت کی خدمت کو اپنے لئے ایک اعزاز اور قابل صد افتخار اور باعثِ عزت وشرف گردانا۔ اس طائفہ مبارکہ کو ''اہل حدیث'' ''محدثین'' اور ''طائفہ منصورہ'' جیسے مبارک القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور دربارِ رسالت مآب سے انہی شیدایان قرآن وحدیث کو ''ورثۃ الانبیاء'' کا قابل فخر لقب عطا ہوا ہے، اور یہی وہ قابل رشک لوگ ہیں جنہیں زبان نبوت سے یہ دعا ملی ہے:

"نضّر الله امرأ سمع مِنا حديثاً فبلغه فرُبَّ مُبلّغ أحفظ من سامِع" (ابن ماجہ: ۱/۸۵)

(اللہ تعالی اس کے چہرے کو پر رونق اور شاداب کرے جو ہماری حدیث کو سن کر اسے آگے پہنچاتا ہے۔ بعض اوقات کسی سے سننے والا سنانے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

علامہ نسوی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

أهل الحديث هم أهل النبی وان
لم يصحبُوا نفسه انفا سه صحبوا

(اہل حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں، (ان میں سے) جن کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر نہ آسکی تو اسے آپ کی مبارک سانسوں (حدیث پاک) سے تو شرف صحبت حاصل ہے۔)

ہمہ وقت قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کرنا اور ہر حدیث کی روایت اور تعلیم وتدریس کے دوران بکثرت درود شریف پڑھنا انہی کے حصے میں آیا۔ عبدالسلام بن یزید الاشبیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَكُل حديثي تأزَّرَ بالتُقى
فذاكَ امرؤُ عندَ الله سعيد
ولو لَمْ يقم اهلُ الحديثِ بديننا
فمن كان يروی عِلمه ويُفيد؟
هُم وَرِثُوا علم النبوةِ و احقووا
من الفضلِ ما عنه الأنامُ رُقُود
وهم كمصابيح الدُجی يُهتدیٰ بهم
وما لهم بعدَ المماتِ خُمود

اہل حدیث یا محدثین:

محدثین کرام کے نزدیک حدیث اور سنت دو مترادف اصطلاحات ہیں اور اس سے مراد ہے۔

"ما اضیف الی النبی ﷺ من قول اوفعل اوتقریر او وصف خلقی اور خُلقی"

یعنی "حدیث یا سنت سے مراد وہ قول یا فعل یا تقریر یا جسمانی سراپا یا عادات واخلاق ہیں جن کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف ہو"۔

اور اہل حدیث اور محدثین سے مراد وہ سعادت مند گروہ ہے جو عملاً ونقلاً حدیث مصطفی ﷺ کی حفاظت کرتے ہیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"ونحن لا نعني بأهل الحديث المقتصرين على سماعه أو كتابته أو روايته، بل نعني بهم كل من كان احق بحفظه ومعرفته وفهمه ظاهراً وباطناً واتباعه باطناً وظاهراً"۔ (مجموع فتاوی: ۹۵/۴)

(ہم اہل حدیث سے مراد صرف وہ لوگ ہی نہیں لیتے جو احادیث کا سماع کرتے، اسے لکھتے اور روایت کرتے ہیں بلکہ ہمارے نزدیک وہ تمام لوگ اہل حدیث ہیں جو احادیث کو یاد کرتے، ان کے معانی ومطالب سیکھتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔)

علامہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وأهل الحديث: هم الذين التمسوا الحق من وجهته وتتّبعوه من مظانه، وتقربوا من الله تعالىٰ باتباعهم سنن رسول الله صلى الله عليه وسلم وطلبهم لآثاره براوبحراً وشرقاً وغرباً"۔ (تاويل مختلف الحديث، ص:۸۰)

(اہل حدیث وہ لوگ ہیں جو حق کو اس کے اصل مصدر سے تلاش کرتے اور رسول اکرم ﷺ کی احادیث اور آپ ﷺ کی سنن کو اپنا کر اور بحر وبر اور مشرق ومغرب سے آپ کی سنت اور حدیث کو تلاش کرنے کی جدوجہد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔

عقیدہ اصفہانیہ میں ہے:

"وأهل الحديث هم المتبعون لصحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم فهم أهل الآثار النبوية وهم أهل الحديث والسنة العاملون بطريقهم (الصحابة رضى الله عهنم) وهم اهل العلم بالكتاب والسنة فى كل عصر ومصر وهم افضل الخلق من الاولين والآخرين"(العقيدة الاصفهانيه: ۱۵۶/۱)

(اہل حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے والے اور نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ کی حفاظت کرنے والے، اور ہر دور میں اور ہر مقام پر کتاب وسنت کا علم رکھنے والے ہیں۔ یہ کائنات کے بہترین لوگ ہیں۔)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"وأهل الحديث هم الفرقة الناجية فمن لم ينج باتباع الحديث فبما ينجو؟ احق الناس بأن تكون هى الفرقة الناجية اهل الحديث والسنة الذين ليس لهم متبوع يتعصبون له الا رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔ (مجموع الفتاوىٰ: ۳۴۷/۳)

(اہل حدیث ہی فرقہ ناجیہ ہیں، کیوں کہ اگر کوئی حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہو کر نجات حاصل نہیں کر سکتا تو پھر کس چیز کے ذریعہ سے نجات حاصل کرے گا؟ لہٰذا فرقہ ناجیہ ہونے کے سب سے زیادہ حق دار اہل حدیث ہیں کہ جن کے امام و مطاع، جن کی اتباع پر وہ مر مٹنے کے لئے تیار ہوتے ہیں وہ صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔)

مذکورہ اقوال کی روشنی میں بالکل واضح ہے کہ ہر دور میں علمائے امت کے نزدیک ''اہل حدیث'' یا ''محدثین'' ان لوگوں کو کہا جاتا رہا ہے جو کہ حدیث مصطفی کو پڑھتے، پڑھاتے، روایت کرتے، ان کی تحقیق کر کے صحیح وضعیف کو الگ الگ کرتے اور احادیث صحیحہ کے مطابق عمل کرتے ہیں، اور ہر دور میں "اطیعو اللہ واطیعوا الرسول" ان کا شعار اور طرۂ امتیاز رہا ہے۔

کسی کا ہو رہے کوئی
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہو رہیں گے ہم

اہل حدیث کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ حدیث پاک کی ہے۔ مدرسہ نبویہ (اصحابہ صفہ رضی اللہ عنہم) سے لے کر ہر دور میں خدام قرآن وحدیث موجود رہے ہیں کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

"یحمل ھٰذا العلم من کل خلفٍ عدولہ۔" (السلسلة الصحیحة: ۱/۵۴۵)

(یعنی قابل اعتماد اور ثقہ لوگ اس عمل کو پڑھتے اور پڑھاتے اور آگے پہنچاتے رہیں گے۔)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لا تزال طائفة من أمتی علی الحق ظاھرین لا یضرھم من یخذلھم حتی یأتی امر اللہ۔"

(ترمذی حدیث نمبر۔ ۲۱۵۵)

(میری امت میں سے ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا، ان کو پریشان کرنے والے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ علی ابن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ھم أھل الحدیث'' یہ گروہ (اہل حدیث کا ہے۔)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''اہل حدیث ہی طائفہ منصورہ ہے۔ اگر حدیث پر عمل کرنے والے طائفہ منصورہ نہیں تو اور کون ہوں گے؟ اور پھر امام احمد رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے طائفہ منصورہ کے بارے میں فرمایا:

"ان لم یکن ھم اصحاب الحدیث فما أدری من ھم؟" (فتح الباری: ۱/۸۵)

(اگر یہ لوگ اہل حدیث نہیں تو پھر مجھے نہیں معلوم اہل حدیث کون ہیں؟)

علوم نبوت کے وارث محدثین حضرات نے چمنستانِ حدیث کی رونق بحال رکھنے اور علم حدیث کی شمع کو فروزاں کرنے کے لئے اس دور میں جب وسائل کی کمی تھی اور سہولیات ناپید تھیں علم دین کے حصول کے لئے ہزاروں میل کی مسافتیں طے کیں، انہوں نے لق ودق صحرا، خاردار جنگل اور فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کیا۔ اگر ان کو معلوم ہوا کہ سمندر پار کسی کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان موجود ہے تو وہ سمندر کا سینہ چیر کر وہاں تک جا پہنچے اور سند عالی کے حصول کے لئے لمبی لمبی مسافتیں طے کیں، کتب سیر ورجال ان قابل

رشک لوگوں کے تذکار جمیل اور حسین کارناموں سے بھری ہوئی ہیں۔ان کا امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے کہ انہوں نے صحیح دین امت تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور دنیا کے عیش و آرام کو تج کر جہاں ہزاروں لوگوں کے لئے صراطِ مستقیم کو واضح کیا اور دنیا میں نسبت حدیث کے شرف عالی سے متعارف ہوئے وہاں اُخروی سعادتوں سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ہم تحدیث نعمت کے طور پر کہتے ہیں کہ ہمیں ان کی طرف نسبت پر فخر ہے ؎

اولئك آبائي فجئني بمثلهم

اذا جمعتنا يا جرير المجامع

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے اس امت کو ''سند'' جیسی امتیازی خوبی سے نوازا ہے تاکہ صدق و کذب اور حق و باطل میں تمیز ہو سکے۔''سند'' متن کو بیان کرنے والے سلسلۂ رجال کو کہا جاتا ہے۔محدثین کرام ؒ نے قرآنی اصول کو مدنظر رکھا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ (الحجرات:٦)

(اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی مجہول العدالت شخص خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چوں کہ بالاتفاق عدول وثقات ہیں اور وحی الٰہی کے اولین شاہد اور روایت حدیث میں حد درجہ محتاط تھے اس لئے ان سے بلا تردد روایات لی جاتی تھیں کیوں کہ انہوں نے براہ راست وہ روایات رسولِ اکرم ﷺ سے سنیں اور باہتمام ان کو حفظ کیا اور کمال احتیاط اور دیانت و امانت سے آگے پہنچایا۔چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم تقریباً ساٹھ آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے اور آپ ﷺ ہمیں احادیث سکھاتے، پھر جب آپ تشریف لے جایا کرتے تو ہم آپس میں مذاکرہ کیا کرتے تھے اور جب ہم فارغ ہوتے تو وہ احادیث مبارکہ ہمارے دلوں پر نقش ہو چکی ہوتی تھیں۔'' (الفقيه المتفقه)

جب سلسلۂ روایت حدیث صحابہ کرام ؓ سے آگے بڑھا تو ساتھ ہی روایت حدیث کے بارے میں تحقیق اور چھان بین شروع ہو گئی: چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"انا كنا مرة اذا سمعنا رجلا يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أبتدرته أبصارنا، وأصغينا اليه بآذاننا، فلما ركب الناس الصعب والذلول لم ناخذ من الناس الا ما نعرف۔"

(مقدمه صحيح مسلم)

(امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ (م ١١٠ھ) فرماتے ہیں:

"الاسسناد من الدين ولولا الاسناد لقال من شآء ما شآء۔"

(اسناد دین کا حصہ ہے اور اگر سند کا اہتمام نہ ہو تو جس کے جی میں جو آتا کہتا پھرتا۔)

تحقیق سند اور صحت روایت کا اہتمام کرنے کی غرض سے محدثین کرام نے جس قدر محنت اور کاوش کی آج اسماء الرجال اور جرح

وتعدیل کی کتابیں اس کی شاہد عدل ہیں۔اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر اسپرنگر لکھتا ہے:۔

''صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات وواقعات جمع اور فراہم کرنے کے لئے مسلمان مصنفین اور محققین نے پانچ لاکھ آدمیوں کے سوانحی حالات وواقعات مرتب اور مدوّن کئے۔'' (اسلامی انسائیکلو پیڈیا،ص:۲۱۱)

اسی لئے جب حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے موضوع روایات کے خطرات اور اثرات بد کے خدشات کا ذکر کیا گیا توانہوں نے فرمایا تھا"تعیش لها الجهابذة" کہ ماہرین علوم حدیث اس کا سدباب کرلیں گے۔

یہ خدمت علوم نبوت کے سلسلے میں وہ سعی مشکور اور عظیم کاوش ہے جس کے بارے میں امام حاکم فرماتے ہیں:

"لولا الاسناد وطلب هذه الطائفة (اهل حديث) له و كثرة مواظبتهم على حفظه لدرس منار الاسلام۔" (معرفة علوم الحديث،ص:٦) (اگر سند نہ ہوتی اور اہل حدیث اس کا خصوصی اور باقاعدہ اہتمام نہ کرتے تو آج دین اسلام کا حلیہ بگڑ چکا ہوتا۔)

اور بقول مولانا الطاف حسین حالیؒ۔

گروہ ایک جو یا تھا علم نبی کا
لگایا پتا جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا
کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح وتعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسون

اگر صحیح حدیث کی تعریف پر ہی غور کرلیا جائے تو ان نابغۂ روزگار اور عبقری شخصیات کے ذہن رسا اور بالغ نظری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے صدیوں پہلے صحتِ روایات کے لئے جو معیار مقرر کیا تھا آج تک کوئی شخص کسی بات کو پرکھنے کے لئے اس سے بہتر معیار اور پیمانہ پیش نہیں کرسکا۔انہوں نے صحیح حدیث کے لئے پانچ شرطیں مقرر کیں کہ صحیح حدیث وہ ہے:

"ما اتصل سنده بنقل العدل الضابط عن مثله الى منتهاه غير معلل ولا شاذ"

یعنی''(۱) اتصال سند (۲) عدالت (۳) ضبط تام (۴) عدم علت (۵) عدم شذوذ۔''

اس سے بڑھ کر سخت اور کڑا معیار کیا ہوسکتا ہے؟ اس لئے جہاں وہ روایت حدیث کی برکات اور اجر وثواب کو جانتے تھے وہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار" بھی ان کے پیش نگاہ تھا۔اس لئے انہوں نے حدیث پاک کے تحمل وادا میں انتہائی احتیاط سے کام کیا اور اس ذمہ داری کو بڑی جاں فشانی سے نبھایا۔

آج ہمارے پاس تلقی بالقبول کا شرف حاصل کرنے اور علمائے امت سے أصح الكتب بعد كتاب الله کا خطاب پانے

والی صحیح بخاری، اور امام مسلم کی صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح موجود ہیں۔ یہ انہی نفوسِ قدسیہ کی محنت وکاوش کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔ جزاھم اللہ عنا وعن الاسلام خیر الجزاء۔

علمائے برصغیر پاک وہند کی خدمات حدیث:

برصغیر پاک وہند کے علمائے اہل حدیث نے علوم نبوت کی ترویج واشاعت اور حفظ وصیانت کے لئے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ باوجود حجاز مقدس سے علاقائی بعد اور لسانی تفاوت کے اور باوجود نامساعد حالات اور تقلید جامد میں جکڑے ہوئے ماحول کے انہوں نے دیار ہند میں علومِ نبوت کی شمع کو فروزاں کرنے کے لئے تن، من، دھن قربان کر دیا اور مسند علم وفضل اور دعوت وعزیمت کے مقام پر آفتاب بن کر چمکے جس کی ضیاباری سے ایک عالم مستفیض ومستفید ہوا۔ اس حقیقت کا اعتراف عرب علمانے بھی کھلے دل سے کیا۔ چناں چہ علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں:

"ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث فى هذا العصر لقضى عليها بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فى مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف فى آوائل هذا القرن الرابع عشر۔" (مقدمه مفتاح كنوز السنة)

(اگر ہمارے برادران علماء اہل حدیث ہند کی توجہ علومِ حدیث کی جانب نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے علم حدیث اٹھ چکا ہوتا جیسا کہ دسویں صدی ہجری ہی سے ملک مصر، شام، عراق اور حجاز سے علوم حدیث کا سلسلہ کمزور پڑنا شروع ہوا، یہاں تک کہ چودھویں صدی میں اس کی کمزوری انتہا کو پہنچ گئی۔)

علامہ عبدالعزیز خولی فرماتے ہی: ''عصر حاضر میں ہمارے برادر ہندوستانی علمائے حدیث نے جس قدر علوم حدیث کا اہتمام کیا ہے باقی اسلامی ممالک میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان میں حفاظ حدیث بھی ہیں اور اس کی تدریس کا وہی طرز موجود ہے جو تیسری صدی میں اسلاف کا طرز تدریس تھا یعنی آزادئ فکر، تحقیق سند کا اہتمام اور اسی طرح عمدہ وقیمتی کتب کی طباعت وغیرہ۔''

(مقدمہ مرعاۃ المفاتیح، ص: ۴)

آج بھی طرزِ سلف صالحین پر قائم اہل حدیث مدارس اور ان میں محدثانہ طرز پر علوم نبوت کی تعلیم وتدریس اہل حدیث کے اہتمام میں علوم الوحی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ (ماخوذ از مقدمہ دبستان حدیث، ص ۹ محمد اسحاق بھٹی)

❑❑❑

اہل حدیث اوران کا شرف وامتیاز

حافظ صلاح الدین یوسف

برصغیر پاک وہند میں تحریک عمل بالحدیث کا آغاز کب اور کس طرح ہوا؟ یہ تو خاصا لمبا موضوع ہے۔ تاہم اسے زیادہ فروغ تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں ملا، جس میں امیر الملک نواب صدیق حسن خاں، شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہم کی مساعی حسنہ کا حصہ بہت زیادہ ہے۔ نواب صاحب نے عربی، اردو اور فارسی تینوں زبانوں میں تقریباً ہر موضوع پر کتابیں تحریر فرمائیں اور متعدد اہم کتابیں (فتح الباری وغیرہ) اپنے خرچ پر طبع کرا کے تقسیم بھی کیں، یوں وہ مجدّ دالعلوم کے مصداق ٹھہرے۔ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی نے نصف صدی سے زیادہ عرصے تک مسند حدیث بچھائے رکھی جس سے عرب وعجم کے ہزاروں افراد نے کسب فیض کیا اور پھر انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں قرآن وحدیث کا چشمہ صافی جاری کیا۔ یوں حضرت ممدوح کی تدریس حدیث اوران کے فیض یافتگان کی مساعی سے تقلید وجمود کے بندھن ٹوٹے اور رسم ورواج کی زنجیریں ڈھیلی ہوئیں۔ مولانا بٹالویؒ نے ''اشاعة السنة'' کے ذریعے سے اہل حدیث صحافت کا آغاز کیا۔ ان کے خاراشگاف قلم نے ایک طرف نیچریت اور مرزائیت پر خوب خوب ضربیں لگائیں تو دوسری طرف مقلدین جامدین سے بھرپور ٹکر لی۔ اس سے بھی سلفی تحریک کو بڑی تقویت ملی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے بہ یک وقت کئی محاذوں پر چومکھی جنگ لڑی۔ وعظ وتبلیغ، تصنیف وتالیف، ہفتہ واری صحافت اور مناظرہ ومباحثہ ہر ہر میدان میں خوب خوب کام کیا۔ یوں فرق ضالہ کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ ان سب حضرات کی مختلف النوع خدمات اور سرگرمیوں سے سلفی فکر کو فروغ ملا۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ

اوران سے پہلے شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کی تحریک جہاد نے بھی اس میدان میں خوب کام کیا، جس سے بدعات کا زور ٹوٹا، بہت سی رسوم کا خاتمہ ہوا اور عمل بالحدیث کا جذبہ لوگوں میں عام ہوا۔ اور جہاد کا وہ سبق بھی امت نے دوبارہ پڑھا جسے اسی طرح فراموش کردیا گیا تھا، جیسے فقہ کے مقابلے میں حدیث کو متروکات سخن میں شمار کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ وقت کے ایک عظیم محقق اور مشہور سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندویؒ اس سلفی تحریک اوراس کے اثرات ونتائج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانے سے آج تک ہمارے دور ادبار کی ساکن سطح میں اس سے جو جنبش ہوئی، وہ بھی ہمارے لئے بجائے خود مفید اور لائق شکریہ ہے۔ بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا، توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن پاک کی تعلیم وتفہیم کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتدریس اور تالیف واشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ

دولت نصیب ہوئی۔ نیز فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی (یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں) لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی کا جو جذبہ کم ہو گیا تھا وہ سالہا سال تک کے لئے دوبارہ پیدا ہو گیا۔ مگر افسوس ہے کہ اب وہ بھی جا رہا ہے۔ اس تحریک کی ہمہ گیر تاثیر یہ بھی تھی کہ وہ ''جہاد'' جس کی آگ اسلام کے مجمر میں ٹھنڈی پڑ گئی تھی وہ پھر بھڑک اٹھی، یہاں تک کہ ایک زمانہ گزرا کہ وہابی اور باغی مترادف لفظ سمجھے گئے اور کتنوں کے سر قلم ہو گئے، کتنوں کو سولیوں پر لٹکنا پڑا اور کتنے یا بجولاں دریائے شور عبور کر دیے گئے یا تنگ کوٹھریوں میں انہیں بند ہونا پڑا۔

اس تحریک کی بنیاد تین چیزوں پر تھی: (۱) نصب امارت۔ (۲) زکوٰۃ کی مرکزیت۔

(۳) اسلام سے تمام بیرونی اثرات کو مٹا کر اس کو پھر اپنی اصلی حالت پر لوٹانا۔

علمائے اہل حدیث کی تدریسی و تصنیفی خدمت بھی قدر کے قابل ہے۔ پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خان مرحوم کے قلم اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلویؒ کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا۔ بھوپال ایک زمانے تک علمائے حدیث کا مرکز رہا۔ قنوج، سہسوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل قلم اس ادارے میں کام کر رہے تھے، شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے اور دہلی میں مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کی مسند درس بچھی تھی اور جوق در جوق طالبین حدیث مشرق و مغرب سے ان کی درس گاہ کا رخ کر رہے تھے۔ ان کی درس گاہ سے جو نامور اٹھے ان میں سے ایک مولانا ابراہیم صاحب آروی تھے جنہوں نے سب سے پہلے عربی تعلیم اور عربی مدارس میں اصلاح کا خیال قائم کیا اور مدرسہ احمدیہ کی بنیاد ڈالی۔ اس درس گاہ کے دوسرے نامور مولانا شمس الحق صاحب مرحوم (صاحب عون المعبود) ہیں جنہوں نے کتب حدیث کی جمع و اشاعت کو اپنی دولت اور زندگی کا مقصد قرار دیا اور اس میں وہ کامیاب ہوئے۔ اس درس گاہ کے ایک اور نامور تربیت یافتہ ہمارے ضلع (اعظم گڑھ) میں مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوری تھے جنہوں نے تدریس و تحدیث کے ساتھ ساتھ جامع ترمذی کی شرح ''تحفۃ الاحوذی'' (عربی) لکھی۔

اس تحریک کا ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ مدت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور یہ جو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے، رفع ہو گیا اور لوگ از سر نو تحقیق و کاوش کے عادی ہونے لگے، قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خو پیدا ہوئی اور قیل و قال کے مکدر گڑھوں کی بجائے حدیث کے اصلی چشمۂ مصفی کی طرف واپسی ہوئی''۔ (مقدمہ ''تراجم علمائے حدیث ہند'' مولفہ امام خاں نوشہروی مرحوم، ص: ۳۱۔ ۳۳)

مولانا مناظر احسن گیلانی، جو ایک متصلب حنفی عالم اور مصنف تھے، انہوں نے بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کی مفصل سوانح۔ سوانح قاسمی۔ بھی لکھی ہے، وہ بھی تحریک اہل حدیث کی بابت یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

''اس کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قران و حدیث) کی طرف توجہ ہندوستان (متحدہ) کے حنفی مسلمانوں کی جو پلٹی، اس میں اہل حدیث اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے۔ عمومیت غیر مقلد تو نہیں ہوئی لیکن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کا طلسم ضرور ٹوٹا''۔ (ماہنامہ ''برہان'' دہلی اگست 1958ء)

ایک اور مضمون نگار مولانا سید رشید احمد ارشد استاذ عربی جامعہ کراچی ہیں انہوں نے ''ہندو پاکستان میں علم حدیث'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے۔ اس میں وہ تحریر کرتے ہیں۔

'' آخری زمانے میں حدیث کی تدریس واشاعت سے ہندوستان میں اہل حدیث کا ایک فرقہ پیدا ہو گیا تھا جو ائمہ کی تقلید کی مخالفت کرتا تھا' اس کی وجہ سے حنفی علماء میں بھی کتب حدیث کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور وہ فقہی مسائل کو احادیث کی روشنی میں ثابت کرنے پر متوجہ ہوئے۔ اس طرح اس فرقے کا وجود علم حدیث کی ترقی کا باعث بنا''۔ (ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، ترجمان دارالعلوم کراچی۔ ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ، جلد اول شمارہ ۱۲، ص: ۲۵)

مذکورہ اقتباسات سے واضح ہے کہ

☆ عمل بالحدیث کی تحریک سے متحدہ ہندوستان میں تقلید وجمود کے بندھن ڈھیلے ہوئے اور کورانہ اعتماد کا طلسم ٹوٹا۔

☆ تحقیق واجتہاد کا دروازہ کھلا اور فقہی مسائل کی چھان بین کا شوق پیدا ہوا۔

☆ بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوا اور رسوم ورواج کے بت ٹوٹے۔

☆ تحریک کی ہمہ گیریت اور غلغلے نے اپنوں اور بیگانوں سب کو متاثر کیا۔

☆ حدیث کی خدمت اور اس کی نشر واشاعت کا ذوق عام ہوا۔

☆ فقہی اقوال وآرا کو قرآن وحدیث کے دلائل سے مزین اور محقق کرنے کا احساس پیدا ہوا۔

برصغیر پاک وہند میں مذکورہ ثمرات، اس جماعت کی ہمہ جہتی مساعی کے نتیجے میں حاصل ہوئے جو فکر ومسلک محدثین کی حامل اور ان کے علم کی وراثت تھی۔ اس جماعت نے محدثین ہی کی طرح کسی لگاؤ اور فقہی وحزبی تعصب کے بغیر حدیث پر عمل کرنے کے جذبے کا احیا کیا۔ مخالفین اور معاندین نے اس جماعت حقہ اور طائفہ منصورہ کو ایک نئے فرقے سے تعبیر کیا اور اس کے جذبۂ عمل بالحدیث کو (نعوذ باللہ) فتنہ انگیزی ٹھہرایا، حالاں کہ یہ کوئی نیا فرقہ نہیں تھا بلکہ اس فکر وعمل کا ایک تسلسل تھا جو تقلیدی فرقوں کے ظہور سے پہلے عہد صحابہ سے چلا آ رہا تھا۔ ہندوستان میں بے عمل مسلمان بادشاہوں اور مذہب کے نام پر صوفیا اور جامد فقہا نے اصل دین سے عوام کو دور رکھا ہوا تھا، اس لئے جب سلفی تحریک کے ذریعے سے اصل دین اجاگر ہوا، سنتوں کا احیا عمل میں آیا اور توحید کی ضیا پاشیوں نے دلوں کو منور کیا تو انہوں نے ان عاملان دین متین اور وارثان رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم سے عوام کو بدظن کرنے اور اپنے حلقہ ارادت کے لوگوں کو ان سے دور رکھنے کے لئے اس جماعت کو ایک نیا فرقہ باور کرانے کی مذموم سعی کی جو یکسر خلاف واقعہ بات تھی۔ حقیقت میں یہ جماعت اس نبوی پیش گوئی کی مصداق ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

لا تزال من امتی امة قائمة بأمر الله لا یضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتیٰ یأتی امر الله وهم علی ذلك. (صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ۲۸، حدیث ۳۶۴۱۔ صحیح مسلم، الامارة، باب ۵۳۔ حدیث ۱۹۲۰)

''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم (صحیح دین) پر قائم رہے گا، اس کو چھوڑنے والا اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا، نہ اس

کی مخالفت کرنے والا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا۔(یعنی قیامت برپا ہو جائے گی) اور وہ اسی (صحیح دین) پر ہوگا''۔

یہ امت قائمہ، پہلے پہلے صحابہ کرام کی شکل میں تھی پھر تابعین اور تبع تابعین اس کا مصداق بنے، ان کے بعد وہ محدثین جنہوں نے جمع وتدوین حدیث کا نہایت عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا، اس معیار پر قائم رہے۔ ان کے بعد آج تک یہ گروہ کسی نہ کسی انداز میں قائم چلا آرہا ہے، جس نے ہر دور میں اتباع سنت کی وہ مشعل فروزاں رکھی جس کے اولین علم بردار صحابہ کرام تھے۔ متحدہ ہندوستان میں یہ سعادت اہل حدیث کے حصے میں آئی کہ وہ اس مسلک ومنہج کو زندہ رکھیں جو صحابہ وتابعین کا تھا۔ اس دور میں تقلید کا نام ونشان نہ تھا، اس لئے تقلید سے وابستگی کو لازمی قرار دینے والے اور ائمہ کے اقوال وآراء کو نصوص کے مقابلے میں ترجیح دینے والے اس امت قائمہ کے مصداق نہیں ہوسکتے۔ اس کے صحیح اور اصل مصداق صرف وہی لوگ ہوں گے جن کی عقیدت ومحبت کا مرکز اور اطاعت واتباع کا محور صرف اور اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تقریرات ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو آج اصحاب الحدیث، اہل الحدیث اور السلفیون وغیرہ ناموں سے عالم اسلام میں متعارف اور موجود ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، باقی سب جہنمی اور اس جنتی فرقے کی نشانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے جو ما انا علیہ واصحابی۔ ''میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر چلنے والا ہوگا''۔ (سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، رقم ۴۵۹۶۔ سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء افتراق ہذہ الامۃ وقد حسنہ الترمذی فی بعض النسخ واقرہ الالبانی فی شرح عقیدہ الطحاویۃ، رقم الحدیث ۲۶۳)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہل حدیث کی امتیازی خصوصیت کا ذکر کس خوبی کے ساتھ فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

(۱) ''فهم أعلم الامة بحديث الرسول وسيرته ومقاصده واحواله ونحن لا نعني بأهل الحديث المقتصرين علىٰ سماعه او كتابته اوروايته بل نعني بهم كل من كان احق بحفظه ومعرفته وفهمه ظاهراً وباطناً واتباعه باطنا وظاهراً وكذالك اهل القرآن۔

وادنى خصلة فى هٰؤلاء: محبة القرآن والحديث والبحث عنهما وعن معانيهما والعمل بما علموه من موجبهما، ففقهاء الحديث اخبر بالرسول من فقهاء غيرهم، وصوفيتهم اتبع للرسول من صوفية غير هم وامراء هم احق بالسياسة النبوية من غيرهم وعامتهم احق بموالاة الرسول من غيرهم۔''

(مفصل الاعتقاد، مجموع فتاوىٰ شيخ الاسلام ابن تيمية، ج۴، ص:۹۵)

پس اہل حدیث رسول اللہ ﷺ کی حدیث آپ کی سیرت اور آپ کے مقاصد واحوال کو سب فرقوں سے زیادہ جانتے ہیں اور ہمارے نزدیک اہل حدیث سے مراد صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو حدیث کی سماعت یا اس کی تحریر وکتابت یا اس کی روایت کے لئے وقف رہے، بلکہ اس لقب اہل حدیث کا مستحق ہر وہ شخص ہے جو حدیث کی حفاظت ومعرفت اور اس کے ظاہر وباطن کے فہم اور اس کے اتباع میں نمایاں اور ممتاز ہو۔ اسی طرح اہل قرآن کا انطباق بھی ان پر صحیح ہے۔

ان لوگوں کی خصلت یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے محبت رکھتے ہیں اوران کے معنی ومفاہیم پر بحث وگفتگو کرتے ہیں اوران سے جن واجبات کا انہیں علم ہوتا ہے ان پر عمل کرتے ہیں۔اسی لئے فقہائے حدیث (محدثین کرام) رسول اللہ ﷺ سے دوسرے فقہاء کی بہ نسبت زیادہ باخبر ہیں اوران کے صوفیا بہ نسبت دوسرے صوفیا کے رسول اللہ ﷺ کے زیادہ پیروکار ہیں اوران کے امرائے اورعوام الناس حکومت نبوی اورسیاست کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ سمجھنے والے اوراس کے مطابق رویہ اختیار کرنے والے ہیں''۔

اسی کتاب میں ایک اورمقام پر اہل حدیث کی بابت تحریر فرماتے ہیں:

من المعلوم ان اهل الحديث يشاركون كل طائفة فيما يتحلون به من صفات الكمال ويمتازون عنهم بماليس عندهم فان المنازع لهم لا بدان يذكر فيما يخالفهم فيه طريقا اخرى، مثل المعقول والقياس والراى والكلام والنظر والاستدلال والمحاجة والمجادلة والمكاشفة والمخاطبة والوجد والذوق ونحوذلك، وكل هذه الطرق لاهل الحديث صفوتها وخلاصتها، فهم اكمل الناس عقلا واعدلهم قياساً واصوبهم رايا واسدهم كلاما واصحهم نظرا واهداهم استدلالا واقومهم جدلا واتمهم فراسة واصدقهم الهاما واحدهم بصرا ومكاشفة واصوبهم سمعا ومخاطبة واعظمهم واحسنهم وجدا وذوقاً ...... (حواله مذكوره، ص۹۔۱۰)

یہ بات واضح ہے کہ اہل حدیث ان صفات کمال میں دوسرے تمام گروہوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں جن سے دوسرے لوگ آراستہ ہیں اور بہت سی صفات میں ان سے ممتاز ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں۔اس لئے اہل حدیث سے بحث ومجادلہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کی مخالفت میں کوئی اورطریقہ اختیار کرے جیسے معقول، قیاس، رائے، کلام، نظرواستدلال، محاجہ، مجادلہ، مکاشفہ ومخاطبہ اوروجدان وذوق اوراس طرح کی دوسری چیزیں۔یہ تمام طریقے اہل حدیث کی شان اوران کا امتیاز ہیں۔پس وہ عقل میں سب لوگوں سے زیادہ کامل اورقیاس میں سب سے زیادہ انصاف سے کام لینے والے، رائے میں سب سے زیادہ درست، کلام میں سب سے زیادہ درست، نظروفکر میں سب سے زیادہ صحیح، استدلال میں سب سے زیادہ راہ راست کو پانے والے اور بحث وحجت میں سب سے زیادہ موزوں، فہم وفراست میں سب سے زیادہ کامل، الہام (القائے ربانی) میں سب سے زیادہ سچے، بصرونظر اور مکاشفے میں سب سے زیادہ تیز، سماعت اورمخاطبے میں سب سے زیادہ درست اوروجدان وذوق میں سب سے زیادہ عظیم اوراحسن ہیں''۔

ایک اورمقام پر لکھتے ہیں:

واذا كانت سعادة الدنيا والآخرة هي باتباع المرسلين فمن المعلوم ان احق الناس بذلك، هم اعلمهم بآثار المرسلين واتبعهم لذلك، فالعالمون باقوالهم وافعالهم المتبعون لها هم اهل السعادة فى كل زمان ومكان، وهم الطائفة الناجية من اهل كل ملة، وهم اهل السنة والحديث من هذه الامة، فانهم يشاركون سائر الامه فيما عندهم من امور الرسالة ويمتازون عنهم بما اختصوا به

من العلم الموروث عن الرسول مما يجهله غيرهم او يكذب به۔ (حوالہ مذکورہ، ص:۲۶)

’’جب دنیا وآخرت کی سعادت پیغمبروں کے اتباع میں ہے تو یہ واضح ہی ہے کہ اس کے سب سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں جو پیغمبروں کے آثار (اقوال واعمال) کو زیادہ جاننے اور ان کی زیادہ پیروی کرنے والے ہیں۔ پس ان کے اقوال وافعال کو جاننے والے اور ان کی پیروی کرنے والے ہی ہر زمانے اور ہر جگہ میں اہل سعادت ہیں اور یہی گروہ ہر ملت میں نجات پانے والا ہے اور اس امت (محمدیہ) میں یہی حیثیت اہل سنت وحدیث کو حاصل ہے، اس لئے کہ وہ ساری امت کے ساتھ ان چیزوں میں ان کے شریک ہیں جو ان کے پاس رسالت کے امور میں سے ہیں اور اس علم میں ان سے ممتاز ہیں جس میں انہیں درجہ اختصاص حاصل ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے جس سے دوسرے لوگ نا آشنا ہیں یا اس کو جھٹلانے والے ہیں‘‘۔

اہل حدیث کی تعریف کرتے ہوئے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں اور کیا خوب لکھتے ہیں:۔

”فهذه الطبقة كان لها قوة الحفظ والفهم والفقه في الدين والبصر والتاويل، ففجرت من النصوص انهار العلوم، واستنبطت منها كنوزها ورزقت فيها فهما خاصا، كما قال امير المومنين على بن ابى طالب رضى الله عنه وقد سئل ”هل خصكم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشىء دون الناس؟ فقال لا والذى فلق الحبة وبرأ النسمة الا فهما يوتيه الله عبدا في كتابه فهذا الفهم هو بمنزلة الكلاء والعشب الذى انبتته الارض الطيبة وهو الذى تميزت به هذه الطبقة عن الطبقة الثانية وهى التى حفظت النصوص فكان همها حفظها وضبطها۔ فوردها الناس وتلقوها بالقبول واستنبطوا منها واستخرجوا كنوزها واتجروا فيها وبذروها في الارض قابلة للزرع والنبات وورووها كل بحسبه (قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ)۔ وهولاء الذين قال فيهم النبى صلى الله عليه وسلم ”نظر الله امرء أسمع مقالتى فوعاها ثم اداها كما سمعها فرب حامل فقه وليس بفقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه“ (حواله مذكوره، ص:۹۳)

’’پس یہی طبقہ اہل حدیث وہ ہے جسے قوت حفظ، فہم وفقاہت دین اور بصر وتاویل کی صلاحیت حاصل ہے۔ پس اس نے نصوص سے علوم کی نہریں جاری کیں، ان نصوص سے ان کے خزانے نکالے اور ان میں خصوصی فہم عطا کیا گیا، جیسے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کی بابت کوئی خصوصی علم بھی دیا ہے، جو آپ نے دوسروں کو نہیں بتایا؟ تو حضرت علی نے فرمایا۔ ’’نہیں! اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور مخلوق کو پیدا کیا، ہاں فہم کی بات اور ہے جو اللہ اپنے بندوں کو اپنی کتاب کی بابت عطا کرتا ہے‘‘۔

پس یہی فہم کتاب اس گھاس چارے کی مثل ہے جسے پاکیزہ زمین اگاتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے یہ طبقہ اہل حدیث دوسرے طبقے سے ممتاز ہے، اور یہی طبقہ ہے جس نے نصوص کی حفاظت کی۔ پس اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ان نصوص کا حفظ وضبط ہی ہے۔ پس اس کے پاس لوگ آئے اور اس سے قبولیت کا یقین حاصل کیا۔ ان نصوص سے مسائل کا استخراج کیا۔ اس کے

خزانے نکالے، اس میں تجارت کی اور ایسی زمین میں اس کی کاشت کی جو روئیدگی اور پیداوار کے قابل تھی، اور ہر ایک نے اسے اپنی طاقت کے مطابق سیراب کیا (تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا)

اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جس نے میرا فرمان سنا اور اسے یاد کیا، پھر اسے اسی طرح آگے پہنچایا جیسے اس نے سنا، اس لئے کہ بہت سے حامل فقہ (دین کی بات سننے والے) فقیہ (سنی ہوئی بات سے استنباط کرنے والے) نہیں ہوتے، اور بہت سے حامل فقہ (جن کو دین کی بات پہنچائی جاتی ہے) وہ پہنچانے والے سے زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں''۔

اسی طرح امام لالکائی اہل حدیث کی تعریف اور اس نام کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:

ثم كل من اعتقد مذهبا فالى صاحب مقالته التى أحدثها ينتسب، والى رايه يستند الا أصحاب الحديث فان صاحب مقالتهم رسول الله ﷺ فهم اليه ينتسبون والى علمه يستندون وبه يستدلون واليه يفزعون وبرايه يقتدون وبذالك يفتخرون وعلى اعداء سنته بقربهم من يصولون فمن يوازيهم فى شرف الذكر؛ ويباهيهم فى ساحة الفخر وعلو الاسم؛ اذا سمهم ماخوذ من معانى الكتاب والسنة يشتمل عليهما لتحققهم بهما اولا ختصاصهم بأخذهما. فهم مترددون فى انتسابهم الى الحديث بين ما ذكر الله سبحانه وتعالى فى كتابه. فقال تعالىٰ ذكره. الله نزل احسن الحديث (الزمر ٢٣) فهو القرآن فهم حملة القرآن واهله وقرائه وحفظته وبين ان ينتموا الى حديث رسول الله ﷺ. فهم نقلته وحملته فلا شك انهم يستحقون هذا الاسم موجود المعنيين فيهم لمشاهدتنا ان اقتباس الناس الكتاب والسنة منهم واعتماد البرية فى تصحيحهما عليهم لانا ما سمعنا عن القرون التى قبلنا ولا راينا نحن فى زماننا مبتدعا راسا فى اقراء القرآن واخذ الناس عنه فى زمن من الازمان الا ارتفعت لا حد منهم رأية فى رواية حديث رسول الله ﷺ فيما خلت من الايام ولا اقتدى بهم احد فى دين ولا شريعة من شرائع الاسلام۔

والحمد الله الذى كمل لهذه الطائفة سهام الاسلام وشرفهم بجوامع الاقسام وميزهم من جميع الانام حيث اعزهم الله بدينه ورفعهم بكتابه واعلىٰ ذكرهم بسنّة وهداهم الى طريقته وطريقة رسوله فهى الطائفة المنصورة والفرقة الناجية والعصبة الهادية والجماعة العادلة المتمسك بالسنة التى لا تريد برسول الله بديلا ولا عن قوله تبديلا ولا عن سنتة تحويلا ولا يشنيهم عنها تقلب الاعصار ولا يلويهم عن سمتها تغير الحدثان ولا يصرفهم عن سمتها ابتداع من كاد الاسلام ليصد عن سبيل الله ويبغيها عوجا ويصرف عن طرقها جدلا ولجاجا ظنا منه كاذبا وتخمينا باطلا انه يطفئ نور الله والله متم نوره ولو كره الكافرون"۔ (شرح اصول اعتقاد اهل السنة الجماعة، ج١ ص:٢٣-٢٥، به تحقيق احمد سعد حمدان)

''ہر وہ شخص جو کسی مذہب (مسلک) سے وابستگی رکھتا ہے، تو وہ اسی صاحب مذہب کی طرف، جو اس کا بانی ہوتا ہے، اپنا انتساب کرتا اور اسی کی رائے سے استناد کرتا ہے۔ سوائے اہل حدیث کے، اس لئے کہ ان کے صاحب مذہب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس وہ انہیں کی طرف اپنی نسبت کرتے اور انہی کے علم سے استنباط کرتے ہیں اور دشمنان سنت پر سنت کے ہتھیار ہی سے حملہ کرتے ہیں، پس کون ہے جو اس شرف ذکر میں اہل حدیث کا مقابلہ کر سکے اور فخر کے میدان اور نام کی بلندی میں ان پر برتری جتا سکے؟ اس لئے کہ ان کا (اہل حدیث) نام معانی کتاب وسنت سے ماخوذ ہے۔ وہ ان دونوں پر مشتمل ہے، کیوں کہ وہ ان دونوں کے ساتھ ہی تحقق کرتے یا ان دونوں سے ہی بطور خاص دلیل پکڑتے ہیں۔ پس ان کا انتساب حدیث کے ساتھ قرآن کی طرف بھی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو بھی اپنی کتاب میں حدیث کیا ہے جیسے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے بہترین حدیث نازل فرمائی ہے''۔

پس یہ حدیث قرآن ہے اور اہل حدیث قرآن کے حامل، اس کے ماننے والے، اس کے قاری اور اس کے حافظ ہیں۔ اور فرامین رسول بھی حدیث ہیں۔ اور اہل حدیث اس حدیث کے بھی ناقل اور اس کے حامل ہیں۔ (پس اہل حدیث کا تردد اس لئے ہے کہ وہ اہل حدیث اس معنی میں ہیں کہ وہ قرآن کے ماننے والے ہیں یا اس معنیٰ میں کہ وہ حدیث کے ماننے والے ہیں)۔ بلاشبہ وہ اس نام کے مستحق ہیں، کیوں کہ دونوں ہی معنی ان کے اندر موجود ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ لوگ انہی سے کتاب وسنت (کا علم) حاصل کرتے ہیں اور مخلوق قرآن وحدیث کی تصحیح میں انہی پر اعتماد کرتی ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے اپنے سے پہلے زمانے میں نہ سنا اور نہ اپنے زمانے میں دیکھا کہ کسی بدعتی نے قرآن کے پڑھانے میں حصہ لیا ہو اور کسی زمانے میں لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا ہو، اسی طرح ماضی میں کبھی ان میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی روایت کا جھنڈا بلند کیا، نہ کسی نے دین وشریعت کے معاملے میں ان میں سے کسی کی اقتدا کی۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اس اہل حدیث گروہ کے لئے اسلام کے حصے کو مکمل کر دیا اور تمام اقسام کے ساتھ اس کو مشرف کیا اور تمام مخلوق میں اسے اس اعتبار سے ممتاز کیا کہ اسے اپنے دین کے ساتھ عزت بخشی اور اپنی کتاب کے ساتھ اسے بلندی عطا کی اور اپنی سنت کے ساتھ اس کا ذکر بلند کیا اور اپنے اور اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طریقے کی طرف رہنمائی کی۔ پس یہی طائفہ منصورہ، فرقہ ناجیہ، حق کا علم بردار اور جماعت عادلہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو تھامنے والی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو نہیں چاہتی۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کسی تبدیلی کی روادار ہے اور نہ آپ کی سنت سے انحراف اسے گوارہ ہے۔ نہ اسے انقلابات زمانہ اس سنت نبوی سے پھیرتے ہیں، نہ تغیر حوادث اس کو اس سمت سے موڑنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور نہ اس شخص کی بدعت سازی ہی اس سے اس کا رخ بدلتی ہے جو اسلام کے خلاف سازش کرتا ہے تا کہ وہ اللہ کے راستے سے روکے، اور اس دین میں وہ کجی تلاش کرتا ہے اور وہ اس راستے سے لوگوں کو جدل وتکرار کے ذریعے سے پھیرتا ہے۔ یہ جھوٹا گمان اور باطل تخمینہ ہے کہ وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دے گا جب کہ اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے چاہے کافروں کو ناگوار ہی گزرے۔

(برصغیر میں اہل حدیث کی آمد ص ۴۲۔۵۵، اسحاق بھٹی)

❑❑❑

اہل الحدیث کا اعتقادی وفقہی منہج

مولانا ابوالعاص وحیدی، ڈومریا گنج

اسلام کتاب وسنت کی واضح تعلیمات کا نام ہے قرون اولیٰ میں اس کی تعبیر وتشریح میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں تھا، مگر بعد میں مذہب اسلام کی بہت سی تعبیرات وتشریحات وجود میں آ گئیں اسلام مختلف فکری خانوں میں بٹ گیا اور امت مسلمہ متعدد اعتقادی وفقہی فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔

مسلک اہل الحدیث اسلام کی صحیح ترین تعبیر وتشریح کا نام ہے جو عقائد واعمال، اخلاق ومعاشرت اور تمدن وسیاست میں عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین کے فکری منہج کا حامل ہے اور جس کا علمبردار محدثین کا مقدس گروہ رہا ہے اسی بنا پر اہل الحدیث کو سلفی بھی کہا جاتا ہے یعنی اسلاف کے طریقۂ فکر وعمل پر چلنے والا، اسلاف سے مراد صحابہ کرام وتابعین وغیرہ ہیں جو عقائد وفقہیات میں دین فطرت اور کتاب وسنت کی سادگی کے حامل تھے، جن کا دینی ذہن مخصوص فلسفیانہ عجمی وفنی اصطلاحات وتاویلات کی بندشوں سے آزاد تھا، اور جو عقائد میں ہر طرح کے انحراف اور فقہیات میں تقلید کی تباہ کن بدعتوں سے محفوظ تھے۔ ذیل میں عقائد وفقہیات کے سلسلے میں بہت اختصار کے ساتھ اہل الحدیث کے تصور ومزاج کی وضاحت کی جارہی ہے:

اہل الحدیث کا اعتقادی منہج

عقائد کے باب میں جماعت اہل حدیث کتاب وسنت کے اسلوب کو ترجیح دیتی ہے، عقائد میں سب سے زیادہ اہم معاملہ اللہ کی ذات وصفات کا ہے، اللہ کے تعارف کے سلسلے میں قرآن وحدیث کا اسلوب بہت ہی واضح ہے، کتاب وسنت میں اللہ کے بارے میں نفی مجمل اور اثبات مفصل کا انداز اختیار کیا گیا ہے، مثلاً کہا گیا: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ..." (الشوریٰ:۱۱) (اللہ کی طرح کوئی چیز نہیں) یہ ہے نفی مجمل، اسی طرح سات آٹھ آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی منفی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ قرآن وحدیث میں اللہ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ مثبت انداز میں کہا گیا ہے اور اس پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے علم وحکمت، مغفرت ورحمت، سمع وبصر، مودّت ومحبت، کراہت وغضب، رضا ومقت، ارادہ ومشیت، عرش والا ہونا، اول وآخر، ظاہر وباطن، خلق وتکوین، استواء علی العرش، علمی معیت، وحی وکلام، اور نداء وقول وغیرہ صفات کا اثبات کیا ہے، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بالکل یہی انداز اختیار کیا گیا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو! العقیدۃ الواسطیۃ ودیگر کتب عقائد)

کتاب وسنت کے اس اسلوب سے اللہ کی ہستی کا واقعی وجود سامنے آتا ہے، اسی سادہ اسلوب کو من وعن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم،

تابعین عظام رضی اللہ عنہم، اور ائمہ و محدثین بغیر کسی تاویل کے مانتے چلے آئے ہیں، جماعت اہل حدیث بھی اسی طرزِ فکر پر قائم ہے مگر فلاسفہ اور ان کے متبعین (معتزلہ و متکلمین) نے اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں تاویل بعید کا راستہ اختیار کیا ہے، اس کی نمایاں مثال شرحِ عقائد نسفی ہے، جو ہندوستان کے بہت سے مدارس وجامعات میں داخلِ نصاب ہے۔

اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں قرآن اور فلسفہ کا بنیادی واصولی فرق کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''قرآن مجید جہاں صفات الٰہی کا اثبات کرتا ہے وہاں تفصیل سے کام لیتا ہے اور صرف تمثیل کی نفی پر اقتصار کرتا ہے، (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) اور یہی انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا طریقہ ہے کہ ان کے یہاں اثبات مفصل اور نفی مجمل ہے، اس کے برخلاف ان کے حریفوں اور مخالفین (فلاسفۂ یونان) کے یہاں سارا زور نفی پر ہوتا ہے۔'' (کتاب الرد علی المنطقیین ۱/ ۳۲۱ ط: حیدرآباد، انڈیا)

دراصل اللہ کی ذات وصفات کے سلسلہ میں علماء اسلام کے مختلف نظریات ہیں، تشبیہ وتجسیم اور تاویل وتحریف وغیرہ، فرقہ مجسمہ صفات الٰہی کے بارے میں تجسیم وتشبیہ کا قائل ہے، یعنی صفات الٰہی کو انسانی صفات کے مانند قرار دیتا ہے، اور فلاسفہ اور ان کے متبعین (معتزلہ و متکلمین) صفاتِ الٰہی میں تاویل کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اسی تاویل کا راستہ جو تعطیل صفات کو مستلزم ہے، اور سلف ایسی راہ اپناتے ہیں جو تجسیم وتاویل کے درمیان ہے، سلف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عربی زبان وادب کے اعتبار سے صفات الٰہی کی تفہیم وتشریح کی جائے، ان کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردی جائے، ان پر ایمان لایا جائے، اور ان کے بارے میں کھود کرید نہ کی جائے، امام مالک رحمہ اللہ نے اہل سنت کے منہج فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے فرمایا: ''الاستواء معلوم والكيف مجهول والسوال عنه بدعة'' (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ ۳/ ۴۴۱ لالکائی، الأسماء الصفات للبیہقی/ ۴۰۸، اسے ذہبی، ابن تیمیہ اور ابن حجر وغیرہ نے صحیح کہا ہے، دیکھیں مختصر العلو/ ۱۴۱، مجموع الفتاویٰ ۵/ ۳۶۵، فتح الباری ۱۳/ ۵۰۱)

(استوا کا معنی معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس کے بارے میں کھود کرید کرنا بدعت ہے)

صفتِ استوا کے تعلق سے امام مالک نے جو بات کہی ہے وہی بات تمام صفاتِ الٰہی کے بارے میں کہی جائے گی کہ ان کے معانی معلوم ہیں، ان کی کیفیت مجہول ہے اور ان کے بارے میں بحث وسوال بدعت ہے۔ علماء سلف کا یہی منہج فکر ہے جو کتاب وسنت کے اسلوب کی موافقت کرتا ہے اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''سلف کا مذہب تعطیل (صفات الٰہی کا انکار) اور تمثیل (مخلوق کے مثل صفات کا اثبات) کے درمیان ہے، وہ اللہ کی صفات کو صفاتِ مخلوق سے مماثل نہیں قرار دیتے ہیں جس طرح ذاتِ الٰہی کو ذاتِ مخلوق سے مشابہ نہیں مانتے اور نہ ان صفات کی نفی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیان فرمائی ہیں۔ یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کا ذکر فرمایا ہے۔ (العقیدۃ الحمویۃ الکبریٰ/ ۴۲۸)

صفات الٰہی میں ایک اہم صفت کلام بھی ہے جس کے بارے میں متکلمین نے منہج فلاسفہ پر گامزن ہو کر عجیب وغریب گل افشانی

کی ہے، اس سلسلہ میں ماہر علوم قرآن مناع قطان مصری نے بڑی نفیس بحث کی ہے اور اہل سنت کے موقف کی وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''متکلمین نے کلام اللہ کے بارے میں منہج فلاسفہ کے مطابق بحث کی ہے اور لوگوں کو بھول بھلیوں میں ڈال کر سیدھی راہ سے دور کر دیا ہے، چنانچہ انہوں نے کلام اللہ کی دو قسمیں کی ہیں اول: کلام نفسی قدیم، جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس میں نہ حرف ہے نہ آواز نہ کوئی ترتیب ہے اور نہ کوئی زبان، دوم: کلام لفظی، جو انبیاء کرام پر نازل کیا گیا ہے، اسی سلسلہ کی چاروں آسمانی کتابیں (زبور، توراۃ، انجیل، قرآن) ہیں۔

متکلمین نے کلامی ومبتدعانہ مباحث میں انتہائی غلو وافراط کرتے ہوئے یہ بحث کی ہے کہ قرآن اس معنی دوم کے اعتبار سے مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ پھر اس بات کو ترجیح دی ہے کہ قرآن مخلوق ہے، اس طرح وہ سلف صالحین کے منہج سے الگ ہو گئے جس کے بارے میں کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہے، اور انہوں نے صفاتِ الٰہی کے بارے میں فلسفیانہ تجزیہ اختیار کیا جو عقیدۂ توحید میں تشکیک تک لے جاتا ہے۔

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جن اسماء وصفات کا ذکر کیا ہے یا جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں انہیں مانا جائے اور اس بات پر ایمان لایا جائے کہ کلام صفاتِ الٰہی میں سے ایک صفت ہے اللہ نے فرمایا: {وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا} (النساء: ۱۶۴)

لہٰذا قرآن کریم جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے وہ اللہ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: {وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ} (التوبۃ: ٦)

اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دے دیں، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے)''

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ کلام کو ثابت کرنا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے یا احادیث صحیحہ میں جن کا ذکر آیا ہے وہ کمالِ الٰہی کے منافی نہیں اگر چہ بندے بھی ان اوصاف سے متصف ہوتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے نقائص سے پاک ہے لہٰذا بندوں سے اللہ کی مماثلت لازم نہیں آتی۔'' (مباحث فی علوم القرآن ر ۲۷۴ ط: دہلی'')

درحقیقت اسلافِ کرام ہی کا طریقۂ فکر کتاب وسنت کے صاف وشفاف عقائد وافکار کا محافظ ہے، ورنہ اللہ کی ذات وصفات میں تاویل وتعطیل کا انداز اختیار کرنے سے الحاد ودہریت کا راستہ ہموار ہوتا ہے، اس لئے کہ فلاسفہ اوران سے متاثر متکلمین نے نفی مفصل واثبات مجمل کا جو اسلوب اختیار کیا ہے اس سے اللہ کی ہستی کا فقط ذہنی وجود ثابت ہوتا ہے جیسا کہ کمیونسٹوں کے یہاں کائنات میں ایک مجہول اور ذہنی قوت کارفرما ہے، جسے وہ اپنی جہالت یا عناد کی وجہ سے اللہ نہیں کہتے، ہاں فلاسفہ ومتکلمین اسی مجہول طاقت

کو اللہ کہتے ہیں، اس حقیقت پر بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے عظیم مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''انہوں نے اللہ کے وجود کو محض ایک ذہنی تصور اور ایک مفلوج، مجہول اور مجبور ہستی بنا کر رکھ دیا ہے، لیکن اللہ کیا ہے؟ اور کیسا ہے؟ اس بارے میں ان کے یہاں چند لفظوں اور فلسفیانہ اصطلاحات سے زیادہ کچھ نہیں ملتا، اس کا نتیجہ ہے کہ یونان کے اندر اور ان تمام حلقوں میں جو یونان کے زیر اثر رہے ہیں اللہ سے کوئی حقیقی، زندہ اور عملی تعلق نہیں رہا ہے'' (تاریخ دعوت وعزیمت ۲/ ۲۶۵ ط: لکھنو)

فلاسفہ اور ان سے متاثر متکلمین نے صفاتِ الٰہی کے بارے میں نفی مفصل واثبات مجمل کا جو اسلوب اختیار کیا ہے، اس کے بارے میں علامہ ابن ابی العز الحنفی نے ایک دلچسپ علمی انداز میں یہ بحث بھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ یا کسی انسان کے بارے میں اس اسلوب میں گفتگو بجائے مدح کے بے ادبی وگستاخی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"وهذا النفي المجرد مع كونه لا مدح فيه اسائةأدب فانك لو قلت للسلطان أنت لست بزبال ولا كساح ولا حجام ولا حائك لأدبك على هذا الوصف وان كنت صادقاً وانما تكون مادحاً اذا اجملت النفي فقلتَ أنت لست مثل أحد من رعيتك أنت أعلى منهم وأشرف وأجل فاذا اجملت في النفي أجملت في الأدب"

(شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۱۰۷/۱ ط: نہم بیروت)

(یہ نفی مجرد اس میں مدح نہ ہونے کے ساتھ بڑی بے ادبی ہے چنانچہ اگر تم کسی بادشاہ سے کہو: تم پستہ قد نہیں، تم لنگڑے نہیں، تم حجام نہیں، تم کپڑا بننے والے نہیں، تو اس بات پر وہ تمہاری سرزنش کرے گا، اگر چہ تم سچے ہو، تم اس کی تعریف کرنے والے اس وقت ہوتے جب نفی میں اجمال اختیار کرتے اور یہ کہتے کہ تم اپنی رعیت میں سے کسی کے مانند نہیں ہو، تم ان سے اعلی، اشرف، اور اعظم ہو، اس طرح جب تم نفی میں اجمال کرتے تو حسنِ ادب اختیار کرتے)

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ کی ذات وصفات کے سلسلہ میں اسلاف کرام ہی کا منہج فکر پختہ ایمان ویقین کا ضامن ہے اسی لئے جماعت اہل الحدیث اسلاف عظام ہی کی روش پر گامزن ہے۔

اہل الحدیث کا فقہی منہج:

جماعت اہل الحدیث عقائد کی طرح فقہیات کے باب میں بھی کتاب وسنت کو مقدم سمجھتی ہے، نیز عہد صحابہ اور عہد تابعین وتبع تابعین کے دینی مزاج کو رہنما تصور کرتی ہے، اس لئے کہ یہی تینوں زمانے دین ومذہب، تہذیب وتمدن اور اخلاق ومعاشرت وغیرہ ہر اعتبار سے خیر القرون تھے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "خير امتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين

یلونھم“ (بخاری، ۲۶۵۲ / مسلم، ۶۴۷۵) سب سے بہتر ہمارے زمانہ کے لوگ ہیں، اس کے بعد وہ لوگ جوان سے قریب ہیں، پھر وہ لوگ جوان سے قریب ہیں۔

جب یہ تینوں زمانے ہر اعتبار سے بہتر ہیں تو ان ادوار کا اعتقادی وفقہی تصور بھی اسلامی تاریخ کے تمام ادوار کے طریقۂ عقیدہ وفقہ سے بہتر ثابت ہوا، ان تینوں زمانوں کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ ان ادوار کے مسلمان صرف دلیل شرعی کی پیروی کرتے تھے، رجال وشخصیات کی نہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ مبارک زمانے تقلید کی لعنت سے محفوظ تھے، اس سلسلہ کی ایک نمایاں مثال ملاحظہ ہو!

”جامع ترمذی میں ذکر ہے کہ شامیوں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حج تمتع کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اس کے درست ہونے کا فتویٰ دیا، تو شامیوں نے کہا کہ آپ کے والد صاحب تمتع بالحج سے منع کرتے تھے، تو عبداللہؓ نے بڑی جرأت سے فرمایا:

”أمر أبي يتبع أم أمر رسول الله ﷺ“ (جامع الترمذی ابواب الحج باب ما جاء فی التمتع)

(میرے والد صاحب کا اتباع واجب ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر کورانہ تقلید کی ذہنیت نہیں تھی، یہی مزاج تابعین وتبع تابعین کا بھی تھا، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ جن کی جانب تقلیدی مذاہب منسوب ہیں، انہوں نے بھی اپنے شاگردوں میں یہی مزاج پیدا کیا تھا، چنانچہ تمام ائمہ اسلام سے یہ بات منقول ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کو ہدایت کی تھی کہ اگر ان کی کوئی بات دین کے بنیادی سرچشموں (کتاب وسنت) کے خلاف پائیں تو اسے بلا جھجک رد کر دیں! اس سلسلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کے چند اقوال ملاحظہ ہوں:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جب کوئی فتویٰ دیتے تو فرماتے:

”هذا رأي نعمان بن ثابت وهو أحسن ما قدرت عليه فمن جاء بأحسن منه فهو أولى بالصواب“

(اعلام الموقعین ۱/ ۷۵، حجۃ اللہ البالغہ ۱/ ۵۷)

یہ نعمان بن ثابت یعنی میری رائے ہے اور وہ میری قدرت واستطاعت کے مطابق سب سے اچھی رائے ہے، مگر جس کی رائے اس سے زیادہ اچھی ہو تو وہی درست ہوگی۔

امام ابوحنیفہ، امام یوسف اور امام زفر رحمہم اللہ کہا کرتے تھے:

”لا يحل لأحد أن يقول بقولنا حتى يعلم من أين قلناه“ (اعلام المؤقعین ۲/ ۲۰۱، حجۃ اللہ البالغ ۱/ ۱۵۸)

کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہماری بات اپنائے جب تک کہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ کہا کرتے تھے:

”ما من أحد إلا يؤخذ من قوله ويترك إلا صاحب هذا القبر۔ وأشار إلى قبر النبي ﷺ“

(حجۃ اللہ البالغۃ ۱/ ۱۵۷)

ہر شخص کی بات اختیار بھی کی جاسکتی ہے اور چھوڑی بھی جاسکتی ہے سوائے اس قبر والے کے۔ اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف اشارہ کرتے۔)

امام شافعی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

"کل ماقلت، وکان قول رسول اللہ ﷺ خلاف قولی مما یصح فحدیث النبی ﷺ اولی، ولا تقلدونی" (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/ ۱۷۵)

میری جو بات بھی صحیح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی قابلِ اتباع ہے، اور تم لوگ میری تقلید مت کرنا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہا کرتے تھے:

"لا تکتبوا عنی شیئا ولا تقلدونی ولا تقلدوا فلانا وفلانا وفی روایۃ: مالکا والشافعی والاوزاعی ولا الثوری وخذوا من حیث أخذوا" (اعلام الموقعین ۲/ ۲۰۱)

میری کوئی بات مت لکھو، نہ میری تقلید کرو، اور نہ فلاں فلاں کی تقلید کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ: مالک، شافعی، اوزاعی، اور ثوری میں سے کسی کی تقلید نہ کرو جہاں سے ان لوگوں نے لیا ہے وہیں سے لو!۔

انہیں حقائق کے پیش نظر اہل الحدیث فقہا وائمہ کے بنائے ہوئے اصول ومبادی اور رجال وشخصیات کے افکار وخیالات سے بلند ہوکر سوچتے ہیں اور آیاتِ قرآنی واحادیث نبوی کو حاکم وقاضی مانتے ہیں، اہل الحدیث نے کبھی بھی تاویل کے ذریعے آیات واحادیث کو اپنے کسی عالم کے قول کے مطابق کرنے کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ ان کا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی آیت یا حدیث ہمارے کسی عالم کے قول کے مخالف ہو تو وہ لازمی طور پر مؤول ہے یا منسوخ، اس سلسلہ میں فقہائے احناف کی روش انتہائی غیر معتدل ہے، اسلامی تاریخ میں چوتھی صدی ہجری کا آغاز تقلید جامد کا پیغام لے کر آیا، اس کے بعد عام طور پر طریقہ یہ ہوگیا کہ کسی متعین امام سے احکام اس طرح لئے جانے لگے جیسے وہ بالکل نصوص کتاب وسنت کی طرح ہوں، اس دور میں تقلید کی روح اس حد تک سرایت کرگئی کہ فقہا وائمہ کے اقوال وآراء کی پیروی میں قرآن وحدیث کی دوراز کارتاویل کرنے کا نامناسب ذہن پیدا ہوگیا، اس دور کے مشہور حنفی امام ابوالحسن عبیداللہ کرخی (۲۶۰ھ۔ ۳۴۰ھ) کی ذہنیت ملاحظہ ہو وہ کس جرأت سے کہتے ہیں:

"کل آیۃ تخالف ما علیہ أصحابنا فھی مؤولۃ أومنسوخۃ وکل حدیث کذالك فھو مؤول أومنسوخ" (تاریخ التشریع الاسلامی/ ۲۷۹، الطبعۃ الثامنۃ)

جو بھی آیت ہمارے اصحاب یعنی علما وائمہ کے مخالف ہو وہ منسوخ ہے یا مؤول، اسی طرح جو حدیث ہو وہ بھی منسوخ ہے یا مؤول۔

علامہ محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے "جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث" میں لکھا ہے کہ نصوص کتاب وسنت میں تاویل کا یہ ذہن معتزلہ کا دیا ہوا ہے متقدمین احناف میں یہ ذہن مقبول نہیں تھا مگر متاخرین احناف میں کتاب وسنت کی دوراز کارتاویلات کا بازار ایسا

گرم ہوا کہ بعض اوقات اس ذہن نے بہت سی نامناسب اور گھناؤنے انداز کا مظاہرہ کیا ہے، اس سلسلہ کی ایک مثال ملاحظہ ہو! حلالہ کے بارے میں حدیث صحیح میں آیا ہے!

"لعن رسول اللہ ﷺ المحلل و المحلل لہ" (جامع الترمذی کتاب النکاح باب ماجاء فی المحلل والمحلل لہ)

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جو حلالہ کرے یا جس کے لئے حلالہ کیا جائے ملعون قرار دیا ہے۔

علامہ عینیؒ اس حدیث کی تاویل میں اس طرح فرماتے ہیں "لعله أراد باللعنة الرحمة" (عینی برحاشیہ کنز الدقائق کشوری بحوالہ "جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث" ۹۴) (یعنی رسول اللہ ﷺ نے لعنت سے شاید رحمت مراد لی ہو)

مشکوٰۃ المصابیح میں جہاں یہ حدیث آئی ہے وہاں اس کے حنفی محشی نے اس ملعون فعل کے مرتکب کو مستحق اجر قرار دیا ہے۔ حاشیہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں!

"بل قد قیل انه مأجور بنیته الاصلاح" (مشکوٰۃ المصابیح ۲۸۴ حاشیہ ۱۳، طبع دھلی)

بلکہ کہا گیا ہے کہ اصلاح کی نیت سے فعل حلالہ کا مرتکب عند اللہ مستحق اجر ہوگا۔

اس طرز فکر و عمل پر یہ شعر کتنا منطبق ہے ؎

رات کو جام پیا صبح کو توبہ کرلی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

مقلدین کی اس گھناؤنی روش کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مخالفت حدیث قرار دیتے ہیں اور زبردست تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شاہ صاحب کے الفاظ اور ان کا تیور ملاحظہ ہو!

"فحینئذ لا سبب لمخالفة حدیث النبی ﷺ الا نفاق خفی أو حمق جلی" (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۵۵)

تو ایسی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی مخالفت کا محرک پوشیدہ نفاق ہے یا واضح حماقت۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مقلدین کی ان بے اعتدالیوں پر ساتویں صدی ہجری کے مشہور عالم شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ کی حیرت واستعجاب کا تذکرہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے ارشاد کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بعض فقہائے مقلدین کو اپنے امام کی دلیل کے ایسے ضعف کا علم ہوجاتا ہے جس کا کوئی جواب نہیں اور وہ اس کے باوجود ان کی تقلید کرتے ہیں اور ان کا مذہب چھوڑ دیتے ہیں جن کی تائید میں کتاب وسنت اور صحیح قیاسات ہیں، محض اس لئے کہ ان کو امام کی تقلید سے انحراف گوارا نہیں، بلکہ کتاب وسنت کے واضح مطلب کو دفع کرنے کے لئے وہ ہزار تدبیریں کرتے ہیں اور اپنے امام کی مدافعت میں ہر طرح کی بعید اور بے بنیاد تاویلوں سے ان کو احتراز نہیں ہوتا" (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۵۵)

بیسویں صدی کے عظیم مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی جو خود حنفی تھے اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرید خاص تھے مگر انہوں نے بھی بہ توفیق الٰہی امام رازی کے حوالہ سے غالی مقلدین کی روش پر سخت تنقید کی ہے چنانچہ وہ { اتَّخَذُوٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ...} (التوبۃ:۳۱) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آیت میں مسلمانوں کے لئے بھی بڑی عبرت ہے، انہوں نے بھی مختلف اماموں اور مشائخ کو مستقل مطاع قرار دے کر عملاً انہیں معصومیت اور بلکہ خدائی کے مرتبہ پر پہنچا دیا ہے، قرآن کی صریح آیت کو، اپنے ضمیر کی شہادت کو کھلے ہوئے مشاہدہ کو، سب کو چھوڑ دیں گے، لیکن اپنے شیخ کے قول کو نہ چھوڑیں گے، امام رازی نے اس موقع پر اپنے استاد کا قول نقل کیا ہے: وہ کہتے ہیں کہ میری نظر سے ایسے مقلدین گزرے ہیں کہ جن کے سامنے ان کے مسلک کے خلاف میں نے قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں انہوں نے آیات کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا، ان کی طرف التفات نہ کیا، الٹے حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے کہ ان کے اسلاف کے مسلک کے خلاف یہ آیات قرآنی ہو کیوں کر سکتی ہیں اور تاویل بجائے ان کے اقوال میں کرنے کے، خود ان آیات میں کرنے لگے''۔ (تفسیر ماجد ۲/ط:لکھنو)

اوپر جس دینی وفقہی مزاج کی تصویر کشی کی گئی ہے اہل حدیث اسے انتہائی خطرناک تصور کرتے ہیں اس لئے یہ شخصیت پرستی اور تقلید جیسی گھناؤنی بدعت سے محفوظ ہیں فالحمدللہ علی ہذا۔

یوں تو ہر دور میں انسان کی صحیح وسلیم فطرت نے تقلید یعنی بے دلیل کسی کی بات مان لینے کو سخت ناپسند کیا ہے مگر عصرِ حاضر کا مزاج خاص طور پر اس مقلدانہ ذہنیت کا سخت مخالف ہے، اس لئے اس دور میں ہمہ گیر پیمانہ پر مسلک اہل الحدیث کی اشاعت کے امکانات زیادہ روشن ہیں اور بحمداللہ بڑی کثرت سے لوگ بہ توفیق الٰہی اہل الحدیث کے اعتقادی وفقہی منہج کو اختیار کر رہے ہیں۔

(مجلہ الاستدراک: نومبر و دسمبر ۲۰۱۵)



سنت صحیحہ کے خلاف عالمی سازش

مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ۔ دہلی

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره نعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سّيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله۔ أما بعد!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا} (الحشر:۷)

''رسول جو تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے تمہیں روکے اس سے باز رہو''

اور اللہ کے رسول ﷺ سے صحیح حدیث میں منقول ہے:

ترکت فيكم شيئين لن تضلوا بعدهما: كتاب الله وسنتي، ولن يتفرقا حتى يردا علّي الحوض،

(مستدرک حاکم بروایت أبي ہریرۃ رقم ۳۱۹، صحیح الجامع: رقم ۲۹۳۷)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، تم ان دونوں (کو مضبوطی سے پکڑنے) کے بعد گمراہ نہ ہوگے، ان میں ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت ہے۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ ہوں گی یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گی''۔

یہیں سے شریعت اسلامیہ کے دو سرچشمے ہو گئے ہیں۔ ان دونوں سرچشموں سے مل کر وہ آب حیات ابلتا ہے جس سے بندۂ مسلم کو وہ پاکیزہ زندگی ملتی ہے جو اللہ کو محبوب و پسندیدہ ہے، اس کے برعکس ایسی زندگی جس میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی حکمرانی نہ ہو وہ خیر و سعادت سے محروم و تہی مایہ ہوتی ہے۔ اسی سبب سے اسلامی شریعت، جو ایک ابدی اور دائمی شریعت ہے، کے ان دونوں مصادر کے تحفظ کی ذمہ داری اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ ارشاد باری ہے: {إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ} (الحجر:۹)

''بیشک یہ ذکر (قرآن) ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''

یہ آیت جس طرح من جانب اللہ قرآن کی حفاظت کئے جانے کی تصریح کر رہی ہے اسی طرح سنت نبویہ کے اللہ کی حفاظت میں ہونے کی بھی ضمانت لے رہی ہے، کیونکہ فرمان باری ہے:

{وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ} (النحل:۴۴)

''اور ہم نے تم پر ذکر (کتاب) نازل کی تاکہ تم واضح کردو لوگوں پر وہ جو ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور کریں''۔

اس آیت میں اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تبیین قرآن کا حکم دیا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ تشریحات وتوضیحات

محفوظ نہ رہیں تو قرآن کے ساتھ تمسک اور اس کے احکام و اوامر کی تعمیل و بجا آوری ہی ممکن نہ ہوگی۔ ارشاد باری ہے:

{وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ} (النجم: ۳۔۴)

''اور نہ وہ خواہش نفس سے بولتے ہیں۔ یہ تو اللہ کی وحی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے''

نیز دوسری جگہ ارشاد ہے: {إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ} (الانعام: ۵۰)

''میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔''

اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام فرامین جن کا تعلق دین سے ہے سب وحی اور ذکر ہیں اور چونکہ وہ اللہ کی زیر حفاظت ہیں اس لئے سب کے سب محفوظ ہیں۔ فرق یہ ہے کہ قرآن کل کا کل محفوظ اور تواتر کے ساتھ منقول ہے اور سنت جو قرآن کے اجمال کی شرح و تفصیل ہے، اس کے عموم کی مخصص اور اس کے مطلق کی مقید ہے، کی حفاظت اللہ نے ہر دور اور ہر شہر کے محدثین کے ایک بڑے طبقہ کو اس کی نشر و اشاعت، اس کی تدوین اور اس سے باطل کو دفع کرنے کی توفیق بخش دی ہے۔ ان ائمہ و محدثین نے سنت کی جو مثالی خدمات انجام دی ہیں ان کی تاریخ عالم میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس میں شک نہیں کہ کتاب اللہ کی مکمل حفاظت اسی وقت ہو سکتی ہے جب سنت نبویہ محفوظ رہے، کیونکہ قرآن کے معانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات میں ڈھل کر ممثل و مجسم ہو گئے ہیں اس لئے اس کی کسی بھی ثابت شدہ سنت کا انکار اور اس سے اہمال اور روگردانی یا اس کی تحریف یا ایسی تفسیر و تاویل جو اس کے منشا و مقصود کے خلاف ہو یا اس کو کسی ایسی چیز پر محمول کرنا جس کی کوئی شرعی دلیل نہ ہو خود قرآن کا ترک اور اس سے روگردانی ہے۔ قرآن کریم نے متعدد آیات میں سنت کی تحکیم اور اس کی بالادستی کی تصریح کی ہے۔ اس سلسلہ کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ} (النساء: ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں صاحب امر ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات پر تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر تمہارا ایمان ہے تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو''

(۲) {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا} (الحشر: ۷)

''جو چیز پیغمبر تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے وہ روکیں اس سے باز رہو۔''

(۳) {إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ} (النور: ۵۱)

''مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تا کہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے حکم سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''

(۴) {وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً} (الاحزاب:۳۶)

''اور کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو وہ اس میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا''۔

(۵) {قُلْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ فإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ الْكَافِرِينَ} (آل عمران:۳۲)

''کہہ دو کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر وہ اعراض کریں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا''۔

(۶) {مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّهَ} (النساء:۸۰)

''جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی''۔

(۷) {وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ} (آل عمران:۱۳۲)

''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

(۸) {فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً} (النساء:۶۵)

''تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں فیصل نہ بنا لیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس پر ملول خاطر ہونے کے بجائے اسے خوشی خوشی مان نہ لیں وہ مومن نہیں ہوں گے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت کی اہمیت اور اس کے مقام و مرتبہ کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كل أمتي يدخلون الجنة الا من أبى،قالوا: ومن يأبى؟قال: من اطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبى۔ (صحيح بخاري برواية أبي هريره، رقم ۵۸۵۱)

''میری امت کے تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس شخص کے جس نے انکار کیا۔ لوگوں نے کہا: کون انکار کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی سو اس نے انکار کیا''

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تركت فيكم شيئين لن تضلوا بعدهما: كتاب الله وسنتي، ولن يتفرقا حتى يردا على الحوض،

(مستدرك حاكم برواية أبي هريرة رقم ۳۱۹، صحيح الجامع: ۲۹۳۷)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں ان دونوں (کو مضبوطی سے تھامنے) کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے: ان میں ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت، یہ دونوں جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ دونوں ساتھ ساتھ حوض کوثر پر آئیں گی''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، ان کے بعد ان کے تابعین اور اس امت کے محدثین، مفسرین اور فقہاء بلکہ پوری ملت

اسلامیہ نے سنت کی حاکمیت کو تسلیم کیا ہے اور سب نے اسے اپنے مقدمات کا فیصل اور حکم بنایا ہے۔ حفظ وضبط، دراسہ وتحقیق اور استنباط وتمسک کی رو سے سنت کی جو بھی خدمات ان کے لئے ممکن تھیں ان حضرات نے ان میں ذرا بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جس چیز سے اپنے فرمان:

ألا انی أوتیت القرآن مثله معه الا یوشك رجل شبعان علی أریکته یقول: علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فأحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرّموه. ألا لا یحّل لکم الحمار الاهلی وکل ذی ناب من السباع ولا لقطة معاهد الا أن یستغنی عنها صاحبها ومن نزل بقوم فعلیهم ان یقروه فان لم یقروه فله أن یعقبهم بمثل قراه۔ (احمد، ابوداؤد بروایت مقدام بن معدیکرب، صحیح الجامع: ۲۶۴۳)

''سنو! میں قرآن اور اس کے ساتھ اسی کے مثل اور بھی (حدیث) دیا گیا ہوں۔ سنو! قریب ہے کہ ایک آسودہ آدمی اپنے مسند پر بیٹھا کہے گا کہ تم بس اسی قرآن کو لازم پکڑو اس میں جو حلال ہو اس کو حلال جو حرام ہو اس کو حرام جانو، خبردار تمہارے لئے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ کوئی دانت والا درندہ اور نہ کسی ذمی کی گری پڑی چیز مگر یہ کہ اس کا مالک اس سے بے نیاز ہو۔ اور جو کسی قوم پر اترے تو اس قوم پر لازم ہے کہ وہ اس کی مہمان نوازی کرے، اگر وہ قوم اس کی مہمان نوازی نہیں کرتی ہے تو اس کو حق ہے کہ وہ اس سے مہمان نوازی کے بقدر زبردستی وصول کرلے''۔

میں ڈرایا اور خبردار کیا ہے وہ امر منکر بالآخر واقع ہو کر رہا۔ تخریب پسند عناصر نے سنت کو کتاب اللہ سے علیحدہ کرنے اور آراء وخواہشات کو نصوصِ شریعت پر مقدم کرنے کی کوششیں کیں اور تاریخ کے مختلف ادوار میں روافض، معتزلہ، جہمیہ، اصحاب الرائے اور فلاسفہ ومتکلمین نے سنت کو معطون کرنے اور اس میں شکوک وشبہات پیدا کرکے اس کی حجیت کو مخدوش کرنے اور ان روایتوں کو مسترد کرنے کی ناروا جسارتیں کیں جو ان کی بیمار عقلوں کے فریم میں فٹ نہیں آرہی تھیں خواہ وہ صحیح، متصل اور غیر منقطع ہی کیوں نہ ہوں اور علل وشذوذ سے پاک ہی کیوں نہ ہوں، لیکن مولائے حکیم وکارساز (جس نے انبیاء ورسل بھیجے، کتابیں نازل کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وفرامین کو اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت فرمائی) نے فرمان نبوی:

(۱) لا تزال طائفة من أمتی قائمة بأمر الله لا یضرهم من خذلهم أوخالفهم حتی یأتی أمر الله وهم ظاهرون علی الناس. (صحیح بخاری رقم ۶۴۸۱، ۳۴۴۱، صحیح مسلم رقم ۵۰۶۴)

''برابر میری امت کا ایک گروہ اللہ کے دین پر قائم رہے گا جو لوگ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے وہ انہیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ لوگوں پر غالب اور سربلند رہیں گے''۔

(۲) یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاهلین: (بیہقی، امام احمد کہتے ہیں: حدیث صحیح ہے۔ تعلیق المشکوٰۃ للالبانی رقم ۲۴۸)

''اس علم (علم کتاب وسنت) کی امانت بعد میں آنے والی پیڑھی کے ثقہ لوگ اپنے کندھوں پر اٹھائیں گے اور اس سے غلو کرنے

والوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی زیادتیاں اور جاہلوں کی تاویلات دور کریں گی۔"

کے بمصداق ہر دور اور ہر شہر کے اپنے کچھ مخلص ومومن بندوں کو توفیق بخشی جنہوں نے ان مرجفین کے پھیلائے ہوئے فتنوں اور ان کے شبہات کی تردید وتغلیط کی اور ان کی سازشوں کو ناکام کیا۔

ائمہ متقدمین میں امام محمد بن ادریس شافعی، ان کے تلمیذ رشید امام سنت احمد بن حنبل اور ان کے شاگرد امیر المومنین فی الحدیث سید الفقہاء امام محمد بن اسماعیل بخاری، امام ابن حبان بستی، امام ابن قتیبہ دینوری، امام ابو محمد علی بن حزم ظاہری، امام عز بن عبدالسلام، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ ابن قیم، ابن کثیر اور ذہبی جیسے اساطین حدیث نے اور متاخرین میں محمد بن ابراہیم وزیر اور فلانی وغیرہم رحمہم اللہ نے سنت کی خدمت، اس کے دفاع اور معترضین ومتشککین کے اعتراضات وشبہات کے ازالہ اور اس کی تردید میں جو انتھک کوششیں کی ہیں وہ لائق تشکر وستائش ہیں۔

اور جب عصر حاضر کے نئے جہمیوں اور معتزلیوں نے ان پرانے دفن شدہ فتنوں کو پھر سے ابھارنے کی کوشش کی اور سنت صحیحہ بالخصوص بخاری ومسلم کی احادیث کو اپنے تیروں کا نشانہ بنانا شروع کیا اور اس امت کے سلف صالحین نے رواۃ کی عدالت وثقاہت کو جاننے اور احادیث واخبار اور استنباطات واجتہادات کو جانچنے و پرکھنے کے لئے علمی اصولوں کی شکل میں جو قصر رفیع تعمیر کیا تھا، نسلی اور جغرافیائی کینوں کی آگ بھڑکا کر اس کو ڈھانے کی فکر میں لگ گئے تو اس کے مقابلہ کے لئے برصغیر ہندو پاک میں: ابوسعید محمد حسین بٹالوی (م ۱۳۳۸ھ)، عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۶ھ) عبدالسلام مبارکپوری (م ۱۳۴۲ھ)، ابوالقاسم بنارسی (م ۱۳۶۹ھ)، محمد اسماعیل سلفی (م ۱۳۸۷ھ) وغیرہم اور عالم عرب میں: علامہ محمد عبدالرزاق حمزہ (۱۳۱۱ - ۱۳۹۲ھ)، امام عبدالرحمن بن یحییٰ معلّمی یمانی (م ۱۳۸۶ھ)، علامۂ شام محمد بہجہ بیطار (م ۱۹۷۸ء)، محدث کبیر شیخ احمد محمد شاکر (م ۱۳۷۷ھ) اور علامہ محمد ناصر الدین البانی (م ۱۴۲۰ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ اور ڈاکٹر ربیع ہادی حفظہ اللہ وتولاہ جیسے افاضل اور اساطین علم وفضل نے ان روشن خیالوں اور علم ومعرفت کے دعویداروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سنت اور اہل سنت کے خلاف اس کھلی دشمنی اور خبیث سازش کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کے لئے جو ذرائع اور تدابیر ممکن تھیں انہیں اختیار کیا۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء**۔

اسلام بالخصوص احادیث نبویہ کے خلاف رچی گئی سازشوں پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے ان سے یہ بات مخفی نہیں کہ عالم اسلام میں بھی بعض شخصیات ایسی ہیں جنہوں نے سنت کے مطالعہ اور بحث وتحقیق کے تئیں کلّیۃً وہی اندازِ فکر اپنا رکھا ہے جو ان مستشرقین ملاحدہ کا ہے جو یہودی ہیں یا نصرانی، ان شخصیات میں برصغیر ہندو پاک میں سید احمد خاں، چراغ علی، امیر علی، عبداللہ چکڑالوی، اسلم جیراجپوری، غلام احمد پرویز، خلیفہ عبدالحکیم اور آصف فیضی وغیرہم اور عالم عرب میں محمد عبدہ، قاسم امین، علی عبدالرزاق، محمود ابوریہ، احمد امین، حسین ہیکل، محمد خضری، حسن ترابی، محمد غزالی وغیرہم کے نام اہم ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ ٹٹ پونجیے قسم کے معاصر انشاء پرداز بھی ہیں جن کی حیثیت ان لوگوں کے طفیلیوں اور حاشیہ برداروں کی ہے جو ان کے انحرافات اور گمراہ کن افکار وخیالات کے پیچھے سرپٹ دوڑتے ہیں اور انہیں نہایت وقیع اور قابل قدر بنا کر پیش کرتے ہیں اور سادہ لوح طالب علموں کو

اپنے ناموں اورالقاب کی چمک دمک سے دھوکے میں مبتلا کردیتے ہیں ان میں چند کے نام یہ ہیں:

فہمی ہویدی، محمد فتحی عثمان، محمود شرقاوی، محسن عبدالحمید، جمال الدین عطیہ، عبداللہ علایلی، احمد ابوالمجد، محمد عوّا، محمود نویہی، سہیر لطفی، نوال سعداوی، حسین احمد امین، حسن حنفی، خالد محمد خالد، محمد خلف اللہ، زکی نجیب محمود، محمد احمد غرب، عبدالقادر جعلول، محمد ارکون، محمد عابد جابری، عبداللہ عروی اور احمد خالد وغیرہم۔

یہ اور اس طرح کے کچھ اور چھوٹ بھیّے ہیں جو رفض سنت کی اپنی ان کوششوں کے سبب جانے جاتے ہیں جنہیں وہ مختلف انداز اور مختلف پیرائے میں اپنی جہالت ولا پروائی اور فریب خوردگی کے سبب اور اپنے ترقی پسند، روشن خیال متجدد، تعلیم یافتہ اور متمدن ہونے کے زعم میں کرتے رہتے ہیں، ان حضرات کے خلاف علماء سنت کی ان قابل قدر خدمات اور مساعی کو جن کی جانب ہم نے اشارہ کیا ہے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ **فجزاهم الله عن الاسلام والمسلمين احسن الجزاء۔**

یہاں عالم اسلام کی بعض ان ممتاز اسلامی شخصیات کے ذکر سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا جو دعوت وثقافت اور عصری تقاضوں کی روشنی میں نوخیز نسلوں کی اسلام کی جانب رہنمائی کے میدان میں اپنی خدمات کے سبب معروف ہیں لیکن صحیحین میں وارد بعض صحیح حدیثوں کے انکار اور خام اور ناپختہ ذہنوں میں ان باریک علمی اصولوں کے متعلق جنہیں نقد حدیث کے لئے اس امت کے سلف صالحین نے وضع کیا تھا اور امت نے جس کے ساتھ تلقی بالقبول کیا تھا شکوک وشبہات پیدا کرنے اور بعض ان راویوں کو جن کی ثقاہت پر ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق ہے بغیر کسی دلیل کے سوائے اس کے کہ ان کی روایتیں ان کی خواہشات اور عقلوں کی میزان پر پوری نہیں اترتی ہیں مجروح قرار دینے کے سبب ان کے قلم سے بھی بعض ایسی چیزیں صادر ہوئی ہیں جو سنت کے لئے انتہائی مضرت رساں رہی ہیں۔ اس فہرست میں انکار وتشکیک، تجریح واستہانتِ سنت اور رواۃ حدیث پر بے جا تنقید میں فرق مراتب کے ساتھ برصغیر ہندوپاک میں عمر کریم پٹنوی، شبلی نعمانی، مشہور شاعر محمد اقبال، حمیدالدین فراہی، ابوالاعلیٰ مودودی، ظفر احمد تھانوی، احمد رضا بجنوری وغیرہم اور عالم عرب میں محمد زاہد کوثری اور ان کے تلامذہ جن میں سرفہرست عبدالفتاح ابوغدہ ہیں اور سعید رمضان بوطی، محمد غزالی اور یوسف قرضاوی وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

یہ کتاب جسے ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کررہے ہیں سنت کے دفاع، اعداء سنت کی سازشوں اور چالوں سے واقفیت وآگاہی اور سنت سے متعلق مختلف طبقوں اور گروہوں کے نظریات وخیالات پر نقد وتبصرہ کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ کتاب کے شرف واعزاز کے لئے بس یہی بات کافی ہے۔

میری نظر میں کتاب اپنے موضوع پر ایک کامیاب کوشش ہے اور موضوع کے اکثر گوشوں کو خاص کر سنت کے ان معاندین ومنکرین کی تاریخ کو محیط اور جامع ہے جنہوں نے عقیدہ وعمل میں سنت کی حجیت کے انکار، اس کی تطبیق میں اہمال، اس کے الفاظ ومعانی میں تحریف، اس کے ثبوت میں تشکیک، اس کی من مانی تاویل اور اسے اس کے محمل کے علاوہ پر محمول کرنے کی جسارتیں کی ہیں جو سلف صالحین کی روش اور ان کے مسلک کے خلاف ہے۔

مؤلف کتاب برادرم صلاح الدین مقبول احمد نے ان فکری رجحانات اور لہروں کی بعض مثالیں بھی دی ہیں جو مختلف انداز سے متعدد شہروں اور مختلف ادوار میں کتاب وسنت کے علوم اور سلف صالحین کے منہج اور طرز فکر سے ناواقف مسلمانوں کی گمراہی وکجروی کا سبب بنتی رہی ہیں۔

مؤلف نے مخالفین سنت کی آراء وخواہشات کا تجزیہ کیا ہے اور ان کی تردید کی ہے اور تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کو ان کے افکار ونظریات کی خطرناکی سے آگاہ وخبردار کیا ہے اور یہ سب پسندیدہ اور عالمانہ اسلوب میں ہے۔

سنت کے خلاف بعض جماعتوں، اداروں اور بعض شخصیات کا کردار انتہائی گھناؤنا رہا ہے۔ وہ ایک طرف سنت مطہرہ ثابتہ کے انکار اور اس میں تشکیک کے درپے رہی ہیں اور دوسری جانب اس میں ایسی چیزیں داخل کرنے کے لئے کوشاں رہی ہیں جو اس میں سے نہیں ہیں، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ ان تحریکات وشخصیات کو بے نقاب کیا جائے اور ان کی ان دوہری چالوں سے پردہ اٹھایا جائے جن کے سبب سنت خود اسلام کے داعیوں، اس کے نمائندوں اور اس کے حامیوں اور مددگاروں کے بیچ اجنبی ہوتی جارہی تھی اور اپنی قوم کو اپنی اعانت وفریادرسی کے لئے آواز دینے لگی تھی، چنانچہ اس کے اس آواز پر عرب وعجم اور مشرق ومغرب ہر جگہ سنت کے علم برداران انفرادی واجتماعی دونوں سطحوں پر اٹھ کھڑے ہوئے اور مخالفین سنت کی سازشوں کے تار وپود کو بکھیرنے کی کامیاب کوششیں کیں۔

چونکہ یہ کتاب وسنت کے دشمنوں اور اس کے ناسمجھ دوستوں کی قدیم وجدید تمام حرکات اور سرگرمیوں اور سنت کے دفاع کی تمام کیفیات کو محیط اور جامع ہے اس لئے اس لائق تھی کہ اہل علم اس کے مشمولات ومحتویات سے واقف وآگاہ ہوں، چنانچہ اسلامک سائنٹفک ریسرچ اکیڈمی، جو ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر کا ایک ماتحت اور ذیلی ادارہ ہے، نے اپنی ابتدائے قیام ہی میں اس کتاب کو شائع کرنے اور اسے لوگوں میں عام کرنے کے لئے پسند کرلیا تھا۔ کتاب کی کمپوزنگ تین سال پیشتر مکمل ہوچکی تھی، اس کے باوجود کتاب کے لئے جو وقت مقدر تھا اس سے پہلے اکیڈمی اس کی طباعت پر قادر نہ ہوسکی، اس سلسلے میں ہم سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ قدر الله وما شاء فعل۔

یہاں ایک اور بات پیش نظر رہے کہ اس کتاب کی تالیف چونکہ چار سال پیشتر مکمل ہوچکی تھی اس لئے مؤلف، استاذ محمد غزالی کی کتاب "السنة النبوية بين أهل الفقه وأهل الحديث" (جو ایک نئے قسم کے اعتزال اور ان علمی اصولوں اور حدیثی قواعد جنہیں ائمہ حدیث نے کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی روشنی میں وضع کیا ہے اور امت نے اسے تلقی بالقبول کا درجہ دیا ہے، کے انہدام کی ایک منصوبہ بند سازش تصور کی جاتی ہے) پر تفصیلی نقد ومحاکمہ نہیں کرسکے ہیں لیکن دوسرے کئی سنت کے شیدائیوں اور عقیدہ ودین کے تئیں علم نبوی کے غیور طالب علموں کے قلم سے اس کتاب کے ردود منظر عام پر آچکے ہیں جن میں ڈاکٹر ربیع بن ہادی مدخلی، استاذ جمال سلطان اور شیخ صالح بن عبدالعزیز بن ابراہیم آل الشیخ حفظہم اللہ وتولاہم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

لیکن یہ مسئلہ محض کسی کتاب یا رسالہ کے لکھ دینے سے ختم نہیں ہوجاتا بلکہ یہ ایک نہایت باریک اور گھناؤنی عالمی سازش

ہے جو بین الاقوامی سطح پر رچی گئی ہے اور جس کی ڈور ایسی مختلف تنظیمات وتحریکات اور شخصیات ہلا رہی ہیں جن کی حیثیات اور جن کے مقاصد واضح نہیں ہیں جن میں "المعهد العالمي للفكر الاسلامي" (واشنگٹن امریکہ)، فہمی ہویدی اور محمد عمارہ وغیرہم کے گروپ (مصر) اور ہفت روزہ مجلہ "المسلمون"، جریدہ "الشرق الاوسط"، مجلہ "سيدتي"، مجلہ "المسلم المعاصر"، مجلہ "العربي" اور مجلہ "كل الناس" کے ایڈیٹران اور کارپردازان شامل ہیں۔ ان ایڈیٹران میں فیلیب جلاب اور لوئس جریس جیسے آوارہ مزاج نصرانی بھی ہیں جو کسی سیلاب کے آگے نہیں ٹکتے، ہر بہاؤ میں بہنے لگتے ہیں۔ تعجب ہے کہ استاذ محمد غزالی بھی ان میں سے بعض کے شریک کار رہے ہیں۔ ہندوستان، پاکستان، ملیشیا، مغرب اور دیگر ممالک میں بھی ان کے طفیلیوں اور حاشیہ برداروں کا گروہ موجود ہے، ان کے مادی وسائل وامکانیات کا حال یہ ہے کہ کئی کئی حکومتوں کے بجٹ مل کر بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، ان وسائل سے وہ ضمیروں کو خریدتے اور قلموں کا سودا کرتے ہیں اور ایسے باریک اور پیچیدہ انداز میں کام کرتے ہیں کہ بیچارے سادہ لوح مسلمان جن کے اندر علم وفکر کی پختگی نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اپنی پشت پر عقیدۂ سلف اور سنت صحیحہ کا کوئی مضبوط بیک گراؤنڈ رکھتے ہیں ان کے دامِ فریب میں آجاتے ہیں۔ یہ حقائق کو معکوس انداز میں پیش کرتے اور خود کو دانشور اور روشن ضمیر کہلواتے ہیں۔ مسئلہ جتنا ہم اور ہماری طرح دوسرے لوگ جوان جماعتوں، اداروں اور کلبوں کی سرگرمیوں پر گہری نظر نہیں رکھتے تصور کر سکتے ہیں، اس سے کہیں پیچیدہ، اہم اور نازک ہے، لہٰذا برادرم صلاح الدین سے ہم توقع کرتے ہیں کہ وہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ان امور کا اضافہ کر کے ان سازشوں سے بھی پردہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

اس جگہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مسلمان نوجوانوں کو جو حقیقت پسند اور حق کے متلاشی ہیں اور حق ہی کے ساتھ رہتے ہیں، سنت کی اہمیت اور سلف صالح کے انداز فکر کو سمجھنے کے لئے علماء محدثین اور ائمہ سنت کی کتابوں کے مطالعہ کی جانب رہنمائی کروں، ان کتابوں میں خصوصی اہمیت کی حامل بعض کتابیں میرے نزدیک یہ ہیں:

• الرسالة للشافعي مع تقديم وتعليقات أحمد محمد شاكر • مقدمه فتح الباری (حافظ ابن حجر) • مقدمه صحيح مسلم • صحيح ابن حبان • نقض الدارمی علی بشر المريسی • تأويل مختلف الحديث (ابن قتيبة دينوری) • السنّة (مروزی) • الاحكام فی أصول الأحكام (ابن حزم) • الرد علی المنطقيين، نقض المنطق، منهاج السنة النبوية اور اقتضاء الصراط المستقيم (شيخ الاسلام ابن تيمية) • مفتاح دار السعادة، اعلام الموقعين اور زاد المعاد (ابن قيم الجوزيه) • دراسات اللبيب (محمد معين الدين سندی) • ايقاظ همم أولی الأبصار (فلاّنی) • الروض الباسم فی الذب عن سنة أبی القاسم (ابن الوزير) • مؤلفات امام شوكانی • معيار الحق (شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی) • الروضة الندية (سید صدیق حسن خاں) • حسن البيان فيما فی سيرة النعمان (امام ومجاہد علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی)

● مقدمة غاية المقصود و جملہ مؤلفات علامہ شمس الحق عظیم آبادی۔ ● سیرة البخاری (علامہ عبدالسلام مبارک پوری)
●حل مشکلات البخاری اور الأمر المبرم (مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی)●صیانة الانسان (مولانا محمد بشیر سہسوانی)

مؤلفات وتعلیقات مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور علامہ نذیر احمد رحمانی۔

● جامع ترمذی اور اختصار علوم الحدیث لابن کثیر پر احمد محمد شاکر کے مقدمے وتعلیقات بنام 'الباعث الحثیث' ●ظلمات أبی ریة (محمد عبدالرزاق حمزة) ●الأنوار الکاشفة اور التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الأباطیل (شیخ عبدالرحمن معلمی یمانی) ●حول ترحیب الکوثری (علامہ شام محمد بہجہ بیطار) ●اور جملہ مؤلفات محدث عصر شیخ محمد ناصر الدین البانی۔ ● دوام الحدیث (امام حافظ محمد گوندلوی) ● جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث (مولانا اسماعیل سلفی گوجرانوالہ)۔ ●انوار المصابیح (علامہ نذیر احمد رحمانی) ●لمحات (مولانا محمد رئیس ندوی)

اسی طرح میں نوجوانوں کو سنت سے متعلق بعض معاصر علماء، جن کا ذکر ابھی تک نہیں آیا ہے، کی تحریروں کی جانب خصوصی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، ان حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

محدث برصغیر ہندو پاک علامہ شیخ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، شیخ بدیع الدین شاہ راشدی، شیخ مقبل بن ہادی وادعی، علامہ شیخ عبدالمحسن حمد العباد۔

موجودہ صدی کے ثقہ اور معتبر علماء میں کچھ نام اور بھی ہیں جن میں سے کچھ تو اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں اور کچھ باحیات ہیں جنہوں نے اپنی نگارشات کا اصل الاصول وحی معصوم اور خالص اسلامی ثقافت کو قرار دیا ہے، میں ان حضرات کی تصنیفات وتالیفات، مقالات ومضامین اور جملہ تحریروں سے اپنے نوجوانوں کو استفادہ کا مشورہ دیتا ہوں، ان علماء میں سے چند اہم نام یہ ہیں:

●علامۂ قصیم شیخ عبدالرحمن سعدی۔ ●علامۂ جنوب مملکت سعودی عرب شیخ حافظ حکمی۔●علامۂ نجد شیخ سعد بن عتیق۔ ●امام شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ اور ان کے شاگرد امام ومجاہد شیخ عبداللہ بن حمید۔ ●علامۂ مغرب عالمی داعی ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی۔ ●علامۂ عراق شیخ محمد شکری آلوسی۔

●امام سید رشید رضا کے مقالات ومضامین جنہیں اپنے استاد محمد عبدہ کی وفات کے بعد انہوں نے تحریر کیا ہے۔●جملہ مؤلفات ومقالات وتراجم مؤسس جمعیة الشبان المسلمین وایڈیٹر مجلہ 'الفتح' اور مجلہ 'الزہراء' استاذ کبیر محب الدین خطیب۔ ●ڈاکٹر احمد محمد مغراوی۔ ●ڈاکٹر امین مصری۔ ●علامہ شیخ عبدالعزیز بن راشد نجدی۔ ●مؤسس أنصار السنة المحمدیة شیخ محمد حامد فقی۔ ● شیخ عبدالرحمن وکیل۔ ●ڈاکٹر خلیل ہراس۔ ●مالک مکتبہ ابن تیمیہ ڈاکٹر رشاد سالم ●مؤلفات امام عبدالحمید بادیس۔ ●استاذ مالک بن نبی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (صرف پختہ فکر طلباء کے لئے جو عقیدہ ومنہج سلف سے دلچسپی رکھتے ہیں)●مؤلفات امام عصر شیخ عبدالعزیز عبداللہ بن باز۔●مؤلفات مربی کبیر علامۂ قصیم محمد صالح العثیمین۔ ●ڈاکٹر بکر بن عبداللہ ابوزید۔●ڈاکٹر صالح فوزان۔● شیخ عبداللہ بن جبرین۔●استاذ الادباء محمود بن محمد شاکر۔●ڈاکٹر ناصر الدین اسد۔●استاذ انور جندی۔ ●استاذ ابوتراب ظاہری۔

• ابوعبدالرحمن بن عقیل (ان کے بعض تفردات کو مستثنیٰ کر کے)۔

باطنی فرقوں کے احوال اور سلف صالح کے عقیدے کی تائید وحمایت نیز سنت کے دفاع اور نوجوانوں کی تربیت سے متعلق مقالات ومؤلفات۔

استاذ محمد سرور نائف زین العابدین۔

علمانیہ، اشتراکیہ اور شیوعیہ وغیرہ گمراہ کن قدیم وجدید افکار ومذاہب کے تنقیدی جائزے پر مشتمل تصنیفات شیخ سفر حوالی۔

سلفی عقیدہ کی تائید وحمایت اور موجودہ مسائل ومشکلات سے متعلق مقالات ومضامین استاذ محمود مہدی استانبولی۔ استاذ عید عباسی وغیرہم۔

اور برصغیر ہندو پاک کے علماء میں:

• امام قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ • شیخ الاسلام ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری۔ • ابوالکلام آزاد۔ • محمد علی قصوری۔ • محمد حنیف ندوی (بعض شذوذ اور تفردات کے استثناء کے ساتھ)۔ • غلام رسول مہر۔ • ڈاکٹر رفیع الدین۔ • امام عبدالعزیز میمنی وغیرہم۔

یہاں میں خالص اسلامی ثقافت کے موضوع پر لکھی گئی بعض قیمتی مؤلفات کا ذکر کروں گا تاکہ طلبائے علومِ اسلامیہ ان سے استفادہ کر سکیں۔ ان میں میرے نزدیک چند اہم اور قابل ذکر تالیفات یہ ہیں:

• 'الاتجاهات الوطنية في الأدب المعاصر' اور 'حصوننا مهددة من داخلها' از استاذ محمد محمد حسین۔

• 'دواء الشاكين وقامع المشككين'، 'الدعوة الى الله' اور 'تقويم اللسانين' از ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی۔

• 'تحت راية القرآن'، 'وحي القلم' از استاذ مصطفیٰ صادق رافعی۔

• 'مع الرعيل الأوّل'، مجلة 'الفتح'، مجله 'الزهراء' از علامہ محب الدین خطیب، نیز ابن عربی کی 'العواصم من القواصم' اور ذہبی کی 'منهاج الاعتدال' اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کی 'مختصر تحفۂ اثنا عشرية' پر ان کے مقدمے اور ان کی تعلیقات۔

• 'الظاهرة القرآنية' از استاذ مالک بن نبی (احمد محمد شاکر کے مقدمہ کے ساتھ)۔

• 'خصائص التصور الاسلامي' اور اس کے مقدمے از سید قطب۔

• 'واقعنا المعاصر' از محمد قطب

• 'مقارنة بين الغزالي وابن تيمية' اور 'الثقافة الاسلامية' از ڈاکٹر محمد رشاد سالم۔

• 'أباطيل وأسمار'، 'المتنبي' اور 'هذه ثقافتنا' از استاذ محمود محمد شاکر۔

• 'مصادر الشعر الجاهلي' از ناصر الدین اسد۔

* 'مفهوم تجديد الدين' از استاذ بسطامی محمد سعید۔

جہالت وغلط فہمی، ہٹ دھرمی اور انکارحق اور بندگانِ الٰہی کی تحقیر وتذلیل کے جس ماحول میں آج ہم سانس لے رہے ہیں اسے دیکھتے ہوئے یہاں میں دو باتوں کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں:

اوّل یہ کہ موضوع کے اس سرسری جائزہ سے میرا مقصد ومنشا سنت نبویہ کا دفاع اور مسلک محدثین کی تائید وحمایت ہے۔ مقدمہ یا کتاب میں جن شخصیات کا ذکر آیا ہے ان کو نشانہ بنانا قطعاً نہیں، مزید برآں جن اشخاص کی جانب مقدمہ میں ان کے حدیثی موقف کی وضاحت کے وقت اشارہ کیا گیا ہے وہ کسی ایسے منہج اور اصول کے پابند نہیں جن پر سب کا اتفاق ہو، سنت کے رفض وانکار کے تئیں ان کے درجات ومعیار میں فرق واختلاف موجود ہے، لیکن اس اختلاف کے باوجود سنت اور سنت پر عمل کا استخفاف اور اس کی تحقیر سب کے یہاں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ بنابریں شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلام کو نقصان پہنچانے میں سبھی شریک ہیں۔

دوم یہ کہ شخصیات اوج وکمال کی کتنی ہی بلندی پر کیوں نہ پہنچ جائیں اور بے پناہ عوامی شہرت ومقبولیت کی مالک کیوں نہ بن جائیں، لیکن وہ حق کی میزان پر بہرصورت تولی جائیں گی کیونکہ حق کا اظہار اور حق کا دفاع سب سے اہم اور سب سے قیمتی شے ہے، حق شخصیات سے نہیں پرکھا جاتا بلکہ شخصیات حق کی کسوٹی پر پرکھی جاتی ہیں، اس لئے حق کی معرفت ضروری ہے۔ اگر حق واضح ہوجائے تو پھر اس آئینہ میں شخصیات کے چہرہ کا حسن وقبح بآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔

اخیر میں مؤلف کتاب عزیزی صلاح الدین مقبول احمد کی صحیح سمت میں اس مناسب کاوش اور دفاع سنت کے سلسلہ میں ان کے اس صریح جرأت مندانہ موقف پر ہم ان کے انتہائی شکر گزار ہیں اور بارگاہِ رب العزت میں دعا گو ہیں کہ وہ ان کے اس عمل کو قیامت کے دن ان کی نیکیوں کے پلڑے میں جگہ دے اور ہم سب کو ان تمام وسائل وامکانیات کے ساتھ جن سے اس نے ہم کو نوازا ہے، اپنے راستے میں جہاد کی توفیق ارزانی فرمائے اور حق کو فتح یاب اور باطل کو شکست وہزیمت سے دوچار کرے اور ہمیں حق کو حق دکھائے اور اس کے اتباع کی اور باطل کو باطل دکھائے اور اس سے اجتناب کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمارے انجام کار کو بہتر بنائے۔

انه سميع قريب مجيب۔

{رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ}(الحشر:۱۰)

سبحانك اللهم وبحمدك، أشهد أن لا اله الا أنت أستغفرك وأتوب اليك۔

(مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی، جلد سوم، ص ۱۵۶)

(مأخوذ از مقدمه زوابع في وجه السنه عربی / اردو ترجمہ: رفیق احمد سلفی)

❑❑❑

اہل حدیث اوران کا عقیدہ

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ

علامہ ابوالحسن اشعری چوتھی صدی ہجری کی ایک جلیل القدر شخصیت ہیں، جن کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ وہ ۲۶۰ھ (۸۷۴ء) کو بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۵ھ (۹۳۷ء) کے پس وپیش بغداد میں وفات پائی۔ ان کی بہت سی تصنیفات میں سے ایک نہایت اہم تصنیف ''مقالات الاسلامیین'' ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی جلد اوّل میں انہوں نے اہل حدیث اوران کے افکار وعقائد کا تذکرہ انتہائی جامعیت کے ساتھ کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ''اہل سنت'' کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔ وہ لکھتے ہیں کہ اہل حدیث یا اہل سنت جن چیزوں کو افکار ونظریات کا بنیادی نقطہ قرار دیتے ہیں اور جس محور کے گرد ان کے عقائد ومسلمات گھومتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں۔

☆ اللہ کا اقرار کرنا، اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کو صحیح قرار دینا، اس کے رسولوں کو ماننا، جو احکام اللہ کی طرف سے نازل ہوئے اور احادیث کا جو ذخیرہ ثقہ راویوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اور پھر اسے امت تک پہنچایا، اس کی حقانیت کا اقرار کرنا اور ان میں سے کسی چیز کی بھی تردید نہ کرنا۔

☆ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور بے نیاز ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے، نہ بیوی۔ قرآن کہتا ہے۔

{قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ○ اللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ○ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ} (الاخلاص)

اے پیغمبر! کہہ دو، اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، وہ نہ کسی کا باپ ہے، نہ بیٹا اور کوئی اس کا ہم سر نہیں۔)

☆ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول اور اسکے بندے ہیں۔ جنت برحق ہے، جہنم بھی برحق ہے۔ قیامت ضرور آئے گی، اس کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو قبروں سے اٹھا کھڑا کرے گا۔

ارشاد خداوندی ہے: {وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ} (الحج:۷)

(بلاشبہ قیامت آنے والی ہے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ اللہ ان سب کو جو قبروں میں مدفون ہیں، اٹھائے گا)

☆ اللہ کے بارے میں اہل حدیث کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ عرش پر ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کی اس آیت پر مبنی ہے۔

{الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ} (طٰہٰ:۵) (رحمان جس نے عرش پر قرار پکڑا)۔

☆ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے دو ہاتھ ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ:

وہ کس طرح کے ہیں۔ دو ہاتھ کے بارے میں وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

{خَلَقْتُ بِيَدَيَّ} (ص:۷۵) (جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔)

☆ ان کے عقیدے کے مطابق اللہ کے ہاتھوں میں بے حد کشادگی پائی جاتی ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

{بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ} (المائدہ:۶۴) (بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔)

☆ اللہ کی دو آنکھیں بھی ہیں، لیکن ان آنکھوں کی کیفیت کا کسی کو علم نہیں۔ آنکھوں کا ذکر قرآن میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔ {تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا} (القمر:۱۴) (وہ کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے رواں تھی۔)

☆ آنکھوں کے علاوہ اہل حدیث کے نقطہ نظر کے مطابق اللہ تعالیٰ کا چہرہ بھی ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

{وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ} (رحمن:۲۷) (اے پیغمبر! تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا جو کہ عظمت واکرام والا ہے۔)

☆ ان کا کہنا ہے کہ اللہ کی ذات اعلیٰ وارفع میں علم کی صفت پائی جاتی ہے، جس کا ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔

{لَّٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ} (النساء:۱۶۶)

(اے پیغمبر! اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کتاب تم پر نازل کی ہے اسے اپنے علمی کمال کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے: {وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ} (فاطر:۱۱) (کسی عورت کا حاملہ ہونا اور جننا سب اللہ کے علم میں ہے۔)

☆ ان کے عقائد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ میں سمع وبصر کی صفات بھی پائی جاتی ہیں اور وہ سمیع وبصیر ہے۔

{إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ} (بنی اسرائیل:۱) (بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

☆ وہ طاقت وقوت کا بھی مالک ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

{أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً} (حم السجدہ:۱۵) (کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا، وہ قوت میں ان سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

☆ وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ زمین میں خیر وشر وغیرہ جو کچھ بھی ظہور پذیر ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے اور تمام امور اللہ کی مشیت کے تابع ہیں۔ انسان وہی کچھ کرتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ قرآن اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

{وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ} (تکویر:۲۹) (اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے، مگر وہی جو اللہ چاہے۔)

چنانچہ یہی اہل حدیث کہتے ہیں۔

مَا شَاءَ اللهُ كَانَ وَمَا لَا يَشَاءُ لَا يَكُونُ۔

(جو اللہ چاہتا ہے، وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا، نہیں ہوسکتا)۔

☆ اللہ کے سوا یہ لوگ کسی کو خالق نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک ہر شے کا خالق اور ہر چیز کو پیدا کرنے والا صرف اللہ ہے۔

☆ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنی اطاعت اور فرماں برداری کی توفیق سے نوازا ہے۔ اس نے کافروں کو ذلت سے دو چار کیا ہے اور مسلمانوں کو اپنے لطف و کرم کا مستحق گردانا اور انہیں نیکی کی استعداد بخشی، ان کی اصلاح فرمائی اور ہر معاملے میں ان کو ہدایت اور رہنمائی کی نعمت سے نوازا ہے۔

☆ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خیر و شر کے تمام معاملات اللہ کی قضا و قدر کے تابع ہیں۔ قضا و قدر پر یہ پورا ایمان رکھتے ہیں، اس کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے۔ خوش کن واقعات سے ہو یا ناخوشگوار امور سے، یہ بہر حال اسے دل و جان سے مانتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔

☆ یہ اس حقیقت کو پوری طرح تسلیم کرتے ہیں کہ انہیں اپنے نفع و نقصان پر قدرت حاصل نہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ نفع و نقصان کا سلسلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تمام امور میں یہ لوگ اللہ پر توکل رکھتے ہیں اور ہر وقت اور ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع کرتے اور اسی کے محتاج ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

☆ قرآن کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ غیر مخلوق ہے۔

☆ یہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کا دیدار ہوگا اور اسی طرح ہوگا جس طرح کہ ہم چودھویں رات کا چاند دیکھتے ہیں۔ لیکن اس دیدار کا شرف صرف ایمان داروں کو حاصل ہوگا، کافروں کو نہیں ہوگا۔ کافر اس کے دیدار سے محروم رہیں گے' جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

{كَلَّآ إِنَّهُمۡ عَن رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٖ لَّمَحۡجُوبُونَ} (تطفیف: ۱۵) (ہرگز نہیں، ان (کافروں) کو اس دن پروردگار کے دیدار سے روک دیا جائے گا)

☆ ایمان کے معنی ان کے نزدیک یہ ہیں کہ اللہ کو مانا جائے، اس کے فرشتوں اور اس کی طرف سے نازل شدہ کتابوں کو تسلیم کیا جائے۔ تقدیر پر ایمان لایا جائے، اس کا تعلق خیر سے ہو یا شر سے' خوش کن واقعات سے ہو یا تلخ حقائق سے۔ تقدیر پر ایمان لانے کا انداز اس طرح کا ہونا چاہیے کہ جو مصیبت ٹل گئی' وہ کبھی پیش آنے والی نہ تھی اور جو پیش آگئی' وہ ٹل نہیں سکتی تھی۔

☆ ایمان کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ توحید کو مانا جائے یعنی اس بات کی شہادت دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

☆ یہ لوگ اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مقلب القلوب (یعنی دلوں کو پھیر دینے والا) ہے۔

☆ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شفاعت کے مستحق وہ لوگ بھی ہوں گے، جو کبائر کے مرتکب ہوئے ہیں۔

☆ ان کے نزدیک عذاب برحق ہے، حوض کوثر برحق ہے، پل صراط برحق ہے، موت کے بعد زندہ ہونا برحق ہے اور اللہ کی بارگاہ میں حساب ہونا برحق ہے۔ قیامت کے روز اللہ کے حضور کھڑا ہونا برحق ہے۔

☆ ان کا عقیدہ ہے کہ ایمان انسان کے قول وعمل سے عبارت ہے اور ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

☆ کبائر کے مرتکب لوگوں کے لئے یہ جہنمی ہونے کی گواہی نہیں دیتے اور نہ یہ موحدین میں سے کسی کے لئے جنت کو حتمی قرار دیتے ہیں۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ تمام معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ وہ کسی کو جہاں چاہے رکھے۔ چاہے تو عذاب میں مبتلا کر دے اور چاہے تو معاف فرما دے۔

☆ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موحدین میں سے بہت لوگوں کو جہنم سے نجات دلا دے گا، جیسا کہ متعدد احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مروی ہیں۔

☆ دینی امور ومعاملات سے متعلق یہ لوگ مجادلت ومنازعت سے انکار کرتے ہیں۔

☆ جبر وقدر کے مسائل سے متعلق بحث وتمحیص سے یہ لوگ ہمیشہ اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہیں۔

☆ یہ لوگ ہر اس بات کو الگ کریں مبنی بر صحت قرار دیتے ہیں جو صحیح احادیث سے مروی ہے یا جس بات کا ثبوت ان آثار سے ملتا ہے جو ثقہ راویوں کے ذریعے سے ہم تک پہنچے ہیں، جن کا ہر راوی عادل ہے اور عادل ہی سے اس نے یہ آثار نقل کیے ہیں اور پھر یہ سلسلہ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوا۔

☆ یہ لوگ دینی مسائل میں یہ کہنے کے عادی نہیں ہیں کہ یہ کیوں ہوا اور کیوں کر ہوا۔ یعنی دین میں یہ ''کم'' اور ''کیف'' کو صحیح نہیں قرار دیتے۔

☆ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے انسان کو شر کے ارتکاب کا حکم نہیں دیا بلکہ شر سے روکا ہے۔ اس نے ہر معاملے میں خیر کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔ تاہم ان کے نزدیک خیر وشر اللہ کے ارادہ تکوینی میں ضرور داخل ہے۔

☆ یہ لوگ صحابہ کرام کے فضائل تو بیان کرتے ہیں، لیکن ان کے باہمی مشاجرات کے بیان سے دامن کشاں رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک صحابہ اور خلفائے راشدین میں اولین مقام حضرت ابوبکر کا ہے۔ پھر حضرت عمر کا، ان کے بعد حضرت عثمان کا اور پھر حضرت علی کا ہے۔ رضی اللہ عنہم۔

☆ یہ لوگ اس بات کو صحیح قرار دیتے ہیں جو احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت کا طالب ہو۔

☆ کتاب وسنت کو یہ لوگ حجت تسلیم کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا ہے: {فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ} (النساء:۵۹)

(کسی معاملے میں تم اختلاف کرنے لگو تو اسے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا کرو)۔

☆ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے حی (زندہ) قرار دیتے ہیں۔ اسے عالم، قادر، سمیع (سننے والا) بصیر (دیکھنے والا) عزیز، عظیم، جلیل، کبیر، کریم مرید (ارادہ کرنے والا) اور جواد (فیاض) مانتے ہیں۔

☆ علم‘ قدرت‘ حیات‘ سمیع‘ بصیر‘ عظمت‘ جلال‘ کبریا‘ ان کے نقطہ نظر کے مطابق سب صفات باری تعالیٰ کی ہیں۔

☆ ان کے نزدیک صحابہ کرام کو برسرحق ماننا ضروری ہے۔

☆ ان کا کہنا ہے کہ دینی امور میں بدعات سے دامن کشاں رہا جائے اور صرف انہی باتوں کو لائق اتباع قرار دیا جائے جن کے اتباع کا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔

☆ ان کے نزدیک مشرکین کے مقابلے میں فریضہ جہاد ادا کرنا چاہیے۔ یہ جہاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے شروع ہوا ہے جو خروج دجال اور اس کے بعد تک جاری رہے گا۔

☆ یہ لوگ منکر نکیر، معراج نبوی اور رویا کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ فوت شدہ مسلمانوں کے لئے اگر دعا کی جائے یا صدقہ دیا جائے تو اس کا انہیں ثواب پہنچتا ہے۔

☆ جنت اور دوزخ ان کے نزدیک مخلوق ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کوئی شخص طبعی موت مرے یا مارا جائے اور قتل کیا جائے، وہ سب اس ’’اجل‘‘ اور وقت مقررہ کے تحت ہوتا ہے جو پہلے سے اس کے لئے متعین ہے۔

☆ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہر قسم کا رزق ہر جان دار کو اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور یہ کہ انسان کے دل میں شیطان وسوسے ڈالتا، اسے شکوک میں مبتلا کرتا اور صراط مستقیم سے دور ہٹانے اور صحیح معاملات سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ ان کے نزدیک، چھوٹے بچے مر جائیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ وہ چاہے تو انہیں عذاب میں مبتلا کرے اور چاہے تو ان کے ساتھ کوئی اور معاملہ روا رکھے۔

☆ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کو ان سب چیزوں کا علم ہے جن سے انسان اپنی زندگی میں دوچار ہونے والا ہے۔ جو کچھ ظہور میں آنے والا ہے، وہ پہلے سے اللہ کے نزدیک لکھا ہوا ہے اور تمام امور اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

☆ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بندے اللہ کے فیصلوں پر صبر کریں، اس کے احکام مانیں، جن باتوں سے اس نے روکا ہے، ان سے رکیں اور جن پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان پر خلوص قلب سے عمل کریں، تمام مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں، اللہ کی عبادت کو اپنا شعار بنائیں، کبائر سے مجتنب رہیں، زنا، چوری اور کذب بیانی وغیرہ کبیرہ گناہوں سے دامن بچا کر رکھیں۔ عصبیت، فخر وغرور، کبر ورعونت، خود پسندی اور دوسروں کی تحقیر سے بچیں۔

☆ اہل بدعت سے کنارہ کش رہیں۔ زیادتر وقت تلاوت قرآن اور آثار وسنن کے مطالعہ وتحریر میں صرف کریں۔ آیات الٰہی کو مرکز غور وفکر ٹھہرائیں۔ تواضع‘ فروتنی، حسن اخلاق، اعمال خیر اور خدمت خلق کو لازمہ حیات قرار دیں۔ کسی کو ایذا نہ پہنچائیں، غیبت نہ کریں، کھانے پینے میں احتیاط برتیں اور حلال وطیب چیزوں کی جستجو میں رہیں۔

یہ ہیں وہ چیزیں جن پر اہل حدیث خود بھی عمل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی ان پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہی ان کا عقیدہ ہے، یہی ان کی رائے ہے اور یہی ان کا نقطہ نظر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پورا اسلام اس میں آ گیا ہے اور مسلک اہل حدیث پورے اسلام سے تعبیر ہے۔ یہ کسی خاص فرقے، خاص جماعت اور حزب کا نام نہیں ہے۔ کامل اسلام اور مکمل دین کا نام ہے۔ اس میں کوئی جھول، کوئی الجھاؤ اور کوئی الجھن نہیں ہے۔ کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ ہر بات سیدھی اور ہر معاملہ صاف ہے۔ ہر حکم واضح ہے اور ہر مسئلہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے اور ذہن میں اتر جاتا ہے۔ اسلام چوں کہ دین آسمان ہے، لہٰذا ان چیزوں کو حیطہ فہم میں لانا بھی نہایت آسان ہے۔ الدین یسر۔

اہل حدیث کوئی فرقہ نہیں، اصل اسلام ہے

چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی کے ایک ممتاز محقق محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق نے ''الفہرست'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے جو مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کون سا علم کب عالم وجود میں آیا اور کن کن اصحاب علم نے اس کی ترویج واشاعت میں کیا خدمات سرانجام دیں۔ بہ اختلاف روایات ابن ندیم وارق نے ۳۹۰ھ (۱۰۰۰ء) کے لگ بھگ وفات پائی۔

علوم وفنون اور رجال کے سلسلے میں ''الفہرست'' کا شمار کتب حوالہ میں کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کے چھٹے مقالے کا چھٹا فن ''فقہائے محدثین اور اہل حدیث'' پر محتوی ہے۔ اس مقالے میں پہلی، دوسری اور تیسری صدی ہجری کے محدثین اور اصحاب حدیث کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان میں سے کس بزرگ نے کون سی کتابیں تصنیف کیں۔

یہ کتاب اس حقیقت کی وضاحت کرتی ہے کہ ''اہل حدیث'' کوئی نیا مذہب یا نیا فرقہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ابتدائے اسلام سے ہے اور یہی درحقیقت اصل اسلام ہے، جس کی نسبت کتاب وسنت کی طرف ہے۔ باقی تمام مذاہب ومسالک افراد وائمہ کی طرف منسوب ہیں اور ان کے فقہی رجحانات وآراء کے آئینہ دار......!

اہل حدیث اور اہل سنت

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام احمد اور لقب تقی الدین ہے۔ ان کی کنیت ابوالعباس ہے۔ وہ ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ (۲۱ جنوری ۱۲۶۳ء) کو حران کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف اور علم وتحقیق میں یگانۂ روزگار تھے۔ انہوں نے ۲۸ ذیقعدہ ۷۲۸ھ (۱۴ اکتوبر ۱۳۲۸ء) کو وفات پائی۔

امام ابن تیمیہ کی ایک مشہور تصنیف ''منہاج السنہ'' ہے اس کتاب میں وہ اہل حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان اھل الحدیث من اعظم الناس بحثا عن اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وطلبا لعلمھا وارغب الناس فی اتباعھا وابعد الناس عن اتباع ھو یخالفھا۔

(منھاج السنۃ جلد۲، ص۱۷۹)

(اہل حدیث کی یہ خصوصیت ہے کہ نبی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے سب سے زیادہ متلاشی رہتے ہیں اورآپؐ کے فرامین کی اتباع ان کے نزدیک انتہائی مرغوب ومحبوب ہے اور جو چیز اس کے خلاف ہو اس سے دور بھاگتے ہیں۔)

اسی کتاب میں دوسری جگہ وہ اہل حدیث اور اہل سنت کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں:

وأما اهل الحديث والسنة والجماعة فقد اختصوا بأتباع الكتاب والسنة الثابتة عن نبيهم صلى الله عليه وسلم فى الأصول والفروع وما كان عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم۔(ایضاً صفحہ ۱۰۳)

(اہل حدیث اور اہل سنت والجماعت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اصول وفروع میں قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مرکز اتباع ٹھہراتے ہیں اور ان امور کی پیروی کرتے ہیں، جن پر صحابہ کرام عامل تھے۔

ائمہ اربعہ سے پہلے کا مذہب

امام ابن تیمیہ صاف الفاظ میں رقم فرماتے ہیں کہ اہل حدیث کوئی نیا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ ائمہ اربعہ سے پہلے کا مذہب ہے اور صحابہ کرام اسی کے مطابق عمل کرتے تھے اور درحقیقت یہی لوگ اہل سنت ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وارشادات پر عمل پیرا ہیں۔امام صاحب اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

ومن اهل السنة مذهب معروف قبل ان يخلق الله أبا حنيفة ومالكا والشافعي واحمد فانه مذهب الصحابة تلقوه عن نبيهم ومن خالف ذالك كان مبتدعا عند أهل السنة والجماعة۔ (منهاج السنة مطبوعه المكتبة السلفيه۔لاهور ۱۳۹۶۔۱۹۷۶ء)

(اہل سنت کا یہ معروف مذہب ہے جو امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کی پیدائش سے بہت پہلے کا ہے اور یہی مذہب صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ہے، جس کی تعلیم انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی، جو لوگ اس کے خلاف دوسری راہ اپنائیں گے ان کا شمار اہل بدعت میں ہوگا)

کتاب وسنت کے اصل متبعین

اہل حدیث کے اوصاف بیان کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فهم يومنون بكل رسول وبكل كتاب لا يفرقون بين احد من رسل الله ولم يكونوا من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيئاً۔(نقض المنطق ص۳۳)

(یہ لوگ ہر رسول اور اللہ کی ہر کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، نہ یہ اللہ کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان فرق کرتے ہیں اور نہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو دین میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔)

امام ابن تیمیہ ''نقض المنطق'' میں اہل حدیث کے بارے میں امام اسماعیل بن عبدالرحمن صابونی (متوفی ۴۴۹ھ/۱۰۰۸ء) کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

ان اصحاب الحدیث المتمسکین بالکتاب والسنة یعرفون ربھم تبارك وتعالیٰ بصفاته التی نطق بھا کتابه وتنزیله وشھدله بھا رسوله علی ماوردت به الأخبار الصحیحة ونقله العدول الثقات ولا یعتقدون تشبیھا لصفاته بصفات خلقه ولا یکیفونھا تکییف المشبه ولا یحرفون الکلم عن مواضعه تحریف المعتزلة والجھمیة۔

(اہل حدیث کا شیوہ یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت سے تمسک کرتے ہیں۔ اللہ کی وہی صفات بیان کرتے ہیں جو اس نے خود اپنی کتاب (قرآن مجید) میں بیان فرمائی ہے اور جن کا ذکر اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان صحیح احادیث میں کیا ہے جو عادل وثقہ راویوں سے مروی ہیں۔ وہ اس کی صفات کو اس کی مخلوق کی صفات سے تشبیہ نہیں دیتے۔ نہ ان کی کیفیات بیان کرتے ہیں اور نہ معتزلہ وجہمیہ کی طرح کلام میں تحریف کرتے ہیں۔

(بحوالہ برصغیر میں اہل حدیث کی آمد ص ۱۴۹۔۱۶۰)



ائمہ اربعہ کے سلسلے میں علمائے اہل حدیث کا موقف

طارق اسعد بن اسعد اعظمی

اسلامی تاریخ اپنے دامن میں ایسے سینکڑوں نفوس کو سمیٹے ہوئے ہے جنہوں نے دین کی راہ میں بیش بہا علمی خدمات انجام دیں اور پوری زندگی علم وتعلیم اور خدمت کتاب وسنت میں صرف کر کے وابستہ دامن رسول رہے۔ یہ علمائے مجتہدین وائمہ عظام بمصداق قول نبوی "العلماء ورثة الأنبياء"(۱) نہایت ہی عزت واحترام اور تعظیم وتکریم کے مستحق ہیں۔

انہیں حاملین کتاب وسنت میں ائمہ اربعہ کی شخصیات بھی ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی مساعی جمیلہ کو امت نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور منجملہ ائمہ دین میں بلند مقام دیا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کی سیرت کے مطالعہ سے ان کے علم وفضل، فقیہانہ بصیرت، زہد وتقویٰ اور جہود عظیمہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"یہ چاروں مجتہد امام زمانہ خیر کے لوگوں میں سے ہیں۔ یہ سب بہت سے فضائل ومناقب سے متصف تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے وقت میں علم وعمل اور فضل وکمال میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا، یہاں تک کہ ان کے مقلدین وتابعین نے ان کے محامد ومکارم میں بہت سی کتابیں بنائی سنواری ہیں"۔(۲)

چوتھی صدی ہجری کے بعد جب تقلید شخصی کا دور دورہ ہوا اور ائمہ اربعہ کی فقہ کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھا تو جہاں ایک طرف مقلدین نے اپنے اپنے ائمہ کے فضائل ومناقب بیان کرنے شروع کئے اور ان کی مدح وتعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لیا تو دوسری طرف مخالفین تقلید نے مقلدین کی گرفت کرنے کے ساتھ بسا اوقات ان کے ائمہ کو بھی ہدف ملامت بنایا۔ حالانکہ ائمہ اربعہ کے خلاف حدیث میں اقوال منقول ہیں اولاً تو تحقق طور پر ان کی نسبت ان ائمہ عظام کی جانب مشکوک ہے۔ ثانیاً یہ کہ یہ ائمہ مجتہدین اس حدیث کے مصداق ہیں کہ۔ اذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، واذا اجتهد ثم أخطأ فله أجر"(۳) چنانچہ اس خطا کو بنیاد بنا کر ان کو مطعون کرنا کسی طور پر بھی درست نہیں۔

ائمہ اربعہ پر طعن وتشنیع کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے یا تو کم علمی وجہالت پوشیدہ ہے یا مسلکی تعصب کارفرما ہے۔ کیوں کہ ان ائمہ کے حالات وکوائف سے معمولی شُد بدر کھنے والا شخص بھی ان کے مقام ومرتبہ اور غزارت علمی سے بخوبی واقف ہے۔ البتہ مسلکی عناد اور فریق مخالف پر برتری ثابت کرنے کے جوش میں اکثر ان ائمہ عظام کی ردائے عظمت کو تار تار کیا جاتا ہے۔

ائمہ اربعہ کے سلسلے میں اہل حدیث کا عقیدہ:

جماعت اہل حدیث کی امتیازی شان رہی ہے کہ ائمہ اربعہ کے تئیں حسن ظن رکھتی ہے اور کتاب وسنت کے موافق ان کے اقوال

کو تسلیم کرتی ہے۔ ان کے زلات کو خطا پر محمول کرتے ہوئے ان کا دفاع کرتی ہے اور ان کے سوئے ادب سے ذکر یا تنقیص و توہین کو کسی طور پر روا نہیں سمجھتی ۔

ما اہل حدیثم دغارانہ شناسیم
صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ و فن نیست

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ ائمہ اربعہ کے سلسلے میں اہل حدیث کے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ائمہ اربعہ اور دیگر مجتہدین کے تیئں ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اس امت کے مجتہدین و مجددین ہیں۔ اہل علم کا ان کے علم و فضل، تقوی و خشیت، اسلام کے متعلق زہد و اخلاص اور ترک بدعات و محدثات پر اتفاق ہے۔ یہ حضرات اس امت کے باعزت ترین لوگ، متاخرین کے اسلاف اور دین کے قدوہ و نمونہ ہیں۔ یہ لوگ کتاب و سنت کی اتباع کو لازم پکڑے رہے اور محدثات کو ترک کر کے صراط مستقیم پر گامزن رہے۔ انہوں نے اہل زمانہ اور شاگردوں کو خود اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع کیا اور کتاب و سنت کو لازم پکڑنے کی دعوت دی جیسا کہ ان کے مقلدین و غیر مقلدین کی کتابوں میں مذکور ہے۔ چنانچہ ائمہ اسلام کی ہر زمانے میں یہ شان رہی ہے۔

جس شخص نے بھی ان کی شان میں گستاخی کی اور ایسی بات کہی جو ان کے شایان شان نہیں تو وہ اسلام اور انصاف سے بہت دور ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس پر صادق آتا ہے "من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب" اگر یہ (ائمہ) اولیاء اللہ نہیں تو جان لو کہ اور کوئی دوسرا بھی ولی اللہ نہیں ہوسکتا۔

ائمہ اربعہ پر علمائے اہل حدیث کی تصنیفات:

ائمہ اربعہ کے جہود و مساعی کو تسلیم کرنے میں علمائے اہل حدیث نے کبھی بخل یا تعصب سے کام نہیں لیا۔ مسلکی اختلاف اور فکری تضاد کے باوجود وقتاً فوقتاً ان کی خدمات کے اعتراف میں کتب و رسائل لکھے گئے اور ان کی کاوشوں کو اجاگر کیا گیا۔ یہ ائمہ اربعہ کے تیئں علمائے اہل حدیث کے حسن ظن اور نیک نیتی کا مظہر ہے۔

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے "جلب المنفعة فی الذب عن الأئمة المجتهدین الأربعة" (فارسی) تحریر فرما کر جہاں ان ائمہ عظام کو خراج عقیدت پیش کیا اور ان کے بے لوث مساعی کا اعتراف کیا، وہیں ان کے دفاع میں یہ بات بھی ذکر کی کہ حاشا و کلا ان ائمہ کا کبھی یہ مقصد نہ تھا کہ وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کریں۔ بعد ازاں نواب صاحب نے ائمہ اربعہ کے ترک حدیث کے دس اسباب گنائے ہیں۔ علاوہ ازیں نواب صاحب کی دیگر تحریروں میں بھی جا بجا یہ چیز نظر آتی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ نے ''بائیس نامور فقہا محدثین'' لکھی جن میں مولانا نے ائمہ اربعہ کو سب سے پہلے ذکر کیا

نیز ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو سر فہرست رکھا۔ مذکورہ کتاب میں ائمہ اربعہ کے حالات زندگی، شمائل وخصائل اور خدمات وجھود کو مختصراً مگر تسلی بخش انداز میں پیش کیا ہے۔

علامہ محمد حیات سندھی نے "الایقاف علی سبیل الاختلاف" تحریر کی جس میں ائمہ اربعہ کے اختلاف حدیث کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان کا دفاع کیا گیا ہے۔

معروف مصری عالم شیخ ابوزہرہ نے امام ابوحنیفہ اور امام احمد حنبل پر دو مفصل کتابیں لکھیں۔ ان دونوں کتابوں کا ترجمہ اہل حدیث عالم مولانا غلام احمد حریری اور مولانا رئیس احمد جعفری نے اردو میں کیا نیز ان پر جماعت کے مشہور عالم مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے تعلیقات وحواشی لگائے۔

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ مولانا عبدالمجید سوہدروی کی "سیرت الأئمة" اور "سیرت امام ابوحنیفه" مولانا ابوالکلام آزاد کی "سیرت امام احمد بن حنبل" مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کی "اجتلاب المنفعة لمن يطالع أحوال الأئمة الأربعة" مولانا الٰہی بخش کی "سوط الرحمن على حاسد النعمان" وغیرہ کتب ان ائمہ عظام کے تیئں اہل حدیث کے موقف کی غماز ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اور کئی کتابیں ہیں جنہیں ہم بخوف طوالت نظر انداز کررہے ہیں۔

اہل حدیث۔ متقدمین ومتاخرین۔ علماء کی تحریروں میں ائمہ اربعہ کی تعریف وتوصیف، ان کے محاسن ومحامد اور ان کے دفاع کا جابجا تذکرہ ملتا ہے۔ ائمہ اربعہ کے سلسلے میں علمائے اہل حدیث کا کیا موقف ہے ہم ذیل میں ان علماء کی تحریروں کی روشنی میں باعتبار سنین وفات درج کررہے ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ: (۶۶۱۔۷۲۸ھ)

علامہ احمد بن تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ائمہ کرام کے دفاع میں "رفع العلام عن الأئمة الأعلام" تحریر فرمائی جس میں ائمہ اربعہ کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا صحیح موقف پیش کیا۔ مذکورہ کتاب میں ائمہ کے ترک حدیث کے متعدد اسباب گنائے ہیں، امام صاحب لکھتے ہیں:

> "ان میں شبہ نہیں کہ ہم ائمہ کرام کی عصمت کے قائل نہیں۔ بخلاف ازیں ہمارے نزدیک ان سے گناہوں کا صدور ممکن ہے، مگر اس کے باوصف ہمارے نزدیک ان کا مرتبہ ومقام بہت بلند ہے۔ اس لئے کہ وہ اعمال صالحہ اور اپنے خاص حالات کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے مقربین کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ کسی گناہ پر اصرار نہ تھا۔ مگر اس کے علی الرغم ان کا درجہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بلند تر نہ تھا اور صحابہ کے بارے میں بھی یہی فیصلہ ہے کہ ان سے بنابر اجتہاد جو فتویٰ یا قضایا صادر ہوئے اور ان کے مابین جو خونریزیاں بھی ہوئیں ان میں خطا وصواب دونوں کا یکساں احتمال پایا جاتا ہے" (۵)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۷۰۳۔ ۱۷۶۲ء)

برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تجدیدی مساعی محتاج بیان نہیں ہیں۔ تقلید و جمود کو فرو کرنے میں آں مرحوم کی خدمات لائق تحسین ہیں۔ ائمہ اربعہ کے تعلق سے شاہ صاحب کے افکار کے تئیں مولانا قاضی محمد اسلم سیف ''تحریک اہل حدیث'' میں لکھتے ہیں:

''۔۔۔۔۔۔۔وہ (شاہ صاحب) امام ابوحنیفہ کی یہ کہہ کر تعریف کرتے ہیں: كان عظيم الشان فى التخريج على مذهب ابراهيم وأقرانه دقيق النظر فى وجوه التخريجات مقبلا على الفروع أتم اقبال۔ امام ابوحنیفہ کا مرتبہ ابراہیم نخعی اور ان کے ہم مرتبہ علماء کے مذہب پر اجتہاد و استنباط کے سلسلے میں بہت بلند تھا۔ ان تخریجات کے وجوہ واشکال میں وہ بڑی دقت نظر رکھتے تھے۔ مسائل جزئیہ اور ان کے فروع کے استخراج میں ان کا انہماک بہت بڑھا ہوا تھا۔

امام احمد بن حنبل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"كان أعظم شأنا وأوسع رواية وأعرفهم للحديث مرتبة وأعمقهم فقها أحمد بن حنبل ثم اسحاق بن راهويه" (۶)

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ (۱۸۳۲۔ ۱۸۹۰ء)

ائمہ اربعہ کے سلسلے میں نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے ایک پوری کتاب بزبان فارسی تحریر فرمائی جس کا نام یہ ہے "جلب المنفعة فى الذب عن الأئمة المجتهدين۔۔۔۔" اس کے علاوہ متفرق طور پر بھی اس تعلق سے اپنی کتابوں میں بہت کچھ تحریر فرمایا ہے نیز ان کی شخصیات کے بہت سارے مخفی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

''اماماں دین جیسے چاروں ائمہ مجتہدین اور دوسرے بلند پایہ علمائے حدیث جن کی مقبولیت کے آگے امت سرنگوں رہتی ہے ان میں ایسا کوئی نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث اور سنت کی مخالفت کا اعتقاد رکھتا رہا ہو۔ چاہے معمولی سنت ہو یا بڑی، اور چاہے حدیث قلیل ہو یا کثیر۔ سب ہی ائمہ اور محدثین اتباع رسول کے وجوب پر اور اس بات پر متفق رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص کی شخصیت ایسی ہے کہ اس کی بات قبول کی جاسکتی ہے اور ترک بھی کی جاسکتی ہے''۔ (۷)

آں مرحوم مزید لکھتے ہیں:

''جماعت اہل حدیث پر جو یہ الزام وگمان عائد کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ائمہ اربعہ مجتہدین اور دوسرے علمائے دین، متقدمین سلف صالحین، یا متاخرین متبعین کے حق میں بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ مخلص

مومنوں پر محض افترا اور بدگمانی ہے ورنہ ائمہ وغیرہم کی قدر و منزلت جس قدر جماعت موحدین کی نظر میں ہے، اس کا دسواں حصہ بھی فرقہ مقلدین میں ثابت نہیں ہوتا ہے۔ یہ کس قسم کی بات ہو سکتی ہے کہ جو شخص سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا انکار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں گستاخی کرتا ہے اور آپ کی سنت صحیحہ پر عمل کرنے کو مجتہدین مجادلین کے قیل وقال کے مقابلہ میں پسند نہیں کرتا ہے اس سے ائمہ دین کی تعظیم و تکریم کی توقع کہاں ہو سکتی ہے"۔(۸)

میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ (۱۸۰۵۔۱۹۰۲ء)

شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ پر توہین امام اعظم کا الزام لگایا گیا جس پر آپ کے شاگرد رشید مولانا محمد حسین بٹالوی نے آپ کا دفاع کیا۔ مولانا بٹالوی لکھتے ہیں:

"ہم معیار الحق (تصنیف میاں صاحب) میں جابجا امام صاحب کی تعریف و تنزیہ پاتے ہیں۔ توہین وتحقیر کا تو کوئی لفظ نہ اس کتاب میں ہے نہ مولانا نذیر حسین کی کسی اور تالیف میں۔ معیار الحق کے خطبہ ہی میں امام صاحب کو معہ بقیہ تینوں اماموں کے دین اسلام کے عناصر قرار دیا ہے اور صاف کہا ہے کہ یہ چاروں امام قوام دین اسلام کے لئے بمنزلہ عناصر اربعہ ہیں۔ ان کے معاون دین ہونے سے بجز معاند کوئی منکر نہیں۔ ہر چند فضائل امام صاحب کے ہم کو عین عزت اور فخر ہے اس لئے کہ وہ ہمارے پیشوا ہیں اور ہم ان کے امر حق میں پیرو ہیں لیکن ان فضائل سے جو فی الواقع بھی ہوں اور ساتھ ساتھ اسناد صحیح کے ثابت ہوں"۔(۹)

علامہ محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ (۱۸۹۰۔۱۹۴۵ء)

خطیب الہند جناب مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ نے رد تقلید میں بہت ساری کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ کی تالیف میں "محمدیات" کو ایک خاص مقام حاصل ہے جن کی تعداد ۸۲ تک پہنچتی ہے۔ ائمہ اربعہ کے سلسلے میں اپنا موقف واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "موجودہ زمانے کی روش تو دیکھو کہ اہل حدیثوں سے ان تقلیدیوں کو کس قدر عداوت ہے۔ کہیں انہیں دشمنان امام کعبہ کہہ کر لوگوں کو بھڑکاتے ہیں، کبھی منکرین رسول بتا کر لوگوں کو ہٹاتے ہیں۔

اہل حدیث نہ کسی امام کے دشمن ہیں نہ نبی کے منکر، ہاں اگر ان کا قصور ہے تو یہ کہ نبوت کی کرسی پر کسی امام کو نہیں بٹھاتے۔ عرش خداوندی کسی نبی ولی کے لئے خالی نہیں کراتے۔ مانتے سب کو ہیں لیکن امر مراتب کے مطابق، فللہ الحمد"۔(۱۰)

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ (۱۲۹۵ھ۔۱۹۵۶ء)

مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ اپنی تصنیف "احکام المرام باحیاء مآثر علماء الاسلام" میں ائمہ اربعہ کے

تعارف کے بعد فرماتے ہیں:

''ائمہ اربعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کے لئے بہت تاکید کی ہے جیسا کہ ان کے حالات میں گذر چکا ہے اور اس سے زیادہ خود ان کی عملی زندگی اس کی شہادت دے رہی ہے۔ بے شک ان بزرگوں نے اجتہاد کیا اور دین میں بہت کوشش کی، مگر چوں کہ جو امر انسانی رائے کے متعلق ہو اس میں غلطی اور خطا کا ہو جانا مسلم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جو وحی ربانی ہے خطا سے پاک ہے۔ اس لئے کسی امام کو یہ جرأت ہرگز نہیں ہوئی اور نہ انہوں نے اس امر کی کبھی اجازت ہی دی کہ ہمارے اجتہاد اور رائے وقیاس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر ترجیح دی جائے''(۱۱)

مولانا محمد اسماعیل گجرانوالہ رحمہ اللہ (۱۸۹۵۔۱۹۶۸ء)

شیخ الحدیث علامہ محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

''ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ ائمہ اربعہ حدیث کو حجت مانتے ہیں، اسے دین کا مآخذ سمجھتے ہیں اور اس تعریف سے حجت سمجھتے ہیں جو ائمہ سنت اور عامۃ المسلمین میں مسلم ہے اور ایک دوسرے کو مسلمان سمجھنے کے باوجود اہل حدیث کو احناف، شوافع، موالک اور حنابلہ کی فقہیات سے اختلاف ہے، وہ ان سکول ہائے فکر میں حدیث اور سنت کی تقدیس کو اس قدر محترم اور محفوظ نہیں سمجھتے جس قدر اہل حدیث اور سلفی سکول فکر میں اسے محترم اور محفوظ پاتے ہیں''۔(۱۲)

مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ (۱۲۶۸ھ۔۱۳۳۱ء)

مولانا قاضی محمد اسلم سیف ''تحریک اہل حدیث'' میں مولانا عبدالجبار غزنوی کے متعلق لکھتے ہیں:

''میں نے انہیں سلف صالحین اور علمائے ربانین کے عقیدے پر پایا۔ وہ فتویٰ دیتے وقت مذہب معین کے قائل نہ تھے بلکہ جس امام کا قول کتاب وسنت کے قریب ہوتا وہ اس سے ضرور استفادہ کرتے۔ ائمہ مجتہدین سے ہمیشہ حسن ظن رکھتے اور ائمہ کا بڑے احترام سے ذکر کرتے۔ ویسے غزنوی علماء شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، امام اہل سنت احمد بن حنبل سے زیادہ متاثر تھے۔''(۱۳)

مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ (م ۱۹۶۸ء)

آپ اپنی تصنیف ''سبیل الرسول'' میں رقمطراز ہیں:

''۔۔۔۔۔۔لیکن اہل حدیث چاروں اماموں کو مانتے ہیں اور حد درجہ ان کا ادب واحترام کرتے ہیں

بلکہ امت کے تمام ائمہ فقہاء، مجتہدین اور اولیاء اللہ کو مانتے ہیں اس طرح کہ جو باتیں ان کی کتاب وسنت کے مطابق ہوتی ہیں وہ سرآنکھوں پر رکھتے ہیں اور جو مطابق نہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پس اس طرح تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کسی ایک معین مذہب کی تقلید نہ کریں بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں دین پر چلیں''۔(۱۴)

مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ (۱۹۰۸۔۱۹۸۷ء)

مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ جماعت اہل حدیث کے جلیل القدر عالم اور بہت بڑے مصنف تھے۔ ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں ''اہل حدیث کا تصور دینی'' کے موضوع پر مقالہ لکھا۔ مذکورہ مقالے سے ایک اقتباس جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے یہاں درج کیا جارہا ہے۔ مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''یہاں اس بات کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ہم کسی بھی تاریخ ارتقا کے منکر نہیں اور زمانے کے ناگزیر تقاضوں کے تحت فقہ وکلام کے سلسلے میں ہمارے ہاں جلیل القدر علما اور ائمہ نے جو گراں قدر خدمات انجام دیں ہیں ان سے ذرہ برابر صرف نظر کو ہم جائز تصور نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فکری وآئینی کاوشیں، امام شافعی کے اصول فقہ وحدیث کے معرکے، امام مالک کا اصحاب مدینہ کے تعامل کو دست بردزمانہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لینا اور امام احمد بن حنبل کی وسیع تر کوششیں ہماری تہذیبی انفرادیت کا زندہ ثبوت ہیں اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن پر ہم جس قدر بھی فخر وناز کریں کم ہے''۔(۱۵)

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (۱۹۱۴۔۱۹۹۹ء)

محدث عصر اور فقید المثال عالم جناب محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ائمہ اربعہ کے تعلق سے اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ائمہ اربعہ اور ان کے معاصرین، ان کے پہلے کے لوگ یا ان کے بعد والے سب کے سب ہمارے نزدیک ائمہ سلف میں سے ہیں۔ اس لئے یہ غیر ممکن ہے کہ ایک ایسا شخص جو اپنے ملک اور مشرب میں سلفی ہے وہ کسی امام پر طعن کرے گا یا ان کی مذمت کرے گا۔''(۱۶)

''واضح رہے کہ ہم لوگ ائمہ کرام رحمہم اللہ کو واسطہ اور ذریعہ مانتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہم تک پہنچاتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ کتاب وسنت کی تعلیمات ہم تک پہنچتی ہیں اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ محض ان کی اتباع یا پیروی ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد وحید یہ ہے کہ ہم اس راستے کو پہچانیں، جس پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم تھے''۔(۱۷)

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ (۱۹۳۶ـ۲۰۰۹ء)

جماعت اہل حدیث کی معروف شخصیت جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہا اللہ مسلک اہل حدیث کے دفاع میں فرماتے ہیں:

''جماعت اہل حدیث پر دوسرا الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ یہ جماعت ائمہ اربعہ کی مخالف اور بزرگان دین کی دشمن ہے اور ان کے مرتبہ کا احترام نہیں کرتی۔ جن لوگوں نے اس الزام کو پھیلایا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جماعت اہلحدیث نہ تو ائمہ اربعہ کی علمی عظمت وجلالت کی منکر ہے نہ ان کے تقوی اور بزرگی میں اسے کوئی شبہ ہے اور نہ ہی اولیاء وصلحاء کے احترام میں کسی طرح کی تقصیر کو وہ جائز تصور کرتی ہے لیکن عوام کے دلوں میں نفرت کا بیج بونے اور لوگوں کو کتاب وسنت کی تعلیمات سے دور کر اپنا مقصد حاصل کرنے اور جماعت کے واضح نصب العین سے طالبان حق کو دور کرنے کے لئے اس طرح کی الزام تراشی کا سہارا لیا جاتا ہے اور جماعت کو بدنام کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔''(۱۸)

ایک لطیفہ:

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا اہل حدیث امام ابوحنیفہ کو نہیں مانتے ہیں؟ آں مرحوم اس جواب کے بارے میں فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ بن ثابت بن زوطی کو ماننے اور نہ ماننے کا کیا مطلب ہے؟ اگر ماننے سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک عالم تھے جو دوسری صدی ہجری میں فوت ہوئے تو عرض ہے کہ تمام اہل حدیث اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے وجود کا ثبوت تواتر سے ثابت ہے۔ مثلاً دیکھئے "التاریخ الکبیر للبخاری "کتاب الکنی للامام مسلم" وغیرہ۔(۱۹)

حرف آخر

مذکورہ بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ علمائے اہل حدیث ائمہ اربعہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ان کے موافق کتاب وسنت امور کو ترک کر کے احادیث صحیحہ پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ ان ائمہ نے وصیتیں فرمائی ہیں۔ علمائے اہل حدیث ان کے تعلق سے کسی بھی طرح کی بدگمانی، طعن وتشنیع اور لوم وملامت کو سختی سے مسترد کرتے ہیں اور ایسا کرنے والوں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ آیئے ان چنندہ ہستیوں کے بارے میں یہ قرآنی دعا کریں:

"ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان، ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا، ربنا انك رؤف رحیم" ایں دعا از من واز جملہ جہاں ''آمین'' باد۔

حواشی:

١) ابن ماجہ، کتاب الایمان، باب فضل العلماء، ح: ۲۲۳۔صحیح الالبانی

٢) جلب المنفعة فی الذب عن الائمة المجتهدین الاربعة. از نواب صدیق حسن خان ، اردو ترجمہ مولانا محمد اعظمی۔ص:۹۹

٣) بخاری،:۷۳۵۲

۴) الدین الخالص،ازنواب صدیق حسن خان۔ص:۳۲

۵) ائمہ سلف اور اتباع سنت از امام ابن تیمیہ اردو ترجمہ مولانا غلام حریری،ص:۷۲

٦) تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں از مولانا محمد اسلم سیف فیروز پوری۔ص:۲۰٦

۷) جلب المنفعۃ،ص:۱۸

۸) ایضاً ص:۱۵۷

۹) تاریخ اہل حدیث از ڈاکٹر محمد بہاؤالدین بحوالہ معیار الحق، ج:۳،ص:۵۴۸

۱۰) طریق محمدی از مولانا محمد جونا گڑھی۔ص:۴۱

۱۱) بائیس نامور فقہا محدثین۔ص:۵۳۔۵۴

۱۲) حجیت حدیث از علامہ محمد اسماعیل گجرانوالہ،ص:۱۴۸

۱۳) تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں،ص:۳۳۹

۱۴) سبیل الرسول از مولانا محمد صادق سیالکوٹی،ص:۲۰۵

۱۵) برصغیر میں اہل حدیث کی آمد،ص:۲۹۵

١٦) سلفیت: تعارف اور حقیقت از علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ،ص:۱۴۵

۱۷) ایضاً،ص:۱۵۹

۱۸) مقدمہ کتاب ''اتباع سنت یا تقلید'' از علامہ البانی،ص:۱۰

۱۹) فتاویٰ علمیہ از حافظ زبیر علی زئی، ج:۱،ص:٦۷۴

❑❑❑

تحریک اہل حدیث ہند: مختصر تعارف اور ملکی وعلاقائی تاریخ

ابوالعاص وحیدی۔ڈومریا گنج

اس مقالہ کا پس منظر یہ ہے کہ جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے زیر اہتمام بتاریخ ۷، ۸ مئی ۲۰۰۳ء مطابق ۴، ۵ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ بمقام ماگھ میلہ میدان قصبہ بانسی دوروزہ عظیم ضلعی اہل حدیث کانفرنس منعقد ہوئی تھی، میں اس وقت ضلعی جمعیت سدھارتھ نگر ناظم تھا، کانفرنس کی پہلی شب میں راقم الحروف نے ایک مفصل خطبۂ استقبالیہ پیش کیا تھا، یہ مقالہ وہی خطبۂ استقبالیہ ہے، جس کے عارضی ووقتی اجزاء کو حذف کر دیا گیا ہے، اب اسے بعض مفید اضافوں کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے علماء وطلبہ کے لئے مفید بنائے۔ آمین (مقالہ نگار)

ہندوستان میں اسلام کی طرف منسوب مختلف مذاہب ومسالک پائے جاتے ہیں، ان سب میں تحریک اہل حدیث ہی اسلام کی صحیح ترین تعبیر وتشریح ہے، اس مقالہ میں بڑے اختصار سے تحریک اہل حدیث کا تعارف پیش کیا جارہا ہے، اور اس کی ملکی وعلاقائی تاریخ اور اس کی خوشگوار اثرات پر روشنی ڈالی جارہی ہے، مقالہ کے مشتملات درج ذیل ہیں:

اول: تحریک اہل حدیث کے عقائد وافکار۔

دوم: تحریک اہل حدیث کی ملکی وعلاقائی تاریخ۔

سوم: ہندوستان پر تحریک اہل حدیث کے اثرات۔

۱۔ تحریک اہل حدیث کے عقائد وافکار:

تحریک اہل حدیث اس مسلک ومنہج کا نام ہے جو مسلک عقائد واعمال، اخلاق ومعاشرت اور اجتماع وسیاست میں عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین کا تھا، اور جس مسلک کا علمبردار محدثین کا مقدس گروہ رہا ہے، اور اسی مناسبت سے اہل حدیث کو سلفی بھی کہا جاتا ہے، یعنی اسلاف کے طریقۂ فکر وعمل پر چلنے والا، اسلاف سے مراد صحابہ کرام اور تابعین عظام وغیرہ ہیں جو عقائد وفقہیات میں دین فطرت اور کتاب وسنت کی سادگی کے حامل تھے، مخصوص عجمی وفنی اصطلاحات وتاویلات کی بندشوں سے جن کا اسلامی ذہن آزاد تھا اور جو عقائد وفقہیات میں تقلید جیسی تباہ کن بدعت سے محفوظ تھے۔ بطور خلاصہ ہم بڑے اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ تحریک اہل حدیث اسلام کی صحیح ترین تعبیر وتشریح کا نام ہے۔

محترم قارئین! تحریک اہل حدیث اسلام کی صحیح ترین تعبیر وتشریح کس طرح ہے، میں اشاراتی انداز میں اس کی وضاحت کر رہا ہوں، جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ توحید ورسالت، حدیث وسنت اور رجال وشخصیات وغیرہ کے بارے میں تحریک اہل حدیث کا موقف کس طرح معتدل اور کتاب وسنت کے مطابق ہے۔

عقیدۂ توحید: اسلام کا بنیادی کلمہ ہے: "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اس کلمہ کے پہلے اجزاء میں توحید کا اقرار ہے اور دوسرے جزء میں رسالت محمدی کا اقرار ہے۔ مشتملات ومفاہیم کے اعتبار سے توحید کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل:۔ توحید ربوبیت وملکیت۔ اس کا مطلب ہے یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا رب، مالک، خالق اور رازق ہے، وہی زندگی اور موت دینے والا ہے، وہی نفع ونقصان دینے والا اور اضطرار کے وقت دعا قبول کرنے والا ہے، اسی کو ہر چیز کا اختیار ہے، اسی کے ہاتھ میں ہر طرح کا خیر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ان تمام چیزوں میں کوئی بھی اللہ کا شریک نہیں، نیز توحید ربوبیت میں تقدیر پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔

دوم:۔ توحید اسماء وصفات۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے اوصاف عالیہ اور اسماء حسنیٰ کا جو ذکر فرمایا ہے اور احادیث صحیحہ سے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں جو ثابت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت اور کبریائی کے عین لائق وزیب ہے، لہٰذا ان تمام اسماء وصفات پر بلا تمثیل اور بلا تاویل وتعطیل ایمان لانا ضروری ہے۔

سوم: توحید الوہیت وعبادت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرلیا جائے، عبادت میں بہت سی چیزیں داخل ہیں جیسے محبت، توکل، خوف، امید، نماز، رکوع، سجود، دعا، ذبح، نذر، طواف، حج، توبہ، استغاثہ اوران کے علاوہ عبادت کی وہ تمام انواع شامل ہیں جو قرآن وحدیث میں مشروع ہیں۔

(توحید سے متعلق دلائل وغیرہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو! "تیسیر العزیز الحمید شرح کتاب التوحید" کے ابتدائی مباحث)

توحید کی ان تمام تفصیلات کے بارے میں نصوص کتاب وسنت ناطق ہیں، جن سے اہل علم اچھی طرح واقف ہیں، تحریک اہل حدیث مذکورہ تمام تفصیلات کے ساتھ توحید کا اقرار کرتی ہے اور اس سلسلہ میں قرون اولیٰ کا مزاج رکھتی ہے، جب کہ دوسری دینی تحریکات اور جماعتیں عقیدۂ توحید کے بارے میں ضرور کہیں نہ کہیں کتاب وسنت سے منحرف ہیں۔

عقیدۂ رسالت: اسلام کی دوسری اہم بنیاد عقیدۂ رسالت ہے، صحیح عقیدۂ رسالت کا مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور سب سے افضل انسان مانا جائے، انہیں اللہ تعالیٰ کا آخری رسول تسلیم کیا جائے، ان سے محبت رکھی جائے، ان کی باتوں کی تصدیق کی جائے اور ان کے نقش قدم کی پیروی کی جائے، نیز بدعات اور من مانی باتوں سے بچتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔

اسی طرح عقیدۂ رسالت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی عالم، کسی امام، یا کسی بزرگ کی پیروی نہ کی جائے۔ بحمد اللہ تحریک اہل حدیث یہی معتدل عقیدۂ رسالت رکھتی ہے اور اس سلسلہ میں کسی چیز کی پروا نہیں کرتی۔

عقیدۂ سنت وحدیث: حدیث وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اوران واقعات کا نام ہے جن پر آپ نے خاموشی اختیار کی ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید کے ساتھ سنت بھی عطا کی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ قرآن مجید وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے۔

حدیث وسنت کے بارے میں تحریک اہل حدیث کے عقائد وافکار اس طرح ہیں۔

☆ دین کا ماخذ ومصدر ہونے میں قرآن وحدیث برابر ہیں، ان دونوں میں کوئی تقدیم وتاخیر نہیں۔

☆ احادیث چاہے اخبار آحاد ہوں یا اخبار متواترہ عقائد واحکام دونوں میں تمام احادیث حجت ہیں۔

☆ جس طرح انکار قرآن موجب کفر ہے اسی طرح کسی حدیث صحیح کا انکار بھی موجب کفر ہے۔

اگر احادیث صحیحہ رائے وقیاس اور عقل ودانش کے خلاف ہوں تو احادیث پر عمل کیا جائے گا اور رائے وقیاس وغیرہ کو چھوڑ دیا جائے گا۔

رجال وشخصیات کی حیثیت: قوموں اور ملتوں کی زندگی میں رجال وشخصیات کو بڑا اہم مقام حاصل ہے، مذہب اسلام میں بھی ائمہ، فقہاء، محدثین اور دوسرے علماء کی بڑی اہمیت ہے، اس لئے انہیں کے ذریعہ امت مسلمہ کو قرآن وسنت اور تمام دینی علوم ملے ہیں۔

رجال وشخصیات کے بارے میں تحریک اہل حدیث کا موقف یہ ہے کہ تمام ائمہ وفقہاء اور مفسرین ومحدثین کا احترام کیا جائے، ان کی علمی ودینی خدمات کی قدر کی جائے، ان کے خلاف زبان طعن ہرگز دراز نہ کی جائے ان کے جو افکار وآراء نصوصِ کتاب وسنت کے خلاف ہوں ادب واحترام کے ساتھ ان سے اختلاف کیا جائے اور آنکھیں بند کر کے جذبۂ شخصیت پرستی کے ساتھ ان کی پیروی ہرگز نہ کی جائے۔

رجال وشخصیات کے بارے میں یہی موقف معتدل ہے اور یہی قرون اولیٰ کا دینی وفقہی مزاج رہا ہے، تحریک اہل حدیث اسی موقف کا نتیجہ ہے کہ وہ جس طرح فقہاء عراق سے اختلاف کرتی ہے اسی طرح سے وہ بہت سے مسائل میں فقہاء حجاز سے بھی اختلاف کرتی ہے، دراصل تحریک اہل حدیث راہ اعتدال پر گامزن ہے، وہ اپنے عقیدۂ وفکر میں کسی خاص علاقہ ومقام، کسی متعین مکتبۂ فکر اور کسی مخصوص امام وشخصیت کی پابند نہیں ہے۔

(اس کی تفصیل کے لئے اہل علم ملاحظہ کریں: ''القواعد الفقھیة النورانیة'' لشیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ)

بدعات وخرافات سے اجتناب: تحریک اہل حدیث بدعات وخرافات اور محدثات سے اجتناب کرتی ہے، اس لئے کہ بدعات وخرافات نے ہر دور میں اسلامی عقائد واحکام کو مسخ کرنے کی پوری کوشش کی ہے، مگر کتاب وسنت کی واضح تعلیمات باقی ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گی ان شاء اللہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں بدعات وخرافات اور محدثات سے بچنے کی تلقین کی ہے، اسی لئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو کتاب وسنت کے شیدائی اور داعی تھے، وہ بدعات وخرافات سے بہت اجتناب کرتے تھے۔

تحریک اہل حدیث جو کتاب وسنت کی داعی اور عہد صحابہ وتابعین کے اعتقادی وفقہی ذوق کی تجدید کرنے والی ہے، اس تحریک نے ہمیشہ ہر دور میں علی الاعلان بدعات وخرافات کی تردید کی ہے، مثلاً تقلید، جاہلی تصوف اور عبادت کے مسنون طریقوں میں مقداری ونوعی اضافہ وغیرہ۔

اسی طرح تحریک اہل حدیث تیجہ، چہلم، تعزیہ داری، جشن عید میلاد النبیؐ، عید ملن تقریبات اور چودہویں یا پندرہویں صدی وغیرہ کی تقریبات نیز تمام محدثات وبدعات کو مزاج اسلامی کے خلاف سمجھتی ہے بلکہ تحریک اہل حدیث ہر اس چیز کو غلط سمجھتی ہے جس کے لئے کتاب وسنت سے دلیل نہ ہو، جیسا کہ برصغیر ہندو پاک کے عظیم شاعر حضرت فضا ابن فیضی نے کہا ہے۔

یہ فلسفۂ رومی بھی غلط وہ حکمت یونانی بھی غلط
یہ دانش برہانی بھی غلط وہ بینش روحانی بھی غلط
صوفی کی ریاضت بھی دھوکہ واعظ کی ہمہ دانی بھی غلط
جب تک نہ دلیلِ راہ بنیں یہ سنت وقرآں اے لوگو

۲:۔تحریک اہل حدیث کی مختصر تاریخ:

تحریک اہل حدیث کے عقائد وافکار کے اجمالی تذکرہ کے بعد اب اسی کی مختصر تاریخ پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔ اس بحث کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ: ہندوستان میں تحریک اہل حدیث، دوسرا حصہ: اضلاع سدھارتھ نگر وبلرام پور میں تحریک اہل حدیث، پہلا حصہ میں اہل حدیث کی ملکی تاریخ ہے اور دوسرا حصہ میں تحریک اہل حدیث کی علاقائی تاریخ ہے۔

ہندوستان میں تحریک اہل حدیث: ہندوستان میں تحریک اہل حدیث سب سے قدیم اور معمر تحریک ہے، اس لئے کہ ہندوستان میں جس وقت اسلام آیا اسی وقت اہل حدیث طرز فکر کے داعی بھی آئے، اس سلسلہ میں حضرۃ العلام مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ اپنے ایک خطبۂ صدارت میں لکھتے ہیں:

''عہد فاروقی ۱۵ھ میں عثمان بن ابوالعاص ثقفی والی بحرین وعمان نے اپنے ایک بھائی مغیرہ کو سندھ کے شہر دیبل پر اور دوسرے بھائی حکم کو گجرات کے شہر بھڑوچ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا، چنانچہ یہ دونوں مقام اسلام کے زیر نگیں آگئے تھے (فتوح البلدان، بلاذری، ص ۴۳۸) دراصل اسی زمانہ سے ہندوستان میں اشاعت حدیث کی داغ بیل پڑ گئی تھی اور اسی کے ساتھ عمل بالکتاب والسنۃ کا آغاز ہوگیا تھا۔

عہد عباسی میں عمل بالکتاب والسنۃ کے عظیم مبلغ اور مشہور تابعی حضرت ربیع بن صبیح سعدی بصری ہندوستان تشریف لائے، ان کے علاوہ حضرت حباب بن فضالہ اور حضرت اسرائیل بن موسیٰ بھی ہندوستان تشریف لائے یہ دونوں حضرات بھی تابعی تھے (میزان الاعتدال ج ۱ ص: ۲۰۸، تہذیب التہذیب، ج ۱ ص: ۴۶۱)

اسرائیل بن موسیٰ حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد ہیں اور جامع صحیح بخاری میں ان سے روایت موجود ہے یہ ہندوستان میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں نزیل الہند کہا جاتا ہے۔

۹۳۔۹۴ھ میں محمد بن قاسم نے ایک خاص پس منظر میں ہندوستان پر حملہ کیا اور بہت سے شہر فتح کئے، انہوں نے پنجاب میں موسیٰ بن یعقوب ثقفی کو درس حدیث پر متعین کیا تھا جیسا کہ چچ نامہ اور فتوح البلدان وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح ابومحمد رجاء بن حیوہ سندی اور ابومعشر نجیح بن عبدالرحمن سندی (متوفی ۱۷۰ھ) سندھ میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے چونکہ ان پاک زمانوں میں مروجہ تقلیدی مذاہب کا نام ونشان بھی نہ تھا لہٰذا یہ سب بزرگ صرف کتاب وسنت کے داعی تھے۔ (ماخوذ از خطبۂ صدارت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ جو بعد میں بنام ''سواء الطریق'' شائع ہوا۔)

بلکہ وہ ائمہ اسلام جن کی تقلید لوگ کرتے ہیں ان میں بعض پہلی صدی ہجری میں بچے تھے اور بعض پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، اس کا اندازہ ان کی تاریخ ولادت ووفات سے ہوتا ہے۔

● امام ابوحنیفہؒ تاریخ ولادت ۸۰ھ، تاریخ وفات ۱۵۰ھ، ● امام مالکؒ تاریخ ولادت ۹۳ھ، تاریخ وفات ۱۷۹ھ، ● امام شافعیؒ تاریخ ولادت ۱۵۰ھ، تاریخ وفات ۲۰۴ھ، ● امام احمد بن حنبلؒ تاریخ ولادت ۱۶۸ھ، تاریخ وفات ۲۴۱ھ۔ (بحوالہ تاریخ اہل حدیث، تالیف ابومحمد ابراہیم آروی طبع دہلی)

معلوم ہوا کہ چاروں امام یکے بعد دیگرے پہلی صدی ہجری کے اواخر میں یا اس کے بعد پیدا ہوئے اس لئے پہلی صدی ہجری میں ان کی تقلید کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اور اسلامی تاریخ کی یہ بھی ایک سچی حقیقت ہے جیسا کہ علامہ ابن قیم الجوزیہؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ چاروں اماموں کی تقلید کا رواج چوتھی صدی میں ہوا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، اعلام الموقعین اور حجۃ اللہ البالغۃ جلد اول)

بہر حال پہلی صدی ہجری سے رواج تقلید کی صدی تک ہندوستان میں غیر تقلیدی اسلام تھا اور ان صدیوں کے مسلمان اہل حدیث طرز فکر کے مطابق عامل بالکتاب والسنۃ تھے، اور ہندوستان کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اس میں ہر صدی میں خالص کتاب وسنت پر عمل کا رواج رہا جس کا بڑا تفصیلی تذکرہ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں کیا ہے، اہل علم ضرور اس کا مراجعہ کریں!

تاریخ اہل حدیث ہند کے سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے علمی فیوض اور سلفی اثرات بھی ہندوستان پہنچے، مولانا مسعود عالم ندویؒ، مکاتیب سلیمان میں لکھتے ہیں کہ:

> ''خود ابن تیمیہؒ کے زمانہ میں ان کے شاگرد یہاں پہنچ گئے تھے جن سے حضرت نظام الدین اولیا، اور محمد تغلق دونوں متاثر ہوئے، اس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے بعض شاگردوں سے ہندوستان میں جو دینی لہر آئی وہ لہر وقتاً فوقتاً اٹھتی رہی یہ اور بات ہے کہ اس لہر نے پوری ایک موج اور پورے ایک دھارے کی شکل بعد میں

اختیار کی، تاریخ ہند جس کی شہادت دے رہی ہے''۔

(ملاحظہ ہو!"موتمر الدعوة والتعلیم "،نمبرص ۱۶۵، جامعہ سلفیہ بنارس از خطاب مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔)

اس کے بعد بارہویں صدی ہجری میں جب مغل حکوت روبتنزل تھی اور مسلمانوں کا مستقبل تاریک، ایسی حالت میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پیدا ہوئے، جنہوں نے دعوت وتجدید کا علم بلند کیا اور کتاب وسنت پر عمل کی تلقین کی جس سے مسلک اہل حدیث کے رواج وترقی کے راستے ہموار ہو گئے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بعد ان کے مشن کی تکمیل میں ان کے لائق صاحبزادگان حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ،حضرت شاہ عبدالقادرؒ، حضرت شاہ عبدالغنیؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ مصروف ہو گئے، ان لوگوں کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے نامور پوتے حضرت شاہ اسماعیلؒ نے دعوت وتجدید کا فرض انجام دیا، جو حضرت شاہ عبدالغنی کے خلف الرشید تھے، یقیناً شاہ اسماعیلؒ کے عدیم المثال دعوتی وتجدیدی کارناموں نے خیر القرون کی یاد تازہ کر دی۔

حضرت شاہ اسماعیلؒ کے بعد خاندان ولی اللہی کی مسند پر حضرت شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ تلمیذ رشید حضرت شاہ عبدالعزیز رونق افروز ہوئے جب حضرت شاہ محمد اسحاقؒ حجاز ہجرت کر گئے تو ان کے جانشین ان کے تلمیذ ارشد حضرت مولانا سید میاں نذیر حسین دہلوی ہوئے جو شیخ الکل فی الکل کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، پھر سید میاں نذیر حسینؒ کے ہزار ہا تلامذہ کی مساعی سے اطراف وجوانب ہند میں عمل بالحدیث کا غلغلہ بلند ہو گیا۔

ہندوستان میں جن خوش نصیبوں کو حضرت میاں نذیر حسینؒ نے شرف تلمذ حاصل ہوا ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، ان میں بعض علماء افاضل کے اسماء گرامی یہ ہیں: سید مولانا عبداللہ غزنویؒ، استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ غازی پوریؒ، مولانا ابو محمد ابراہیم آرویؒ، مولانا شمس الحق ڈیانویؒ صاحب عون المعبود شرح سنن ابوداؤد، مولانا عبدالجبار غزنویؒ، مولانا محمد حسین بٹالویؒ، مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، مولانا شاہ عین الحق پھلواریؒ، مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ مولف سیرۃ البخاری، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا بشیر احمد سہسوانیؒ وغیرہ۔

اس سلسلہ کی ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں عمل بالکتاب والسنۃ اور سلفی دعوت کی ایک موج یمن سے بھی آئی، جس سے بہت سے مسلمانوں نے سیرابی حاصل کی، تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں یا چودھویں صدی کے بالکل اوائل میں شیخ حسین بن محمد محسن انصاری خزرجی یمانیؒ نواب سکندر بیگم کے عہد حکومت میں بھوپال تشریف لائے، بے شمار لوگوں نے ان سے استفادہ کیا، پھر وہ وطن واپس چلے گئے، اس کے بعد جب حکومت سکندر بیگم کی بیٹی شاہجہاں بیگم کو ملی اور انہوں نے علامہ صدیق حسن خان قنوجی سے شادی کر لی تو شیخ یمانی کو دوبارہ بلایا، شیخ یمانی بھوپال آئے اور اسی کو اپنا وطن بنالیا، اور ۱۳۲۷ھ میں بھوپال ہی میں وفات پائی، شیخ یمانی سے علامہ نواب صدیق حسن خان قنوجی اور شیخ الکل فی الکل کے تلامذہ میں سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا، اس طرح اس یمنی سلفی شیخ کے ذریعہ بھی ہندوستان میں مسلک اہل حدیث پھیلا اور سلفی دعوت عام ہوئی۔ (ملاحظہ ہو!''مقدمہ تحفۃ الأحوذی'' طبع

قدیم ص ۲۸)

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے مسجد قرطبہ پر ایک نظم لکھی ہے، اس کا درج شعر تاریخ ہند پر منطبق ہوسکتا ہے۔

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

اضلاع سدھارتھ نگر وبلرام پور وغیرہ میں تاریخ اہل حدیث:

اب تک ہم تاریخ اہل حدیث کی ملکی تاریخ پر روشنی ڈال رہے تھے، اب بہت اختصار کے ساتھ تحریک اہل حدیث کی علاقائی تاریخ کا جائزہ لے رہے ہیں، علاقائی تاریخ سے مراد اضلاع سدھارتھ نگر وبلرام پور وغیرہ میں تاریخ اہل حدیث کا ذکر ہے۔

اضلاع سدھارتھ نگر وبلرام پور وغیرہ میں سلفی دعوت کو عام کرنے والے سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ، تحریک شہیدین کے بچے افراد اور دوسرے بعض علماء افاضل ہیں، حضرۃ العلام خطیب الاسلام جناب مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگریؒ نے ۱۹۶۱ء میں نوگڑھ کی آل انڈیا کانفرنس میں جو خطبۂ استقبالیہ پیش کیا تھا اس میں انہوں نے اس کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، ہم اسی خطبۂ استقبالیہ، مقدمہ تحفۃ الأحوذی اور بعض دوسرے مصادر ومراجع کی روشنی میں تحریک اہل حدیث کی علاقائی تاریخ بیان کررہے ہیں اسی طرح ان اضلاع کے بعض تاریخی قصبات کی تاریخ اہل حدیث کا تذکرہ علاقائی معلومات کی روشنی میں الگ ذیلی سرخیوں کے ساتھ کریں گے، ان شاءاللہ۔

☆ **ضلع بستی میں ایک آبادی مجھوا میر کے نام سے ہے** اس میں سید جعفر علی نقویؒ ایک بڑے پایہ کے بزرگ گذرے ہیں، آپ واقعہ بالاکوٹ تک تحریک شہیدین کے میر منشی تھے، منشی کے عہدہ پر رہنے کے ساتھ جہاد کا کام بھی انجام دیتے تھے اور شہیدین کے احکام پر جاں نثاری کے ساتھ عمل کرتے تھے۔

واقعہ بالاکوٹ کے بعد انہوں نے دینی تعلیم پر توجہ دی، چنانچہ انہی کی تحریک پر بدست مولانا عباداللہ بستوی ۱۸۵۴ء میں جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور کا قیام عمل میں آیا اور جامعہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں کا قیام بھی انہیں کی تحریک پر ہوا ہے۔ اس کا سال تاسیس ۱۸۶۲ء ہے اور اس کی نشاۃ ثانیہ مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی کے ہاتھوں ۱۹۵۱ء میں ہوئی جو تاحیات اس کے ذمہ دار رہے۔

☆ **ضلع بلرام پور میں ایک موضع بجوا ہے** جہاں سید نذیر حسین کے تلامذہ میں سے مولانا محمد سعید بنارسیؒ، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ مولانا بشیر احمد سہوانیؒ وغیرہ تشریف لاچکے ہیں، اور مولانا ثناءاللہ امرتسری ومولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ تو اس علاقہ میں بارہا اصلاح وتبلیغ کے لئے تشریف لایا کرتے تھے، اس علاقہ میں ان حضرات کی کوششوں سے دینداری خوب پھیلی، کتاب وسنت کی تعلیمات عام ہوئیں، اور بدعات وخرافات کا خاتمہ ہوا۔

☆ **ضلع سدھارتھ نگر کا ایک مشہور مقام بسکوہر ہے**، یہاں ایک ولی کامل عارف باللہ مولانا اللہ بخش بسکوہری گذرے ہیں،

آپ ضلع انبالہ پنجاب کے رہنے والے تھے، ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے وہ علاقہ رسوم وبدعات سے تائب ہوا، اور قرآن وحدیث پر عمل کا خوگر ہوا، ان علاقوں میں مولانا اظہر بہاریؒ بھی تبلیغ واصلاح کی غرض سے جایا کرتے تھے۔

(ماخوذ از خطبہ استقبالیہ نوگڑھ کانفرنس ۱۹۶۱ء از ص ۶ تا ۱۱ ر بحذف واختصار۔)

☆ **ضلع بلرام پور میں تلسی پور** کے علاقہ میں بھی علامہ اظہر بہاری اور علامہ بشیر احمد سہسوانی جایا کرتے تھے، بلکہ علامہ بہاری نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں اودئی پور اور گلرہا کے علاقہ کو اپنی جولانگاہ بنالیا، چنانچہ ان کی وفات اودئی پور میں ہوئی اور وہ اسی گاؤں کے قبرستان میں مدفون ہیں، واقعہ یہ ہے کہ تلسی پور کے علاقہ میں سلفیت کے جو آثار ونقوش اور دینی تعلیمی ادارے ہیں، جیسے جامعہ عربیہ قاسم العلوم گلہرہا اور انجمن محمدیہ دار القرآن والحدیث تلسی پور وغیرہ وہ انہی کی دعوتی مساعی جمیلہ کے خوشگوار نتائج ہیں۔

ضلع بلرام پور میں ایک مشہور علاقہ کنڈؤ بونڈیہار کا ہے، علامہ اظہر بہاری اور علامہ اللہ بخش بسکوہری اس علاقہ میں بغرض اصلاح وتبلیغ جایا کرتے تھے، انہیں کی کوششوں سے وہ علاقہ بھی بدعات وخرافات سے تائب ہوکر اہل حدیث نگر بنا، ان حضرات کے بعد اس علاقہ میں سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد رشید علامہ عبد الرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی نے تعلیمی ودعوتی فرائض انجام دیئے، چنانچہ ۱۹۰۵ء میں وہ اترولہ کے قریب اللہ نگر مشمولہ چھترپارہ آئے اور وہاں بنام "فیض العلوم" ایک مدرسہ قائم کیا جو اب بھی چل رہا ہے، پھر ۱۹۰۷ء میں کنڈؤ بونڈیہار کے ذمہ دار لوگوں نے علامہ مبارکپوری کو بلایا اور ان کے ہاتھوں جامعہ سراج العلوم کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ کنڈؤ بونڈیہار کے درمیان ساحل راپتی پر قائم کیا، جو مختلف مراحل سے گذرتا ہوا اب صوبہ یوپی میں بنین وبنات کا ایک عظیم تعلیمی وتربیتی ادارہ ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "تاریخ جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار"۔)

تاریخ اہل حدیث قصبہ اترولہ:

ضلع بلرام پور کا ایک قدیم تاریخی قصبہ اترولہ ہے، جس کی تاریخ اہل حدیث کا بڑا گہرا تعلق خاندان کنڈؤ بونڈیہار سے ہے، اس کا مختصر پس منظر وپیش منظر یہ ہے کہ قصبہ اترولہ کے پرانے باشندے زیادہ تر شیعہ وبریلوی اور کچھ دیوبندی ہیں، بیسویں صدی کے نصف اول میں چند اہل حدیث افراد باہر سے آکر قصبہ اترولہ میں آباد ہوئے، جیسے جناب عبد الغفار صدیقی، مولانا عبد الشکور رحمانی، مولانا حبیب اللہ شہیم صدیقی اور ماسٹر مجیب الحسن خان وغیرہ، اس طرح ان حضرات کے ذریعہ قصبہ اترولہ میں تاریخ اہل حدیث کا آغاز ہوا، اس وقت وہاں کوئی اہل حدیث مسجد یا مدرسہ نہیں تھا، عبد الغفار صدیقی کی زوجہ محترمہ رضیہ خاتون کے نام ان کے مکان کے قریب پٹہ کی ایک زمین تھی، جسے انہوں نے ۱۹۷۰ء میں وقف کردیا، اسی پر چھپر کی ایک اہل حدیث مسجد بنائی گئی، تقریباً چودہ سال تک وہ مسجد چھپر ہی کی تھی، اس مدت میں مولانا حبیب اللہ شہیم صدیقی، مولانا عبد الشکور رحمانی اور بعض دوسرے اہل حدیث علماء مختلف اوقات میں خطبۂ جمعہ دیتے رہے، ۱۹۸۴ء میں مولانا محمد اقبال رحمانی کی تحریک وتائید سے الحاج محمد

نعیم کے فرزندار جمند مولانا احسان اللہ، اصحاب اللہ، تبارک اللہ اور انوار اللہ نے مسجد کی پختہ تعمیر کی اور اس کی توسیع بھی کی، اور ۱۹۸۶ء میں مسجد کے سامنے خالی جگہ پر بنام انوار العلوم مدرسہ کی تعمیر کی، جس میں معیاری انداز میں درجہ پنجم تک کی تعلیم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے مسجد ومدرسے کے تمام اخراجات الحاج محمد نعیم کے گھر والے ہی پورے کرتے ہیں۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء** (ماخوذ از خطبۂ استقبالیہ مولانا شوکت علی قاسمی، بموقع اجلاس عام ۲۰۱۶ء)

تاریخ اہل حدیث اترولہ کی ایک اہم قابل ذکر بات یہ ہے کہ ۱۹۸۴ء میں مولانا شوکت علی قاسمی اترولہ میں امام وخطیب اور مدرس کی حیثیت سے آئے، ان کی تعلیمی وتبلیغی مساعی سے اترولہ ومضافات میں تحریک اہل حدیث کو بڑا فروغ حاصل ہوا، کئی خاندان اہل حدیث ہوئے، متعدد مواضعات میں مکاتب قائم ہوئے اور مساجد کی تعمیر ہوئی جن کے ذریعہ سے دعوت کتاب وسنت عام ہوئی اور بدعات وخرافات کا استیصال ہوا۔ **تقبل اللہ جھودہ وبارك في حیاته**۔

تاریخ اہل حدیث قصبہ بانسی:

بانسی جو ضلع سدھارتھ نگر کا ایک مشہور تاریخی قصبہ ہے وہاں انیسویں صدی کے اواخر میں سلفیت کا آغاز ہو چکا تھا، مگر وسیع انداز میں اس کا فروغ وارتقاء بعد میں ہوا، جس کی مختصر داستان یہ ہے کہ قصبہ بانسی میں بیسویں صدی کے اوائل میں سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے ایک شاگرد رشید شاہ عین الحق پھلواروی تشریف لائے، ان کے ساتھ مولانا عبدالرحمن آگروی بھی تھے، انہوں نے جامع مسجد بانسی کے قریب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی، اور علاقہ میں دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے، ایک مدت کے بعد مولانا عبدالوہاب بانسوی نے کچہری وارڈ بانسی میں باقاعدہ ایک مدرسہ کی تعمیر کی، پھر ان کے لڑکے قاری عبدالحق صاحب نے مدرسہ کو وسیع کیا، اس وقت مدرسہ کے ناظم مولانا عبدالقدوس بانسوی تھے، ان کی وفات کے بعد قاری صاحب ہی مدرسہ کے ذمہ دار ہوئے، اور انہوں نے اس کا نام "جامعۃ الحق السلفیۃ" رکھا جو اس وقت اسی نام سے چل رہا ہے۔ (ماخوذ از رجسٹر کارروائی مجلس عاملہ جامعۃ الحق السلفیہ)

میاں صاحب کے تلمیذ رشید شاہ عین الحق پھلواروی جب بانسی میں تھے تو ان کے دعوتی وتبلیغی اور علمی وعملی اثرات اس علاقہ کے دورونزدیک مواضعات پر بھی پڑے جیسے ملولی، کولھوئی، اوراکبرپور جمنی وغیرہ، اسی طرح بعد میں اس علاقہ میں فکری اصلاح، عملی تربیت اور سلفیت کی ترویج واشاعت میں مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہ اور مولانا محمد رئیس ندویؒ وغیرہ کا بھی بڑا دخل ہے۔ **سقی اللہ ثراھم وجعل الجنۃ مثواھم**۔

تاریخ اہل حدیث ڈومریاگنج:

ڈومریاگنج ضلع سدھارتھ نگر کا مشہور تاریخی قصبہ ہے، پہلے یہاں ڈوم کٹار خاندان کے راجہ حکومت کرتے تھے اس لئے اس کا

نام ڈومریا گنج پڑا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں یہاں کے لوگوں نے ممبئ آرمی کے دوانگریز افسروں کو مارڈالا تھا جن کی قبریں آج بھی قصبہ کے مغربی حصہ میں موجود ہیں (جغرافیہ ضلع سدھارتھ نگر طبع جدید ص ۵۰)

تحصیل ڈومریا گنج کے بہت سے مواضعات میں اہل حدیث افراد بیسویں صدی سے پہلے موجود ہیں، لیکن خاص قصبہ ڈومریا گنج میں سلفیت کا آغاز ۱۹۶۰ء میں ہوا ہے، اس کا نقطۂ آغاز ڈاکٹر عبدالباری خان صاحب ہیں، ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق وہ اپنے آبائی گاؤں کنڈوَ سے ڈومریا گنج ۱۹۶۰ء کے آخر میں آئے، اس وقت ڈومریا گنج میں دیوبندی وبریلوی مسلمان آباد تھے، وہاں کوئی اہل حدیث مسجد یا مدرسہ نہیں تھا، مولانا عبدالقدوس صاحب ٹکریاوی جو ڈاکٹر صاحب کے مشیر ومعاون تھے ان کی تحریک وتائید سے ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۶۶ء میں سلفی تحریک کے نام سے ایک زمین خریدی اور چھپر کی مسجد تعمیر کی، اور ۱۹۶۸ء میں مسجد کی پختہ تعمیر کی اور بنام مدرسہ دینیہ سلفیہ ایک پرائمری تعلیمی ادارہ قائم کیا، قصبہ ڈومریا گنج میں یہ پہلی اہل حدیث مسجد اور پہلا سلفی مدرسہ تھا، اس جامع مسجد کے خطیب جمعہ مولانا عبدالقدوس صاحب ہی تھے، جنہوں نے سردوگرم موسم اور بارش کے ایام میں پابندی کے ساتھ تقریباً ۱۵رسال جمعہ کی امامت وخطابت کی ذمہ داری بلا معاوضہ انجام دی ہے، ان کا خطبہ قرآن کی روشنی میں بڑا مؤثر ہوتا تھا، جسے سننے کے لئے مختلف مسالک کے لوگ ڈومریا گنج ومضافات سے آتے تھے، اور ان کے خطبوں سے مستفید ہوتے تھے، اس طرح ڈومریا گنج میں تحریک اہل حدیث کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ سقی اللہ ثراہ وجعل الجنة مثواہ۔

مدرسہ دینیہ سلفیہ ڈومریا گنج نے ۱۹۷۹ء میں جامعہ اسلامیہ خیرالعلوم کی شکل اختیار کی اور تدریجی طور پر اس کے تحت قسم البنین اعدادیہ تا فضیلت، کلیۃ الطیبات، دارالایتام، شعبہ حفظ قرآن، خیر ٹیکنیکل اور دوسرے عصری شعبے قائم کئے گئے، اس کی بعض دینی وعصری شاخیں ہاشم پارہ اور نوگڑھ وغیرہ میں ہیں اور اس کے تحت ضلع وبیرون ضلع میں بہت سی مساجد تعمیر کی گئی ہیں، ملحوظ رہے کہ جامعہ خیرالعلوم کو مختلف مراحل میں جو ترقیات حاصل ہوئی ہیں ان میں بالترتیب الحاج خیراللہ اہراڈیہہ، سیٹھ شہادت حسین پرساعماد، مولانا معین الدین صاحب، اور ڈاکٹر محفوظ الرحمن سلفی وغیرہم کے ایثار وتعاون کا بڑا دخل ہے۔ تقبل اللہ جھودہم۔

قصبہ ڈومریا گنج میں صحیح اسلامی فکر کی اشاعت اور سلفی تحریک کے فروغ وارتقاء میں ایک دوسرے تعلیمی محاذ کا بھی اہم رول ہے وہ ہے صفا تعلیمی سوسائٹی، جس کے بانی وذمہ دار تعلیمی ذوق کے حامل برادر محترم مولانا عبدالواحد مدنی ہیں۔ اس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ ۱۹۸۵ء (یہ تاریخ محل نظر ہے۔ غالباً ۱۹۹۰ء کے آس پاس جسوقت موصوف جامعہ اسلامیہ خیرالعلوم کے صدر مدرس تھے اور جامعہ کے کام سے باہر کے سفر پر تھے، اپنے ساتھ جامعہ کے ایک اور مدرس کو ساتھ لے گئے تھے، اسی موقع پر مرکز کا قیام کیا تھا، اور چند دنوں بعد مذکورہ ادارہ کی بنیاد رکھی اور پھر مستقل اسی کی خدمت میں لگ گئے۔ (ادارہ مجلہ الفرقان) میں مولانا نے ایک تعلیمی ودعوتی ادارہ المرکز الاسلامی (اسلامک سینٹر) قائم کیا اس ادارہ کے قیام میں راقم الحروف کی بھی تحریک وتائید شامل رہی ہے پھر مولانا نے اس ادارہ کو ترقی سے ہمکنار کرتے ہوئے ۱۹۹۲ء میں ایک تعلیمی ورفاہی سوسائٹی قائم کی جس کا نام ہے۔ "جمعية الصفا التعليمية الصناعية الخيرية" (صفا ایجوکیشنل اینڈ ٹیکنیکل ویلفیئر سوسائٹی) اس سوسائٹی کے تحت مختلف دینی وعصری شعبے چل رہے ہیں جیسے،

القسم الابتدائی، کلیۃ الصفا للبنین فضیلت تک، قسم البنات، قسم تحفیظ القرآن، دارالایتام اور بعض عصری شعبے، اس کی بعض شاخیں جگجیواں، کسہٹا اور لکھنؤ میں قائم ہیں اور اس کے تحت بھی ضلع و بیرون ضلع میں بہت سی مساجد تعمیر ہوئی ہیں۔

قصبہ ڈومریا گنج میں جامعہ خیر العلوم اور صفا سوسائٹی کے ثمرات ونتائج میں یہ بات انتہائی قابل ذکر ہے کہ اس وقت بیدولہ ڈومریا گنج میں دس اہل حدیث مساجد ہیں ان میں پانچ مساجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے ان اہل حدیث جامع مساجد میں ڈومریا گنج ومضافات کے مسلمان بلاتفریق مذہب ومسلک حاضر ہوتے ہیں۔ جن میں بہت سے سامعین کو جادۂ کتاب وسنت پر گامزن ہونے کی توفیق مل جاتی ہے۔ واللہ الموفق وھو المعین۔

تحریک اہل حدیث کے دینی وسیاسی اثرات:

ہندوستان میں تحریک اہل حدیث کے اثرات دو طرح کے ہیں: اول: دینی اثرات، دوم: سیاسی اثرات، ہم بہت اختصار سے ان دونوں اثرات پر روشنی ڈال رہے ہیں۔

تحریک اہل حدیث کے دینی اثرات:

اوپر کی تفصیلات سے ہندوستان پر تحریک اہل حدیث کے دینی اثرات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے، علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے مقدمہ تراجم علماء اہل حدیث ہند میں ان اثرات کا بڑا تفصیلی تذکرہ اپنے خاص اسلوب میں کیا ہے، میں یہاں اس کا ایک اقتباس نقل کررہا ہوں علامہ ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا، توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن کی تعلیم وتفہیم کا آغاز ہوا، قرآن سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا، حدیث نبوی کی تعلیم وتدریس اور تالیف واشاعت کی کوشش کامیاب ہوئی، نیز فقہ کے مسائل کی چھان بین ہوئی، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی کا جذبہ جو گم ہوگیا تھا وہ دوبارہ پیدا ہوگیا۔

(ماخوذ از مقدمہ: ’’تراجم علماء اہل حدیث ہند‘‘ تالیف مولانا ابویحییٰ امام خان نوشہرویؒ)

ہندوستان میں تحریک اہل حدیث اور سلفی دعوت کے ناقابل انکار اثرات کا اعتراف علامہ مناظر احسن گیلانیؒ نے بھی کیا ہے جو ہندوستان میں عظیم المرتبت محقق حنفی عالم گذرے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

’’بجائے خود یہ تحریک جو کچھ بھی ہو لیکن اس کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن وحدیث) کی طرف توجہ ہندوستان کے حنفی مسلمانوں کی جو پلٹی اس میں اہل حدیثیت اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے عمومیت غیر مقلد تو نہیں ہوئی لیکن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کا طلسم ضرور ٹوٹا۔ (ماہنامہ برہان دہلی، اگست ۱۹۵۸ء مرتب مولانا سعید احمد اکبرآبادی)۔

تحریک اہل حدیث کے سیاسی اثرات:

۱۸۵۷ء تک ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت رہی، اس وقت تک ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ میں مختلف مواقع پر علماء اہلحدیث کے سیاسی اثرات دیکھے جاسکتے ہیں، اگر چہ مسلم دور حکومت میں علماء دین کی اکثریت میدان سیاست سے کنارہ کش رہی، ان کی پوری توجہ اصلاح وارشاد اور دینی تعلیم و تربیت کی طرف رہی۔

انیسویں صدی کے نصف اول میں جب برطانوی سامراجیت کے قدم ہندوستان میں جم رہے تھے اسوقت اس کے خلاف جو تحریک جہاد حضرت سید احمد رحمہ اللہ کی قیادت میں شروع ہوئی اس میں علماء احناف اور علماء اہل حدیث دونوں شریک رہے، مگر واقعہ بالاکوٹ کے بعد علماء صادق پور نے پورے اخلاص اور عزم واستقامت کے ساتھ اس تحریک کی قیادت کی اور تقریباً پوری صدی اس راہ میں بے مثال قربانیاں پیش کیں جو نہ صرف برصغیر ہندوپاک کی تحریک جہاد بلکہ تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہے، اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ علماء صادق پور خالص اہل حدیث اور عامل بالکتاب والسنہ تھے۔

البتہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں آزادی وطن کی جو تحریکیں قائم ہوئیں ان میں افراد اہل حدیث کے ساتھ افراد احناف بھی شریک رہے، لیکن ان تحریکوں میں حنفی بھائیوں کی شمولیت مولانا محمود حسنؒ کی مالٹا سے رہائی کے بعد ثابت ہے، اور یہ وہ وقت تھا جب یہ تحریکیں عام ہوگئی تھیں اور ان میں بلا تفریق مذہب ومسلک ملک کا ہر طبقہ شریک تھا۔

دراصل جب ہندوستان میں برطانوی سامراجیت کے اثرات بڑھ رہے تھے تو اس وقت برطانوی سامراج پورے ایشیا میں اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتا تھا، اس حقیقت کو بڑی شدت سے ہندوستان میں اور اس سے باہر افراد اہل حدیث نے محسوس کیا، چنانچہ سعودی عرب میں محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے متبعین اور ہندوستان میں طبقۂ اہل حدیث نے انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کے قدم اکھاڑ دیئے۔ اسی لئے انگریزوں نے اپنے مخالفین کو وہابی کا لقب دیا، جسے وہ لوگ باغی معنی میں لیتے تھے، چنانچہ انگریز مبصرین اور غیر جانب دار مؤرخین نے جو صراحتیں کی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں ہندوستان کا جو گروہ سب سے زیادہ سرگرم رہا ہے وہ اہل حدیث یعنی وہابی تھا، جسے انگریز باغی کا مترادف سمجھتے تھے۔

تاریخ ہند کی یہ سچی حقیقت ہے کہ انگریزوں کے خلاف تحریک جہاد اور جنگ آزادی میں جماعت اہل حدیث نے من حیث الجماعت حصہ لیا، البتہ بعض افراد اس سے کنارہ کش رہے، جیسے مولانا محمد حسین بٹالویؒ اور نواب صدیق حسن خانؒ، اگر چہ نواب صدیق حسن خانؒ کے بارے میں ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اندر اندر وہابی تحریک کی مدد کرتے تھے، اسی لئے ایک موقع ایسا بھی آیا کہ برطانوی حکومت نے ان کا نوابی کا خطاب واپس لے لیا اور انہیں کچھ عرصہ تک قید رکھا۔

جماعت اہل حدیث کے برعکس طبقہ احناف اور اہل دیوبند من حیث الجماعت تحریک آزادی میں شریک نہیں رہے، البتہ انفرادی طور پر کچھ احناف تحریک جہاد وغیرہ میں ضرور شریک رہے، جیسے مولانا محمود حسنؒ مولانا حسین احمد مدنی، اور مولانا حفظ الرحمن

سیوہاروی وغیرہ، رہا واقعہ شاملی اور تحریک ریشمی رومال تو ان کی جو تفصیلات اور مقاصد دیو بندی اہل قلم ظاہر کر رہے ہیں صحیح واقعات وحقائق ان کی تائید نہیں کرتے۔

اہل دیو بند من حیث الجماعت تحریک آزادی میں شریک نہیں ہوئے اس کے دو اسباب ہیں، اول یہ کہ مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادیؒ نے ایک موقع پر اپنے مریدوں سے بیان کیا کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام کو انگریزوں کو فوج میں سائیس کا کام کرتے ہوئے دیکھا ہے، لہٰذا وہ مؤید من اللہ ہیں (سوانح قاسمی، جلد دوم ص: ۱۰۳)

دوم یہ کہ بتاریخ ۶ نومبر ۱۹۱۷ء اساتذہ دار العلوم دیو بند نے برطانوی حکومت کی خدمت میں ایک عرض داشت پیش کر کے اپنی وفاداری کا اظہار کیا تھا، وہ عرض داشت کئی اوراق پر مشتمل ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں واقعات کے زبردست اثرات علماء دیو بند پر پڑے۔ (اس سلسلہ میں تفصیل کے لئے اہل علم درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں! اول: ''اہل حدیث اور سیاست'' تالیف علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ۔ دوم: ''تحریک جہاد جماعت اہل حدیث اور علمائے احناف'' تالیف حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ناشر دار الکتب الاسلامیہ دہلی۔)

حرف آخر:

بڑے اختصار کے ساتھ مقالہ اختتام پذیر ہوا، جس کے مشتملات سے معلوم ہوا کہ تحریک اہل حدیث اسلام کی صحیح ترین تعبیر وتشریح کا نام ہے، جس سے لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح ہوئی، جس کی روشن ملکی وعلاقائی تاریخ ہے اور آزادی وطن میں جس کا قائدانہ کردار رہا ہے، اس تحریک کے تعلق سے علماء وطلبہ اور سلفیان ہند کی درج ذیل ذمہ داریاں ہیں۔

☆ تحریک اہل حدیث ایک فکری وعملی تحریک ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم فکری اصلاح کے ساتھ عمل وکردار کی اصلاح پر توجہ دیں۔

☆ تحریک اہل حدیث نے ہر دور میں ظلم وتعدی اور دہشت گردی کا مقابلہ کیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم دہشت گردی کا قلع قمع کریں اور ملک میں امن وسلامتی کا ماحول بنائیں۔ اعدائے اسلام اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ سلفی فکر اسلام کی صحیح تعبیر وتشریح ہے، اسی لئے اس کے خلاف عالمی وملکی سطح پر سازشیں ہو رہی ہیں، ایسے حالات میں ہمیں بڑے صبر وضبط اور حکمت عملی کے ساتھ صحیح اسلام کی اشاعت پر توجہ دینا چاہیے، آزادی وطن کے تعلق سے جماعت اہل حدیث کی جو نمایاں خدمات ہیں ان کے بارے میں ہمیں پروگرام کرنا چاہیے اور ہندی انگریزی وغیرہ زبانوں میں کتابیں، رسالے اور پمفلٹ شائع کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان واخلاص کے ساتھ جادۂ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور تحریک اہل حدیث کے تعلق سے جو فکری وعملی اور ملکی وسیاسی ذمہ داریاں ہیں انہیں انجام دینے کا عزم وحوصلہ بخشے۔ آمین۔

(ماخوذ از مجلہ الفرقان مئی جون ۲۰۱۷ء ڈومریا گنج)

❑❑❑

ضلع بستی، سدھارتھ نگر، گونڈہ میں دعوت اہل حدیث کی ابتداء

از افادات مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

یوپی کے وہ خوش قسمت مقامات جنہوں نے اس تحریک (یعنی تحریک شہیدین) کے اثرات پوری قوت کے ساتھ اپنے اندر جذب کئے ان میں بستی، گونڈہ بشمول شمالی مغربی نیپال و مغربی و شمالی گورکھپور کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ان مقامات نے نہ صرف یہ کہ اس دعوت حق کو پوری قوت کے ساتھ لبیک کہا بلکہ اس کی قوت و شمول میں اب تک بحمد اللہ بڑی تازگی پائی جاتی ہے۔

بستی کے حلقہ ہائے نوگڑھ، شہرت گڑھ، بڑھنی، اٹوا، ڈومریا گنج، بانسی اور بھنان اور گونڈھ کے حلقہ ہائے بانبھر و بونڈیہار وغیرہ توتوحید وسنت کے قلعے مانے جاتے ہیں۔ان مقامات واضلاع میں تحریک اہل حدیث کی ابتدا سید احمد رائے بریلوی اور شاہ محمد اسماعیل دہلوی رحمہا اللہ کے خلیفہ وشاگرد مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کے ذریعہ ہوئی اور اس کی آبیاری مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کے داماد مولانا شریف حسن اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا لطیف حسن اور ان کے صاحبزادے مولانا احسان احمد نیز محدث جلیل مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری، مولانا عباداللہ بستوی، مولانا لیاقت حسین خاں، مولانا مظہر بسکوہری، مولانا عبدالرحمن خاں ڈوکمی رائے بریلوی، مولانا عبدالوہاب بانسوی، کھدیرو بابا، حاجی نعمت اللہ، مولانا سید ممتاز علی وغیرہم رحمہم اللہ نے کی۔

تھوڑی سی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شاہ محمد اسماعیل اور سید احمد کی تحریک اتباع سنت وجہاد پر جن چند اہم خاندانوں نے لبیک کہا ان میں ایک مولانا سید قطب علی بستوی (المتوفی ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۳ء) کا خاندان بھی تھا۔خود مولانا سید قطب علی بستوی اور ان کے چھوٹے صاحبزادے مولانا حسین علی رحمہا اللہ رائے بریلی تشریف لے جاکر سید احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوچکے تھے۔اس وقت مولانا سید جعفر علی نقوی لکھنؤ میں حصولِ علم میں مصروف تھے۔بعد میں یہ بھی دعوت واصلاح کے اس سلسلہ سے بندھ گئے اور جہاد بالاکوٹ وغیرہ میں عملی شرکت فرمائی۔عملی جہاد میں شرکت ہی کے دور میں ان پر اتباع سنت کا گہرا اثر پڑا۔جب یہ جہاد کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو راستہ میں حافظ بارک اللہ لکھوی رحمہ اللہ سے بھی ان کی ملاقات ہوئی۔دوسری جانب میدان ہائے جہاد اور اثناء جہاد میں ان کو زیادہ تر شاہ محمد اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ کی رفاقت میسر رہی۔ان تمام چیزوں نے انہیں اتباع سنت میں کافی غیور بنادیا تھا۔دوسری جانب مولانا مظہر علی صادق پوری برادر مولانا ولایت علی صادقپوری اپنی غیرت وحمیت کی وجہ سے تعزیہ شکنی کرکے ضمانت پر گرفتاری سے بچ کر کچھ دنوں کے لئے (بستی) مجھوامیر آگئے تھے۔ان کی غیرت اور جذبۂ اتباع سنت کا بھی مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ پر گہرا اثر پڑا اور یہ عملی طور پر کھل کر اہل حدیث ہوگئے۔تیسری جانب مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کی دوسری اہلیہ فاطمہ بی بی جو سید احمد علی صاحب رامپوری ثم ٹونکی رحمہ اللہ

کی بیٹی اور مولانا حیدر علی رامپوری رحمہ اللہ (التوفی ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء) مؤلف رسالہ 'اثبات رفع الیدین فی المواضع الاربعة' و 'صیانة الأناس وسوسة الخناس' وسید محمد علی رامپوری (التوفی ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء) کی سگی چچازاد بہن تھیں، خالص موحد اور متبع سنت خاتون تھیں۔

ان سب باتوں کا یہ گہرا اثر اپڑا کہ مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کھلے طور پر اصول وفروع میں عامل بالحدیث ہو گئے۔

مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ ان کے صرف ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام سیدہ زینت تھا۔ مولانا نقوی رحمہ اللہ نے اپنی اہلیہ سیدہ فاطمہ کے اصرار پر ان کے بھانجے سید شریف حسن بن سید مہدی حسن بن سید احمد علی رامپوری کو ٹونک سے میر مجھوا بلا کر ان سے اپنی اکلوتی بیٹی سیدہ زینت کا نکاح کر دیا۔ مولانا شریف حسن رحمہ اللہ بہت ہی پختہ قسم کے متبع سنت اور اہل حدیث عالم تھے۔ مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ نے انہیں کو اپنا خلیفہ بھی مقرر فرمایا۔

مولانا شریف حسن رحمہ اللہ بستی و گونڈہ اور شمالی و مغربی نیپال کے اکثر علاقوں کا دورہ کر کے توحید واتباع سنت کی روح پھونکتے رہے۔ آپ لاولد تھے۔ اپنی اہلیہ سیدہ زینت کی وراثت کی جائیداد آپ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا لطیف حسن رحمہ اللہ کو ہبہ کر دی اور اپنا خلیفہ بھی انہیں کو مقرر فرمایا جنھوں نے پورے اخلاص وایثار کے ساتھ دعوتِ توحید واتباع سنت کی پوری عمر آبیاری کی۔

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے محترم مولانا احسان احمد رحمہ اللہ نے ۱۹۴۸ء تک اس دینی وتبلیغی وراثت کو زندہ رکھا تا آنکہ آپ کے بعد یہ سلسلہ تقریباً بند ہو گیا۔ آپ کی اولاد میں سید عبدالمنان پاکستان میں ہیں، سید عرفان احمد دہلی میں ہندوستان آرمی میں ملازم ہیں اور سید ریاض میر مجھوا میں رہتے ہیں، لیکن کچھوچھے میں شادی کر لی ہے اور شادی کے بعد اپنے خاندان کی شاہراہ کو چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں۔

مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام سید محمد زکریا تھا۔ ان کی تعلیم وتربیت مولانا سید جعفر علی نقوی رحمہ اللہ ہی نے کی تھی۔ مولانا زکریا رحمہ اللہ کے چھ صاحبزادے تھے۔ محمد یوسف، محمد عمر، محمد یونس، محمد صالح، محمد مصطفی، محمد احمد، ان میں محمد عمر و محمد یونس صاحبان لاولد تھے۔ بقیہ صاحب اولاد تھے اور سب کی اولاد کا سلسلہ موجود ہے اور بحمد اللہ دین سے تعلق رکھتی ہے۔ خصوصیت سے ذکر کے قابل محمد مصطفی صاحب کی اولاد ہے یہ چار بھائی ہیں۔ محمد ادریس، محمد مرتضیٰ، عبداللہ، محمد اجتبا، مولانا سید محمد مرتضیٰ دار العلوم ندوۃ العلماء کی لائبریری کے لائبریرین ہیں اور مولانا سید محمد اجتبا صاحب ندوی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں شعبۂ عربی کے لکچرر ہیں اور نواب سید صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کی زندگی پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کر رہے ہیں اور بہت باذوق اور مخلص عالم ہیں۔ موحد اور باغیرت مسلمان مولانا سید زکریا بن مولانا حسین علی کے خاندان میں بحمد اللہ علم اور جذبۂ توحید اور بدعات وخرافات سے نفرت کے جذبات اب تک موجود ہیں۔

سلفیت، اہلحدیثیت اور اتباع سنت کی اس اہم تحریک کی دعوت وتبلیغ کا ایک سلسلہ تو یہ تھا کہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔ یعنی مولانا

سید جعفر علی نقوی، مولانا شریف حسن، مولانا لطیف حسن، مولانا احسان احمد رحمہم اللہ اور توحید کی حمیت اور بدعات و خرافات کی مخالفت کی حد تک مولانا سید زکریا رحمہ اللہ کے اولاد و احفاد۔

دوسرا اہم سلسلۂ دعوت و تبلیغ وہ ہے کہ جو شیخ الاسلام میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ (۱۲۲۰ھ۔۱۳۲۰ھ) اور آپ کے براہ راست اور بالواسطہ تلامذہ رحمہم اللہ کا ہے۔ ان میں نوگڑھ کے علاقہ میں مولانا عباد اللہ بستوی رحمہ اللہ، بسکوہر اور بھانبھر کے علاقہ میں مولانا مظہر، بانسی کے علاقہ میں مولانا عبدالوہاب، اٹوا، ڈومکم اور بڑھنی کے علاقوں میں مولانا عبدالرحمن خاں ڈوکمی رائے بریلوی اور مولانا لیاقت حسین خاں رحمہم اللہ اور ڈومریا گنج کے حلقہ میں مولانا سید ممتاز علی رحمہ اللہ وغیرہم اور شنکر نگر، بونڈھیار وغیرہ کے حلقوں میں محدث عظیم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی رحمہ اللہ۔

تاریخ اہل حدیث سے متعلق جملہ معترضہ کے طور پر جو بات شروع کی گئی تھی وہ کافی طویل ہوگئی پھر بھی رہ گئی نامکمل ہی۔ اللہ نے توفیق دی تو کسی موقع پر تفصیل کے ساتھ اس پر تحقیقی اور علمی روشنی ڈالی جائے گی ان شاء اللہ۔

توحید، اتباع سنت، جہاد اور نتھری سلفیت کے ان دونوں سلسلوں کے جامع عالم و داعی مولانا لیاقت حسین خاں رحمہ اللہ بھی تھی۔ وہ ایک طرف تو مولانا شریف حسن رحمہ اللہ سے بیعت تھے اور دوسری جانب شیخ الاسلام میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ کے سلسلۂ تلمذ سے بھی منسلک تھے۔ بڑے ہی باغیرت سلفی اور صاحب ورع و تقویٰ عالم تھے۔ مسلک حق کی دعوت کے لئے بے چین رہا کرتے تھے۔

ایثار کا یہ عالم کہ دہلی سے طالب علمی کے ایک رفیق مولوی جعفر علی ٹونکی کو اپنے ساتھ اپنے مرزبوم مرغھوا لے آئے۔ ان کے پورے مصارف بھی دورِ طالب علمی میں برداشت کرتے رہے اور فراغت کے بعد اپنی آدھی جائیداد (مکان، باغ اور کھیتی) ان کو ہبہ کردی۔ مولوی جعفر علی سے پوری زندگی سخت اذیتیں اٹھائیں، لیکن صبر و تحمل اور ایثار کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

(ماٴخوذ از۔ مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانیؒ۔ جلد دوم ص ۱۱۰۔ ۱۱۲)

❑❑❑

سرزمین بستی وگونڈہ میں توحید وسنت کی پہلی تحریک اوراس کا سلسلۂ مبارکہ

ازافادات: مولانا عبدالوہاب حجازی ڈومریا گنج

شہیدین کی تحریک جہاد واصلاح نہایت عظیم الشان اصلاحی تحریک تھی، دعوت کتاب وسنت احیاء توحید وسنن، اور ردّ شرک وبدعات اورآزادی وطن کے لئے یہ تحریک بے مثال اور ہمیشہ یادرکھے جانے کے قابل ہے۔

اسی تحریک جہادواصلاح کے ایک عظیم مجاہد، ہمارے مولانا سید جعفرعلی نقوی میر مجھوا بستی بھی تھے جوتحریک شہیدین کے میرمنشی اورعلامہ شاہ اسماعیل شہید کے کاتب خاص تھے، سرزمین بستی وگونڈہ میں توحید وسنت کی پیروی اورشرک وبدعات سے دور رہنے کی سب سے پہلی تحریک مولانا سید جعفرعلی نقوی (۱۲۱۸ھ۔۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء) نے بہت بڑے پیمانہ پرنہایت جوش وخروش سے چلائی تھی، میر مجھوا بستی سے پہلے مولانا کا خاندان سیدواڑہ اجودھیامیں آباد تھا، مولانا جعفرعلی نقوی کومولانا محمد اسماعیل شہید سے خصوصی تعلق تھا، علامہ شہید سے آپ نے حدیث کی مشہور کتاب مشکاۃ شریف کا درس لیاتھا، اور مولانا شہید آپ کواستفادہ کا کافی موقع دیتے تھے، شہیدین کی بالاکوٹ میں شہادت کے بعد مولانا جعفرعلی ۱۸۳۱ء کوسرحد سے وطن لوٹ آئے، اور بہت بڑے پیمانہ پرکتاب وسنت کی ترویج وتبلیغ، ردشرک وبدعت اورمدارس ومکاتب کے قیام کی تحریک شروع کی، گونڈہ، بستی، گورکھپور، ترائی نیپال اور بہار کے مغربی اضلاع میں آپ کے مجاہدات اورقیام مدارس کے اعمال نمایاں ہوئے، ان کے قائم کردہ مدارس میں سے کچھ آج تک باقی ہیں جیسے ہمارے اس علاقہ میں موضع اوسان کوئیاں کا مدرسہ مظہرالعلوم (سن قیام ۱۸۶۲ء) مدرسہ ہدایۃ المسلمین کرہی، مٹکا علاقہ میں مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور (سن قیام ۱۸۵۴ء) مغربی بہار میں مدرسہ عربیہ سمرا ضلع چمپارن، مدرسہ عربیہ سمرا ضلع سیوان اورمدرسہ عربیہ مادھوپور ضلع سیوان، یہ مدارس مولانا جعفرعلی کی یادگار کے بطور آج بھی باقی ہیں اور چل رہے ہیں، مولانا جعفرعلی نقوی کے دست مبارک پر بے شمار لوگ مسلمان ہوئے، ۱۸۵۷ء میں آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، کتاب وسنت کی اتباع اورردشرک وبدعت پرمبنی مولانا کی اس تحریک کا دائرہ سیکڑوں میل تک پھیلا ہوا تھا، آپ صاحب قلم بھی تھے، یعنی تلوار، زبان اورقلم سب کے دھنی تھے، آپ کی تحریر کردہ کتابوں میں سے ''وصایا'' اورتحریک جہاد شہیدین پر مستند اورمبسوط کتاب ''منظور السعداء'' آج بھی موجود ہیں، ''منظور السعداء'' کو''تاریخ احمدیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت مولانا سید جعفرعلی نقوی کے دور میں ہمارے اس علاقہ میں موضع اوسان کوئیاں کومرکزی مقام حاصل تھا، قریب کے موضع

چوکنیاں کے ''میاں الٰہی بخش'' اور موضع تلانگ کے ''میاں عباداللہ'' مولانا جعفر علی نقوی کے معتمد ساتھی اور اعمال دعوت واصلاح میں پیش پیش رہنے والے تھے، میرے ماموں محترم مولانا شکر اللہ فیضی کی روایت ہے کہ ہمارے دادا محمد فاضل مولانا جعفر علی نقوی کے کاروان اصلاح کے ایک رکن تھے اور ''مثنوی مولانا روم'' پڑھ کر لوگوں کو جوش دینی وغیرت ایمانی پر ابھارا کرتے تھے۔اس دور سے لے کر بعد میں عرصہ تک مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں نے دعوت کتاب وسنت اور ردشرک وبدعت اور علماء دین کی تیاری کے کام میں نہایت اہم رول ادا کیا، یہاں کے استاذ، جید عالم دین مولانا احمد علی اوبری ڈیہہ، گونڈہ نے تاعمر اس مدرسہ میں تعلیم دی اور بستی وگونڈہ کے سارے علاقوں میں دعوت واصلاح کا کام کرتے رہے، مولانا جعفر علی نقوی کے زمانہ تحریک میں قصبہ بانسی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، اسی دور میں بانسی میں مولانا محمد اسحاق محدث جیسا عظیم داعی کتاب وسنت پیدا ہوا، جو یہاں کی جامع مسجد کے پہلے اہل حدیث امام وخطیب تھے، ان کے مشہور شاگردوں میں مولانا عباداللہ یوسف پوری تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا احمد علی اوبری ڈیہہ استاد مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں، حافظ لعل محمد بانسوی اور مولانا عظیم اللہ نیپالی ہیں، قصبہ بانسی کے حاملین کتاب وسنت علماء میں چند معروف نام یہ ہیں: مولانا عبدالستار (متوفی ۱۹۴۶ء) مولانا محمد یٰسین (متوفی ۱۹۴۶ء) حافظ محمد سلیم (متوفی ۱۹۶۱ء) مولانا عبدالقدوس نواسہ علامہ محدث محمد اسحاق بانسوی، مولانا عبدالوہاب (متوفی ۱۹۲۴ء) موسس مدرسہ اسلامیہ بانسی ،قاری عبدالحق بانسوی (۱۹۱۶ء۔۱۹۷۶ء) قاری صاحب مرحوم سے راقم سطور کی بھی کچھ خوشگوار یادیں وابستہ ہیں، موصوف تلشی پور صوبائی کانفرنس ۱۹۶۸ء میں جو جامعہ سلفیہ بنارس میں میری طالب علمی کا دور تھا میرا خطاب سن کر نہایت خوش ہوئے تھے، اور فرط مسرت میں مجھے مٹھائی کھلانا اور انعام دینا چاہتے تھے، لیکن میں وہاں سے گھر آچکا تھا، بعد میں میرے ماموں مولانا شکر اللہ فیضی صاحب انعام کی رقم لے کر آئے، اور مجھے قاری صاحب کی جانب سے عنایت فرمایا اور قاری صاحب کے بے حد مسرور ہونے کا بھی ذکر فرمایا۔

غرض ہمارے اس کثیر مسلم آبادی والے علاقہ میں علامہ جعفر علی نقوی کے دور میں اوسان کوئیاں اور اس کے مدرسہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، یہاں کے بڑے بڑے اساتذہ میں مولانا احمد علی کے علاوہ، مولانا دین محمد محدث پنجابی، مولانا اللہ بخش بسکوہری تلمیذ علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمد یونس بونڈیہار (متوفی ۱۹۶۶ء) مولانا عابد علی انتری بازار تلمیذ مولانا حفیظ اللہ بندوی تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا شکر اللہ فیضی ٹکریا (۱۹۲۱ء، ۲۰۰۵ء) تلمیذ مولانا ممتاز علی، ومولانا عبداللہ شائق مئوی اور مولانا عبدالقدوس ٹکریا (۱۹۲۰ء۔۱۹۷۶ء) تلمیذ مولانا اقبال حسین، ومولانا عبدالسلام بستوی، اول الذکر تین اساتذہ کبار سے فیض اٹھانے والے علماء جو خاص اوسان کوئیاں کے باشندے ہیں مولانا 'مولا بخش''، مولانا شکر اللہ، مولانا عبدالجلیل معروف ہیں، موضع سمرا کے زبردست داعی اور مجاہد عالم دین مولانا عبدالرزاق (۱۸۵۷ء، ۱۹۵۴ء) نے علامہ محدث دین محمد پنجابی سے مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں میں چار سال تک رہ کر فیض حاصل کیا تھا۔

حضرت العلامہ مولانا سید جعفر علی نقوی کے بعد اس علاقہ میں دعوت کتاب وسنت کے آثار کو پھر سے تابندہ اور نمایاں کرنے کے لئے اللہ تعالی نے حضرت العلامہ مولانا سید ممتاز علی (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۷۳ء) کو پیدا فرمایا، مولانا کے پردادا محمد پناہ، گنج مرادآباد سے

ترک وطن کر کے بہرائچ کے موضع ''بکوئی'' میں کچھ عرصہ رہ کر جنوبی بستی کے موضع ''برہپور'' میں سکونت پذیر ہوئے تھے، اس کے بعد ہمارے اس موضع ''کسمہی'' کو وطن بنایا، مولانا کے والد حسن علی کی شادی پڑوس کے معروف گاؤں ٹکریا میں ہوئی تھی، مولانا کا پورا خاندان شیعہ تھا، فاتحہ، نوحہ وماتم، تعزیہ، منت، چڑھاوا بجاوا سب پر باقاعدہ عمل جاری تھا، مولانا نے ''جموتیا'' گاؤں کے مکتب میں درجہ چہارم تک تعلیم حاصل کی تھی اور اسی اثناء میں مسلک کتاب وسنت سے آشنا ہو کر تمام شرک وبدعات اور رسوم ورواج سے تائب ہو گئے، گھر والوں نے اس پر آپ کو سخت اذیت دی، لیکن مولانا کے استقلال اور پھر مخلصانہ دعوت اور تفہیم سے پورا گھر اہل حدیث ہو گیا، اس کے بعد دروازے پر موجود تعزیہ کا چوک مولانا نے کھود کر پھینک دیا اور تعزیہ داری اور اس سے متعلق سارے شرک وبدعات اور رسوم ورواج کو اپنے گھرانے میں ختم کر دیا، اس عرصہ میں مولانا کی شادی ہو چکی تھی، ایک بچی کے باپ بھی بن چکے تھے، لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا، آپ سے بڑا کام لینا تھا، آپ کو اعلیٰ تعلیم کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ اس کے لئے پہلے مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار، پھر مدرسہ عربیہ عالیہ مئو میں تعلیم حاصل کی، پھر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور یہیں سے فراغت حاصل کی، آپ کے مشہور اساتذہ میں مولانا محمد سلیمان مئوی اور مولانا حفیظ اللہ بندوی اعظمی (۱۲۶۴ھ۔ ۱۳۶۲ھ) تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی ہیں، اس سے ہمارے مولانا ممتاز علی صاحب کا سلسلۂ سند ولی اللہی خانوادہ علم وفضل سے جڑ جاتا ہے، حضرت مولانا ممتاز علی صاحب ایک عالم باعمل، اخلاص وللّٰہیت کا نمونہ اور نہایت بے باک مجاہد تھے، اپنی دینی ومسلکی خدمات کو انہوں نے کبھی دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا، اللہ کے بندوں میں آج تک ان کی مقبولیت کا یہی بڑا سبب ہے، انہوں نے اس علاقہ میں چھپن تعزیوں کے چبوترے کھدوا کر پھنکوائے، خوبی قسمت دیکھئے، اللہ جسے آخرت کے لئے چن لے، ان چبوتروں کی کھدائی کا عمل ''حبیب اللہ'' نام کا مولانا کا ایک عقیدت مند زیادہ تر اپنی جرأت موحدانہ سے انجام دیتا تھا، اللہ اس کی قبر کو منور فرمائے، پھر مولانا نے ان گاؤں میں مسجدیں تعمیر کروائیں اور مکاتب جاری کئے، علاقہ بلرام پور کے معروف، بے باک، مجاہد اور داعی کتاب وسنت حضرت العلامہ مولانا سید اظہر بہاری (متوفی ۱۹۲۵ء) تلمیذ علامہ عبدالحق محدث بنارسی (۱۷۹۱ء۔۱۸۷۹ء) تلمیذ امام شوکانی سے مولانا ممتاز علی کے والہانہ روابط تھے، علامہ اظہر ہمارے اس علاقہ میں آتے جاتے تھے، ہماری والدہ ''بشیرہ'' رحمہا اللہ کی روایت ہے کہ بابو یعنی مولانا شکر اللہ فیضی کی کردھن (جو پہلے بچوں کو کمر میں پہنائی جاتی تھی) مولانا اظہر بہاری نے اپنے دست مبارک سے کاٹی تھی، حضرت العلامہ مولانا ممتاز علی اپنے دور کے عظیم داعی کتاب وسنت ہونے کے ساتھ علاقہ کے مسلمانوں کے باہمی نزاعات کے تصفیے بھی کیا کرتے تھے، اور زور آور، ستم کوش دشمنوں سے ان کی عزت وآبرو کی حفاظت پوری قوت کے ساتھ کرتے آپ کے برادر خرد مولانا اقبال حسین (۱۸۹۶ء۔۱۹۸۶ء) تلمیذ مولانا عبید اللہ اٹاوی تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی، اعمال ومجاہدات دعوت میں برادر کبیر کے معاون تھے، دونوں بھائیوں نے بڑی حکمت سے اپنی عظیم دعوت کتاب وسنت ورد شرک وبدعت کا مرکز اس طرح قائم کیا تھا کہ ''کسمہی''، ''کرتھی ڈیہہ'' اور ''ریواں'' بستیوں کا ایک مثلث قائم کر کے اسے ایک مرکز کی شکل دیا تھا، ''کرتھی ڈیہہ'' کو بڑے مولانا نے خود اپنی سکونت سے سرفراز کیا تھا، ''ریواں'' میں چھوٹے بھائی مولانا اقبال حسین کو بسایا تھا، اور کسمہی میں اپنے بہنوئی مولانا سلامت اللہ کو جو عالم ہونے کے ساتھ بڑے

زور آور پہلوان بھی تھے بسایا تھا، مولانا ممتاز علی صاحب کے بعد مولانا سلامت اللہ صاحب نے ''کسمہی'' میں دعوتی عمل اور بچوں کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ سنبھالا، اس وقت مکتب بعض گھروں میں چلتا تھا، اب اس کے لئے زمین وقف کر کے اس پر مدرسہ ''معہد التعلیم الاسلامی'' تعمیر کیا جا چکا ہے اور سینکڑوں بچے قریب کی بستیوں کے بھی اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ دعوت کتاب وسنت کے زبردست مجاہدات میں مذکورہ بالا تینوں پڑوسی بستیوں میں توافق تھا، اور ان شاء اللہ مستقبل میں بھی رہے گا، مولانا جعفر علی کے دور کا مرکزی گاؤں ''اوسان کوئیاں'' پڑوس ہی میں واقع ہے، قرب وجوار کے درجنوں بڑے بڑے مسلم مواضعات حضرت العلام مجاہد وقت مولانا ممتاز علی نور اللہ مرقدہ کے زبردست حلقہ اثر میں مربوط تھے، دعوت وتبلیغ کے انبیائی مشن کو ترجیح دینے کے ساتھ مولانا نے ''ریواں'' میں قائم کردہ ''مدرسہ قاسم العلوم'' میں کچھ عرصہ درس حدیث دے کر طلبہ کو فیض پہنچایا تھا، آج الحمدللہ اس علاقہ میں بڑے چھوٹے مدارس ومکاتب اسلامیہ سلفیہ کا جال بچھا ہوا ہے، دینی تعلیم کے حامل علماء کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے، یہ سب انہیں بزرگوں کے مجاہدات، کتاب وسنت کی اشاعت کی راہ میں پوری قوت کے ساتھ ان کی فنائیت اور ان کی دعاء نیم شبی کی برکات واثرات ہیں۔

آج جب کہ اس عظیم الشان کانفرنس کی تقریب میں ہم سب یہاں جمع ہیں دل چاہتا ہے کہ کچھ حال دل بھی سنایا جائے۔

امیر جمع ہیں احباب حال دل کہہ لے
پھر التفات دلِ دوستاں رہے نہ رہے

اب یہ بزرگ ہستیاں ہمارے درمیان نہیں رہیں، لیکن ذمہ داریوں کا بار گراں اپنی جگہ قائم ہے، اگرچہ حالات بہت بدل چکے ہیں۔ سیاست، معاشرت، معیشت ہر پہلو سے کچھ کا کچھ ہوگیا ہے، تعصب اور تنگ نظری کا دور دورہ ہے، لیکن جس قدر بھی پیچیدہ حالات ہوں ہم مسلکی ومذہبی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، جب تک اس بوجھ کو اٹھا کر اور کچھ قدم چل کر قدرت الٰہی کے سامنے اپنا امتحان نہ دے لیں، آنے والی نسلوں کی دینی ومسلکی تربیت سے صرف نظر کریں گے تو قدرت الٰہی اور ہماری نسلیں دونوں ہمیں معاف نہ کریں گی۔ ہماری خوش قسمتی ہے اور ہمیں دلی مسرت ہے کہ ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے اہتمام اور عزیز گرامی سیٹھ شکر اللہ بن عبدالبصیر کی سرپرستی اور انفاق کثیر جسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بعد کے لوگوں کے لئے نمونہ بنائے اور موضع کسمہی اور پاس پڑوس کی بستیوں کے مخیر احباب اور نوجوان اخوان کی ہمت مردانہ سے یہ عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ ہمیں قوی امید ہے کہ کانفرنس کے پیغام، علماء کرام کے خطابات اور قال اللہ وقال الرسول کی دل نواز صداؤں کو دل سے سنا جائے گا، اور مستقبل میں اپنی زندگی کی روشن شاہراہ پر بصیرت کے ساتھ چلا جائے گا، اندھیروں سے ہاتھ ملانا ہمارا کام نہیں، ہم تو روشنی کے سوداگر اور جالوں کے مینار قائم کرنے والے ہیں۔ عزیز بھائیو! بستی وگونڈہ کا یہ عظیم الشان خطۂ اراضی علماء کی کثرت کے لئے ضرب المثل ہے، دین کی نعمت اللہ کی سب سے عظیم نعمت ہے، ہماری دعا ہے کہ ہر نعمت کی طرح اس سب سے عظیم نعمت کے امتحان الٰہی میں ہم ہمیشہ کامیاب وکامران رہیں۔

(ماخوذ از خطبۂ استقبالیہ ُفلاح انسانیت کانفرنس، کسمہی ڈومریا گنج سدھارتھ نگر ۱۹۔ ۲۰ مئی ۲۰۱۲ء)

❑❑❑

مختصر تاریخ اہل حدیث بستی وگونڈہ

مولانا ابوالعاص وحیدی ڈومریا گنج

بارہویں صدیق ہجری میں جب کہ مغل حکومت زوال وانحطاط سے دوچار تھی اور ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا ایسے نازک حالات میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ پیدا ہوئے جنہوں نے تجدید واجتہاد اور دعوت کتاب وسنت کا علم بلند کیا، اور مسلمانان ہند کو قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی تلقین کی جس سے مسلک اہل حدیث کے عروج وارتقاء کی راہ ہموار ہوئی، شاہ صاحب کے بعدان کے نصب العین اور مشن کی تکمیل میں ان کے صاحبزادگان حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہم اللہ مصروف ہوگئے ان لوگوں کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نامور پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے دعوت وتجدید کا فرض انجام دیا جو حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے خلف الرشید تھے، انہوں نے دہلی کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر دعوت واصلاح کا ہلا مچادیا، واقعہ یہ ہے کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کے عدیم المثال دعوتی وتجدیدی کارناموں نے خیر القرون کی یاد تازہ کردی، اس مرحلہ کو اسلامی ہند کی تاریخ میں تنظیم وتحریک اہل حدیث کا تمہیدی مرحلہ کہا جاسکتا ہے۔

سید نذیر حسین دہلویؒ اوران کے تلامذہ:

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے بعد خاندان ولی اللہی کی تعلیمی ودعوتی مسند پر حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ تلمیذ رشید شاہ عبدالعزیز دہلویؒ رونق افروز ہوئے اور جب حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ حجاز کی طرف ہجرت کر گئے تو ان کے جانشین ان کے تلمیذ ارشد حضرت مولانا سید میاں نذیر حسین دہلویؒ ہوئے جو شیخ الکل فی الکل کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، پھر سید میاں نذیر حسین دہلویؒ کے ہزارہا تلامذہ کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں، تعلیمی وتدریسی کارناموں اور اصلاحی وتجدیدی مساعی سے ہندوستان کے اطراف وجوانب میں تقلید وشخصیت پرستی کا طلسم ٹوٹا اور وسیع پیمانہ پر عمل بالحدیث کا غلغلہ بلند ہوگیا۔

سرزمین ہند میں جن خوش نصیبوں کو حضرت سید میاں نذیر حسین دہلویؒ سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا اور جنہوں نے مختلف اضلاع وصوبہ جات میں سلفیت اور دعوت کتاب وسنت عام کی ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جن میں بعض علماء افاضل کے اسماء گرامی ہیں۔

سید مولانا عبداللہ غزنوی، استاذ الاساتذہ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری مؤلف ''رحمۃ للعالمین''، مولانا محمد ابراہیم آروی، مولانا شمس الحق ڈیانوی مولف عون المعبود وغایۃ المقصود، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی صاحب، ''حسن البیان'' مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا ابوالعلیٰ عبدالرحمن مبارکپوری مولف ''تحفۃ الاحوذی'' مولانا شاہ عین الحق پھلواروی، مولانا عبدالسلام مبارکپوری مولف ''سیرۃ البخاری'' مولانا عبدالجبار غزنوی،

مولانا محمد سلیمان مئوی ، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، نواب وحید الزماں حیدر آبادی، مولانا عباداللہ بستوی، اور مولانا احمداللہ پرتاب گڑھی وغیرہم رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔

انیسویں صدی کے وسط تک گونڈہ وبستی کی سرزمین مکمل طور پر تقلید وشخصیت پرستی جاہلی رسوم وخرافات اور بدعات ومنکرات میں ڈوبی ہوئی تھی، اس سرزمین میں خالص اسلام کی تبلیغ کرنے والے صاف وشفاف توحید وسنت کی اشاعت کرنے والے اور سلفی دعوت کو عام کرنے والے سید میاں نذیر حسین دہلویؒ کے بہت سے تلامذہ تحریک شہیدین کے بعض بچے کھچے افراد اور دوسرے علماء گرامی ہیں، ان حضرات کی کوششوں سے گونڈہ وبستی کے حالات یہاں تک بدلے کہ علامہ تقی الدین حفظہ اللہ مراکش سے چل کر دہلی ہوتے ہوئے جب مبارکپور پہونچے اور محدث کبیر مولانا عبدالرحمان مبارکپوریؒ کی شاگردی اختیار کی تو خود ان کا بیان ہے کہ استاذ محترم مبارکپوریؒ کہا کرتے تھے کہ چلو تمہیں گونڈہ وبستی میں ایسی ۸۰ بستیاں دکھاؤں جن میں ایک شخص بھی صحابہ کرامؓ کے اسوہ کے خلاف چلنے والا نہیں ملے گا۔(ماخوذ از تقریر مولانا عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ)

حضرت العلام خطیب الاسلام جناب مولانا عبدالرؤف رحمانی نے نوگڑھ کانفرنس ۱۹۶۱ء میں جو خطبہ استقبالیہ پیش کیا تھا ہم اس کی روشنی میں اور بعض دوسرے مصادر وماخذ کی روشنی میں مختصر طور پر گونڈہ وبستی کی تاریخ اہل حدیث پیش کررہا ہیں۔

تاریخ اہل حدیث بستی:

ضلع بستی میں ایک آبادی مجھوامیر کے نام سے ہے،اس میں سید جعفر علی میر نقوی ایک بڑے پایہ کے عالم وبزرگ گذرے ہیں، آپ حضرات سید احمد شہیدؒ ومولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے قافلہ جہاد کے میر منشی تھے، ان بزرگوں کی مقبولیت اوران کے مجاہدانہ کارناموں کے باعث مجھوامیر بستی کی سرزمین ہمارے لئے باعث فخر ہے۔

جس زمانہ میں شہیدین کا قافلہ جہاد کے لئے روانہ ہوگیا تو علامہ جعفر علی نقویؒ اوران کے چھوٹے بھائی میں اس قافلہ جہاد میں شرکت کے لئے بڑی کشاکش پیدا ہوئی، آخر کار چھوٹے بھائی کو سید جعفر علیؒ نے خدمت والدین کے لئے ٹھہرے رہنے پر راضی کرلیا، سید صاحب براہ کانپور، قنوج دہلی آئے، راستہ میں جابجا جہاد کے لئے رضا کار ملتے گئے، پانی پت انبالہ ہوتے ہوئے پٹیالہ آئے، پھر وہاں سے جنگل، پہاڑ، دشوار گزار راستوں، پرخطر مقامات اور ہولناک دریاؤں کو عبور کرنے میں ہر طرح کی پریشانی وزحمت کا خیر مقدم کیا۔

بہرحال سید جعفر علی نقویؒ نے یہ طویل وعریض سفر چند افراد قافلہ کے ساتھ پیدل طے کیا اور منزل مقصود تک پہنچ گئے، حضرت احمد شہید رحمہ اللہ کو ان کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی، دومرتبہ استقبال کی غرض سے باہر آکر واپس چلے گئے تھے، سہ بارہ اطلاع پاکر سید صاحب پچاس سواروں کے ساتھ ان کے استقبال کے لئے نکلے اور باقاعدہ صف بندی کرانے کے بعد بندوقوں کے سر کرنے کا حکم دیا۔

الغرض سید جعفر علی نقویؒ واقعہ بالاکوٹ تک منشی کے عہدہ پر رہنے کے ساتھ ساتھ فرائض جہاد بھی انجام دیتے رہے، حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ وسید احمد شہیدؒ کے احکام پر جاں نثاری کیساتھ تیار رہتے تھے۔آپ سید احمد شہیدؒ کے مرید اور مولانا اسماعیل شہیدؒ

کے شاگرد بھی تھے۔

سید جعفر علی نے اپنی دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں اور تعلیمی وتدریسی مساعی سے ضلع بستی کے مختلف اطراف وجوانب میں خوب خوب دعوت کتاب وسنت پھیلائی، اور لوگوں کو بدعات وخرافات کے دلدل سے نکالا، مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں، بستی اور بعض دوسرے مدارس آپ ہی کے قائم کئے ہوئے ہیں کہ جن کے ذریعہ اطراف واکناف بستی میں توحید وسنت کی روشنی خوب پھیلی۔

ضلع بستی کا ایک مشہور مقام بسکوہر ہے یہاں ایک جلیل القدر عالم، ولی کامل مولانا اللہ بخشؒ گذرے ہیں اور وہیں آپ مدفون بھی ہیں آپ ضلع انبالہ کے تھے۔ان کی تبلیغی سرگرمیوں کے سبب یہ علاقہ جاہلی رسوم وخرافات اور منکرات وبدعات سے تائب ہوکر عامل بالحدیث ہوا، ان علاقوں میں حضرت مولانا اظہر حسین بہاریؒ بھی دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتذکیر کے لئے آیا کرتے تھے، ان دونوں بزرگوں کی دعوتی وتبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بستی وگونڈہ کے قصبات ودیہات انوارِ توحید وسنت سے جگمگانے لگے۔

مولانا اللہ بخش بسکوہریؒ کا علمی مقام بھی بہت بلند تھا، ان کی قلمی تصنیفات اوران کے کتب خانہ کی دوسری گرانقدر کتابیں محدث کبیر علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ کی کرم فرمائی وعنایت سے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں منتقل ہوچکی ہیں۔

شمالی بستی میں نوگڑھ کے علاقہ میں مدرسہ دارالہدی یوسف پور ہے جس کے بانی حضرت مولانا عباداللہ بستویؒ ہیں جو مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ کے تلمیذ خاص تھے۔اس وقت وہاں مسلم آبادی بہت کم تھی، علاوہ ازیں وہ علاقہ شرک وجہالت، رسوم وخرافات اور منکرات وبدعات میں گرفتار تھا، آپ نے اپنے مواعظ وتقاریر سے ان کی قبر پرستی، تعزیہ داری اور پیر پرستی وغیرہ کا استیصال کیا اور ماحول کو سازگار بنا کر درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔اوراب تو اس علاقہ میں سلفیت خوب ترقی کر رہی ہے۔

ضلع بستی کا ایک مشہور قصبہ بانسی ہے جہاں مولانا شاہ عین الحق پھلواریؒ تلمیذ رشید مولانا سید میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ تشریف لاکر دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیئے، لوگوں کی اصلاح کی اور ماحول سازگار کر کے انہوں نے جامع مسجد اہل حدیث کے قریب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا، چونکہ یہ مدرسہ کرایہ کے مکان میں چل رہا تھا اس لئے کئی جگہ منتقل ہوا، ان مواقع پر مولانا عبدالرحمن آگرویؒ بھی مدرسہ کی خدمت اور اصلاح وتبلیغ میں شریک رہے، پھر ایک مدت کے بعد مولانا عبدالوہاب بانسویؒ نے کچہری وارڈ میں باقاعدہ مدرسہ کی بنیاد ڈالی پھر ان کے صاحبزادے جناب قاری عبدالحق صاحب نے مدرسہ کو وسیع کیا اور اب اس ادارہ کا نام جامعۃ الحق السّلفیہ ہے۔

بہر حال سلفی علماء ہی نے قصبہ بانسی کو پروان چڑھایا، یہاں کے لوگوں میں توحید وسنت کی روح پھونکی اور دعوت کتاب وسنت کو عام کیا، مگر افسوس اب بعض دوسری معاصر جماعتیں اس کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کر رہی ہیں۔

تحصیل ڈومریا گنج، بستی میں ایک موضع ہے کرتھی ڈیہہ یہاں ایک عظیم مجاہد عالم باعمل جناب مولانا سید ممتاز علی رحمہ اللہ گذرے ہیں جو جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کے ممتاز مستفیدین میں ہیں، جنہوں نے بڑے مجاہدانہ جوش وخروش اور ایمانی جرأت وشجاعت کے ساتھ بدعات وخرافات کا مقابلہ کیا اور لوگوں کو توحید وسنت کی شاہراہ اعتدال پر گامزن کیا۔

تاریخ اہل حدیث گونڈہ:

ضلع گونڈہ میں بڑھنی وجھنڈانگر سے چار میل کے فاصلہ پر ایک موضع بجوا ہے جہاں حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے تلامذہ مولانا محمد سعید بنارسی ومولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا بشیر احمد سہسوانی رحمہم اللہ تشریف لا چکے ہیں اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ومولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسیؒ تو بارہا اس علاقہ میں اصلاح وتبلیغ کے لئے تشریف لایا کرتے تھے، اور بھی دوسرے علمائے کرام اس علاقہ میں دین خالص کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کی جان توڑ دعوتی وتبلیغی کوششوں کی وجہ سے خوب ۔۔۔۔ پھیلی اور کتاب وسنت کی تعلیمات عام ہوئیں، یہ انہیں اصحاب فضل وکمال وارباب اخلاص وتقویٰ کی مساعی جمیلہ کا ثمر ہے کہ بجوا وغیرہ کا مسلم علاقہ بدعات وخرافات سے تائب ہو کر مسلک اہل حدیث کا پابند اور کتاب وسنت کا پیروکار بنا۔

اہل حدیثیت وسلفیت کے اعتبار سے ضلع گونڈہ کا سب سے مشہور ومعروف علاقہ کنڈؤ بونڈیہار اور طیب پور وغیرہ کا ہے، یہ علاقہ بھی بہت پہلے بدعت، تعزیہ داری اور دوسری جاہلی رسوم وخرات کی طوفانی موجوں میں پھنسا ہوا تھا، اس علاقہ میں علامہ اللہ بخشؒ بسکوہری اور مولانا اظہر حسین بہاریؒ تبلیغ ودعوت اور اصلاح وتذکیر کے لئے آیا کرتے تھے، انہیں بزرگوں کی مساعی جمیلہ کے ذریعہ یہ علاقہ بدعات وخرافات کے طوفان سے نکل کر ہمکنار ساحل ہوا۔

اور پھر محدث کبیر علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ بانی جامعہ سراج العوم کنڈو بونڈیہار، مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ، مولانا محمد سلیمان مئویؒ تلامذہ سید نذیر حسین دہلوی کی دعوتی کوششوں اور تعلیمی وتدریسی سرگرمیوں کے نتیجے میں اس علاقہ کی سلفیت میں جلا پیدا ہوگئی اور یہاں سے مکمل طور پر شرک وبدعت کا جنازہ نکل گیا۔

نیز اس علاقہ میں جامعہ سراج العلوم کنڈؤ، بونڈیہار کے زیر اہتمام مختلف دعوتی وتبلیغی کانفرنس منعقد ہوتی رہیں جن میں مناظر اسلام جناب مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ، مولانا محمد جونا گڈھیؒ، مولانا عبدالتواب علی گڑھیؒ، مولانا محمد یوسف فیض آبادیؒ، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ، مولانا عبدالحنانؒ، مولانا حاکم رحمانی پنجابی، مولانا ندیر احمد رحمانیؒ، مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ، اور مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری وغیرہ افاضل شریک ہوئے۔ ان کے موثر مواعظ سے اس پورے علاقہ میں اس طرح سلفی دعوت پھیلی کہ توحید وسنت کی خوشگوار بہار آگئی۔

اور سرپرست ونگراں جامعہ سراج العلوم بونڈیہار فضیلۃ الشیخ مولانا عبیداللہ رحمانی کے ارشادات وتوجیہات کا بھی اس علاقہ کی اہل حدیث وسلفیت میں بڑا دخل ہے جو وقتاً فوقتاً یہاں تشریف لاتے رہتے ہیں۔

علامہ اظہر حسین بہاریؒ تلسی پور کے علاقہ میں اودئی پور، گلہریا اور دوسرے مواضعات میں بھی جایا کرتے تھے، اس علاقہ میں جو سلفیت کے آثار ونقوش پائے جاتے ہیں اور مختلف دینی مدارس واسلامی ادارے جیسے مدرسہ قاسم العلوم گلہریا وغیرہ دین خالص کی خدمت کر رہے ہیں علامہ بہاریؒ کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں کے نتیجہ میں وجود میں آئے ہیں۔ اخیر عمر میں علامہ اظہر حسین بہاریؒ موضع اودئی پور میں قیام پذیر ہوگئے تھے، چنانچہ وہیں ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون بھی ہوئے۔ موضع اودئی پور میں بیادگار علامہ بہاریؒ ایک مدرسہ بھی قائم ہے جس کا نام "مدرسہ اظہر العلوم" ہے جو ابتدائی انداز میں چل رہا ہے۔ (یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار۔ ۱۹۸۶ء) ☐☐

شجرۂ طوبیٰ: مئوی تلامذہ شیخ الکل میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب مولانا مفتی عبدالعزیز عمریؒ

مولانا مفتی عبدالعزیز عمری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰۰۵ء/۱۴۲۶ھ) کی علمائے اہل حدیث ہند بالخصوص علمائے اہل حدیث مئوناتھ بھنجن کے بارے میں معلومات نہایت وسیع اور دقیق تھی، آپ نے ۱۹۹۵ء میں کل ہند اجلاس عام آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس، مئو کے لئے تلامذہ شیخ الکل میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلویؒ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک فہرست ''شجرۂ طوبیٰ'' کے نام سے مرتب فرمائی تھی، جو جمعیت اہل حدیث مئو کی طرف سے کانفرنس کے موقع پر ایک ورقہ پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوئی تھی، اس شجرہ وفہرست میں مفتی صاحب موصوف نے مئوی تلامذۂ میاں صاحب کی تعداد اکیس (۲۱) لکھی ہے، ہر ایک کا نام ولدیت، محلہ، اور تاریخ وفات بھی لکھنے کا اہتمام کیا ہے، الا ماشاء اللہ۔

فاضل گرامی مولانا عبدالمعید صاحب مدنی حفظہ اللہ نے مولانا عبدالرزاق سلفی کی کتاب ''مرکزی دارالعلوم۔۔۔'' کے مقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ:

''مئو میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے چھپن (۵۶) شاگردوں کا مرزبوم ہے''۔ (مرکزی دارالعلوم۔۔۔۔۔ص۲۱)

لیکن مولانا موصوف نے اس تعداد کے لئے کسی ماخذ ومصدر کا حوالہ نہیں دیا ہے، بہرحال مفتی مولانا عبدالعزیز صاحب کا مرتبہ شجرہ افادۂ عام کے مقصد سے ''جریدہ ترجمان'' میں اشاعت کے لئے بھیجا جارہا ہے، امید ہے کہ کسی قریبی شمارہ میں شائع کیا جائے گا، شکریہ! محفوظ الرحمن فیضی مئو۔

شجرۂ طوبیٰ

حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ متوفی ۱۱۷۶ھ

سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۳۹ھ

الصدر الحمید شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۶۳ھ

شیخ الکل سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ متوفی ۱۳۲۰ھ

سرزمین علم وفن مئوناتھ بھنجن میں شیخ الکل میاں صاحب سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اکیس (۲۱) تلامذہ ہیں، شیخ الکل میاں صاحب کا انتقال ۱۳۲۰ھ میں ہوا ہے، ظاہر ہے کہ اب سے ایک صدی سوا صدی پہلے مئو معمولی سا قصبہ رہا ہوگا، اس

میں میاں صاحب کے اکیس تلامذہ کا ہونا مئو کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے، ''تراجم علمائے حدیث ہند'' نیز میاں صاحب کی سوانح عمری ''الحیات بعد الممات'' میں کسی ایک قریہ یا قصبہ میں میاں صاحب کے تلامذہ کی اتنی بڑی تعداد مذکور نہیں ہے۔

(مولانا مطیع اللہ سلفی حفظہ اللہ نے کتاب مستطاب ''مولانا عبدالجلیل رحمانی حیات وخدمات'' (ص ۴۰۹) میں لکھا ہے کہ بستی وسدھارتھ نگر وگونڈہ میں صرف ''مولانا عباداللہ صاحب'' یوسف پوری (نیز عبدالرحمن ڈوکمی) تھے جنہوں نے میاں صاحب سے کسب فیض کیا تھا۔ (حالانکہ یہ تعداد اس سے زیادہ ہے، جیسا کہ شیخ عبدالمنان نے تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے بستی وگونڈہ میں میاں صاحب کے تلامذہ) عبدالحکیم المدنی۔ جب کہ مئو کے صرف ایک محلہ ڈومن پورہ میں میاں صاحب کے تلامذہ کی تعداد آٹھ ہے، اوران سب کا ''تراجم علمائے حدیث ہند'' میں امام خاں نوشہروی رحمہ اللہ نے ترجمہ وتذکرہ بھی لکھا ہے۔ (فیضی)

نمبر شمار	اسمائے گرامی مئوی تلامذہ میاں صاحب	محلہ	تاریخ وفات
۱۔	مولانا خلیل الرحمن بن حافظ عبداللہ، برادر عم زاد مولانا ابوالمعالی	ڈومن پورہ	۱۳۱۴ھ
۲۔	مولانا عبدالرحمن بن حکیم باب اللہ، بانی جامع مسجد اورنگ آباد	اورنگ آباد	۱۳۱۵ھ
۳۔	مولانا سعداللہ واعظ بن حکیم رکن الدین برادر عم زاد مولانا ابوالمکارم	ڈومن پورہ	۱۳۲۱ھ
۴۔	مولانا سلیم اللہ مصحح اعلیٰ مطبع نول کشور لکھنؤ	الہ داد پورہ	۱۳۲۴ھ
۵۔	مولانا محمد سعید بن حاجی محمود عالم	اورنگ آباد	۱۳۲۸ھ
۶۔	مولانا محمد ابراہیم، والد قاری خلیل الرحمن	مرزاہادی پور	۱۳۲۸ھ
۷۔	مولانا عبدالشکور بن حاجی صدیق بن حاجی نور محمد	باغیچہ	۱۳۲۹ھ
۸۔	مولانا ابوالفیاض عبدالقادر بن شیخ عبداللہ (والد مولانا محمد نذیر، قدرتی تیل	ڈومن پورہ	۱۳۳۱ھ
۹۔	مولانا حامد بن حاجی عبدالرحمن شہید (جد امجد ڈاکٹر حافظ عبدالعلی ازہری)	ڈومن پورہ	۱۳۳۱ھ
۱۰۔	مولانا عبدالعزیز، ۱۱۔ مولانا محمد عیسی یہ دونوں	پٹھان ٹولہ	
	مولانا عبدالاحد الہ آبادی کے شاگرد تھے، جو تفسیر فیض غیب (تفسیر۔۔۔) کے	الہ داد پورہ	
	مصنف ہیں اس کتاب پر ان دونوں کی تقریظ عربی میں موجود ہے۔		
۱۲۔	مولانا قائم علی عباسی (مئو میں خانوادہ عباسیہ کے چشم وچراغ تھے)	قاضی ٹولہ	۱۳۴۰ھ
۱۳۔	مولانا محمد اسحاق (مرشد آباد میں معلم تھے)	مرزاہادی پورہ	
۱۴۔	مولانا ابوالمکارم محمد علی بن مولانا فیض اللہ (کارخانہ روغن احمر)	ڈومن پورہ	۱۳۵۲ھ
۱۵۔	مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی بن میاں حسام الدین	ڈومن پورہ	۱۳۵۳ھ
۱۶۔	مولانا ابوالنعمان عبدالرحمن آزاد بن حافظ عبدالرزاق	ڈومن پورہ	۱۳۵۷ھ

۱۷۔ مولانا نور محمد بن محمد بن اسماعیل کوٹھا (مصنف مثنوی فریاد مظلوم) قاسم پورہ ۱۳۵۷ھ

۱۸۔ مولانا محمد احمد (معروف ''بڑے مولوی صاحب'') ابن مولانا ملا حسام الدین
جدامجد مفتی مولانا حبیب الرحمن فیضی و مولانا مفتی فیض الرحمن فیضی)

۱۹۔ مولانا نعمان بن حاجی عبدالرحمن شہید (والد مولانا عبدالسبحان، اعظمی عمر آباد) ڈومن پورہ ۱۳۷۱ھ

۲۰۔ مولانا عبداللطیف، والد مولانا عبدالرحمن نحوی (جدامجد مولانا عبدالغنی فیضی) باغیچہ ۱۳۷۳ھ

۲۱۔ مولانا سلیمان بن داوٗد (والد مولانا حکیم فضل الرحمن و حافظ عبدالہادی) مرزاہادی پورہ ۱۳۷۸ھ

۲۲۔ (اس شجرہ طوبیٰ میں استاذ الاساتذہ علامہ حافظ عبداللہ غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء کا اسم گرامی بھی شامل ہونا چاہیے کیونکہ آپ کا آبائی وطن اور آپ کا مولد مئو ہی ہے، آپ مئو کے مشرقی محلہ نواپورہ ۱۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا، بعد ازاں فارسی وعربی کی ابتدائی تعلیم بھی مئو میں ہی ہوئی۔ فارسی وعربی کی کتابیں مولانا قائم علی مئوی سے پڑھیں، آپ پندرہ سولہ برس کے یا اس سے کچھ زیادہ عمر کے رہے ہوں گے کہ آپکے والد محترم ۱۸۵۷ھ کے ہنگامہ کے بعد ترک وطن کر کے مع اہل وعیال غازی پور آباد ہوئے، اس طرح حافظ صاحب اولاً مئوی ثم غازی پوری ہیں۔

۲۳۔ ''الحیاۃ بعد المماۃ'' میں ضلع اعظم گڑھ کے تلامذۂ میاں صاحب میں ص ۶۹۴، شمارہ نمبر (۳۹۵) پر ایک نام یہ لکھا ہے۔

مولوی عبداللہ احسن مرحوم، مئو۔ آپ کے بارے میں مزید معلومات والدیت، محلہ وغیرہ کچھ دستیاب نہیں ہوسکا رحمہم اللہ اجمعین ورفع درجاتہم فی جنت النعیم، آمین ثم آمین۔ شیخ عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ نے جو مئوی تلامذہ شیخ الکل کی تعداد چھپن (۵۶) لکھی ہے تو امید ہے کہ مزید تینتیس (۳۳) ناموں کی نشاندہی کرنے کی زحمت فرمائیں گے۔ واللہ ہو الموفق۔ فیضی۔

(جریدہ ترجمان ۱۶۔۳۱ دسمبر ۲۰۱۶ء)



نوٹ: اس موضوع پر جماعت کے مشہور مصنف مولانا محفوظ الرحمن فیضی کی کتاب ''شیخ الکل میاں صاب کے مئوی تلامذہ'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔ (عبدالحکیم مدنی)

شہر بنارس میں سلفیت کی اشاعت

ازافادات: شیخ محمد ابوالقاسم فاروقی، بنارس

دسویں صدی عیسوی سے بنارس میں مسلمانوں کی آمد شروع ہوئی، کفروشرک کا یہ ظلمت کدہ دعوت وتبلیغ کے لئے بہترین مقام تھا، دوردراز ممالک سے آنے والے لوگوں میں مبلغین اوردعاۃ کی ایک بڑی تعداد بھی تھی، جن کے نام اورکارنامے اگرچہ وقت اور زمانے کے دھندلکوں میں کھو چکے ہیں، مگران کے آثار، اثرات، قدیم اورتاریخی مساجداور مسلم معاشرے میں اسلام کی جڑیں ہمیں ان کی داستان سنارہی ہیں۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری تک مسلمانوں نے تاریخ نویسی اورتذکرہ نگاری میں حیرت انگیز ترقی کرلی تھی۔ علوم حدیث نے اس فن کوفروغ دینے میں سب سے اہم کرداراداکیا۔ محدثین نے دولاکھ سے زائد افراد کے حالات زندگی کا پورا ریکارڈ محفوظ کردیا مگرافسوس کہ اس کا فیضان ہندوستان کے کچھ علاقوں تک محدودرہا۔ بنارس اوراس کے نواح میں تذکرہ نگاری کی کوئی کرن نہ پہنچ سکی، اگرہندوستان کے متاخرین علماء میں سے کچھ لوگ اس کی طرف دھیان نہ دیتے توبنارس کی دینی اورعلمی تاریخ مکمل طورسے تاریکی میں ہوتی، تاہم علماء اورصوفیانے دین کی اشاعت ضرورکی، متقدمین میں خواجہ مبارک اعظم (م۸۶۹ھ۔ ۱۴۶۴ء)، مولاناموسی بنارسی (م۸۶۹ھ۔ ۱۴۶۴ء) شیخ الاسلام حضرت شیخ وجیہ الدین المعروف بہ حاجی بندگی، مولاناشاہ طیب فاروقی بنارس (م۱۰۴۲ھ۔ ۱۶۳۲ء) خواجہ مبارک محدث فاروقی بنارسی (م۹۸۰ھ۔ ۱۵۷۲ء) وغیرہم کا ذکرخیر تذکروں اورسیر کی کتابوں میں محفوظ ہے۔

بنارس میں مسلمانوں کی آمد سے تحریک شہیدین تک ان کی مذہبی حالت ہندوستان کے دیگرعلاقوں سے مختلف نہیں تھی، وہ اسلام جوصرف کتاب وسنت پر مشتمل تھا صرف سندھ اورملتان تک محدودرہ گیا۔ ہندوستان میں اسلام ترکوں، ایرانیوں، مغل اورافغانیوں کے ذریعہ چوتھی صدی ہجری کے بعد پہنچا، فاتحین تقلیداورتصوف کے سلاسل ساتھ لائے، صرف کتاب وسنت کے پیروی کرنے والے خال خال تھے، فقہی موشگافیوں اورطریقت کے سلسلوں نے اشاعت حدیث کی راہوں کومسدود کردیا، تقلید میں تشدداس قدرتھا کہ حدیث کا نام لینا بھی گوارہ نہ تھا، بنارس بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا، یہاں بھی خانقاہیت، تصوف کے سلسلے، مزاروں پرعرس، قوالیاں، سماع، وجد، حال اوراس طرح کی نہ جانے کتنی خرافات اور بدعات دین کا حصہ بن چکی تھیں، پھربھی ایسی شخصیتیں ضرورملتی ہیں جنہوں نےعلم حدیث کی اشاعت کی داغ بیل ڈالی، ان کی طبائع شرک وبدعات سے متنفرتھیں، انہوں نے باقاعدہ اسے ختم کرنے کی جدوجہد کی، انہیں میں ایک نام خواجہ مبارک محدث فاروقی بنارسی (۹۸۰ھ۔۱۵۷۲ء) کا ہے، آپ نے علامہ صغانی لاہوری (پ۵۷۷ھ،م۶۵۰ھ) کی مشہورزمانہ حدیث کی کتاب ''مشارق الانوار'' کی احادیث کو''مشکوۃ شریف'' کی ترتیب

پر از سر نو جمع کیا۔ واضح رہے کہ علامہ صغانی نے مشارق الانوار کو حروف تہجی کے مطابق ترتیب دیا تھا۔ اس کتاب کی دس سے زائد شروح لکھی جا چکی ہیں، حضرت مولانا محمد وارث رسول نما بنارسی (م ۱۱۶۶ھ = ۱۷۵۲ء) زبردست عالم اور شریعت محمدیہ کے مطابق زندگی بھر عامل رہے، تیسرا نام مولانا رحمت اللہ دہلوی بنارسی کا ملتا ہے، آپ شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ = ۱۸۲۳ء) کے ارشد تلامذہ میں تھے، حدیث پر گہری نگاہ تھی، آپ کی ذات سے بنارس میں علم حدیث کا چرچا عام ہوا، قال اللہ وقال الرسول سے فضا نغمہ بار ہوگئی، آپ کو محدث بنارسی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ منشی نبی احمد نے مرقع بنارس میں آپ کا تعارف تفصیل سے پیش کیا ہے، مگر پیدائش اور وفات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکا، آپ کا دوسرا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ بنارس کی بہت سی مسجدیں ویران اور غیر آباد تھیں اور مسلسل ان کی بے حرمتی ہو رہی تھی، عوام وخواص میں ان کی آباد کرنے کی کسی کی جرأت نہ ہوسکی تھی، مولانا نے باقاعدہ مشن چلایا اور ان مسجدوں کو آباد کیا، ان میں موذن اور امام متعین کیا، خاص طور سے دھرہرہ مسجد، جامع مسجد گیان واپی، لاٹ کی مسجد اور راجہ دروازہ کی مسجدوں کو آباد کیا، گیان واپی مسجد میں تعزیہ بھی رکھا جاتا تھا، اس کے علاوہ مساجد میں بہت سی خرافات رائج تھیں، مولانا نے مسجدوں کو ان تمام شرک وبدعات سے پاک کیا۔

بنارس کی مذہبی حالت زار کا اندازہ لگانے کے لئے مولانا علی میاں ندوی کی کتاب سیرت سید احمد شہید سے ایک اقتباس نقل کر دینا کافی ہوگا: ''اللہ رکھو نے عرض کیا کہ حضرت بیعت تو ہم سب نے کر لی مگر کئی باتیں ہمارے یہاں ہیں جب وہ دور ہوں، تب ہم لوگ پورے مسلمان ہوں'' آپ نے (سید احمد صاحب) فرمایا کہ ''وہ کیا باتیں ہیں'' کہا 'ایک تو ہم لوگ اپنے گھرانے میں بیاہ شادی نہیں کرتے، ہندوؤں کی طرح عیب جانتے ہیں، دوسرے عورتیں پردہ نہیں کرتیں، تیسرے ہمارے شہر میں نوچندی جمعرات کا میلہ ہوتا ہے، تمام مرد، ہندو، مسلمان ہزاروں جمع ہوتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں، اس نوچندی میں لباس و پوشاک کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ عیدین میں اس کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ہوتا'' (سیرت سید احمد شہید ج ۱ ص ۲۹۸) غرضیکہ بنارس کے مسلمان شرک اور غیر اللہ کی عبادت میں کسی طرح ہندوؤں سے پیچھے نہیں تھے، توحید کی جو مشعل لے کر آئے تھے، اس کی روشنی کو برقرار نہ رکھ سکے، اس کے برعکس خود ہندو معاشرت میں اس طرح ضم ہوئے کہ من وتو کا فرق مٹ گیا۔

بالآخر رحمت الٰہی کو جوش آیا، شہیدین کے قافلے کا ۱۸۲۱ء میں بنارس سے گذر ہوا، بارش کی وجہ سے ایک ماہ بنارس میں قیام رہا، تبلیغ کا کام خوب ہوا، شرک وبدعات کی گھٹائیں چھٹنی شروع ہوگئیں، تعزیے اس قدر توڑے گئے کہ ان سے کھانا پکانے کے لئے ایندھن کا کام لیا گیا، اسی کے ساتھ بنارس میں دین کی نشاۃ ثانیہ شروع ہوئی، بنارس کو مولانا عبدالحق محدث بنارسی جیسا سلفی عالم ملا، جس نے کتاب وسنت کی درس گاہ قائم کی اور اہل حدیثوں کی ایک جماعت قائم کرنے میں کامیاب ہوا، جعفری خاندان مکمل طور سے متبع سنت بن گیا اور شیخ عبدالحق کی ہجرت کے بعد سلفیت کی اشاعت کا علم اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ۱۸۸۲ء میں مولانا محمد سعید صاحب محدث بنارسی کی بنارس تشریف آوری نے اہل حدیثیت سے مکمل طور سے بنارس کے عوام کو روشناس کرایا، مناظروں کا بازار گرم ہوا، ہندوستان بھر کے اہل حدیث علماء کی بنارس میں آمد شروع ہوگئی، بنارس کے شمال سے جنوب تک ہر محلہ اہل حدیثوں سے پر رونق

ہوگیا، بنارس میں سلفیت کے فروغ کا سہرا مولانا محمد سعید صاحب محدث بنارسی (م ۱۹۰۴ء)، مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی (م ۱۹۴۹ء) اور مولانا محمد منیر خاں بنارسی (م ۱۹۴۵ء) کے سر ہے، جن کی پر خلوص جد وجہد اور اشاعت حدیث کی بدولت آج بنارس اہل حدیث کے چند اہم مراکز میں شمار کیا جاتا ہے۔

الحمد للہ بنارس میں اہل حدیث علماء اور مصنفین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، علمائے اسلاف کے حالات اور ان کے کارناموں پر دبیز پردے پڑتے جا رہے تھے، مگر ان کے تذکروں کو مرتب کرنے کا خیال کسی کے دل میں نہیں آیا، بنارس کے علمائے اہل حدیث کے تذکروں کا ایک اہم ماخذ مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی کی کتاب تراجم علمائے حدیث ہے۔ اللہ رب العالمین مولانا سیف بنارسی کو جنت الفردوس میں جگہ دے جنھوں نے بہت سے بنارسی علما کے حالات مولانا نوشہروی کو فراہم کرایا، اس کتاب کی تالیف کو بھی نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، دوسری کتاب مولانا وسیم احمد قاسمی کی تذکرہ علمائے بنارس ہے، آپ کی رسائی جہاں تک ہوسکی ہے اہل حدیث علماء کے حالات کو بھی تحریر کیا، لیکن کوئی ایسی کتاب نہیں مرتب کی گئی تھی جس میں تفصیل سے ہمارے بنارسی علماء اہل حدیث کے حالات اور کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہو۔

رفیق محترم مولانا محمد یونس صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی، نائب شیخ الجامعہ السّلفیہ نے اس اہم کام کو کرنے کا بیڑہ ۱۹۹۴ء میں اٹھایا۔ خود نوشتے، بیاض، روایات، خطوط، اخبارات، ومجلّات کو انہوں نے کھنگالا اور ایک ایک کر کے علماء اہل حدیث بنارس کے حالات کو قلم بند کرتے گئے، جو قسط وار ماہنامہ محدث جامعہ سلفیہ وارانسی کی زینت بن چکے ہیں۔ اب علمائے اہل حدیث بنارس کے تمام حالات کو مولانا محترم کتابی شکل میں آپ کے سامنے لا رہے ہیں۔ (الحمد للہ یہ کتاب تراجم علمائے اہل حدیث بنارس کے نام سے چھپ چکی ہے۔) یہ کتاب بنارس کی تاریخ ہے۔ اہم علمی دستاویز ہے اور شخصیات پر کام کرنے والوں کے لئے ایک گراں مایہ ہدیہ ہے۔ تذکرہ وتاریخ سے فطری لگاؤ ہونے کی وجہ سے میں نے مولانا کی تمام تحریروں کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔ اللہ رب العالمین مولانا کی اس خدمت کو ذخیرۂ آخرت بنائے اور ان کے تحریری ذوق کو زندہ رکھے۔ قارئین سے امید ہے کہ مرتب کتاب کے ساتھ راقم السطور کو بھی دعاؤں میں شامل رکھیں گے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔

(ماخوذ از مقدمہ تراجم علمائے اہل حدیث بنارس رمحمد یونس مدنی ص ۲۵ تا ۳۰)

❑❑❑

جامعہ سلفیہ بنارس اور اشاعت سنت نبویہ

مولانا عبدالوہاب حجازی

سرزمین ہندوستان پر جس روز اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اسی روز سنت نبویہ کی شعائیں بھی یہاں ضیاء پاش ہوئی ہیں، سندھ، کی سرزمین چارصدیوں تک صرف "ما أنا علیه وأصحابي" کے صراط مستقیم پر گامزن رہی ہے، وقت جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا، برصغیر میں اشاعت سنت کے بڑے بڑے مراکز قائم ہوتے گئے، سندھ کے علاوہ، گجرات، دکن، امرتسر، وزیر آباد، بھوپال، عظیم آباد، آرہ اور بنارس علوم حدیث اور اشاعت سنت کے تاریخی عظمت کے حامل مقامات ہیں۔

بنارس میں اشاعت سنت کے چار روشن ادوار ہیں:

۱۔ امام عبدالحق محدث بنارسی ۱۲۰۶ھ، ۱۲۸۶ھ/ ۱۷۹۱ء، ۱۸۷۹ء تلمیذ شاہ عبدالقادر دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ وتلمیذ قاضی محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، محدث بنارسی تحریک شہیدین سے بھی وابستہ تھے، موصوف کے تلامذہ سید جلال الدین بنارسی متوفی ۱۲۷۹ھ اور ان کے تین صاحب زادے سید سعید الدین احمد جعفری متوفی ۱۲۹۳ھ، سید حمید الدین احمد جعفری متوفی ۱۳۰۸ھ، سید شہید الدین احمد جعفری متوفی ۱۳۳۷ھ ہیں، یہ حضرات اس دور کے اشاعت سنت اور منہج سلف صالحین کے علم بردار اور اساطین ہیں۔

۲۔ امام سید نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ، یعنی امام محمد سعید محدث بنارسی ۱۲۷۰ھ، ۱۳۲۲ھ/ ۱۸۵۳ء، ۱۹۰۴ء، سید نذیر الدین احمد جعفری متوفی ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء، مولانا حیات محمد متوفی ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء، مولانا عبدالمجید عبدالقادر متوفی ۱۳۵۶ھ مولانا محمد منیر خاں ۱۲۹۰ھ، ۱۳۶۴ھ/ ۱۸۷۳ء، ۱۹۴۵ء، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ۱۳۰۷ھ، ۱۳۶۹ھ/ ۱۸۹۰ء، ۱۹۶۴ء، ان ائمہ سنت کی اشاعت سنت کی مساعی آنے والے دور کے لئے مضبوط اساس کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۳۔ شیخ الکل کے تلامذہ کے تلامذہ: قاری احمد سعید بنارسی متوفی ۱۹۶۴ء، مولانا عبدالمتین بنارسی ۱۸۹۸ء۔ ۱۹۶۴ء، مولانا نذیر احمد رحمانی متوفی ۱۳۸۵ھ، مولانا عبدالمجید الحریری ۱۸۹۴ء۔ ۱۹۷۲ء مولانا عبدالوحید سلفی ۱۹۲۴ء۔ ۱۹۸۹ء وغیرہم، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند و داعیان جماعت ہند کی سرپرستی میں انہیں شخصیات نے جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کی تاسیس کی، ان میں مولانا عبدالوحید سلفی تاحیات جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ کے فرائض بحسن تدبیر انجام دیتے رہے، جس سے اشاعت سنت نبویہ بنارس میں نئے دور میں داخل ہوئی اور جس کے اثرات ملک اور بیرون ملک میں نہایت نمایاں ہیں۔

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کا سنگ بنیاد ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں نہایت تزک واحتشام کے ساتھ رکھا گیا، اس وقت کے قائد جماعت علامہ عبدالوہاب آروی کی درخواست کے جواب میں جلالۃ الملک سعود بن عبدالعزیزؒ نے ہندوستان میں

سعودی سفیر عزت مآب عبداللہ بن یوسف الفوزان کو حکم فرمایا کہ: الشیخ عبدالوهاب الآروي يدعوك فاجبه. اس طرح پورے ملک کے علماء ودا عیان جماعت کے ہزاروں کے مجمع میں، "الله اكبر" "ربنا تقبل منا" کی صداؤں کے ساتھ سفیر محترم نے سنگ بنیاد رکھا، اس تاسیس کی تقریب کے موقع پر سفیر محترم نے جلالۃ الملک کے تاثرات اور پیغام پیش فرمائے اور خود اپنا پیغام بھی مؤسسین اور جماعت کو نہایت برادرانہ جذبات کے ساتھ پیش کیا، محترم سفیر نے فرمایا کہ: جلالۃ الملک اس جامعہ کی تاسیس پر دلی مبارکباد دیتے ہیں، بہت خوش ہیں کہ یہاں ایک جامعہ کھل رہا ہے جو ایک چراغ ہوگا توحید کا، اس کی روشنی فقط اس شہر ہی میں نہیں بلکہ اس ملک اور اس کے پڑوس کے ملکوں میں پھیلے گی، میرا دل اور دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے کہ سلف صالحین کی سنت کو ہمیشہ قائم اور توحید کا علم بلند رکھیں۔

اس کے بعد سفیر محترم نے ایک خاص بات یہ فرمائی کہ میں یہاں سے جانے کے بعد آپ کے تقدم اور ترقی کی طرف ہمیشہ دیکھتا رہوں گا، میں تو سنگ بنیاد کے موقع پر آیا ہوں، لیکن امید کرتا ہوں کہ دوبارہ جب میں آؤں گا تو اس جگہ اساتذہ، طلباء، لائبریریاں اور کئی چیزیں ہوں گی، اور یہ جگہ بالکل تنگ ہو جائے گی، آس پاس کے لوگ کہیں گے کہ صاحب ذرا آگے بڑھئے، یہ بھی آپ کے لئے ہے، وہ بھی آپ کے لئے ہے۔ (ترجمان دہلی تاسیس نمبر)

علامہ عبدالمجید الحریری نے اس موقع کی مناسبت سے کہا: میں سب سے زیادہ معاملہ کے جس پہلو پر دوں گا، وہ یہ ہے کہ آپ صورت کی تزیین وآرائش سے کہیں زیادہ روح ومعنی کی زندگی اور بقا کو دیں، اور مولانا عبدالمتین بنارسی نے تاسیسی خطاب میں فرمایا: جس کے چند حصوں کا اختصار انہیں کے الفاظ میں یہ ہیں: آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نے تجویز پاس کی کہ ملک میں ایک مرکزی تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے، یہ منصوبہ تھا کوئی ایسی درسگاہ ہو جہاں قرآن وحدیث کی اعلیٰ ترین تعلیم کے ساتھ زبان عربی اور ادب عربی کی بھی اعلیٰ ترین تعلیم ہو، جہاں تصنیف وتالیف کا بھی ایک شعبہ ہو، جہاں سے حدیثوں کی کتابوں کی نشر واشاعت اور اس کی طبع کا بھی انتظام ہو، اور جس سے ملک کے مختلف مدارس اور مکاتب ایک رشتے میں جڑے ہوئے ہوں، ایک نقطۂ اجتماع ہو جہاں ملک کے دوسرے مدارس کے مہتممین جمع ہو کر، تعلیم، نصاب تعلیم اور تعلیم کے نصب العین سے متعلق مشورہ کریں، اور ایک نصاب عمل بنائیں، جس کے ماتحت تمام مدارس میں تعلیم کی یکسانیت پیدا ہو، ہم نے شہر بنارس کی اس زمین کو موزوں ترین تصور کیا، اور اہل حدیث کانفرنس کو لکھا کہ زمین حاضر ہے، اگر آپ مرکزی دارالعلوم بنوانا چاہیں تو قدم اٹھایئے، انتظار کے بعد جب کوئی عملی قدم اٹھتا نظر نہیں آیا، تو ہمارے نوجوانوں نے کہا کہ: کانفرنس ہمیں اجازت دے ہم خود جدوجہد کریں، اہل حدیث کانفرنس ہمیں اپنے نام کی سرپرستی عطا کرے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ ادارہ اہل حدیث کانفرنس کی اسی تجویز کی تعمیل میں قائم ہو رہا ہے۔۔۔۔ ہمارے اس دارالعلوم میں جو تعلیم ہوگی اس کا اصول یہی ہوگا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول کی تعلیم مقدم ہوگی۔ (ترجمان دہلی تاسیس نمبر)

جامعہ سلفیہ کا تعلیمی افتتاح ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء کو ہوا، جلالۃ الملک فیصل کے حکم سے سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی نیابت کرتے ہوئے فضيلة الشيخ عبدالقادر شيبة الحمد پروفیسر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے تعلیم کا افتتاح فرمایا، سماحۃ

الشیخ علامہ ابن باز وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی نے یہ مسرت انگیز خبر بھی دی کہ جلالۃ الملک نے جامعہ سلفیہ کے لئے دو استاد دینا بھی منظور کیا ہے، فضیلۃ الشیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد نے طلباء کو صحیح بخاری کی پہلی حدیث ''انما الأعمال بالنیات'' الخ کا بہترین علمی، دینی وتربیتی درس دے کر جامعہ سلفیہ کا تعلیمی افتتاح فرمایا۔ (ترجمان دہلی افتتاح نمبر)

جامعہ سلفیہ کی انتظامیہ نے علوم حدیث کی تدریس اور اشاعت سنت کے اپنے تاسیسی مقصد کے حصول کے لئے اس کے اعمال کو مختلف شعبہ جات میں تقسیم کر کے مسلسل جدوجہد کی ہے، تدریس کے اصل شعبہ کے علاوہ ''ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء'' کا مہتم بالشان ادارہ قائم کر کے اس کے ذیل میں شعبۂ تحقیق، ترجمہ وتصنیف وتالیف، اور شعبۂ دعوت وتبلیغ اور شعبۂ افتاء جیسے اہم شعبہ جات الگ الگ قائم کئے، صحافت کا شعبہ بھی مستقل طور پر قائم ہے، ان تمام شعبہ جات کے لئے موزوں اور باصلاحیت افراد کی تعیین ہمیشہ کی جاتی رہی ہے، اور یہ کوشش رہی ہے کہ تصنیف وترجمہ وتالیف وتحقیق، دعوت وتبلیغ اور افتاء کے اعمال کی عالمانہ وسلفیانہ شان اور ثقاہت قائم رہے اور سارے اعمال نہایت تیز رفتاری سے رواں دواں ہوں۔

ا۔ شعبۂ تدریس

یہ شعبہ جامعہ سلفیہ کے قیام کی اصل ہے، تدریس حدیث واشاعت سنت کے اساسی مقصد کے حصول کے لئے رئیس الجامعۃ شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری کی نگرانی میں وقت کے ماہرین علوم وفنون علماء کے مشورہ سے جامع نصاب تعلیم مدون کیا گیا جس میں بلوغ المرام اور مشکوۃ المصابیح سے لے کر صحاح ستہ مع موطا امام مالک مختلف مراحل تعلیم میں آغاز سے لے کر آج تک شامل نصاب رکھی گئی ہیں اور مقصد اصلی کے طور پر ان کی تدریس کے لئے باذوق اساتذہ کرام کو مامور کیا گیا ہے، چونکہ جامعہ سلفیہ میں عموماً منتخب طلباء کو داخل کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس لئے علوم الحدیث کا ذوق وشوق ان کے یہاں سب سے زیادہ نمایاں بلکہ فائق ہوتا ہے، نصاب تعلیم میں اصلاحات کی بنیاد پر اب عالم عرب کے طرز پر علوم الحدیث کی مفصل کتابیں اور تخریج حدیث کے جدید مادے بھی تدریس حدیث کے نصاب میں شامل کئے گئے ہیں جو طلبا کے لئے بڑے مفید ثابت ہو رہے ہیں، حدیث کی کتابیں رواجی طریقہ تدریس کے مطابق پوری ختم کرائی جاتی ہے جس سے زیادہ محنتی طلباء بھرپور نفع اٹھاتے ہیں، اور مرور کا طریقہ تدریس ان کے لئے موسم بہار کی بارش کی طرح پھل دے جاتا ہے، سعودیہ عربیہ کے جامعات کی طرح تدریس حدیث کا انتہائی نفع بخش طریقہ ابھی تک جاری نہیں کیا جاسکا ہے، منتظمین جامعہ نے کوشش کی تھی کہ امام العصر فی الحدیث وعلومہ امام ناصر الدین البانی کو حدیث اور اس کے علوم کو سعودیہ عربیہ کے جدید طریقۂ تدریس کے مطابق تعلیم وتدریس کے لئے جامعہ سلفیہ بنارس میں لایا جائے لیکن مختلف اسباب واعذار کی بنا پر اس میں کامیابی نہیں ہوسکی، شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی اور علامہ نذیر احمد رحمانی شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ بنارس سے بھی گذارش کی گئی تھی لیکن ان حضرات کے بھی اپنے اعذار تھے جو اس سے مانع رہے، لیکن الحمدللہ سعودیہ عربیہ کے مفتی اعظم علامہ ابن باز کے خصوصی لگاؤ اور جدوجہد سے جلالۃ الملک کے حکم سے آدھے درجن سے زائد فاضل عرب اساتذہ وقتاً فوقتاً جامعہ سلفیہ میں تدریس کے لئے تشریف لاتے رہے ہیں جن میں فضیلۃ الشیخ صالح

العراقی، فضیلۃ الدکتور ربیع ہادی المدخلی، فضیلۃ الشیخ مقبل بن ہادی الیمانی، فضیلۃ الشیخ عبداللہ غنیمان، فضیلۃ الشیخ علی مشرف اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ المحسن شامل ہیں، ان کے علاوہ ملک کے علم حدیث میں فائق اور ممتاز اساتذہ کو جامعہ میں درس حدیث کے لئے مقرر کرنے کا رجحان منتظمین جامعہ کے یہاں غالب تھا، ذیل میں خاصۃ صحیحین کا درس آغاز سے اب تک جن فائق اساتذہ نے دیا ہے ان کے اسمائے گرامی کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت مولانا احمد اللہ رحمانی، مرشد آباد بنگال
۲۔ حضرت مولانا شمس الحق سلفی ۱۳۳۳ھ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۱۵ء، ۱۹۸۶ء، تلمیذ مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی۔
۳۔ حضرت مولانا عظیم اللہ مئوی ۱۳۳۱ھ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء، تلمیذ مولانا احمد مئوی، تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی۔
۴۔ شیخ صالح العراقی (عرب استاد)
۵۔ شیخ عبداللہ غنیمان (عرب استاد)
۶۔ مولانا عابد حسن رحمانی (۱۹۲۴ء۔ ۲۰۰۹ء) تلمیذ مولانا نذیر احمد املوی
۷۔ مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی (۱۹۱۶ء۔ ۱۹۷۸ء) تلمیذ شیخ عبیداللہ رحمانی
۸۔ مولانا صفی الرحمن مبارک پوری ۱۹۴۲ء۔ ۲۰۰۶ء صاحب الرحیق المختوم، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی۔
۹۔ مولانا محمد رئیس ندوی ۱۹۳۸ء۔ ۲۰۰۹ء، صاحب اللمحات، تلمیذ مولانا ابوالحسن ندوی۔
۱۰۔ مولانا انیس الرحمن اعظمی مدنی ولادت ۱۹۴۱ء۔
۱۱۔ مولانا عبدالسلام مدنی، ولادت ۱۹۴۴ء، تلمیذ مولانا نذیر احمد رحمانی۔
۱۲۔ مولانا عبدالوہاب حجازی ولادت ۱۹۴۶ء، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عظیم اللہ مئوی، شیخ صالح العراقی۔
۱۳۔ مولانا عزیز الرحمن سلفی ولادت ۱۹۴۹ء، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عظیم اللہ مئوی، شیخ صالح العراقی۔
۱۴۔ ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری (۱۹۵۳ء۔ ۲۰۰۳ء) تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی۔
۱۵۔ مولانا محمد حنیف فیضی مدنی ۱۳۵۸ھ۔ ۱۴۳۳ھ/ ۱۹۵۱ء۔ ۲۰۱۲ء، تلمیذ مولانا مفتی حبیب الرحمن مئوی۔
۱۶۔ مولانا علی حسین سلفی، ولادت ۱۹۵۵ء، تلمیذ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری۔
۱۷۔ مولانا عبیداللہ طیب مکی ولادت ۱۹۵۳، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی۔
۱۸۔ مولانا نعیم الدین مدنی ولادت ۱۹۵۴ء، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی۔

جامعہ سلفیہ میں حدیث وعلوم حدیث کا فیض حاصل کرنے والے طلباء کی تعداد ہزاروں میں ہے، اور ان میں سے تقریباً ڈیڑھ سو اعلیٰ تعلیم کے لئے سعودیہ عربیہ کے جامعات میں داخل ہوئے جن میں سے درجنوں نے ایم، اے اور ڈاکٹریٹ تک کی ڈگریاں حاصل کیں اور ان میں سے زیادہ تر کے اختصاصی موضوعات حدیث، علوم حدیث اور عقیدہ وفقہ ہیں، کئی ایک سعودی

جامعات اور دیگر بلاد عرب میں پروفیسر مقرر ہوئے، بہت سوں نے بحث وتحقیق اور دعوت وتبلیغ کا میدان عمل اختیار کیا، جامعہ سلفیہ کے فارغین اور فضلاء ملک کے اندر بھی ممتاز مانے جاتے ہیں۔ امامت، خطابت، بحث وتحقیق، تدریس ہر شعبہ میں ان کا ایک مقام ہے، اور معاشرہ میں ان کو عزت ووقار کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

۲۔شعبۂ تحقیق وتصنیف وتالیف

بحث وتحقیق اور صحافت کے شعبہ جامعہ سلفیہ میں عرصہ سے قائم ہے، اس شعبہ کو فعال بنانے کے لئے سلفیہ پریس لیتھو وبرقی کا انتظام کیا گیا، اس شعبہ کی طرف سے اب تک تین سو سے زیادہ مطبوعات شائع ہوکر مقبول عام ہوچکی ہیں، جو اردو، عربی، انگریزی اور ہندی متعدد زبانوں میں ہیں، یہ مطبوعات عقیدہ، تفسیر وعلوم تفسیر، حدیث وشروح حدیث اور علوم حدیث، سنت وسلفیت کے دفاع، سیرت نبوی، ہندوستان میں سلفی فکر کی تاریخ، اسلامی تربیت وثقافت، فرق ومذاہب، ادب عربی، قواعد وبلاغت عربی، اردو ادب، عروض اور منطق وفلسفہ جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں، اس شعبہ کے روح رواں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری تھے جو خود بڑے صاحب قلم وادیب، جامعہ سلفیہ کے ماہر استاد وکیل الجامعہ اور پھر رئیس الجامعہ تھے۔ یہ شعبہ تدریس کی طرح اصلاً اشاعت سنت ہی کیلئے قائم ہوا ہے اس لئے حدیث وتفسیر کے ساتھ دیگر معاون علوم وفنون کی کتابیں بھی سلفیہ پریس اور ادارۃ البحوث سے شائع ہوئیں، ہم یہاں حدیث وشروح حدیث اور علوم حدیث کے موضوع پر طبع شدہ کتابوں کا نہایت اجمالی تذکرہ کررہے ہیں، جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جامعہ سلفیہ نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ بھی اپنے مقصد اصلی اشاعت سنت کو زندہ رکھا اور پروان چڑھایا ہے۔

۱۔ **مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح للشیخ العلامة عبیداللہ الرحمانی المبارکفوری**، یہ شرح ۹ر جلدوں میں طبع ہوئی ہے، اور مشکوۃ کی بے نظیر شرح ہے۔

۲۔ **کتاب الاباطیل والمناکیر والصحاح المشاهیر للجوزقانی**: تحقیق ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، دو جلدوں میں۔

۳۔ **بین الامامین مسلم والدارقطنی**: تصنیف ڈاکٹر ربیع ہادی مدخلی۔

۴۔ **اتحاف الکرام بشرح بلوغ المرام**: تالیف علامہ صفی الرحمن مبارکپوری۔

۵۔ **انعام المنعم الباری بشرح ثلاثیات البخاری**: تالیف مولانا عبدالصبور بن عبدالتواب ملتانی

۶۔ **زهد الثمانية من التابعين رواية ابن أبي حاتم الرازي**: تحقیق ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی۔

۷۔ **التعلیقات السلفیه علی سنن النسائی**: تالیف العلامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی۔

۸۔ **جائزة الأحوذی فی التعلیقات علی سنن الترمذی**: تالیف الشیخ ثناء اللہ خان المدنی، بتصحیح الشیخ عبدالوہاب الحجازی والشیخ علی حسین السلفی۔

ان کے علاوہ علوم حدیث، دفاع سنت وسلفیت، سیرت نبوی، فقہ الحدیث وفتاویٰ اور سیر وتراجم پر متعدد زبانوں میں سو سے

زیادہ کتابیں طبع ہوکر اہل علم کے یہاں مقبول ہوچکی ہیں، خدمت سنت واشاعت حدیث کے موضوع پر یہ جامعہ سلفیہ کی مطبوعات ہیں۔ان کے علاوہ جامعہ سلفیہ کے جن فضلاء کو بلاد عرب کے تعلیمی وتحقیقی مراکز علمیہ میں تصنیف وتحقیق کے مواقع حاصل ہوئے، ان کی تصنیفات وتحقیقات سیکڑوں میں ہیں، اوراپنے معیاری علمی اعمال کی وجہ سے عالم اسلام میں معروف ومقبول ہیں، ساری کتابوں کا تذکرہ اس مختصر مقالے میں امر دشوار ہے، البتہ چند کا ذکر بطور مثال کیا جاتا ہے۔

۱۔ الضعفاء والمتروکون ومرویاتھم فی سنن النسائی: تالیف وتحقیق ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس فاضل جامعہ سلفیہ، پروفیسر ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ۔

۲۔ الأحادیث الواردۃ فی المھدی: تالیف وتحقیق ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی کارکن رابطہ عالم اسلامی مکہ۔

۳۔ مجمع البحرین فی زوائد المعجمین للھیثمی: تحقیق فضیلۃ الشیخ عبدالقدوس محمد نذیر باحث عدالت علیاء ریاض۔

۴۔ مسند البزار: تحقیق ڈاکٹر محفوظ الرحمن بن زین اللہ سلفی داعی متحدہ عرب امارات۔

۵۔ مسائل الامام احمد براویۃ ابنہ صالح: تحقیق ڈاکٹر فضل الرحمن دین محمد شیخ الجامعہ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں۔

۶۔ بعض أجزاء مشکل الآثار للطحاوی: تحقیق ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم بنارسی سابق رئیس جامعہ سلفیہ، بنارس۔

۷۔ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ وافاداتہ فی علوم الحدیث: تالیف ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، پروفیسر جامعۃ الامام محمد، ریاض، موصوف علوم حدیث کی درجنوں کتابوں کے محقق ومولف ہیں۔

۸۔ کتاب الفتن لأبی عمرو الدانی المقری: تحقیق ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری سابق شیخ الجامعہ، جامعہ سلفیہ، بنارس۔

۹۔ مرویات ام سلمۃ من مسند الامام احمد: تحقیق شیخ عبیداللہ طیب بنارسی استاذ جامعہ سلفیہ بنارس۔

۱۰۔ اللآلی المنثورۃ فی الأحادیث المشھورۃ للزرکشی: تحقیق ڈاکٹر عزیر شمس موصوف حدیث اورعلوم حدیث کی درجنوں کتابوں کے محقق ہیں۔

۱۱۔ زوابع فی وجہ السنۃ قدیما وحدیثاً: تالیف شیخ صلاح الدین مقبول، داعی کویت۔

۱۲۔ الارشاد الی علم الحدیث للنووی: تحقیق ڈاکٹر عبدالباری فتح اللہ پروفیسر جامعۃ الامام محمد، ریاض۔

۱۳۔ البدر المنیر لابن الملقن: تحقیق مشترک ڈاکٹر محمد اقبال محمد اسحاق بسکوہری رئیس قسم الحدیث جامعہ محمدیہ مالیگاؤں وبعض اصحابہ۔

۱۴۔ غایۃ المقصود فی شرح سنن ابی داؤد: تحقیق مشترک شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم ودکتور محمد عزیر شمس۔

۱۵۔ مرویات سمرۃ بن جندب فی مسند الامام احمد: تحقیق ڈاکٹر عبدالعزیز بن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری۔

۱۶۔ الذخیرۃ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ لابن طاھر المقدسی: تحقیق مشترک شیخ احمد مجتبیٰ نذیر عالم وڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی (جھود مخلصۃ فی خدمۃ السنۃ المطھرۃ للفریوائی)

۳۔شعبۂ صحافت:

جامعہ سلفیہ کی صحافتی خدمات اوران کے ذریعہ اشاعت سنت وترویج منہج سلف بھی کافی اہمیت کی حامل ہیں، جامعہ نے اردواورعربی دوزبانوں میں اپنے مجلّات مسلسل تقریباً آغاز ہی سے شائع کئے ہیں،شروع میں اردوسہ ماہی مجلہ صوت الجامعہ کے نام سے شائع ہوا تھا، جس کے مدیر مولانا محمد ادریس آزادرحمانی تھے، یہ ۱۹۷۳ءتا۱۹۷۶ءشائع ہوکرعلمی حلقوں میں مقبول ہوا تھا، پھر ۱۹۸۲ءتا۱۹۸۸ء ماہنامہ محدث کے نام سے شائع ہونا شروع ہواجس کے مدیر مولاناصفی الرحمن مبارکپوری تھے،موصوف کے مدینہ منورہ بغرض ملازمت چلے جانے کے بعد سے تاحال اس کے مدیر مولانا عبدالوہاب حجازی ہیں، اس مجلہ نے ہندوستان میں اشاعت سنت اورسلفی منہج کی خدمت میں شاندار کردارادا کیا ہے، اس کے معروف اہل قلم مولانا محمد ادریس آزادرحمانی، مولانا ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولاناصفی الرحمن مبارکپوری، مولانا عبدالوہاب حجازی، مولانا رئیس ندوی، صوفی نذیر احمد کاشمیری، مولانا اصغرعلی امام مہدی، ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، مولانا اسعد اعظمی وغیرہم ہیں۔مجلہ محدث کے چند مخصوص دستاویزی شمارے ہیں جووقت کے اہم دعوتی،تعلیمی اورمسلم مسائل اورتراجم پر مشتمل ہیں، ان میں بعض کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔	شاہ فیصل نمبرصوت الجامعہ	۱۹۷۵ء	
۲۔	موتمرالدعوۃ والتعلیم نمبر	۱۹۸۱ء	مرتبہ مولانا عبدالوہاب حجازی
۳۔	موسم ثقافی نمبر	۱۹۸۱ء	// // //
۴۔	خلیجی بحران نمبرمحدث	۱۹۹۱ء	// // //
۵۔	مولانا عبدالوحید سلفی نمبرمحدث	۱۹۹۱ء	// // //
۶۔	بابری مسجد نمبر	۱۹۹۳ء	// // //
۷۔	صحافت کانفرنس نمبر	۱۹۹۳ء	// // //
۸۔	شیخ الحدیث نمبر	۱۹۹۷ء	// // //
۹۔	دکتور رضاءاللہ نمبر	۲۰۰۳ء	// // //
۱۰	شیخ محمد بن عبدالوہاب نمبر	۲۰۱۰ء	// // //

عربی مجلہ نومبر ۱۹۶۹ء میں صوت الجامعہ کے نام سے شروع ہوا، ۱۹۷۶ء میں مجلۃ الجامعۃ السّلفیہ نام پڑا، ۱۹۸۶ء میں نشرۃ الجامعۃ السلفیۃ کے نام سے شائع ہوا، اور ۱۹۸۸ء سے تاحال صوت الامۃ کے نام سے شائع ہورہا ہے، اس کے مدیر مسئول تقریباً آغاز سے ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رہے ہیں، ان کے انتقال کے بعد سے یہ ذمہ داری مولانا حافظ اسعد اعظمی نبھارہے ہیں، اس مجلہ نے ہندوستان اور بلاد عرب میں سلفی پہچان بنائی ہے اوراشاعت کتاب وسنت میں اہم رول ادا کیا ہے، اس کے اہم اصحاب قلم یہ حضرات ہیں، سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز، ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر ،فضیلۃ الدکتور مقتدی حسن ازہری، دکتور تقی الدین ہلالی ،فضیلۃ الشیخ ربیع بن ہادی المدخلی، معالی

الدکتور صالح بن عبداللہ حمید، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن العباد، معالی الدکتور صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ، فضیلۃ الدکتور عبدالعلیم عبدالعظیم البستوی اور فضیلۃ الدکتور عزیر شمس وغیرہم۔

اس کے چند خصوصی شمارے درج ذیل ہیں:

۱۔ موتمر رسالۃ المسجد المنعقد بمکۃ المکرمۃ	نومبر ۱۹۷۵ء
۲۔ الموتمر العالمی لتوجیہ الدعوۃ واعداد الدعاۃ، المنعقد بالجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورہ	اپریل ۱۹۷۷ء
۳۔ موتمر الدعوۃ والتعلیم المنعقد بالجامعۃ السلفیہ، بنارس	فروری، مئی ۱۹۸۰ء
۴۔ الموسم الثقافی فی الجامعۃ السلفیہ، بنارس	فروری، مارچ ۱۹۸۱ء
۵۔ حفل توزیع الشہادات بالجامعۃ السفلیہ، بنارس تحت رئاسۃ الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی	جولائی ۱۹۸۶ء
۶۔ الندوۃ العلمیۃ حول حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ واعمالہ الخالدہ بالجامعۃ السلفیۃ، بنارس	اکتوبر، دسمبر ۱۹۸۷ء
۷۔ قدسیۃ الحرمین الشریفین وموقف السنۃ والشیعۃ منہا	جنوری، فروری ۱۹۸۸ء
۸۔ الموتمر العالمی عن السیرۃ النبویۃ العطرۃ المنعقد بالجامعۃ السلفیۃ، بنارس	جنوری، فروری ۱۹۹۲ء
۹۔ الملتقی الاول للدعاۃ بالھند	نومبر، دسمبر ۱۹۹۸ء
۱۰۔ موتمر المملکۃ العربیۃ السعودیۃ فی مائۃ عام	اپریل، مئی ۱۹۹۹ء
۱۱۔ فقید الامۃ وامام العصر الشیخ ابن باز رحمہ اللہ	جون، جولائی ۱۹۹۹ء
۱۲۔ الندوۃ العالمیۃ عن جہود خادم الحرمین الشریفین الملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود فی خدمۃ الاسلام والمسلمین۔	مئی ۲۰۰۲ء
۱۳۔ الموتمر الاسلامی العالمی الرابع: الامۃ الاسلامیۃ والعولمۃ، عقدتہ رابطۃ العالم الاسلامی بمکۃ المکرمۃ	جون ۲۰۰۲ء
۱۴۔ موتمر اہل الحدیث العالمی فی باکور جارخند	جون، جولائی ۲۰۰۴ء

۴۔ شعبۂ افتاء:

جامعہ سلفیہ کے تعلیمی افتتاح کے ساتھ ہی شعبۂ افتاء کا قیام عمل میں آیا ہے، اور ہمیشہ مفتی جامعہ کے فتاوے اکناف واطراف

ہندوستان میں حسب استفتاء پہونچتے رہے ہیں، یہ سوالات اعتقادات، عبادات جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ، معاملات، نکاح، طلاق، رضاعت، وراثت بیع وشراء وغیرہ مختلف امور سے متعلق ہوا کرتے ہیں، سوالات کے جوابات بروقت دینے کی سعی کی جاتی ہے اور جوابات کتاب وسنت آثار واقوال سلف وائمہ صالحین کے مطابق دینے کی پابندی کی جاتی ہے، سالانہ اس طرح کے سوالات سیکڑوں کی تعداد میں موصول ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جامعہ کے فتاویٰ کی نقول ہزاروں صفحات پر مشتمل چالیس رجسٹروں میں درج ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی طباعت کی راہ آسان فرمائے۔

آغاز سے جن علماء کرام نے فتاوی کے اعمال انجام دیئے ہیں ان میں سے کچھ اہم شخصیات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا محمد ادریس آزادرحمانی

۲۔ حضرت مولانا شمس الحق سلفی

۳۔ حضرت مولانا ابوالوفاء محمد عظیم اللہ مئوی

۴۔ مولانا محمد رئیس ندوی

۵۔ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

۶۔ مولانا محمد حنیف مدنی

۷۔ مولانا احمد مجتبیٰ سلفی

۸۔ مولانا نعیم الدین مدنی

۹۔ مولانا علی حسین سلفی

۱۰۔ مولوی نورالہدیٰ سلفی

۵۔ شعبۂ دعوت وتبلیغ:

ادارۃ البحوث الاسلامیہ کا یہ ذیلی شعبہ آغاز ہی سے نہایت مستعد رہا ہے، اور دعوت کے فریضہ کا شرعی تقاضا بھی یہی ہے کہ اس میں سستی اور غفلت روانہ رکھی جائے، جہاں تک شہر اور آس پاس کی مساجد میں خطبات جمعہ کی بات ہے تو منتخب اساتذہ کرام ہمیشہ اس فریضہ کو ادا کرتے رہے ہیں، الحمد للہ علماء سابقین کی طرح بروقت شہری علماء کی بھی ایک مستعد ومنتخب جماعت اس کے لئے تیار رہتی ہے، متعدد سلفی مقامی تنظیموں کی طرف سے اجلاس اور مساجد میں دروس کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں جامعہ کے اساتذہ کی شرکت ہوتی ہے، یہ خطبات اور تقاریر خالص سلفی منہج کے مطابق کتاب وسنت اور آثار سلف کی روشنی میں ہوا کرتی ہیں، مقامی اجلاسوں کے علاوہ ملک کے گوشے گوشے سے بڑی بڑی کانفرنسوں، اجتماعات او علمی سیمیناروں میں جامعہ کی خصوصی نمائندگی کے لئے عموماً دعوت نامے موصول ہوتے ہیں، جن میں شرکت کے لئے منتخب اساتذہ کرام کو جامعہ کے صرفہ پر بھیجا جاتا رہا ہے، اندرون ملک کی ان کانفرنسوں

اور سیمناروں میں دعوت وتبلیغ یا مقالات کی خواندگی کے لئے جن اساتذہ کرام کی خدمات وسیع ہیں اور انہیں شہرت و پذیرائی حاصل رہی ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا شمس الحق سلفی

۲۔ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری

۳۔ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

۴۔ مولانا عبدالوہاب حجازی

۵۔ مولانا عبدالسلام مدنی، ملک کے باہر کے کانفرنسوں میں عموماً ڈاکٹر ازہری صاحب اور کبھی مولانا صفی الرحمن صاحب نے شرکت کی ہے۔

جامعہ سلفیہ کے تبلیغی نشاطات ومساعی میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہاں کہ منتظمین نے اجلاس تاسیس اور اجلاس افتتاح تعلیم کے تاریخ ساز اجتماعات کے بعد مختلف مواقع اور تقریب سے متعدد عالمی اور ملکی پیمانہ کی موتمرات اور سیمینار منعقد کئے جو اپنے اثرات اور فوائد کے اعتبار سے نہایت کامیاب ثابت ہوئے، جن سے جامعہ سلفیہ کو کافی قوت حاصل ہوئی اور مسلک اور کتاب وسنت کی اشاعت میں بڑی مدد ملی، ذیل میں کچھ موتمرات، اجتماعات اور سیمیناروں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ تقسیم اسناد کا پہلا اجلاس، شعبان ۱۳۸۹ھ/اکتوبر، نومبر ۱۹۶۹ء۔

۲۔ موتمر الدعوۃ والتعلیم العالی، ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ/فروری ۱۹۸۰ء۔

۳۔ موسم ثقافی اول، ۲۰ تا ۲۹ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ/ ۲۶ فروری تا ۷ مارچ ۱۹۸۱ء۔

۴۔ کانفرنس بعنوان: اسلامی علوم وفنون میں ہندستانی مسلمانوں کا کردار، رجب ۱۴۰۶ھ/اپریل ۱۹۸۶ء۔

۵۔ اجلاس تقسیم اسناد، رجب ۱۴۰۶ھ/اپریل ۱۹۸۶ء۔

۶۔ الندوۃ العالمیۃ عن حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ واعمالہ الخالدۃ، ۲۹ ربیع الاول، ۱، ۲ ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ/ ۲۲، ۲۴ نومبر ۱۹۸۷ء

۷۔ موتمر السیرۃ النبویۃ العطرۃ، ۱۸، ۱۹ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ/ ۲۷، ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۱ء۔

۸۔ اسلامی صحافت کانفرنس ۶، ۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ/ ۲، ۳ نومبر ۱۹۹۲ء۔

۹۔ الندوۃ العالمیۃ عن حیاۃ العلامۃ النواب صدیق حسن خان واعمالہ الخالدۃ ۳۰ ربیع الاول، ۱/ ربیع الآخر ۱۴۲۷ھ/ ۲۹، ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۱۰۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب پر سیمینار، ۲۰۱۰ء۔

۱۱۔ موتمر السنۃ النبویۃ والسلام العالمی (سنت نبوی اور امن عالم) ۳، ۴ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ/ ۱۶، ۱۷ مارچ ۲۰۱۳ء۔

دعوت وتبلیغ کے تعلق سے یہ بات بھی جامعہ سلفیہ کے خصائص میں سے ہے کہ اس کے بعض منتظمین نیز اس کے متعدد باصلاحیت اساتذہ وفضلا ہندوستانی جماعت اہل حدیث کے سب سے بڑے دعوتی وتبلیغی ادارہ ''مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند'' کے اہم ترین

مناصب پر بھی فائز ہوئے، اوراس عظیم الشان جماعتی سلفی پلیٹ فارم سے دعوت کتاب وسنت کی خدمات وفرائض حسب امکان ادا کئے، ذیل میں ان شخصیتوں کامختصرتذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت مولانا عبدالوحید عبدالحق سلفی ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ، بنارس ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۹ء تاوفات مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے امیر رہے، اس عرصہ میں آپ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مرکزی جمعیۃ کو ’’اہل حدیث منزل‘‘ کے نام سے ایک بلڈنگ عطا کی، جو جامع مسجد دلی کے مخصوص علاقہ میں واقع ہے۔

۲۔ حضرت مولانا عبدالحمید رحمانی استاد جامعہ سلفیہ بنارس ولادت ۱۹۴۳ء تلمیذ مولانا نذیر احمد رحمانی، آپ ۱۹۷۱۔۱۹۷۴ء تک مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے ناظم اعلیٰ رہے، آپ کے دور میں دعوت وتبلیغ کے عمل پر کافی زور دیا گیا تھا۔

۳۔ حضرت مولانا انیس الرحمن اعظمی مدنی ولادت ۱۹۴۱ء استاد جامعہ سلفیہ بنارس، مارچ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۵ء تک مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے ناظم اعلی رہے۔

۴۔ حضرت مولانا صفی الرحمن مبارکپوری جولائی ۱۹۹۸ء سے اگست ۲۰۰۰ء تک مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے امیر رہے۔

۵۔ حضرت مولانا رضاء اللہ مبارکپوری استاد وشیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ، بنارس (۱۹۵۳ء۔۲۰۰۳ء) موصوف انتقال کے وقت مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے نائب امیر تھے۔

۶۔ حضرت مولانا اصغر علی امام مہدی ولادت ۱۹۶۳ء آپ ۲۰۰۱ سے تاحال مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم اعلی ہیں، آپ کے دور میں مرکزی جمعیت کے اوکھلا مرکز میں ’’المعهد العالي للتخصص في الحديث‘‘ کا افتتاح ہوا جو مسلسل جاری ہے۔ نیز اردو ہندی، انگریزی اور عربی میں الگ الگ ناموں سے مختلف جرائد ومجلّات جاری کئے گئے جو مسلسل نکل رہے ہیں، نیز بڑی تعداد میں کئی زبانوں میں مختلف دینی موضوعات پر منہج کتاب وسنت پر مبنی کتابیں طبع ہوکر ملک میں پہنچیں، نیز بڑی بڑی آل انڈیا کانفرنسیں اصحاب رسول ﷺ وغیرہ موضوعات پر نہایت کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئیں۔

۷۔ حضرت مولانا رضاء اللہ بدایونی ولادت ۱۹۵۷ء پاکوڑ کانفرنس کے پس وپیش نائب ناظم مرکزی جمعیت رہے۔

اشاعت سنت نبویہ سے متعلق جامعہ سلفیہ کی خدمات کے موضوع پر اس مقالے میں باختصار روشنی ڈالی گئی ہے، تقریباً نصف صدی کے تفصیلی اعمال کے جائزہ کے لئے مفصل کتاب کی ضرورت ہے، اس عرصہ میں جامعہ کے متعدد فضلاء نے بلاد عرب سے لوٹنے کے بعد اپنے علاقوں میں متعدد جامعات کی تاسیس کی ہے، جن کی تدریسی اور دعوتی خدمات ہیں، ان کے جائزے کا یہ موقع نہیں ہے، البتہ تعلیمی، دعوتی اور اشاعتی خدمات میں جامعہ سلفیہ کو نقطۂ اجتماع کا مقام ابھی حاصل نہیں ہوا ہے، جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے اس کا تصور قائم کیا تھا، ممکن ہے آئندہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے بھی کوئی سبیل پیدا فرمادے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

(ماہنامہ محدث بنارس اپریل تا ستمبر ۲۰۱۳ء)

❑❑❑

تاریخ جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈ یہار و جماعت اہل حدیث گونڈہ

(خطبۂ استقبالیہ اجلاس عام جامعہ ہذا، ۳۱/ اکتوبر و یکم نومبر ۱۹۸۶ء)

مولانا احسان اللہ صاحب

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خاتم المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین: اما بعد!

میں مجلسِ منتظمہ جامعہ سراج العلوم بونڈھیار اور مجلس استقبالیہ اجلاس عام کی جانب سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ تمام حضرات کا خیر مقدم کرتا ہوں اور آپ حضرات کا بے انتہا شکر گزار ہوں کہ ہماری دعوت پر آپ لوگوں نے لبیک کہا اور اپنی تشریف آوری سے جامعہ کو نوازا۔

ہم خدام جامعہ بے حد خوش ہیں اور ہماری رگ و ریشے میں مسرت و شادمانی خون بن کر دوڑ رہی ہے کہ کہاں ہمارا یہ بیک ورڈ علاقہ جو شہری تہذیب و تمدن سے خالی، جدید ترقیات سے تہی دامن اور نئے اسباب و وسائل سے محروم ایک دیہات ہے اور کہاں آپ حضرات جیسی عظیم شخصیتیں، ارباب علم و دانش، اصحاب فکر و رائے اور مختلف اداروں کے نمائندے تشریف فرما ہیں، اس وقت اس سے زیادہ ہم لوگ کیا کہہ سکتے ہیں۔

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

آپ حضرات کو یقینا یہاں آنے میں بڑی دشواریاں برداشت کرنی پڑی ہوں گی، اگر ہم لوگ شایان شان آپ حضرات کی خاطر مدارات نہ کر سکیں تو اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔

محترم حضرات! اس مبارک اجتماع کے موقع پر میں چاہتا ہوں کہ مختصر طور پر ضلع گونڈہ کی تاریخ اہل حدیث نیز اس علاقہ اور جامعہ سراج العلوم کے حالات آپ کے سامنے رکھوں اس لئے کہ ؎

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفاتِ دل دوستاں رہے نہ رہے

ضلع گونڈہ کی تاریخ اہل حدیث:

ضلع گونڈہ اور کنڈؤ، بونڈیہار کا یہ علاقہ جو ان دنوں اہل حدیثیت اور سلفیت کا زندہ و تابندہ نشان ہے اور جس کی فضا قال اللہ و قال الرسول کی صدائے دلنواز سے معمور ہے آج سے سوا سو سال پہلے بدعت تعزیہ داری اور دوسری جاہلی رسوم و خرافات میں گھرا ہوا تھا، اللہ

رب العالمین کے فضل وکرم سے یہاں علامہ ازہر بہاری اور مولانا اللہ بخش بسکوہری جن کا تحریک شہیدین سے بہت گہرا تعلق تھا، دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً آتے رہے، ان دونوں نابغۂ روزگار اور دعوت وکتاب وسنت کی علمبردار شخصیتوں نے اس ضلع کے بہت سے مواضعات کو اور اس علاقہ کو قرآن وحدیث کی تعلیمات سے روشناس کرایا، اور شرک وبدعت کے طوفان سے نکال کر ہمکنار ساحل کیا۔

اس طرح سے ان دونوں عظیم رہنما شخصیتوں کے ہاتھوں یہ بدعت نگر اہل حدیث نگر بنا اور اس کے بعد محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ، مولانا عبدالسلام مبارکپوری رحمہ اللہ کی آمدورفت اور فضیلۃ الشیخ مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کے ارشادات وتوجیہات اور جامعہ سراج العلوم کے دعوتی وتعلیمی اثرات کی وجہ سے اس علاقہ کی اہل حدیثیت میں اتنی جلا پیدا ہوگئی کہ یہاں کے مسلمان پکے سچے اہل حدیث بھی ہیں اور اہل حدیث گر بھی، سچ ہے

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

جامعہ سراج العلوم کی تاسیس اور اس کا پس منظر:

جب اس علاقہ سے بدعت کا جنازہ نکل رہا تھا اور جاہلی رسوم وخرافات دم توڑ رہی تھیں اس زمانہ میں بھی اور اس سے پہلے بھی یہاں علم دین کی شمع روشن تھی چنانچہ تقریباً ۱۸۸۰ء میں میاں سعید احمد لٹیاوی بونڈیہار آئے اور چار سال تک یہاں کے بچوں کو دین کی تعلیم دیتے رہے، ان کے بعد ۱۸۸۵ء میں میاں اکبر علی ساکن موضع اہرولی سعداللہ نگر تھانہ ضلع گونڈہ یہاں تشریف لائے اور یہاں کے بچوں کو دوسال تک قرآن اور ابتدائی اردو کتابیں پڑھاتے رہے، انہوں نے اپنے بعد اپنے صاحبزادے حافظ علی صاحب عرف پڑھاؤ میاں کو یہاں متعین کردیا جو مدتوں یہاں ابتدائی دینی تعلیم کے فرائض انجام دیتے رہے۔

بہرحال ایک طرف یہ ابتدائی دینی شدبد اور اسلامی بیداری تھی اور دوسری طرف جب اس علاقہ کے مسلمان اہل حدیثیت کی شاہراہِ اعتدال پر گامزن ہوگئے تو ان کے اندر ایمان ویقین کی روح پیدا ہوگئی اور ان کی نگاہیں ذوق منزل کے ساتھ تلاشِ منزل میں لگ گئیں چنانچہ ۱۹۰۷ء میں کنڈو بونڈیہار کے سربرآوردہ اور مخلص لوگوں نے مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ کو بلایا، مولانا تشریف لائے اور ان کے ساتھ عالمیت وفضیلت کے طلبہ بھی آگئے۔ آنے کے بعد مولانا نے جناب منصب دار خاں کنڈو رحمہ اللہ کے مکان پر تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، اس کے تھوڑے دنوں کے بعد مولانا نے اپنے ہاتھوں کنڈو بونڈیہار کے درمیان دریائے راپتی کے کنارے جامعہ سراج العلوم کی بنیاد ڈالی، اب کیا تھا چند ہی دنوں میں کھپریل کی لمبی چوڑی عمارت تیار ہوگئی اور مولانا مدرسہ ہی میں طلبہ کے ساتھ منتقل ہوگئے، اسی وقت سے دین کی یہ شمع روشن ہوئی اور علم کا یہ چراغ جلا۔

ملحوظ رہے کہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ضلع گونڈہ میں سب سے پہلے قصبہ بلرام پور میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ پھر ۱۹۰۴ء میں اللہ نگر (مشمولہ چھترپارہ) میں بنام ''فیض العلوم'' ایک مدرسہ قائم کیا یہ مدرسہ اب بھی چل رہا ہے یہیں سے مولانا کنڈو بونڈیہار تشریف لائے اور جامعہ سراج العلوم کی بنیاد ڈالی۔

مولانا مبارکپوری کو لانے اور جامعہ سراج العلوم قائم کرنے کے سلسلہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے جناب منصب دار خاں کنڈؤ، جناب محمد خاں مہوا، جناب حاجی سعادت خاں سکھوئیاں، جناب نمبردار خاں عرف گھراؤ بونڈیہار، جناب ہدایت اللہ خاں بونڈیہار، جناب حیدر خاں بونڈیہار اور جناب صاحبزاد خاں بونڈیہار وغیرہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مخلصین کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کی اولاد و احفاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

جامعہ کی مختصر تاریخ:

جامعہ سراج العلوم کی تاسیس کے بعد جناب مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ نے بحیثیت مدرس وسرپرست اس علاقہ میں تین سال کی مدت گذاری، اور ۱۹۱۰ء میں جناب مولانا عبداللہ غازی پوریؒ کی استدعا پر کلکتہ تشریف لے گئے۔

۱۹۱۰ء میں جناب مولانا شاہ محمد مبارکپوریؒ تشریف لائے اور ۱۹۱۴ء تک جامعہ میں تعلیم دیتے رہے ان کے چلے جانے کے بعد جناب مولانا سلیمان مئوی تشریف لائے اور ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۶ء تک مدرس ومربی کی حیثیت سے تعلیم کی ذمہ داری انجام دیتے رہے۔

مولانا شاہ محمد صاحب اور مولانا محمد سلیمان مئوی کے زمانہ میں تعلیمی معیار بلوغ المرام وکافیہ وغیرہ تک محدود رہا۔

۱۹۱۷ء میں جناب مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ مؤلف ''سیرۃ البخاری'' تشریف لائے اور ۱۹۲۳ء تک جامعہ میں تعلیم دیتے رہے، مولانا موصوف کے آنے کے بعد علمی انحطاط کا دور جاتا رہا اور پھر تفسیر وحدیث اور فقہ وغیرہ کی بڑی بڑی کتابوں کی تعلیم ہونے لگی، اسی دور میں جناب فضیلۃ الشیخ مولانا عبیداللہ مبارکپوری حفظہ اللہ اپنے والد گرامی جناب مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ کی سرپرستی وتربیت میں جامعہ کے طالب علم تھے۔

۱۹۲۴ء میں مولانا سلیمان مئوی صاحب دوبارہ تشریف لائے اور ۱۹۳۰ء تک جامعہ میں منصب تعلیم وتربیت پر فائز رہے، پھر تعلیمی معیار بلوغ المرام وکافیہ تک محدود ہوکر رہ گیا۔

۱۹۳۱ء میں حکیم مولانا محمد یٰسین صاحب رحمہ اللہ ساکن بونڈیہار نے جامعہ کا منصب تعلیم وتنظیم سنبھالا اور بڑی سرگرمی وتندہی سے ۱۹۳۹ء تک اس منصب پر فائز رہے۔

اس دور میں تعلیم کا معیار بڑھا، مشکوٰۃ وغیرہ تک تعلیم ہونے لگی، نیز باقاعدہ مرتب نصاب اور جماعت بندی کے ساتھ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، جب کہ اب تک بغیر مرتب نصاب کے تعلیم ہوتی رہی، اس دور میں کچھ تعمیری ترقی بھی ہوئی۔

جامعہ سراج العلوم کا مثالی دور:

حکیم مولانا محمد یٰسین صاحب کے بعد ۱۹۴۰ء سے ۱۹۸۲ء تک جناب مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ جامعہ کے معلم ومربی اور بعد کے ادوار میں منتظم ومنصرم بھی رہے، مولانا موصوف کا بیالیس سالہ دور تعلیم وتربیت، اصلاح وتنظیم اور دعوت وتبلیغ ہر میدان میں عروج وارتقاء ہی کی طرف گامزن رہا بلکہ اگر کہا جائے کہ یہ دور تاریخِ جامعہ کا مثالی دور تھا تو بے جا نہ ہوگا۔

مولانا مرحوم نے اکیس سال کی عمر میں ادارہ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالی، جامعہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا، اپنی طویل عمر، گھر بار اور اہل وعیال سب کچھ تج دیا حتیٰ کہ ۱۹۸۲ء میں دوسری بار حج کے لئے حجاز تشریف لے گئے عمرہ کی تکمیل کر سکے تھے کہ سخت بیمار ہوئے مکہ کے مستشفی الزاہر میں داخل کئے گئے، آخر کار ۳۱ اگست ۱۹۸۲ء مطابق ۱۱ رذیقعدہ ۱۴۰۳ھ کو جان جان آفریں کے حوالہ کردی اور جنت المعلیٰ میں دفن کئے گئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا موصوف کے دور میں جامعہ نے ہر میدان میں خوب خوب ترقی کی، ۱۹۵۳ء اور ۱۹۶۴ء کے درمیان جماعت سادسہ تک تعلیم ہونے لگی، بعض سالوں میں فضیلت تک تعلیم ہوئی۔ ۱۹۷۶ء کے بعد درجات فضیلت قائم کئے گئے، اس وقت سے اب تک اس جامعہ سے ہر سال اوسطاً دس طلبہ سند فضیلت حاصل کرتے ہیں۔ مولانا کے دور میں شعبۂ حفظ وتجوید بھی قائم ہوا جس کا تعلیمی سلسلہ دور آخر میں زوروں پر رہا، اور اب تک برابر وہ سلسلہ جاری ہے۔

اس دور کے تعلیمی وتعمیری عروج وارتقاء کے سلسلہ میں بطور تحدیثِ نعمت میں یہ بات ذکر کر رہا ہوں کہ مولانا محمد اقبال رحمانیؒ کے دور آخر میں اللہ تعالی نے میری مالی واقتصادی حالت میں ترقی عطا فرمائی اور چونکہ میں بھی اس ادارے سے متعلق خاندان ہی کا ایک فرد ہوں اس لئے میں نے حسب استطاعت اس ادارہ کی کفالت میں حصہ لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو اور والد محترم جناب حاجی محمد نعیم صاحب کو بڑا حوصلہ دیا چنانچہ ۱۹۷۱ء سے ہم نے اس ادارہ کے بعض اہم مصارف اپنے ذمہ لے لئے اور اس وقت سے اب تک اللہ رب العالمین کی توفیق ومہربانی سے ہم وہ ذمہ داری پوری کر رہے ہیں۔

اس طرح سے اللہ رب العالمین کے فضل وکرم سے جامعہ کے لئے تعمیری وتعلیمی عروج وارتقاء کی راہ ہموار ہوئی اور درجات عالمیت وفضیلت کا قیام عمل میں آیا، یہاں تک کہ ۱۹۷۹ء میں جامعہ سراج العلوم کا جامعہ اسلامیہ مدینہ سے معادلہ ہوا۔ مولانا محمد اقبال رحمانیؒ کے زمانہ میں عربی وارد وانجمن اور دعوتی وتبلیغی سرگرمیاں تیز سے تیز تر رہیں۔

اس دور میں تعمیری اعتبار سے بھی بڑی ترقیات ہوئیں، جامعہ کی اکثر عمارتیں اسی دور کی تعمیر کردہ ہیں جن میں جناب حاجی سعادت خاںؒ، جناب ملک محمد اسماعیلؒ، جناب حاجی محمد نعیم صاحب اہل خاندان اور دوسرے معاونین جامعہ کا بھرپور تعاون شامل رہا۔ نیز رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے بھی ۱۹۸۱ء میں بسلسلہ تعمیر کچھ تعاون کیا ہے۔

اسی دور میں ۱۹۵۵ء میں جناب شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ مبارکپوری حفظہ اللہ کی سرپرستی میں جامعہ کی ایک باقاعدہ مجلس عاملہ بنائی گئی اور جامعہ کا دستور العمل طے کیا گیا۔

واضح رہے کہ آغاز جامعہ سے ۱۹۶۰ء تک اس ادارہ کے ناظم جناب حاجی سعادت خانصاحب سکھوئیاں رہے جو اس علاقہ کی ایک عظیم موثر اور باکمال شخصیت تھے اور صدر حکیم مولانا محمد یٰسین صاحبؒ تھے، ان کے انتقال کے بعد ۱۹۷۵ء تک جامعہ کے ناظم جناب عبد المعبود خانصاحب رہے، اس وقت کے اوائل میں صدر حکیم مولانا محمد یٰسین صاحب تھے اور ان کے بعد حاجی محمد نعیم صاحب صدر بنائے گئے۔

جناب عبدالمعبود خانصاحب کے انتقال کے بعد جامعہ کی نظامت کی ذمہ داری مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کے سپرد کردی گئی اور تاحیات آپ جامعہ کے ناظم رہے۔ اس دور میں بھی صدر جامعہ حاجی محمد نعیم صاحب تھے۔ مولانا محمد اقبال رحمانیؒ کے انتقال کے بعد نومبر ۱۹۸۲ء میں مجلس منتظمہ نے جامعہ کے منصب نظامت پر جناب حاجی محمد نعیم صاحب کو فائز کیا۔ جناب صلاح الدین خانصاحب کو جو لمبی مدت تک اس ادارہ کے نگراں تھے مجلس انتظامی کا صدر منتخب کیا گیا اور جناب مولانا ابوالعرفان محمد عمر گونڈوی حفظہ اللہ کو مہتمم و مدیر بنایا گیا جو مدتوں سے جامعہ کے صدر مدرس ہیں اور تعلیم و تربیت، علاقائی و جماعتی اصلاح و تنظیم اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے اونچا مقام رکھتے ہیں۔

جامعہ کی چند نمایاں خصوصیات:

جامعہ سراج العلوم کو چند ایسی نمایاں خصوصیات حاصل ہیں جن پر جامعہ ہمیشہ فخر کرتا رہے گا:

پہلی خصوصیت تو یہ کہ جامعہ کو اپنی پوری تاریخ میں اکابر علماء امت اور بڑے بڑے مشائخ علم وفن کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔

دوسری خصوصیت یہ کہ جامعہ ایک ہی خاندان کے بھرپور اتفاق واتحاد اور تعاون سے چل رہا ہے اس خاندان کے لوگ کنڈوٗ، وبونڈیہار، سکھوئیاں، مہوا، علی گنج، ڈونڑھیا اور شمالی بستی میں سکریٰ بشنپور پٹنہ، کانبھاری، سینگ ناتھ، اور بھنڈریہ وغیرہ میں آباد ہیں۔

تیسری خصوصیت یہ کہ جامعہ ہی کی زندگی میں مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی کی تالیف کا آغاز کیا اور بعد میں اس کی تکمیل کی، جس کی اہمیت عرب وعجم میں مسلّم ہے۔

اور چوتھی خصوصیت یہ کہ جب محدث شہیر علامہ عبیداللہ مبارکپوری حفظہ اللہ کی تالیف انیق مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کی جلد اول پاکستان میں چھپی اور وہاں سے اس کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو اس کی جلد ثانی وثالث کی طباعت واشاعت کی تکمیل مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی جدوجہد سے ہوئی اور تقریباً اسی خاندان کے افراد کے بھرپور تعاون سے وہ دونوں جلدیں طبع ہوکر شائع ہوئیں، یقیناً یہ جامعہ کا بڑا ہی علمی کارنامہ ہے، جس سے ہندو بیرون ہند کے علماء وفضلاء فیض حاصل کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ مصنف وناشر اور اس علاقہ کے تمام معاونین کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین)

جامعہ کے موجودہ تعلیمی مراحل:

مولانا محمد اقبال رحمانیؒ کے زمانے سے اب تک جامعہ کی تعلیم مختلف ادوار ومراحل میں منقسم ہے، ابتدائیہ (پرائمری درجات) ثانویہ (مولوی کا کورس) عالمیت، فضیلت اور شعبہ حفظ وتجوید۔

ابتدائیہ، درجہ طفلاں سے درجہ پنجم تک، تین سو بچے اور بچیاں زیر تعلیم ہیں۔

ثانویہ کا کورس پنج سالہ ہے، پہلا سال جسے درجہ ادنیٰ کہا جاتا ہے، اس میں فارسی ادب اور ابتدائی عربی قواعد کی تعلیم ہوتی ہے، اور بعد کے چار سالوں میں تجوید عربی لغت وقواعد، حدیث وقرآن اور انگلش وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے، ثانویہ میں ایک سو بیس طلبہ زیر تعلیم ہیں۔

عالمیت دوسال کا کورس ہے جس میں عربی ادب وانشاء، تجوید، توحید، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، فلسفہ ومنطق، تاریخ اسلام وتاریخ ادیان ومذاہب وغیرہ اور انگلش موضوعات شامل ہیں۔

فضیلت بھی دوسال کا کورس ہے جس میں توحید، تفسیر واصول تفسیر، حدیث وفن اسماء الرجال، تقابلی فقہ واصول فقہ، فن اسرار شریعت اور انگلش وغیرہ موضوعات شامل ہیں، عالمیت وفضیلت میں اس سال چالیس طلبہ ہیں۔

شعبۂ حفظ وتجوید میں حفظ قرآن کے ساتھ قرأت حفص کے مطابق فن تجوید بھی سکھایا جاتا ہے، جیسا کہ معلوم ہوا کہ ثانویہ اور عالمیت کے طلبہ بھی فن تجوید سیکھتے ہیں، اس وقت شعبۂ حفظ میں ۲۳ طلبہ ہیں۔

اساتذہ جامعہ کی کل تعداد بائیس (۲۲) ہے، جن میں تین اساتذہ سعودیہ عربیہ کے بعض اداروں کی طرف سے مبعوث ہیں، اور گیارہ ملازمین ہیں، بحمداللہ اساتذہ کا اسٹاف انتہائی لائق وفائق، باصلاحیت ومحنتی، اور اہل حدیث جامعات ومدارس کے لئے قابل رشک ہے۔

طلبہ کی مجموعی تعداد چارسوساٹھ ہے جن میں سے سواسوطلبہ (۱۲۵) طلبہ غیر مقامی ہیں جن کے قیام وطعام، علاج اور دوسری ضروریات کا کفیل جامعہ ہے۔

لائبریریاں اورانجمنیں:

تعلیم اور کتاب میں چولی دامن کا رشتہ ہے، مدارس وجامعات کا تعلیمی ارتقا کتابوں کا منت کش ہوتا ہے، چنانچہ جامعہ سراج العلوم کی بھی ایک لائبریری ہے جس میں مختلف اسلامی علوم وفنون پر مشتمل تقریباً چھ ہزار کتابیں ہیں، ہر سال لائبریری کی توسیع اور مزید فراہمی کتب کی کوشش کی جاتی ہے۔

عربی واردو زبان میں طلبہ کے اندر خطابت وصحافت کا ذوق پیدا کرنے کے لئے دوانجمنیں ہیں، عربی انجمن جس کا نام النادی العربی ہے اور اردوانجمن جس کا نام اصلاح الکلام ہے، ان دونوں انجمنوں کا پروگرام پندرہ روزہ ہوتا ہے۔

ایک لائبریری اردوانجمن کی ہے جس میں جدید وقدیم مصنفین کی تقریباً چھ سو کتابیں ہیں اور ہر سال مزید کتابوں کی فراہمی کی کوشش کی جاتی ہے۔عربی انجمن کی بھی ایک لائبریری ہے جس میں ابھی بہت معمولی کتابیں ہیں، نیز عربی واردوانجمن کے لئے دینی مضامین اور عصری معلومات پر مشتمل مختلف عربی، اردو، ہفت روزہ، پندرہ روزہ اور ماہانہ مجلّات وجرائد منگائے جاتے ہیں۔

جامعہ کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیاں:

جامعہ کے اغراض ومقاصد میں ایک عظیم مقصد دعوت وتبلیغ اور عام مسلمانوں کی ذہنی وفکری اصلاح بھی ہے اس سلسلہ میں جامعہ نے ایک طرف باقاعدہ قسم الدعوۃ والارشاد قائم کیا ہے جس کے تحت طلبہ واساتذہ علاقہ اور ضلع کے دوردراز مواضعات میں تبلیغی پروگرام کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اندر دینی بیداری لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسری طرف جامعہ نے اپنی پوری تاریخ میں مختلف مواقع پر بڑی بڑی دعوتی وتبلیغی کانفرنسیں منعقد کی ہیں، جنہوں نے اسلامی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے، جامعہ کی تاریخ میں چار عظیم کانفرنسوں کا پتہ چلتا ہے۔

پہلا عظیم الشان سہ روزہ اجلاس جناب مولانا محمد سلیمان مئویؒ کے دور میں فروری ۱۹۲۸ء میں منعقد ہوا، جس میں اس دور کے وہ تمام ہی اکابر جماعت شریک ہوئے جنہوں نے تحریک اہل حدیث کی تجدید واصلاح کا جدید لائحہ عمل بنا کر دعوت وتبلیغ کا کام بڑے وسیع پیمانہ پر شروع کیا، مثلاً مناظر اسلام جناب مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ، مولانا محمد جونا گڑھیؒ، مولانا عبدالتواب علی گڑھیؒ اور مولانا محمد یوسف فیض آبادیؒ وغیرہ۔

اور آخری تین اجلاس جناب مولانا محمد اقبال رحمانیؒ کے دورِ سعید میں منعقد ہوئے، چنانچہ تاریخ جامعہ میں دوسری عظیم سہ روزہ دعوتی وتبلیغی کانفرنس ۱۹۴۵ء میں منعقد ہوئی جس میں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ، مولانا عبدالحنان رحمہ اللہ ایڈیٹر اہل حدیث گزٹ، مولانا حاکم علی رحمانی پنجابیؒ مولانا عبدالخالق رحمانی کھنڈیلوی مقیم حال پاکستان اور دوسرے مشاہیر ہند شریک ہوئے۔

تیسرا دو روزہ دعوتی وتبلیغی اجلاس ۱۹۶۰ء میں منعقد ہوا جس میں جامع معقولات ومنقولات مولانا نذیر احمد رحمانیؒ، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ، فاضل وادیب مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ، خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری حفظہ اللہ اور دوسرے ممتاز علماء کرام وشعراء عظام شریک ہوئے۔

اور چوتھا عظیم الشان دعوتی وتبلیغی اجلاس ۱۹۷۶ء میں ہوا جس میں کشمیر، دہلی، بنارس، اعظم گڑھ، گونڈہ بستی وغیرہ اضلاع کے ممتاز ومشہور مفکرین اور مایہ ناز خطباء وشعراء نے شرکت کی۔

ان عظیم کانفرنسوں کے علاوہ جامعہ کی تاریخ میں اور بھی مختلف چھوٹے چھوٹے جلسے بہت سے مواقع پر منعقد ہوتے رہے جنہیں شمار کرنا مشکل ہے۔

ان دعوتی وتبلیغی کانفرنسوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سرزمین کنڈوبونڈیہار میں جماعت اہل حدیث کی اکثر عظیم شخصیتیں تشریف لاچکی ہیں جن کے نقوشِ قدم کی حکایتیں اس علاقہ کے ذرہ ذرہ سے سنائی دیتی ہے۔

یہ عظیم دعوتی وتعلیمی کانفرنس:

یہ عظیم تبلیغی اجلاس اور تعلیمی کانفرنس جامعہ کی تاریخ کی پانچویں یادگار عظیم الشان کانفرنس ہے جس میں آپ حضرات تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اس اجلاس کا سب سے اہم مقصد مسلمانانِ ہند اور خصوصاً گونڈہ وبستی کے مسلمانوں کے اندر مسلکی وجماعتی روح بیدار کرنا، انہیں جادۂ سلف اور شاہراہ کتاب وسنت پر گامزن بنانا اور بدعات ومنکرات، تقلید وشیعیت اور دوسری تحریکات کی پیدا کردہ ذہنی وفکری گمراہیوں کا سد باب کرنا ہے۔

نیز ضمناً اس اجلاس کا ایک مقصد ادارہ اصلاح المساجد کے تحت تعمیر شدہ اس عظیم پرشکوہ جامع مسجد کا افتتاح اور اس پورے علاقہ

کے لئے اسے مرکز دعوت اور چشمۂ رشد وہدایت بنانا ہے۔

اس جامع مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ہم ادارہ اصلاح المساجد ممبئی اور خصوصاً فضیلۃ الشیخ جناب مولانا مختار احمد ندوی حفظہ اللہ کے شکرگزار ہیں جن کی مسلسل جدوجہد سے یہ جامع مسجد تعمیر ہوئی اور جن کی سعی پیہم سے پورے ہندوستان میں دعاۃ ومبلغین کی تربیت اور اصلاح مساجد کی تحریک چل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو بارآور کرے اور انہیں اجر عظیم سے نوازے۔ (آمین)

یہ تعلیمی کانفرنس جس کا عنوان ہے "مدارسِ اسلامیہ میں سلفی منہج کا احیاء" بڑے غوروفکر کے بعد منعقد کی گئی ہے۔ جس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم وتربیت میں سلفی مزاج پیدا کیا جائے اور نصاب میں ایسی کتابیں رکھی جائیں جن سے عقائد، فقہیات اور تاریخ وغیرہ کے بارے میں عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین وتبع تابعین کا پاکیزہ ذوق پیدا ہو، اس سلسلہ میں مدارس وجامعات سے آئے ہوئے مندوبین سے ہماری گذارش ہے کہ ہم لوگ اکٹھا ہوکر مدارس اسلامیہ میں سلفی منہج کے احیاوتجدید کی بھرپور کوشش کریں اور ہندوستان گیر پیمانہ پر اس طرح کی ایک تحریک چلائیں تاکہ ہمارے مدارس کے فضلاء دین خالص کے باصلاحیت اور غیر مند علمبر دار بنیں اور شاہراہ کتاب وسنت سے منحرف جماعتوں اور تحریکوں کی زہرافشانیوں سے امت کو محفوظ رکھیں۔

میرے ساتھیو آگے بڑھو، قدم بڑھاؤ، زمانہ آپ کو آواز دے رہا ہے، دنیا کتاب وسنت کی تعلیمات کے لئے بیقرار ہے اور دورحاضر سلفی دعوت قبول کرنے کے لئے تیار ہے، اگر ہم نے غفلت سے کام لیا تو پوری انسانیت کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس کے مجرم ہم ہوں گے اور دنیا وآخرت میں عظیم خسارہ سے دوچار ہوں گے۔

مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے   اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے

جامعہ کے عزائم ومنصوبے:

اب آیئے ہم جامعہ کے عزائم ومنصوبوں کا تذکرہ کریں، تو لیجئے مستقبل میں جامعہ کے عزائم یہ ہیں:

۱۔ دعوت وتبلیغ اور وعظ وارشاد کا عظیم مرکز قائم کرنا۔

۲۔ مختلف علوم وفنون میں تخصص کے شعبے قائم کرنا۔

۳۔ ایک جنرل لائبریری اور عظیم دارالمطالعہ قائم کرنا۔

۴۔ ایک معیاری مسلم نسواں ادارہ قائم کرنا۔

۵۔ شعبۂ تصنیف وتالیف قائم کرنا اور ایک علمی ومسلکی مجلہ کا اجراء۔

۶۔ درسگاہوں کی توسیع اور اس کے لئے مستقل عمارت بنانا اور ایک عظیم دارالحدیث اور لیکچر ہال بنانا۔

۷۔ اساتذہ واسٹاف کے لئے فیملی کوارٹر بنانا۔

(یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ۱۹۸۶ء، مولانا ابوالعاص وحیدی)

□□□

تصویبات واستدراکات

کتاب تراجم علمائے حدیث ہند

شیخ اسعد اعظمی بنارس

تراجم علمائے حدیث ہند مصنفہ مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی (متوفی ۱۳۸۵ھ۔۱۹۶۶ء) مشہور زمانہ کتاب ہے جو ۲۰۰/اہل حدیث علماء ومصنّفین کی حیات وخدمات کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ کتاب پہلی بار جید برقی پریس دہلی میں ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۷ء میں منظر عام پر آئی جو چھوٹی سائز کے تقریباً پونے چھ سو صفحے پر مشتمل تھی۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں کتاب کے طبع اول کا جو نسخہ موجود ہے اس پر مختلف حضرات کی جا بجا تصحیحات واستدراکات موجود ہیں، جن میں بعض مقامات پر محشی ومصحح کے نام کی صراحت ہے تو کہیں صرف نسبت یا شہریت لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے، بیشتر مقامات محشی ومصحح کے تذکرے سے خالی ہیں جیسا کہ قارئین سطور ذیل میں مشاہدہ کریں گے۔ ان تصویبات میں سے اکثر فنی وتاریخی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہیں اس لئے ان کو یکجا کر کے شائع کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ اس جمع وترتیب کا محرک یہ بنا کہ خبر ملی کہ محسن جماعت مولانا عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ کتاب کی از سر نو اشاعت کا پروگرام بنا رہے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ حتی الامکان اغلاط سے پاک ایڈیشن منظر عام پر لایا جائے۔ چونکہ کتاب کے مراجعے کی مجھے وقتاً فوقتاً ضرورت پڑتی رہتی ہے اس لئے مجھے اس میں مندرج حواشی وتصحیحات سے بھی مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے۔ لہٰذا جب محمدی صاحب کے پروگرام کا علم ہوا تو میں نے ان ساری معلومات کو یکجا کر دیا تاکہ آنے والے ایڈیشن کی تصحیح میں ان معلومات سے استفادہ کیا جا سکے۔

واضح رہے کہ یہ محض جمع وترتیب کا عمل ہے جو ان معلومات کی صحت کی ضمانت اور ان کی تصویب کو مستلزم نہیں، اگر چہ تنقید واستدراک کی غرض سے درج کی گئی ان معلومات کا درست ہونا ہی اصل ہے، پھر بھی سہو ونسیان سے برأت کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کتاب کی اشاعت سے پہلے ان معلومات کی صحت کا جائزہ لینا مناسب ہے۔ امید کہ ناشر کتاب اس پر توجہ دیں گے۔ ظن غالب ہے کہ محترم محمدی صاحب کو کچھ اور علم دوست حضرات کی طرف سے بھی اس نوعیت کا کچھ مواد موصول ہوا ہوگا اور کتاب کی تصحیح میں ان تمام سے استفادہ کر کے صحیح ترین نسخہ منظر عام پر لانے کی سعادت ان کو حاصل ہوگی۔ واللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

ــــــ اسعد اعظمی

تصویبات واستدراکات

۱۔ ص ۶۴ شاہ عبدالقادر محدث: سنہ وفات ۱۲۴۲ھ غلط ہے، صحیح ۱۲۳۰ھ ہے

۲۔ ص ۶۵ شاہ رفیع الدین محدث: سنہ وفات ۱۲۴۹ھ غلط ہے، صحیح ۱۲۳۳ھ ہے۔

۳۔ ص ۱۶۶ حافظ عبدالجبار عمرپوری: ''نیز رسالہ ضیاء السنۃ کلکتہ کے بھی آپ ہی ایڈیٹر رہے''

تعلیق: ضیاء السنۃ کے ایڈیٹر مولانا ضیاء الرحمن عمرپوری تھے(ا)، مولانا عبدالجبار عمرپوری نے ''تبلیغ'' جبل پور کی ادارت کی ہے۔

(ا) اس کی تصدیق خود مولانا نوشہروی کے کلام سے ہوتی ہے کیوں کہ آگے ص ۲۰۰ پر مولانا ضیاء الرحمن عمرپوری کے حالات میں نوشہروی صاحب لکھتے ہیں: ''برسوں رسالہ ضیاء السنۃ (ماہانہ) نکالا''۔ اعظمی)

۴۔ ص ۱۷۴ مولانا احمد اللہ شیخ الحدیث: متوفی ۱۳۶۳ھ

۵۔ ص ۲۰۱ ضیاء الرحمن بن بدرالدین عمرپوری: برسوں رسالہ ضیاء السنۃ (ماہانہ نکالا)

تعلیق ۱: ذی قعدہ ۱۳۱۹ھ سے۔

تعلیق ۲: اچھے شاعر تھے، ضیاء السنۃ کے شروع میں کئی کئی صفحہ مختلف عناوین پر اشعار کہہ ڈالتے تھے۔

۶۔ ص ۲۵۶ ابوالبشارا میر احمد بن عزیز احمد قریشی، (سنہ وفات سے متعلق تعلیق: مگر میں نے ان کی تحریر دیکھی ہے جس سے اس کے کافی بعد تک زندہ رہنا ثابت ہے، انہوں نے ۱۹۴۵ء میں اپنی کتاب غیر مطبوع توضیح لغات القرآن پر نظر ثانی کی ہے، یہ میاں صاحب کے شاگرد تھے، میں نے سند دیکھی ہے۔ ۱۳۱۸ھ میں سند لی ہے۔ نیپالی)

۷۔ ص ۲۷۰ السید النواب اولاد حسن۔۔۔۔

صفحہ مذکورہ پر دوسرے پیراگراف میں ہے ''اور طلب علم میں آخری سفر ۱۲۱۳ھ میں دہلی کا کیا''۔

تعلیق: ۱۲۳۳ھ صحیح ہے، دیکھئے ابجد العلوم: ج ۳، ص ۹۳۵۔

۸۔ ص ۲۹۸ مصنفات والا جاہ میں نیل المرام عربی میں ہے نہ کہ فارسی میں (۲)

(۲) (اسی کے معا بعد ''تفسیر الکل بتفسیر الفاتحۃ والکل'' نامی کتاب درج ہے اور اس کی زبان فارسی بتلائی گئی ہے، یہاں دو ملاحظے ہیں:

۱۔ کتاب کا صحیح نام: ''تذکیر الکل بتفسیر الفاتحۃ واربع قل'' ہے۔

۲۔ یہ کتاب اردو میں ہے نہ کہ فارسی میں۔ (اعظمی)

۹۔ ص ۲۹۹ مصنفات والا جاہ میں مثیر ساکن الغرام الی روضہ دار السلام صحیح 'روضات'

۱۰۔ ص ۳۰۰ مصنفات والا جاہ میں یقظۃ اولی الاعتبار فیما ورد من ذکر اہل النار۔ صحیح۔۔۔۔۔ فیما ورد من ذکر النار واہل النار۔

۱۱۔ ص ۳۰۰ مصنفات والا جاہ میں منہج الوصول الی اصطلاح حدیث الرسول فارسی نہ کہ عربی

۱۲۔ ص ۳۰۲ مصنفات والا جاہ میں دلیل الطالب الی ارجح المطالب فارسی نہ کہ اردو

۱۳۔ ص ۳۰۴ مصنفات والا جاہ میں بلوغ السؤل من اقضیۃ الرسول عربی نہ کہ فارسی

۱۴۔ ص ۳۰۴ مصنفات والا جاہ میں الطریق المثلی ۔۔۔۔۔۔واتباع ماھوالھوی۔۔۔۔۔واتباع ماھوالھدی

۱۵۔ ص ۳۰۵ مصنفات والا جاہ میں رحلۃ الصدیق الی البیت العتیق عربی نہ کہ اردو

۱۶۔ ص ۳۰۵ مصنفات والا جاہ میں لقطۃ العجلان۔۔۔۔عربی نہ کہ فارسی

۱۷۔ ص ۳۰۷ مصنفات والا جاہ میں صافیہ شرح کافیہ شرح شافیہ

۱۸۔ ص ۳۰۷ مصنفات والا جاہ میں السحاب المرکوم۔۔۔۔(ابجد العلوم کا دوسرا حصہ)

۱۹۔ ص ۳۰۷ مصنفات والا جاہ میں نشوۃ السکران۔۔۔۔۔عربی نہ کہ فارسی

۲۰۔ ص ۳۰۸ مصنفات والا جاہ میں الوشی المرقوم۔۔۔۔۔۔(ابجد العلوم کا پہلا حصہ)

۲۱۔ ص ۳۰۹ مصنفات والا جاہ میں ضالۃ الناشد الغریب من بشری الکئیب (المسمی بتانیس الغریب)

۲۲۔ ص ۳۱۱ مصنفات والا جاہ میں اضافہ: فن: تاریخ، زبان: فارسی تاریخ قنوج (قلمی)

۲۳۔ ص ۳۲۹ بشیر الدین محدث: متوفی ۱۲۷۳ھ تعلیق: ۱۲۹۶ھ

۲۴۔ ص ۳۳۴ شاہ محمد فاخر زائر: وفات ۱۱۶۴ھ، اس پر سوالیہ نشان لگا ہے۔

۲۵۔ ص ۳۵۱ سید نذیر الدین احمد جعفری ہاشمی ''درسیات کا اکثر حصہ شیخ عبدالحق ممدوح۔۔۔۔۔''۔

تعلیق: ناظرین غور فرمالیں کہ شیخ عبدالحق کی وفات کا سن ۱۲۸۶ھ ہے اور صاحب ترجمہ کی ولادت ۱۲۸۴ھ میں ہوئی، کیا کوئی شخص دو سال کی عمر میں کسی کا شاگرد اور وہ بھی درسیات کا اکثر حصہ کسی کے ہاں پڑھ سکتا ہے، نہیں ہرگز نہیں۔ عالیاوی

۲۶۔ ص ۳۵۵ محمد سعید

تصانیف میں اضافہ: دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں: الجرح علی ابی حنیفہ، جواب الکلام المبین، جواب جامع الشواھد، جواب اوثق العری۔

۲۷۔ ص ۴۰۰ عبدالسلام مبارکپوری: آخری پیراگراف بہ سلسلہ اولاد۔ تعلیق: بڑے لڑکے مولانا حافظ عبدالعزیز تھے۔

۲۸۔ ص ۴۱۰ حکیم محمد بشیر بن عبدالمجید: وفات یکم صفر ۱۳۸۸ھ = ۳۰ مئی ۱۹۶۸ء

۲۹۔ ص ۴۱۴ مئو مولانا فیض اللہ علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ)

تعلیق: یہ تاریخ وفات بالکل غلط ہے۔ صحیح ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ ہے جیسا کہ موصوف کے شاگرد رشید جناب مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی صاحب نے اپنی قلمی بیاض میں جو بیاض فیضی کے نام سے مشہور ہے نقل کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو معارف اکتوبر ۱۹۷۸ء ص ۳۰۷۔ بیاض میں ایک مصرعہ کے اندر مادہ تاریخ وفات ہے۔ ''محدث متقی صدیق'' ۱۳۰۶ھ عقل احمد اعظمی

۳۰۔ ص ۴۱۷ محمد فیض اللہ

تعلیق: صحیح تاریخ وفات ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ ہے۔ بیاض فیضی قلمی و معارف اکتوبر ۱۹۷۸ء نیز سفرنامہ حج ملاحظہ کیجئے۔

''محدث متقی صدیق'' ۱۳۰۶ھ یہ مادہ تاریخ وفات ہے جس کے عدد ۱۳۰۶ھ ہوتے ہیں۔ عقیل احمد اعظمی۔

۳۱۔ ص ۴۲۰ سلیم اللہ متوفی ۱۹۰۶ء تعلیق: ۱۹۱۶ء

۳۲۔ ص ۴۲۹ احمد بن ملا حسام الدین ص ۴۲۹ آخری سطر میں ''میاں عطاء الرحمن ابھی کم سن ہیں''۔
تعلیق: میاں عطاء الرحمن کی جگہ عزیز الرحمن درج ہے۔

۳۳۔ ص ۴۳۰ سلیمان بن داؤد مدرسہ بونڈیہار، ضلع بستی۔ تعلیق: ضلع گونڈہ

۳۴۔ ص ۴۳۰ ابوالفیاض نور محمد بن محمد بن اسماعیل۔ سن ولادت (تقریباً ۱۳۷۳ھ) تعلیق: ۱۲۷۳ھ۔

۳۵۔ ص ۴۳۲ عبداللہ (شائق)۔۔۔۔ یہ فراغ کلی ۱۳۳۱ھ میں ہوا۔ اس پر سوالیہ نشان لگا ہے۔

۳۶۔ ص ۴۳۵ ابوالنعمان عبدالرحمن آزاد متوفی محرم ۱۳۵۷ھ

۳۷۔ ص ۴۳۸ عبدالجبار بن حاجی سعیدالدین ولادت ۱۳۲۹ھ

۳۸۔ ص ۴۳۹ محمد بن عبدالرحیم۔۔۔۔ ولادت ۱۳۱۱ھ

۳۹۔ ص ۴۴۲ محمد نعمت اللہ بن حافظ نور محمد ولادت ۱۳۱۷ھ

۴۰۔ ص ۴۵۲ حافظ عبدالرحمن بقا۔ تعلیق: بقا نہیں بلکہ وفا صحیح ہے۔

۴۱۔ ص ۴۶۷ عبدالغفور متوفی ۱۵/مئی ۱۹۷۹ء

۴۲۔ ص ۴۶۸ عبدالصمد بن سلطان متوفی ۱۹۳۸ء

۴۳۔ ص ۴۶۸ عبدالرحیم بن کرم اللہ سکونت و مولد موضع گلریہہ ہے۔ تعلیق: دوسرا نام حسن پور

۴۴۔ ص ۴۷۰ عبدالسلام (بن یادعلی) ۶/فروری ۱۹۷۴ء

۴۵۔ ص ۴۷۱ حکیم عبدالحق بن عبدالوہاب ولادت ۱۹۱۶ء، وفات ۱۴/اکتوبر ۱۹۷۶ء

۴۶۔ ص ۴۸۱ محمد یوسف شمس وفات ۱۳۵۷ھ

۴۷۔ ص ۴۸۷ علمائے رام پور (مرحومین) اضافہ: حاجی محمد سعید تلمیذ شاہ ولی اللہ

۴۸۔ ص ۵۰۱ ملانواب ص ۵۰۱ کے آخری پیراگراف کا حوالہ، تذکرہ کاملان رام پور، ص: ۴۲۲۔ ۴۲۴۔

۴۹۔ ص ۵۰۲ سید مفتی بشیرالدین شافعی مذہب تھے۔ تذکرہ کاملان رام پور ص ۸۳

۵۰۔ ص ۵۰۳ جعفر علی خاں ابن مولوی اکبر علی خاں مولوی اکبر علی عامل بالحدیث تھے۔ ٹانڈہ میں ان کی وجہ سے اہل حدیث اور نمازی پیدا ہوئے۔ لوگ ان کو وہابی کہتے تھے۔ تفصیل دیکھئے: تذکرہ کاملان رام پور، ص ۴۹ تا ۵۱۔ نیپالی۔

(محدث بنارس جولائی ۲۰۱۶ء)

□□□

باب سوم

یادرفتگاں

علاقہ کچھ کا ایک مرد مجاہد۔مولانا عبدالرحیم پچھمیؒ

متوا میر خاں پیر خاں (امیر الحسن ندوی) بھج کچھ

قبل اس کے کہ کچھ کے مرد مجاہد حضرت مولانا عبدالرحیم پچھمی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کچھ عرض کروں۔ضلع کچھ (گجرات) کا مختصر تعارف کرادوں۔

علاقہ کچھ ہندوستان کا ایک سرحدی علاقہ ہے۔جس کے مغربی کنارے پر بحیرہ عرب موجیں مار رہا ہے۔اور شمال میں رن آف کچھ ایک دلدلی لق ودق میدان ہے جو ہندو پاک کے درمیان حد فاصل ہے۔بقیہ مشرقی وجنوبی اطراف میں گجرات ہے۔گجرات کے اس علاقہ کچھ میں دو علاقہ ہیں جو بنی اور پچھم کہلاتے ہیں۔یہاں نوے فیصد مسلمان آباد ہیں۔ان دونوں علاقوں کا تہذیبی اور لسانی تعلق (عرب وسندھ) سے ہے۔یہاں کی مادری زبان سندھی ہے۔رسم ورواج سندھی وعربی بدویانہ ہیں اور یہاں جو قبائل وبرادریاں آباد ہیں وہ بھی مختلف نوع کی ہیں۔ان میں سے کچھ برادریاں توان خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں جنہوں نے عرصہ دراز تک (سندھ) پر حکمرانی کی ہے۔جیسے سومرا، سمان، نمٹرے (ارباب) اور عرب برادریاں وغیرہ اور کچھ خاندان ان عربی وایرانی وافغانی مسلم قبائل کی باقیات ہیں۔جو سندھ وہند پر حملہ آور ہوئے۔یا اپنے دوسرے حملہ آور ساتھیوں کے ہمراہ یہاں آئے۔اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔جیسے سید، قریشی، فاروقی، شیخ، پٹھان، مغل، متوا، ..... بلوچ وغیرہ ان کے علاوہ کثیر تعداد میں اور قومیں بھی ہیں۔جو بہ تحقیق مصنف (پریچنگ آف اسلام) سب نومسلم خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

یہ مختصر تعارف ہے اس علاقہ کا جہاں آج کثیر تعداد میں موحد کفر وشرک سے پاک مسلم آبادی موجود ہے۔یہ دینی دعوتی فیض وبرکت حضرت مولانا عبدالرحیم پچھمی رحمہ اللہ علیہ کی وجہ سے ہے۔

مولانا کی پیدائش اور آپ کا خاندان: مولانا ۱۳۰۷ھ میں بمقام لڑیا، متصل کھاوڑ نوئرے (ارباب) برادری میں پیدا ہوئے۔ ماہ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔آپ کے والد بزرگوار کا نام مولوی عبدالعزیز تھا۔موصوف علوم اسلامیہ عربی فارسی کے بہت بڑے عالم اور قاضی وقت اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔مولانا کے دادا مولوی عبداللطیف عربی فارسی کے جید عالم اور نہایت متقی اور پرہیزگار اور سخاوت وخیر خیرات میں حاتم وقت تھے۔موصوف ایک ذاتی یتیم خانہ چلاتے تھے۔جس میں نادار اور لاوارث بچوں کے لئے تعلیم وتعلم کا انتظام ودیگر ضروریات زندگی کی سہولیات تھیں۔تدریسی خدمت مولانا بذات خود انجام دیتے تھے۔اور دار الیتامیٰ کے قیام وطعام کا خرچ اپنی ذاتی جائداد سے پورا فرماتے تھے۔حضرت مولانا عبدالرحیم علم نواز، اہل خیر اور معزز ترین خاندان کے چشم وچراغ تھے۔اس خاندانی اثر کی بدولت مولانا نے مستقبل میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تاریخ کچھ وسندھ کے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔

تحصیل علم: مولانا کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے شہر جام نگر میں ایک پٹھان مولانا عبدالہادی نامی بزرگ کے یہاں گئے اور کچھ عرصہ وہاں پڑھتے رہے۔ پھر وہاں سے طلب علم کی خاطر ہندوستان کے بڑے بڑے مدارس اسلامیہ کی تلاش میں نکل پڑے۔ پہلے ممبئی پہنچے وہاں مولانا کو ان کے ایک پڑوسی سومرہ درس میاں محمد بن عبدالستار ملے۔ انہوں نے مولانا کو گھر لوٹنے کے لئے کہا۔ مگر مولانا گھر لوٹنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ میاں محمد صاحب نے مولانا کو خالی ہاتھ دیکھا تو چھ روپئے دے کر رخصت کیا۔ اس وقت مولانا کی عمر ۱۳ برس کی تھی۔ مگر اس کم عمری میں بھی مولانا کو تحصیل علم کی اتنی تشنگی تھی یہ بغیر کسی تیاری و زادراہ کے وہی چھ روپئے لے کر سفر میں نکل پڑے۔ مولانا ممبئی سے مصائب سفر برداشت کرتے ہوئے کانپور پہنچے اور مدرسہ فیض عام میں داخلہ لیا۔ اس زمانہ میں مدرسہ فیض عام کے صدر مدرس مولانا احمد حسن کانپوریؒ تھے۔ جو بہت ہی مشہور و معروف باصلاحیت بزرگ تھے۔ موصوف کی تربیت میں رہ کر مولانا نے پورے مدرسہ فیض عام میں اپنی صلاحیت کا سکہ جما دیا۔ مولانا کی ذہانت و ذکاوت سے اراکین مدرسہ وطلباء بہت زیادہ متاثر تھے۔ اور سب لوگ مولانا کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے مدرسہ فیض عام کے بعد مولانا بہار گئے اور وہاں شہر گیا کے ایک مدرسہ میں داخلہ لے لیا۔ اس مدرسہ کے اور حالات نہیں معلوم ہو سکے۔ البتہ ایک واقعہ مولانا کی زبانی سننے میں آیا تھا کہ اس مدرسہ کے طلباء اور اساتذہ نے ایک موضوع منتخب کر کے اس پر ایک سینئر طالب علم کو تیاری کے لئے کہا، پھر مولانا کو بغیر کسی تیاری کے بحث کرنے کے لئے کہا۔ مولانا نے مباحثہ میں حصہ لیا۔ ان لوگوں نے سوچا کہ مولانا کی ہار ہوگی مگر اللہ کے فضل سے مولانا کی جیت ہوئی جسے دیکھ کر تمام اہل مدرسہ و طلباء انگشت بدنداں رہ گئے اور ہمیشہ کے لئے مولانا کا لوہا مان لیا۔ شہر گیا کے مدرسہ سے مولانا نے سات سالہ نصاب مکمل کر کے گھر لوٹنے کا ارادہ کیا تو والدین کو خط لکھا کہ میں گھر آ رہا ہوں مگر قبل اس کے کہ میں سفر شروع کروں۔ میرے پاس ایک جوڑا کپڑا اور پاپوش بھجوا دیں۔ کیونکہ مولانا تحصیل علم کے لئے وطن سے بے سروسامانی کی حالت میں نکل پڑے تھے۔ وطن لوٹتے وقت سوچا کہ ایک رئیس خاندان کا فرزند ہونے کی وجہ سے کسمپرسی اور غربت کی حالت میں وطن جانا ٹھیک نہیں ہے۔ خط ملتے ہی مولانا کے گھر والوں نے حسب فرمائش چیزیں ارسال کر دیں۔ مگر قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ تمام چیزیں واپس گھر آ گئیں اور پارسل مولانا کو نہیں ملا۔ پارسل واپس آنے پر مولانا کے گھر والوں کو سخت پریشانی ہوئی اور ادھر ادھر تگ و دو کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ مولانا نے چند روز انتظار کے بعد وطن کی طرف سفر شروع کر دیا۔ راستہ بھر بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر اس مرد مجاہد نے ہمت نہیں ہاری۔ فرماتے ہیں کہ گجرات میں ایک مرتبہ ریل کا ٹکٹ حاصل کر رہا تھا کہ ٹکٹ بابو نے میرا ایک روپیہ جعلی قرار دے دیا۔ میرے پاس اور رقم تھی ہی نہیں جو ٹکٹ کے لئے دے سکوں۔ میں مایوس و پریشانی کے عالم میں ریلوے اسٹیشن پر ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ریباری (خانہ بدوش) نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیوں صاحبزادے کیا بات ہے ایسے پریشان کیوں بیٹھے ہو۔ جب میں نے اس کو پوری حقیقت سنائی تو اس ریباری نے کہا کہ اچھا تم اس پچھم کے ہو جس کے جام جی ہیں۔ میں نے کہا ہاں! میں اسی علاقہ کا ہوں تب ریباری نے کہا کہ میں اس علاقہ میں گیا ہوں۔ اور جام جی کو جانتا ہوں۔ تو یہ صحیح نوٹ لو جو تمہارا جعلی نوٹ ہے وہ مجھے دے دو۔ مولانا اس ریباری کا ہمیشہ ذکر فرماتے تھے کہ اس بیچارے نے غیر مسلم ہو کر بھی میرے اوپر احسان کیا اور مصیبت میں کام آیا

جس کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

قریب دس سال کے بعد مولانا فراغت حاصل کر کے وطن واپس آئے تھے۔ جس کے سبب مولانا کو پہلی ملاقات میں والدین بھی بمشکل پہچان سکے۔ مولانا اس وقت بے ساختہ اردو بولتے تھے اور مادری زبان بولنے میں انہیں اس وقت مشکل پیش آتی تھی۔

تھوڑا عرصہ مولانا نے اپنے وطن کچھ میں گزارا۔ اسی دوران والدین نے مولانا کی شادی مولانا ہی کے خاندان میں کر دی مولانا کی علمی تشنگی اب بھی بجھی نہ تھی۔ جس کے سبب مولانا چند روز گھر پر رہ کر پھر دارالعلوم دیوبند روانہ ہو گئے۔ اور وہاں جا کر داخلہ لے لیا۔ اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرسین حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی تھے مولانا نے وہاں درس حدیث لیا اور مخصوص طور پر ان کی خدمت میں رہے۔ اور نو مہینہ تک اکتساب فیض کیا پھر کچھ گھریلو مجبوریوں کی بنا پر وہ کچھ واپس لوٹ آئے۔ دیوبند سے لوٹ آنے کے بعد مولانا کا طالب علمی کا دور ختم ہو گیا۔ پھر مولانا مستقل گھر پر رہنے لگے۔ اور کتب اسلامیہ کے گہرے مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔

مولانا کو صدمہ: مولانا کو اللہ نے پہلی اولاد عطا فرمائی وہ نرینہ تھی مولانا کو اپنے اس فرزند سے بے حد محبت و انس تھا۔ قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک سال سات مہینہ میں اس بچہ کا انتقال ہو گیا۔ مولانا کو اس بچہ کی مفارقت کا بے حد صدمہ ہوا۔ غم غلط کرنے کے لئے کچھ کھجوریں اور پانی لے کر آپ پہاڑی کھنڈرات اور جنگلات کی طرف چل دیئے۔ وہاں پہاڑ پر ایک سمری نام کی جگہ ہے جہاں چھوٹا سا پانی کا چشمہ بھی ہے۔ وہاں جا کر ریاضت الٰہی اور مطالعہ کلام الٰہی میں مشغول ہو گئے تین روز تک صرف کھجور اور پانی پر روزہ رکھتے اور افطار کرتے رہے۔ تلاوت کے لئے کتاب اللہ ساتھ تھی۔ اس کی عمیق گہرائیوں میں اس پہاڑ کی تنہائی میں غوطہ زن رہے بتایا جاتا ہے کہ اس تین روزہ ریاض کے دوران اللہ تعالیٰ نے مولانا کو شرح صدر فرمایا مولانا پر قرآن کے رموز و اسرار واضح ہو گئے۔ مولانا کے سامنے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ ہمارا علاقہ اور پورا قبیلہ جو اس پیری مریدی کے چکر میں پھنسا ہوا ہے یہ سراسر شریعت محمدی اور قرآنی تعلیمات کے منافی ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ مولانا اس پہاڑی کی بلندی سے نیچے آئے۔ اور بستی کی طرف چلے دیئے۔ درمیان میں شہر کھاوڑہ پڑتا ہے وہاں کھتری میاں احمد کی دکان پر آئے۔ دکان پر کتاب ''تقویۃ الایمان'' مولانا کی نظر سے گزری۔ مولانا نے کتاب تقویۃ الایمان کی ورق گردانی کرتے ہی فرمایا الحمدللہ ایک تو گواہ مل گیا۔ مولانا نے گھر پہنچتے ہی اپنے بزرگوار سے کہا کہ ابا جان یہ جو ہم نے پیری مریدی کا جال بچھا رکھا ہے اور عبد و معبود کے درمیان جو فاصلہ کھڑا کر رکھا ہے یہ کتاب اور سنت رسول اللہ کی رو سے کہاں تک درست ہے۔ دیکھئے قرآن شریف کیا کہتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں اور یہ کتاب شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان میں کیا لکھا ہے۔ مولانا کی تقریر ان کے والد بزرگوار بہت دیر تک سنتے رہے اور دیر تک مولانا کا چہرہ تکتے رہے۔ پھر کہا کہ بیٹے یہ سب کچھ اپنی جگہ پر ٹھیک ہے مگر تم اس چکر میں نہ پڑو۔ ورنہ دکھی ہو جاؤ گے۔ والد بزرگوار کے اس جواب پر مولانا بہت ہی پر جوش اور جذباتی آواز میں بولے۔ ابا جان سن لیجئے میں حق بات کہہ کر رہوں گا۔ چاہے مجھے عظیم سے عظیم تر قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

میں ان پیروں اور مرشدوں کے خلاف علم بغاوت بلند کروں گا۔ چاہے مجھے وطن مالوف کیوں نہ چھوڑنا پڑے مولانا کے خیالات گھر سے قبیلہ اور قبیلہ سے پورے علاقہ میں جب پھیل گئے تو مولانا کی سخت مخالفتیں شروع ہو گئیں۔ اور پورا قبیلہ و علاقہ مولانا کا دشمن

ہوگیا۔مگر یہ مردمجاہدتن تنہا شرک وبدعت کے خلاف جہاد کے لئے کھڑا ہوگیا۔اور ہر جگہ کفروشرک کے موضوع پر مباحثے ومناظرے شروع ہوگئے۔

پہلا مناظرہ: مولانا نے ہر جگہ کتاب وسنت کی دعوت بہت ہی جوش وولولہ کے ساتھ شروع کیا۔شرک وبدعت کے بادل دھیرے دھیرے چھٹنے لگے اور مولانا کی دعوت حق کو لوگوں نے رفتہ رفتہ قبول کرنا شروع کیا مگر طاغوتی طاقتیں اور حق وصداقت کے مخالفین بھی چپ رہنے والے نہ تھے وہ پیرومرشد جنہوں نے عوام الناس کی بدعات وخرافات میں غرق کرر کھا تھا۔اور پوری طرح اپنے پنجہ میں کس رکھا تھا اور ہر طرف ان ہی کا سکہ چل رہا تھا وہ اتنی آسانی سے سپر انداز نہیں ہوسکتے تھے۔مولانا کی کتاب وسنت کی گونج سے سرحد کچھ وسندھ کے پیروں مرشدوں کی نیند حرام ہوچکی تھی۔سندھ میں تو ایک شور برپا ہو چکا تھا کہ کچھ میں ایک وہابی پیدا ہوا ہے جو ہمارے مریدوں کو گمراہ کررہا ہے یہ سب حالات جب پیدا ہوئے تب سندھ (پاکستان) کے پیر علی اکبر لونی اپنے جملہ جاہ وجلال کے ساتھ اپنے مریدوں اور رفیقوں کا ایک جتھا لے کر کچھ کی طرف نکل پڑے اور ہر جگہ یہ اعلان کروادیا کہ آج میں کچھ جارہا ہوں۔ اور فلاں تاریخ کو شہر کھاوڑا کچھ میں مناظرہ ہوگا۔تمام مریدین شہر کھاوڑا میں آئیں۔تاکہ وہ تماشہ دیکھ سکیں کہ میں کس طرح اس وہابی کا ہمیشہ کے لئے ناطقہ بند کرتا ہوں۔لوگ جوق در جوق شہرہ کھاوڑا میں مقررہ تاریخ پر جمع ہوگئے۔پیر صاحب کے مریدوں کے جم غفیر کے ساتھ اطراف کے علماء وفقہاء بھی جمع ہوگئے تھے۔ان علماء نے فریقین کے مشورے سے ایک تحریر تیار کی جس میں بحث کا موضوع علم غیب متعین کیا اور تحریر میں لکھا کہ فریقین میں سے جس فریق کے کتاب وسنت کی رو سے دلائل بھاری اور قوی ہوں گے اس فریق کی جیت اور ہارنے والے کو اس تحریر پر لکھنا ہوگا کہ ہم ہار گئے۔ہمارے دلائل کمزور ہیں اور ہم یہ دستخط کئے دیتے ہیں۔

ان تحریری شکنجوں اور علماء وامراء کی نگرانی میں کھلے عام مناظرہ شروع ہوا۔اولاً پیر صاحب نے گفتگو شروع کی۔پیر صاحب نے بس وہی منطقی صغریٰ وکبریٰ کا سلسلہ شروع کردیا۔جب پیر صاحب خاموش ہوئے اس کے بعد مولانا گرجتی ہوئی آواز میں پہلے سامعین سے مخاطب ہوئے اور فرمایا پیر صاحب نے جو کچھ فرمایا کیا آپ لوگوں کو اس سے کچھ پلے پڑا (مجمع میں بالکل سکوت وسناٹا) پھر فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ عوام الناس کو تو کچھ بھی پلے نہیں پڑا ہے اور علماء وفضلاء مزید تذبذب میں پڑ گئے ہیں۔پھر مولانا تھوڑی دیر خاموش کھڑے رہے اور پورے مجمع کا جائزہ لیا۔اور لحن داؤدی میں سورہ انعام کی یہ آیت تلاوت فرمائی {وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلاَّ يَعْلَمُهَا وَلاَ حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الأَرْضِ وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ يَابِسٍ إِلاَّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ} (سورہ انعام، ۵۹) بس پورے مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا اور ہر شخص غیر شعوری طور پر جھوم رہا تھا کیونکہ مولانا بہت خوش گلو تھے۔جب تلاوت فرماتے تو مجمع پر ایک خاص کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔مولانا نے اس آیت شریفہ کا مطلب بیان کیا۔علماء فقہاء نے اس سے بڑھ کر اور کسی دلیل کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی اور عوام الناس کو قرآن شریف کی آیات شریفہ کے سیدھے سادھے ترجمہ ومطلب نے اتنا سمجھا دیا کہ ان کو بالکل یقین ہوگیا کہ علم غیب کی تمام کنجیاں اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہیں، یہ سچی حقیقت کھل کر ان کے سامنے آگئی۔تو مجمع میں ایک شوروغوغا سا پیدا ہوگیا۔پھر پیر صاحب کھڑے ہوگئے۔پیر صاحب نے

بہت کوشش کی مگر مجمع پر وہ کنٹرول نہ کر سکے۔ آخر میں پیر صاحب سے تحریر پر دستخط کرا لئے۔ اس وقت تو اتنی نازک صورت پیدا ہوگئی کہ اندیشہ تھا کہیں فساد نہ ہو جائے۔ مگر شہر کے امراء اور پولیس نے حالات پر قابو پا لیا اور بمشکل پیر صاحب کو اپنے وطن سندھ روانہ کیا۔

دوسرا مناظرہ: ملتان پنجاب کے مخدوم عارف شاہ نام کے ایک پیر صاحب تھے جو اپنے مریدوں کے علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے سندھ تا تھر پار ہوتے ہوئے کچھ میں بمقام ڈوموڈابنی اپنے مریدوں کے یہاں آئے۔ انہوں نے بھی مریدوں کی خواہش پر مولانا سے مناظرہ غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ کے موضوع پر کیا مگر پیر صاحب کو شکست ہوئی اور پیر صاحب نے آئندہ کبھی کچھ کی طرف رخ نہیں کیا۔

تیسرا مناظرہ: یہ مناظرہ کچھ میں بمقام ستھری دیوبندی اور بریلوی حضرات کے درمیان علم غیب کے موضوع پر ہوا تھا۔ بریلوی نے اپنی اعانت کے لئے مولوی عبدالکریم کو بلایا اور دیوبندیوں نے کھاوڑا سے مولانا کو بلایا فریقین کے درمیان جج کی حیثیت سے خان بہادر عبدالرشید خاں سابق پولیس کمشنر اسٹیٹ کچھ بھوج کو رکھا گیا تھا۔ ستھری میں بھی مولانا نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسے دلائل و براہین پیش کئے کہ مخالف فریق کی زبان گنگ ہوگئی۔ مولانا کی اس سچائی وصداقت کو دیکھ کر خان بہادر جو درمیان میں جج تھے مولانا سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہمیشہ کے لئے مولانا کے معتقد ومحب بن گئے اور تادم زندگی ساتھ دیتے رہے۔

چوتھا مناظرہ: یہ مناظرہ سندھ میں بمقام گوپانگ ۱۹۸۸ء میں غلام علی گوپانگ اوران کے رفقاء سے ہوا تھا۔ اس موقع پر سندھ پاکستان کے رئیس البحر یہ اوران کے قبیلہ نے مولانا کے لئے جانی ومالی بہت تعاون کیا۔ اور قدم بقدم مولانا کا ساتھ دیتے رہے کیونکہ مقامی لوگوں کے کچھ ارادے بدلے ہوئے تھے ان لوگوں نے سوچ رکھا تھا کہ کسی طرح فساد کر کے مولانا کی بے عزتی کروائی جائے مولانا نے جب یہ خراب پوزیشن دیکھی تب قصبہ پیر جھنڈا ضلع نواب شاہ اپنے رفیق پیر احسان اللہ شاہ کے یہاں چلدیئے وہاں جا کر پیر صاحب سے مشورہ کیا اور طے فرمایا کہ پہلے تو مولوی محمد اسماعیل پتانی کو دفتر جمعیۃ اہل حدیث بھیجا جائے تا کہ وہ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ سے پورے حالات ذکر کریں مولوی صاحب دفتر جمعیۃ اہل حدیث گئے اور پورے احوال شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری سے ذکر کئے۔ شیخ الاسلام نے پوری حقیقت سن کر اور زیر بحث مسائل پر غور کر کے فرمایا کہ میرے چلنے کی تو ضرورت نہیں بقیہ ان مسائل کے لئے جمعیۃ اہل حدیث کے مبلغ سید عبدالرحیم شاہ کافی ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ چلیں گے شیخ الاسلام نے شاہ صاحب کے لئے حکم فرمایا۔ شاہ صاحب مولوی صاحب کے ساتھ تیار ہو گئے اور مناظرہ میں شرکت فرمائی مناظرہ کا نتیجہ وہی نکلا کہ مولانا کی جیت ہوئی اور مخالف فریق میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شیخ الاسلام امرتسریؒ سے متاثر تھے۔ اس طرح مولانا نے کئی مناظرے ومباحثے شرک وبدعت کے خلاف فرمائے۔ مگران سب مناظروں ومباحثوں میں مصنوعی حج لونہاری کے خلاف ستیہ گرہ اور ڈونج کا مناظرہ دو واقعوں کو مولانا اور مولانا کے رفقاء کی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے:

(۱) ۱۹۳۸ء میں سندھ میں بمقام لونہاری ایک پیر صاحب نے مصنوعی حج کا اعلان کر دیا تھا جس کے سبب پورے سندھ وسرحد کچھ میں ایک ہلچل مچ گئی تھی مولوی خیر محمد نظامانی اور حاجی محمد ملاح نے اس مصنوعی حج کے خلاف ایک ستیہ گرہ کی تجویز پاس کی۔ تعاون

کے لئے مولانا کو اطلاع دی۔ مولانا اپنے ساٹھ رفقاء کے ہمراہ سندھ آپہنچے۔ اور مصنوعی حج کے خلاف ولولہ انگیز تقریریں شروع کردیں۔ یہ وہ ولولہ انگیز بیانات تھے کہ تھوڑی دیر میں رضا کاروں کے پہرے لگ گئے اور چند ہی دنوں میں مجاہدین ملت ونو جوانان اسلام سے صوبہ سندھ کی جیل کی کوٹھریاں بھر گئیں۔ بلکہ مکان تک ٹھس گئے اور چہار سو اللہ اکبر کے نعرے گونجنے لگے۔ آخر اسٹیٹ گورنمنٹ سندھ کو مجبوراً اس نزاع میں مداخلت کرنی پڑی اور بہت جلد ہی اس مصنوعی حج کو غیر قانونی اور ناجائز ٹھہرا کر بند کروادیا اس عدالتی مقدمہ کی پوری کتاب مصنوعی حج لونہاری میں ہے جو سندھی زبان میں ہے۔ اس کتاب کے ضمیمہ کے مطالعہ سے (جو سندھی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ہے) پوری تفصیل معلوم ہوسکتی ہے۔ اس مقدمہ میں ممبر اسمبلی سر غلام حسین نے بہت اہم رول ادا کیا تھا۔ آپ ہی نے فتح لونہاری کی خبر فوراً تار کے ذریعے ولی حجاج شاہ ابن سعود کو دی۔ شاہ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور شاہی خزانہ سے بانی ستیہ گرہ لونہاری کو ایک مخصوص شاہی جبہ سے نوازا۔ جو حضرت مولانا عبدالرحیم مرحوم پچھمیؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ وہ شاہی جبہ آج بھی حضرت مولانا کے نواسے مولانا ابوبکر شکراوی کے یہاں موجود ہے۔

(۲) ڈونجھ کا مناظرہ تعلقہ مٹھی ضلع تھرپارکر مولوی محمد علی جونیجو کے خلاف ہوا تھا۔ فریقین میں کش مکش کے بعد طے پایا کہ دونوں فریقین اپنے اپنے علماء کو بلائیں اہل حدیثوں نے مولانا عبدالرحیمؒ مولوی محمد عمر جونیجو ڈیپلائی، عبدالعزیز عرب صاحب کو بلایا اور مخالف گروپ نے پیر غلام مجدد شکارپوری مولوی ملا کاتیار اسٹیٹ مولوی عبدالغفور کزی کو بلایا۔ اور مناظرہ کی تاریخیں ۱۴، ۱۵، ۱۶ / ۳ / ۱۹۴۳ء قرار پائیں۔ اور تین عنوان بحث کے لئے متعین ہوئے۔ (۱) حیات النبی (۲) تقلید (۳) استعانت۔ اس مناظرے نے پورے سندھ کی کایا پلٹ کر رکھ دی اس کے بعد پھر کسی مخالف نے سر تک نہیں اٹھایا۔ اس مباحثے کا پورا حال سندھی زبان میں ایک رسالہ کی شکل بنام ''اظہار الحق'' شائع ہو چکا ہے۔ جو پڑھنے والوں کو آج بھی نور ہدایت سے منور کرتا ہے۔

حضرت مولانا کے رفقاء و شاگرد: مولانا کو درس و تدریس کا بہت کم وقت ملا فراغت کے بعد عمر کا بیشتر حصہ دعوت و تبلیغ کی راہ میں گزارا، سرحد کچھ وسندھ کے مختلف علاقوں میں جاجا کر شرک و بدعت کے قلعوں اور کمین گاہوں کی بیخ کنی فرمائی مولانا کی اس دینی مخلصانہ پیغمبرانہ جدوجہد سے اللہ تعالیٰ نے مولانا کی معاونت کے لئے کچھ وسندھ میں ایک ایسا پاکیزہ مخلص گروہ پیدا کردیا جس نے ہر دم ہر حیثیت سے مولانا کا تعاون کیا۔ اور اپنی پوری توانائیوں کو مولانا کے اس دینی مشن کے لئے وقف کردیا سندھ پاکستان میں مولوی خیر محمد نظامانی نے اپنا ماہانہ رسالہ مولانا کی تقاریر وروئداد شائع کرنے کے لئے وقف کردیا جو مستقل مولانا ہی کے دعوتی مشن کو شائع کرتا رہا۔ اسی طرح سندھ پاکستان میں مولانا کے رفیق خاص، عزیز دوست مولانا حاجی احمد ملاح مرحوم نے اپنے ولولہ انگیز پر جوش موحدانہ سندھی شاعری سے سندھ وسرحد و کچھ میں کتاب وسنت کا صور پھونک دیا تھا۔ ہر بچے بوڑھے جوان مرد عورت کی زبان سے سندھی شاعری میں کتاب وسنت کے ترانے گونجنے لگے۔ ملاح کی کتابیں ہکڑائی حق، گلشن احمد، گلزار احمد، غزلیات احمد، فتح حج لونہاری وغیرہ یہ وہ روشن مینار اور کتاب وسنت کے جیتے جاگتے چراغ ہیں جن کو آج تک سرحد کچھ وسندھ میں بڑی عقیدت و چاہ سے پڑھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہزار ہا لوگوں نے ملاح کی اس موحدانہ و پرجلال خطیبانہ شاعری ہی سے راہ مستقیم کو پایا ملاح کی شاعری کی یہ خاص

خوبی ہے کہ وہ وعظ ونصیحت کرتے ہوئے مخاطب کی کمزوری پر طنزیہ انداز میں ایسے تیرونشتر برساتے ہیں کہ مخالف کو اپنی غلطی کا شدید احساس ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی غلطی سے نادم ہوکر راہ مستقیم کا متلاشی ہوجاتا ہے اس کے علاوہ ملاح کا عظیم کارنامہ سندھی زبان کے لئے کتاب اللہ کا منظوم سندھی زبان میں ترجمہ ہے ملاح نے سندھی زبان پر وہ جلیل ومؤقر احسان کیا ہے، جس کو سندھ کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی اور ملاح کی یہ عظمت تاریخ سندھ میں ہمیشہ امر رہے گی۔

اس طرح ہندوستان میں کھاوڑا اچھّم خطہ میں صاحب سمان سلیمان سمان منٹھار میگھراج نوہڑے حاجی سلیمان نوہڑے کھتری مولوی محمد طیب وغیرہ جیسے رئیس القوم مولانا کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے جنھوں نے تبلیغ کے میدان سے لے کر عدالت و کچہریوں تک مولانا کا ساتھ دیا۔ مذکورہ شخصیتوں میں سے مولوی محمد طیب صاحب کی شخصیت جو مولانا کے خاص شاگرد رشید تھے۔ بہت بلند تھی۔ حضرت مولانا کے انتقال کے بعد کھتری صاحب اپنے علاقہ پچھّم کھاوڑا کے امام وقاضی تھے۔ سیاست وقانون میں آپ کا شمار اہل الرائے میں ہوتا تھا۔ تقوی و پرہیزگاری میں اپنے وقت کے ولی اور خدارسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کے سلسلہ میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ شہر کھاوڑا کی کچھ غیر مسلم دوشیزائیں شام جنگل کی طرف رفع حاجت کے لئے نکلی ہوئی تھیں چلتے چلتے اس جھرمٹ میں سے کسی نے کہا کہ ارے کوئی آدمی آرہا ہے۔ یہ سنتے ہی سب سہم گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد انہیں میں سے کسی نے بہت ہی بھولے اور معصوم انداز میں کہا، اری وہ تو مولوی محمد طیب کھتری ہیں یعنی ان کو آپ کا تقویٰ و پرہیزگاری کا اتنا بھروسہ ویقین تھا کہ اپنے بھولے پن وسادگی سے غیر شعوری طور پر مولوی صاحب کو اس موجودہ دور کی درندہ صفت انسانیت سے خارج کردیا۔ یہ مولوی صاحب کے تقویٰ و پرہیزگاری کا معمولی سا کردار تھا۔ جس نے غیر مسلموں کے دل میں بھی اتنا اونچا مقام پیدا کردیا تھا۔ بنی علاقہ میں متوا حافظ مصری راقم الحروف کے نانا تھے۔ جو مرد مجاہد مولانا کی آواز پر لبیک کہہ کر کھڑے ہوگئے تھے حافظ صاحب اپنے علاقہ کے رئیس اور بااثر انسان تھے جن کا تقویٰ و پرہیزگاری مثالی تھی۔ علمی اعتبار سے اپنی قوم متوا کے قاضی ومفتی تھے۔ حافظہ تو اتنا بلا کا پایا تھا کہ جب بھی کسی موضوع پر گفتگو فرماتے تو معلوم ہوتا کہ تاریخ سیاسیات ودینی مسائل کا چشمہ بہہ رہا ہے۔ یہ مضمون جو لکھا گیا ہے یہ بھی حافظ صاحب کی دین ہے کہ انہوں نے سندھی زبان میں کچھ مواد مرتب کر رکھا تھا جس کی روشنی میں یہ پورا مضمون مرتب ہوا ہے۔ اس وقت بھی کئی ایسے لوگ حیات ہیں جنھوں نے مولانا سے اکتساب فیض کیا تھا۔ جو قوم وملت کے لئے ایک روشن بنیاد وقندیل کا کام دے رہے ہیں۔ مثلاً سوئیلہ پچھّم میں امیر جماعت اہل حدیث مولوی عبداللہ نوہڑے دنّارا پچھّم میں محترمہ ادب خاتون کریمہ بہن گھوریوالی بنی میں متوا حاجی دلیل خاں، اور متوا حافظ مولوی محمد قاسم صاحب شہر بھوج میں سیٹھ بچو مہر واور مولانا یوسف مہتہ وغیرہ یہ وہ ارکان وستون ہیں جن کو علاقہ کچھ میں جماعت اہل حدیث کے لئے محوری ومرکزی حیثیت حاصل ہے۔ بلکہ علاقہ کچھ میں جتنے سماجی سیاسی اور دینی کام چل رہے ہیں یہ سب ان بزرگوں ک مرہون منت ہیں اللہ ان بزرگوں کا سایہ ہماری قوم کے لئے دراز فرمائے۔ آمین۔

آئین جواں مرداں حق گوئی وبے باکی — اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی



(مجلہ اہل حدیث ہریانہ، اپریل ۲۰۱۷ء)

شیر گجرات محدث ہند علامہ عبدالجلیل سامرودی علیہ الرحمہ

مختصر داستان علم وعمل

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی (استاد جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی)

زیر نظر مضمون بتاریخ ۹ نومبر ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ سامرودی علیہ الرحمہ کی آبائی بستی سامرود میں ایک روزہ دعوتی دورے کے موقع پر علامہ کے فاضل اور بزرگ پوتے مولانا ابوعمر علی احمد سراجی سے حاصل کردہ معلومات اور آپ کے شاگرد رشید مولانا شہاب الدین مجاہد سے کئے گئے بعض استفسارات نیز اپنی ذاتی کاوش کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔

نام ونسب: ابوعبدالکبیر محمد عبدالجلیل بن ابوالسعادات علی احمد علامہ مولانا محمد بن حافظ شیخ ہاشم بن شیخ محمد بن شیخ علی بن احمد بن علی السامرودی۔

آپ کا پیدائشی نام محمد علی تھا جسے آپ کے استاد مولانا عبدالوہاب صدری ملتانی نے تبدیل کر کے عبدالجلیل رکھ دیا اور بچپن سے آپ نے اسے اختیار کرلیا اور یہی نام آپ کا مشہور ومعروف ہوا۔ آپ کے دادا علامہ محمد بن ہاشم سامرودی شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔

تاریخ پیدائش: آپ کی پیدائش ۱۸۹۰ء کو آپ کے آبائی وطن ''سامرود'' نامی ایک بستی میں ہوئی جو ہندوستان کے صوبہ گجرات کے مشہور صنعتی شہر سورت سے تقریباً ۲۵ کلومیٹر دوری پر واقع ہے اسی گاؤں میں آپ پیدا ہوئے اور تعلیم کے بعد یہیں پر آپ نے مسجد قائم کی اور طلباء اور شائقین کو فیض پہنچایا، یہ بستی آپ کے علم اور عمل کی وجہ سے پوری دنیا میں اہل علم علماء اور طلبہ کی توجہ کا مرکز بن گئی، الحمدللہ شیخ کی میراث علم وعمل آج بھی آپ کے وارثین اور یہاں کے ساکنین اہل جماعت میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

ابتدائی تعلیم اور اساتذہ وشیوخ: (۱) آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم شیخ ابوالسعادات علی احمد سے گھر پر ہی حاصل کی اور انتہائی کم عمری میں۔ (۲) جب دہلی کے مسند پر میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کا غلغلہ حدیث سنا تو آپ کی خدمت میں حصول علم حدیث کے لئے ۱۹۰۱ء یعنی گیارہ سال کی عمر میں روانہ ہو گئے، آپ کی کم عمری اور صغرسنی کی وجہ سے میاں صاحب نے پہلے تو انکار شدید کیا لیکن جب آپ کے چہرے پر رنج وغم اور افسردگی کے آثار نمایاں دیکھے اور گجرات کے دور دراز علاقے سے آپ کا تعلق دیکھا تو آپ کو آپ کے ماموں ادیب الہند مولانا السورتی (جو اس وقت شیخ الکل کے یہاں زیر تعلیم تھے) کے ساتھ اپنے شاگرد خاص

مولانا عبدالوہاب صدری ملتانی کے پاس روانہ کردیا چنانچہ یہیں پر آپ نے داخلہ لیا اور پھر شیخ کے علمی فیوض وبرکات سے اپنے دل ودماغ کو منور کیا اور مسلسل دس سالوں تک شیخ کی خدمت میں رہ کر اپنا دامن مراد بھر لیا اور پھر وطن سامرود واپس لوٹ آئے۔

مولانا صدری کے پاس ابتدائی ایام تعلیم میں آپ کو بڑی دقتیں پیش آئیں سامرودی صاحب نے اپنی کتاب ازہرۃ ریاض الابرار کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ جب میں اپنے استاد صدری صاحب کے پاس تعلیم حاصل کررہا تھا آپ مجھے پڑھاتے اور کہتے عبدالجلیل پڑھ تو میں بھی وہی الفاظ دہراتا اور کہتا کہ عبدالجلیل پڑھ جو میرے استاد کہتے میں بھی وہی کہتا ایک دن تنگ آکر میرے استاد صدری صاحب نے خفا ہو کر کہا کہ عبدالجلیل تو صرف کھا پی کر یہاں موٹا بننے کے لئے آیا ہے استاد کی یہ بات مجھے اس وقت دل کو لگ گئی اور پھر اسی دن سے میں نے پڑھنے کا مکمل ارادہ کرلیا چنانچہ رب العالمین کی توفیق شامل حال رہی اور مسلسل دس سالوں تک آپ نے شیخ صدری کے پاس زانوئے تلمذتہ کیا اور پھر ایک جلیل القدر عالم محدث اور فاضل بن کر فارغ ہوئے۔

☆ **دہلی سے وطن واپسی اور حلقۂ درس وتدریس کا قیام:** ۱۹۱۰ء میں مولانا عبدالوہاب صدری سے میاں صاحب کے علوم وفنون میں مہارت حاصل کرکے جب وطن آئے تو وہیں درس وتدریس اور دعوت کا سلسلہ شروع کردیا آپ کے والد محترم مولانا علی احمد اور دادا مولانا محمد بن ہاشم سامرودی جو کہ میاں صاحب کے شاگردوں میں سے ہیں۔ سامرود میں ایک مکتبہ قائم کیا تھا آپ بھی اسی مکتبہ سے منسلک ہوگئے اور آباؤ اجداد کی علمی میراث کو زندہ کرتے ہوئے درس وتدریس سے منسلک ہوگئے چنانچہ آپ کے درس کی شہرت ہندو بیرون ہند تک پہونچ گئی اور طلباء اور شائقین علوم نبوت کا قافلہ یہاں علمی تشنگی بجھانے کے لئے وارد ہونے لگا رفتہ رفتہ آپ نے ۱۹۲۵ء میں یہاں ایک مسجد بھی قائم کردی اس مسجد کے پاس ایک کنواں تھا اسی کے قریب بیٹھ کر آپ فجر کی نماز کے بعد درس شروع کرتے درمیان میں ناشتہ کا وقفہ ہوتا اور پھر مسلسل ساڑھے گیارہ بجے تک پڑھاتے تھے اور پھر ظہر کی نماز ہوتی کھانا وغیرہ کھا کر قیلولہ کرتے عصر کی نماز کے بعد واپس درس شروع کرتے تھے رات کے اوقات میں لالٹین کی روشنی میں ہی درس دیا کرتے تھے دوران تدریس آپ اکثر اوقات اپنے مکتبہ ہی میں گزارتے تھے جس کا نام آپ نے مکتبہ محمدیہ جلیلیہ رکھا تھا، صرف کھانا کھانے کے لئے گھر میں جایا کرتے تھے طلبہ اور شاگردوں کا بیان ہے کہ آپ کے پاس رات کے اوقات میں اللہ کی دوسری مخلوق جن بھی پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے اس سلسلے کے کئی واقعات بھی روایت کئے جاتے ہیں، مولانا کے شاگرد خاص شیخ شہاب الدین مجاہد کا بیان ہے کہ مولانا سب سے پہلے فجر کی نماز کے بعد قرآن مجید اور اس کی تفسیر پھر اس کے بعد عقیدہ کی کتابیں جن میں الابانہ فی اصول الدیانہ، کتاب العلوم کتاب التوحید وغیرہ کتابیں تھیں پڑھاتے پھر اس کے بعد حدیث کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے صفات باری تعالی کے سلسلے میں تاویل اور تعطیل وغیرہ کا جو عقیدہ ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا اس کی تردید میں مولانا کی کاوشوں کا بڑا عمل دخل ہے خصوصاً صفات کے سلسلے میں علمائے سلف کے عقیدے کی نشر واشاعت میں آپ نے بڑی محنتیں کیں اپنے شاگردوں کو تیار کیا آپ نے جو سند اجازۃ حدیث اپنے شاگردوں کو دیا ہے اس کے الفاظ اور عبارت سے بھی یہ بات بالکل واضح معلوم ہوتی ہے۔

عربی زبان پر تو آپ کو بے حد عبور حاصل تھا ایک عربی نے سن کر بڑا تعجب کیا اور پوچھا اتنی شائستہ اور شگفتہ عربی آپ نے کہاں

سے سیکھی تو شیخ نے فرمایا کہ: **تعلمت من الکتاب والسنة**، کہ میں نے قرآن وحدیث سے عربی سیکھی ہے لوگوں سے استفسار اور گفتگو کے دوران اکثر وبیشتر قرآنی زبان کا استعمال کرتے اگر کسی کو زجر وتوبیخ کی ضرورت پیش آتی تو **الیس منکم رجل رشید** جیسے قرآنی جملے سے اس کی تعبیر کرتے تھے۔

☆سامرودی صاحب کا کتب خانہ اور اس میں موجود مطبوعات ومخطوطات:

مولانا عبدالجلیل سامرودیؒ ایک محقق، ناقد اور بحث ومناظرہ کے شائق اور اس پر قدرت رکھنے والے صاحب بصیرت عالم دین تھے اور اس کے لئے سب سے پہلے جن چیزوں کی ضرورت ایک باحث اور مناظر کو پیش آتی ہے وہ اعلیٰ قسم کے مراجع ومصادر ہیں اور علمائے اسلاف کا ذخیرہ علوم وفنون اور اس سے منسلک قدیم علمی اور جامع کتابیں ہیں چنانچہ آپ نے اس کے لئے اس مکتبہ کی تجدید کی جسے دراصل آپ کے والد بالخصوص دادا مرحوم علامہ محمد بن ہاشم سامرودی (تلمیذ شیخ الکل میاں صاحب) نے قائم کیا تھا، اسے عمدہ اور نایاب کتابوں سے دادا اور والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے بھر دیا اور عقیدہ، تفسیر، حدیث، فقہ، اور دیگر علوم وفنون کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابیں جمع کیں، جو کتابیں نایاب تھیں ان کے قلمی نسخے تیار کئے یا منگوا کر جمع کرائے آپ کے پوتے مولانا علی احمد سراجی اور جامع مسجد سامرود کی نوازشیں اور عنایات ہیں کہ مجھے علامہ سامرودی کے کتب خانہ کی زیارت کا موقع ملا، کچھ قدیم مطبوعہ کتابیں بالخصوص قلمی نسخے بھی دیکھنے کا موقع ملا، کتابوں کی ورق گردانی کرنے سے محسوس ہوا کہ سامرودیؒ مطالعہ کے بے حد شوقین تھے اور بڑی بصیرت اور باریک نگاہی سے تمام کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، جگہ جگہ کتابوں پر کنارے یا نیچے آپ کے ہاتھ کی عمدہ تحریر اور خوش خطی سے حاشیہ اور نوٹ لگے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مکتبہ کے ذمہ داران اور آپ کے وارثین نے مجھے بتایا کہ تقریبا سات سو سے لے کر آٹھ سو تک مطبوعہ کتابیں اور کم وبیش دو سو کی تعداد میں بعض قدیم ونایاب کتابوں کے قلمی نسخے مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں سامرودیؒ کی مسجد کی تعمیر جدید ۲۰۰۵ء میں نئے انداز سے کی گئی اور بڑی عالیشان عمارت الحمدللہ آپ کی یادگار کے طور پر رب العالمین نے فضل وتوفیق سے تیار ہوگئی اس میں ایک عربی مدرسہ اور شعبہ تحفیظ نیز سامرودی صاحب کا کتب خانہ مکتبہ محمدیہ جلیلیہ کے نام سے موجود ہے کتابوں کی جلد سازی کروادی گئی ہے اور مخطوطات وقلمی نسخوں کی حفاظت کے لئے بھی کاوشیں جاری وساری ہیں، اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے۔

سند اجازۂ حدیث اور اس کی کاپی: مولانا سامرودیؒ نے چونکہ کم سنی میں شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی المتوفی ۱۹۰۲ء سے ملاقات کی تھی اسلئے شیخ الکلؒ سے تعلیم اور اجازۂ حدیث کا مباشرۃ موقع نہ مل سکا البتہ شیخ الکل کے مشہور تلمیذ علامہ عبد الوہاب صدری ملتانی سے آپ نے مسلسل کئی سالوں تک کسب فیض کیا صدری صاحب کے واسطے سے آپ نے میاں نذیر حسین محدث دہلوی اور پھر اس کے آگے بسلسلہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے اجازہ حدیث حاصل کیا یہ وہی مشہور سند اجازہ حدیث ہے جو ہندوستان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے واسطے سے ہوتے ہوئی کئی سلسلوں کے بعد ائمہ حدیث تک پہنچتی ہے۔

میرے پاس سند اجازہ کی وہ کاپی جسے آپ نے اپنے ایک انڈونیشیائی شاگرد کو تحریر کر کے دیا تھا بڑی عمدہ تحریر اور خوش خطی میں موجود ہے جسے میں نے سامرودی کے مکتبہ محمدیہ جلیلیہ سے وہاں کے ایک روزہ دعوتی دورہ بتاریخ ۰۹۔۱۱۔۲۰۱۳ء کو حاصل کیا تھا، اس میں آپ نے اپنے استاد مولانا صدری کا پورا نام ابومحمد عبدالوہاب بن الشیخ محمد الملتانی الجھنگوی البنجابی المتوفی ۱۳۵۱ھ تحریر کیا ہے، یہ سند اجازہ آپ نے انڈونیشیا سے آئے ہوئے اپنے ایک شاگرد ابوعبداللہ محمد دمیری السماتری کو دیا تھا آپ کے پاس کئی سالوں رہ کر مختلف علوم وفنون بالخصوص علم حدیث حاصل کیا تھا اور سامرودی صاحب نے انہیں مذکورہ سلسلہ اسناد سے روایت حدیث کی اجازت دی تھی جسے سند اجازہ حدیث کہا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ نے صحیحین کی اجازت روایت حدیث مولانا عبدالوہاب صدری کے علاوہ دمشق کے مشہور محدث علامہ محمد بدرالدین الدمشقی المتوفی ۱۳۵۲ھ سے بھی حاصل کیا ہے جس میں انہوں نے میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی اور اپنے دیگر مشائخ حدیث کے واسطے سے آپ کو روایت حدیث کی اجازت دی ہے یہ سند حدیث ہندوستان کے مشہور علم حدیث کے مقابلے میں عالی اسناد ہے۔

تلامذہ: مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی رحمۃ اللہ نے تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے وطن سامرود میں ایک ادارہ بنام ''مدرسہ اسلامیہ عربیہ دارالکتاب والسنۃ'' قائم کیا جس میں ابتدائی تعلیم کا نظم کیا گیا اور دیگر اساتذہ سے اس سلسلہ میں خدمات لی گئیں الحمدللہ یہ سلسلہ آج بھی آپ کی مسجد میں جاری وساری ہے البتہ مولانا خود اپنے شاگردوں کو مسجد اور کتب خانے میں تعلیم دیا کرتے تھے، حدیث، تفسیر، فقہ، اور عقیدہ کی اہم ترین کتابیں ہندو بیرون ہند سے آنے والے شائقین طلباء کو پڑھاتے تھے آپ کے شاگردوں میں ہندوستان کے علاوہ بلقان سماترا، جاوا اور انڈونیشیا کے بھی بعض طلبہ شامل تھے، آخری درس وتدریس میں جو شاگردان وتلامذہ موجود تھے مولانا کے پوتے شیخ ابوعمر علی احمد سامرودی کے بقول وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا شہاب الدین مجاہد، (۲) مولانا عظمت اللہ شکرنگری (۳) حافظ جمال احمد بلرام پوری (۴) مولانا حافظ یامین پرتاپگڑھی (مقیم حال شارجہ) (۵) حافظ حمید اللہ میرٹھی (۶) مولانا عبدالمتین بنگالی (۷) مولانا کتاب اللہ ہرھٹوی (۸) مولانا باب اللہ کنڈؤ بونڈ بہار (۹) مولانا عبدالغنی مالیگاؤں۔ (۱۰) مولانا ابوالقاسم مرادآبادی (۱۱) مولانا عبدالمتین بہاری (۱۲) مولانا اسماعیل بنگالی اور اسی طرح قدیم شاگردوں میں مولانا محمد اسحاق فیض آبادی، مولانا احمد الدہلوی (مولف تاریخ اہل حدیث) وغیرہم آپ کے شاگردوں میں آپ کے تین صاحبزادوں میں مولانا عبدالبر اور مولانا عبدالرحمن بھی ہیں۔

تلامذہ کا بیان: مولانا کے شاگردوں کا بیان ہے کہ علماء سلف میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ علامہ ابن القیم اور اسی طرح تحریک شہیدین سے علامہ سامرودی رحمۃ اللہ علیہ کو بے حد لگاؤ تھا اور انہیں علماء اور ان کی زندگی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے اپنی زندگی کو علم کے ساتھ ساتھ عمل کے سانچے میں ڈھالا تھا چنانچہ شب بیداری کرتے، قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور رات میں ہی کثرت سے مطالعہ بھی کرتے تھے، میں نے کتب خانہ جلیلیہ میں آپ کی جمع کردہ کئی کتابوں کی ورق گردانی کی تو اکثر وبیشتر صفحات کے کنارے بڑی عمدہ اور خوش خط تحریر میں آپ کے نوٹ اور وضاحتی تحریریں دیکھیں خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را۔

علمی زندگی اور دینی غیرت وحمیت: یوں تو مولانا سامرودیؒ کے شاگردوں اور آپ کے اہل قریہ اور بستی والوں سے معلومات حاصل کرنے کے بعد یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ ایک شب بیدار، تہجد گزار، زندہ دل، باغیرت اور باحمیت عالم دین تھے، اور نیکی کے راستے میں کبھی مداہنت گوارہ نہیں کرتے تھے سنت رسول اللہ ﷺ کی پابندی، اور عملی طور پر اس کی بجا آوری اور پوری دلجمعی اور خشوع قلب ونظر سے تلاوت قرآن اور دیگر عبادات کا اہتمام آپ کی زندگی کا خاصہ تھی حق بات کے مقابلے میں کسی کی سننے اور اس سے آگے بڑھنے کی جرأت وجسارت نہ کرتے اور نہ ہی یہ آپ کو گوارہ ہوتا آپ کے پوتے مولانا علی احمد نے بیان کیا ہے کہ فقر وفاقہ اور دکھ وتکلیف بھری زندگی گزارنا آپ کا مقدر تھی ایک پھوس کے جھونپڑے میں مسجد کے سامنے قیام کرتے تھے وہی آپ کی کل دنیاوی کائنات اور مسکن تھی افریقہ یا بعض بیرونی ممالک سے کسی شاگرد نے آپ کو ہدیہ ایک بڑی رقم اپنے گھر کی تعمیر کے لئے خصوصی طور پر دیا تھا اور یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ آپ جیسے عالم دین کے لئے آج کی ترقی یافتہ دنیا میں اس طرح کا گھر اور اس میں سکونت زیب نہیں دیتا ہے، یہ میری ذاتی تحفہ ہے جب میں واپس آؤں تو آپ ایک آرام دہ مکان میں سکون پذیر ہوں اور تعلیم ودعوت کا کام انجام دیں یہ میری خواہش ہے چنانچہ وہ صاحب خیر کچھ مہینوں کے بعد واپس آیا بڑا حیران تھا، کہ شیخ نے نیا مکان نہیں بنوایا ویسے کے ویسے پڑا ہوا ہے دریافت کیا کہ گھر نہیں بنوایا کہنے لگے کہ بنوایا ہے مگر اپنے لئے اور تیرے لئے دونوں کے لئے بنوایا ہے کہنے لگا یہ کہاں ہے جواب دیا دیکھو سامنے اللہ کا گھر مسجد ہے اس پیسے سے اپنا گھر نہیں اللہ کا گھر مسجد بنوایا ہے جو تیرے اور میرے دونوں کے لئے آخرت میں کام آئے گا۔ سبحان اللہ اتنی عالی دماغ اور بلند ہمتی اور فکر فرد اللہ قبول فرمائے اور ہمیں بھی اس کی توفیق دے۔ عملی زندگی اور غیرت کی ایک اور مثال ملاحظہ کرتے جائیں اپنے بیٹے عبدالصمد کو صرف بیڑی سگریٹ پینے کی وجہ سے گھر سے نکال دیا تھا اسی طرح مولانا شہاب الدین مجاہد کا بیان ہے کہ آپ نے اپنے ایک خاص چچا کو جن کا گاؤں میں بہت رعب ودبدبہ تھا انہیں بھی بیڑی سگریٹ کی وجہ سے بائیکاٹ کردیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے توبہ کرلی۔

الغرض بڑے غیرتی اور رعب ودبدبہ کے مالک تھے قطعی طور پر مداہنت گوارا نہ کرتے چاہے اپنا ہو یا پرایا دین کی بات ہوتی تو فوراً زبان حق گو یا ہوجاتی اور سنت کیعملی تصویر بن جاتے اور یہی درحقیقت ایک عالم دین اور شیدائی سنت کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔

مشہور کتابیں: عربی اور اردو زبان میں آپ کی تیس سے زائد مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابیں ہیں جن کی تفصیل مجموعہ رسائل علامہ سامرودی مطبوعہ الکتاب انٹرنیشنل کے جلد اول میں دیکھی جاسکتی ہے۔ خود یہ کتاب علامہ سامرودیؒ کی چھوٹی بڑی تصنیفات کا مجموعہ ہے جسے ابوعبدالوہاب محمود بن عبدالوہاب سامرودی نے ترتیب دے کر زیور طبع سے آراستہ کیا ہے، پہلی جلد میں دس کتابیں اور دوسری جلد میں دس کتابیں شامل ہیں۔ مولانا کی مشہور کتابوں میں سے زہرۃ ریاض الابرار بھی ہے جس کے مقدمہ میں آپ کی خودنوشت سوانح بھی موجود ہے۔

اخبار اہل حدیث میں ۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۶۶ء تک تقریباً ۸۹ مضامین آپ کے شائع ہوئے ہیں اور ۱۹۷۱ء تک ترجمان میں

بھی آپ کے کافی مضامین ومقالات طبع ہو چکے ہیں۔

اولادواحفاد: مولانا کا نکاح ۱۹۱۰ء میں اپنے خاندان میں چچا کی ایک لڑکی کے ساتھ ہوا جس کا نام فاطمہ تھا جن کے بطن سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا۔لڑکوں کے نام:

(۱)مولانا عبدالبر

(۲)عبدالصمد جو تھوڑے بہت پڑھے لکھے تھے

(۳)مولانا عبدالرحمن اور لڑکیوں کے نام(۱) میمونہ(۲) زینب ہے۔

مولانا عبداللہ کے کل آٹھ اولادیں تھیں جن میں دولڑکے اور دولڑکیاں باحیات ہیں لڑکوں میں عبدالغنی اور لڑکے مولانا ابوعمر علی احمد سراجی ہیں جنہوں نے جامعہ رحمانیہ جامعہ سلفیہ سے تعلیم حاصل کی اور فراغت کی تکمیل جامعہ سراج العلوم بونڈیہار سے کی۔الحمدللہ مولانا کے وارثین میں آپ کا سامرود اور سورت کے علاقے میں جماعتی دعوت اور پلیٹ فارم سے کافی رابطہ ہے اور علم دین اور دعوت کی اور اس سلسلے میں خدمات انجام دینے کا آپ کو ایک بڑا تجربہ اور حسین ومستحکم جذبہ بھی حاصل ہے عبدالصمد اور مولانا عبدالرحمن ہر ایک کی کل نونو اولاد تھیں اور فی الحال سب کے سب بیرون ہند افریقہ،لندن،اورامریکہ میں مقیم ہیں،مولانا عبدالرحمن کے دوسرے نمبر کے صاحبزادے قاری عبدالحنان ہیں جو فی الوقت پاکستان کے شہر کراچی میں مشہور ادارہ جامعہ ستاریہ میں شیخ الحدیث اور مفتی ہیں۔

وفات: ۱۶ستمبر بروز ہفتہ نماز ظہر سے قبل ۱۹۷۲ء میں علم وعمل کا یہ گل سرسبد اس دارفانی سے کوچ کر گیا اور اہالیان گجرات واہل حدیثان ہند کو چھوڑ کر مولائے حقیقی سے جاملا اور یہی ہر ذی نفس کا حال ہے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

نوراللہ مرقدہ وجعل الفردوس مثواہ۔آمین۔

(ماخوذ از ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی،ستمبر ۲۰۱۴)



علامہ حافظ عبدالعزیز کرنولی رحمہ اللہ

مولانا یوسف جمیل جامعی

دنیا میں بہت سے لوگ پیدا ہوئے اور گذر گئے مگر دنیا نے بہت کم لوگوں کو یاد رکھا، اور جن کو یاد رکھا ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے، گو کہ یہ چند گنی چنی ہستیاں تھیں مگر انہوں نے ایک دنیا کو متاثر کیا اور اپنے پیچھے ایسے گہرے نقوش چھوڑے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے، ان کے نقوش دھندلے ہونے کے بجائے اور بھی گہرے ہوتے جاتے ہیں، بلکہ مرور زمانہ کے ساتھ ان میں اور رنگ اور نکھار آتا جاتا ہے۔

حضرات انبیاءؑ کا طبقہ ساری انسانیت میں سب سے اعلیٰ و ارفع اور ممتاز ترین طبقہ ہے، ان کے تذکرہ کو نہ صرف یہ کہ انسانی تاریخ نے بلکہ قرآن نے زندہ و پائندہ رکھا۔ ان کے بعد انہیں کے وارثین علماء جن میں حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر تابعین و تبع تابعینؒ تک جو خیر القرون کے تابندہ و درخشندہ ستارے کہلاتے ہیں۔ ان کے ذکر کو زندہ رکھا۔ پھر ان کے بعد مفسرین و محدثین و ائمہ مجتہدین وارثین انبیاء کا یہی گروہ ہر دور میں ممتاز اور مرجع انام بنا رہا، ان کے دم سے یہ الم آباد دنیا، شاد کام و فائز المرام نظر آتی ہے۔ ورنہ ان نفوس قدسیہ کے بغیر دنیا میں رکھا ہی کیا ہے۔ انہوں نے اپنے اپنے دور میں علم، ایمان اور عمل صالح کی شمع جلائے رکھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ (آمین)

یہ حقیقت ہے کہ کوئی دور علماء اور صلحاء سے خالی نہیں رہا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر دور میں علماء کے دو گروہ رہے، علماء حق اور علماء سو۔ علماء حق نے ایک طرف جہل کا مقابلہ کیا تو دوسری طرف علماء سو کا مقابلہ بھی اور یہ سلسلہ آج تک برابر جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ انہیں علماء حق میں ہمارے علامہ حافظ عبدالعزیز رحمانیؒ بھی تھے۔

میانہ قد، گول چہرہ، روشن آنکھیں، جن پر محدب چشمہ چڑھا ہوا، چھریری ڈاڑھی، سر پر سفید عمامہ، سفید پٹھانی پائجامہ اور قمیص زیب تن، رفتا و گفتار میں متانت، کم سخن، سنجیدہ، متواضع اور قدرے بذلہ سنج یہ تھے ہمارے مولاناؒ اپنے اسلاف کی بالکل سچی اور عملی تصویر۔

کرنول: تنگ بھدرا ندی کے کنارے سرکار نظام کی سرحد سے پہلے قریب ایک پر فضا مقام ہے۔ یہاں آخری نواب غلام رسول خاں بہادر شہید کی حکومت تھی، جو بعد میں تحریک شہیدین سے وابستہ ہوئے، جنہیں غداروں نے ترچنا پلی لے جا کر دھوکے سے شہید کر دیا۔ یہ ریاست آندھرا پردیش کا پہلا صدر مقام تھا۔ کچھ مدت بعد حیدر آباد کو مستقل صدر مقام کی حیثیت دی گئی۔ یہاں سلفی حضرات کی کافی تعداد ہے۔ تقریباً بیس مساجد ہیں بنین و بنات کے مدارس بھی ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں مولانا عبدالعظیم صاحبؒ نے مدرسہ شمسیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ اس مدرسے نے قلیل عرصے میں کافی ترقی کی۔ علامہ کی ابتدائی تعلیم اسی مدرسے میں ہوئی۔ مولانا عبداللہ مدنی

بھی مدرسہ شمسیہ کے خوشہ چینوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

ہمارے علامہ کرنول کی اسی خاک کے خمیر سے اٹھے۔ ۷ نومبر ۱۹۰۷ء آپ کا سن پیدائش ہے۔ والد بزرگ عبدالقادر بڑے پرہیز گار تقویٰ شعار اور دیندار تھے۔ چمڑے کے اچھے تاجر اور متمول تھے۔ اسلاف کے طرز پر اپنے نونہال کی تربیت کی انہیں فکر لاحق تھی۔ ان دنوں مدرسہ شمسیہ کرنول کا شہرہ تھا۔ اس لئے مولانا کی ابتدائی تعلیم یہیں ہوئی۔ مگر حفظ آپ نے اپنے ذاتی ذوق وشوق سے اپنے گھر کیا۔ خود فرمایا کرتے تھے ''میں نے حفظ اپنے مکان پر کیا ہے'' ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد والد محترم کو خیال ہوا کہ اپنے لخت جگر کو عالم دین بنانا چاہیے اس کے لئے ان کی نظر انتخاب جامعہ رحمانیہ دارالحدیث دہلی پر پڑی جس کا چہار دانگ عالم میں شہرہ تھا۔ جہاں ہندوپاک کے مایہ ناز اساطین علم وفن اپنے علم وعمل کے موتی بکھیر رہے تھے۔ ان میں مولانا نذیر احمد رحمانی املویؒ اور شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ جیسی نابغہ روزگار ہستیاں بھی تھیں۔ آپ کا سن فراغت ۱۹۴۰ء ہے چونکہ اس زمانہ میں درس نظامیہ کا نصاب بارہ پندرہ سال کا ہوا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ مولانا کا داخلہ غالباً ۱۹۳۵ء کے آس پاس ہوا ہوگا۔ فراغت کے وقت اپنے شیوخ کے ہاتھوں نہ صرف آپ کی دستار بندی ہوئی بلکہ اونٹ کے اون کی ایک قیمتی خلعت بھی عطا کی گئی، جو آپ کے امتیاز پر دلالت کرتی تھی۔ اس خلعت کو آپ عیدین اور جماعت کے اہم جلسوں کے موقع پر پہنا کرتے تھے۔ آپ کے معاصرین میں مولانا عبدالرزاق صاحب رحمانی جھنڈانگری، مولانا محمد یوسف صاحب رحمانی میسوری، مولانا صدیق حسن خاں رحمانی وشاکھاپٹنم، مولانا حافظ عبدالواجد رحمانی شیخ الحدیث جامعہ دارلسلام عمر آبادؒ وغیرہ تھے۔

فراغت کے بعد اجازتِ حدیث آپ نے محدثِ عصر علامہ عبیداللہ صاحب رحمانی مبارکپوریؒ سے حاصل کی۔ غالباً اسی کا اثر تھا کہ آپ نے سلسلہ حدیث کی خدمت کے لئے ۱۹۶۴ء میں کرنول میں ''دارالحدیث عزیزیہ'' قائم کیا جس سے تشنگانِ علومِ نبوت سیراب ہوا کرتے تھے۔ گو کہ باقاعدہ اس میں درسِ نظامیہ کے طرز پر درسِ حدیث کا اہتمام نہ تھا، تاہم یہ ادارہ دینی دعوتی وتعلیمی مسلکی اشاعت کی پہچان تھا۔

فراغت کے بعد آپ کا مستقل مشن دعوت رہا۔ قریہ قریہ بستی بستی آپ نے پیدل دورہ کیا کیونکہ ان دنوں زیادہ تر سواریوں کا انتظام نہ تھا۔ اس لئے علامہ اکثر پیدل سفر کیا کرتے تھے، کبھی کبھار بیل گاڑی سے بھی پہنچ جاتے تھے، ان دنوں آپ نے جو دعوت توحید دی، آج بھی لوگوں کے اندر راسخ دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ آپ ہی کی محنتوں کا نتیجہ تھا کہ کرنول اور اطراف واکناف بنگلور اور اس کے گردونواح اور ساحلی اضلاع کے بیشتر مقامات پر جمعیت قائم ہوئی اور مسلک حقہ کا بول بالا ہوا۔

مسجد اہل حدیث چار مینار بنگلور کے منبر ومحراب آج بھی علامہ رحمانیؒ کی پندرہ سالہ خطیبانہ خدمات کی گواہی دیتے ہیں۔ غالباً ۱۹۴۵ء تا ۱۹۶۰ء یہاں آپ نے خدمت کی۔ یہ اہل بنگلور کی مولانا کے ساتھ والہانہ عقیدت وشیفتگی ہی تھی کہ اس قدر طویل مدت تک انہوں نے علامہ کو باندھ رکھا مگر خاکِ وطن کی کشش آخر انہیں وطن کھینچ لائی۔ جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ سے حضرت مولانا سید اسماعیل صاحبؒ کے شدید طلب ہوئی آپ ''نہ'' نہ کرسکے۔ یہاں تعمیل حکم کے طور پر ایک قلیل عرصہ تدریس کی خدمات پر مامور رہے۔ ایک بار

پھر وطن کی خاک نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اشاعت دین کے لئے ''مسجد قمر'' کو اپنا مرکز بنایا' ۱۵ رسال تک یہاں آپ نے خدمت انجام دی، مسجد جہاں سے اسلامی لشکر بھیجے جاتے تھے۔ جہاں سے وفود کی آمد ہوا کرتی تھی اور یہیں سماجی وسیاسی واقتصادی، معاشرتی ومعاشی مسائل کا حل ڈھونڈا جاتا تھا۔ ہمارے علامہ نے بھی اپنے اسلاف کے طرز پر دین کی نشرواشاعت کے لئے مسجد ہی کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اور یہیں سے آپ نے اپنی تحریری وتقریری کاوشوں کا آغاز کیا ''مسجد قمر'' اس زمانہ میں بالکل چھوٹی اور بوسیدہ تھی۔ آبادی زیادہ نہ تھی اس لئے یہاں سکون کا اک ماحول تھا، علامہ اسی سکون کے متلاشی تھے۔ یہاں رہ کر علامہ نے مدرسہ عزیزیہ کے ذریعہ درس وتدریس کا آغاز فرمایا اور یہیں سے آپ نے اپنے شہرہ آفاق پرچہ ''العزیز'' کا اجراء بھی کیا۔ پرچہ کی ترتیب، تدوین وتزئین سب کچھ آپ ہی کیا کرتے تھے۔ ان علمی مشاغل کی وجہ سے آپ کا زیادہ تر وقت اللہ کے گھر میں گزرتا تھا۔ درس وتدریس کے علاوہ آپ کا ہر عشاء اور فجر کے بعد درسِ قرآن ودرسِ حدیث اور جمعہ کے خطبات ہوتے تھے، علاوہ ازیں آس پاس کے مقامات کے پیدل دعوتی دورے بھی ہوتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں ہزاروں لوگ اپنے آبائی تقلیدی مذہب کو چھوڑ کر اہل حدیث ہوئے۔

جمعیت سے وابستگی:

یوں تو مولانا جماعتی زندگی سے وابستہ تھے ہی مگر چونکہ علامہ اپنی علمی وقلمی کاوشوں کی وجہ سے سارے ہندوستان کے جماعتی حلقوں میں قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اسلئے جب حضرت مولانا ابوتمیم محمدیؒ کا انتقال ہوا، جو صوبائی جمعیت کے صدر تھے تو آپ کی جگہ پر شوریٰ نے باتفاقِ رائے ۲۸ راپریل ۱۹۷۵ء کو صوبائی جمعیت کا صدر نامزد کردیا۔ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۰ء پانچ سالہ میعاد کی تکمیل کے بعد شوریٰ نے مزید آپ کی صدارت میں توسیع کی توثیق کردی، اس طرح آپ کی صدارت دس سالہ ہے، حالانکہ آپ ناسازیٔ طبع کے تئیں عذرومعذرت کرتے رہے، مگر شوریٰ کے اصرار پر چاروناچار سکوت فرمالیا۔ تادمِ واپسیں شوریٰ کے اجلاس میں برابر شریک ہوتے اور مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔ آپ نے اپنے دورِ صدارت میں جمعیت کو کارگزار وفعال بنادیا۔

آپ ہی کے دورِ صدارت میں ۱۹۷۹ء میں پرانی حویلی حیدرآباد میں ایک سہ روزہ دینی وتبلیغی اجتماع منعقد ہوا، جس میں ہندوستان کے سرکردہ علماء شریک رہے۔ اس تاریخی اجلاس کو لوگ آج بھی یاد کرتے ہیں۔ باوجود اپنی پیرانہ سالی کے نظم جماعت کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ اس کاز کے لئے سید سراج الدین صاحب ناظمِ اعلیٰ کے ساتھ آپ نے اضلاع کے کئی دورے کئے۔ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا ابوتمیم محمدیؒ کے بعد آپ کا دورِ صدارت نہایت کامیاب دور تھا۔

سیرت:

آپ شخصی اعتبار سے پروقار تو تھے ہی، قسام ازل نے آپ کو نہات باسیرت بھی بنادیا تھا گو کہ نہایت سنجیدہ تھے مگر بڑے بذلہ سنج بھی تھے۔ جب کھلتے تو کھل اٹھتے تھے، بچوں کے ساتھ بچے ہوجاتے نوجوانوں کا بہت بڑا حلقہ آپ سے متاثر تھا۔ ان سے دوستانہ

رسم وراہ تھی۔ مالی اعتبار سے کمزور نہ تھے مگر عیش وعشرت کی زندگی سے کوسوں دور تھے۔ایک معمولی بستر جس میں ایک شطرنجی اور ایک تکیہ اور ایک شولا پوری شال ہوتی تھی، جو مسجد کے کسی محراب میں رکھا ہوتا تھا۔ جب میل ملاقات، درس وتدریس، وعظ ونصیحت، عبادت وتلاوت سے فارغ ہوتے تو اس بستر پر فروکش ہوتے اور مسجد ہی آپ کی آرام گاہ ہوتی۔ باہر کے لوگوں نے آپ کے تعلق سے یہ بے پر کی خبر اڑا رکھی تھی کہ علامہ ترش مزاج ہیں، کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے علمی غرور اور انانیت ان میں ہے۔ میں نووارد یہ سب سن کر سہم سا گیا تھا ان سے ملنے سے کتراتا تھا، البتہ آپ کے خطبات سننے کے لئے خطبہ شروع ہونے کے بعد چپکے سے کسی کونے میں جادبکتا تھا۔ علامہ خطبہ سے فارغ ہوکر پوچھتے کہ کوئی مولوی آیا ہے؟ کہا جاتا کہ یوسف جمیل آئے ہوئے ہیں۔ علامہ کہتے کہ کہو نماز پڑھائیں میں چاروناچار لرزاں وترساں آگے بڑھتا نماز پڑھاتا دورانِ نماز یہی اندیشہ لاحق رہتا کہ کہیں بھول چوک نہ ہوجائے تو علامہ اب میری خوب خبر لیں گے، مسجد قمر کے بعد آپکی زیادہ تر وابستگی مسجد قباء سے رہی' یہاں نو جوانوں کے مشورے سے میں ایک پروگرام بنایا کہ جماعت کے جو علماء ہیں ان کو مدعو کیا جائے اور دعوت کے ضمن میں ان کے خیالات معلوم کئے جائیں۔ مجھے نوجوانوں کے اصرار پر یہ دعوت قبول کرنی پڑی۔ میں نے اپنی تقریر میں ناقدانہ انداز اختیار کیا تھا، صدارتی خطاب علامہ کا تھا ادھر میرے پسینے چھوٹ رہے تھے کہ علامہ خطبۂ صدارت میں میری خوب خبر لیں گے، مگر علامہ نے اس نقد وتبصرہ کا خیر مقدم کیا اور خندہ پیشانی کے ساتھ حوصلہ افزائی فرمائی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ علامہ اعلیٰ ظرف واقع ہوئے تھے۔آپ کو دیکھ کر اہل اللہ کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔

تقریر:

تحریر کے ساتھ آپ تقریر کے دھنی تھے۔ یہ دولت انہیں اپنے اساتذہ فن سے ورثہ میں ملی تھی، جب بولنے لگتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ معلومات کا سمندر موجزن ہے تقریر گو کہ مختصر ہوتی تھی مگر بڑی جامع ہوتی تھی واعظانِ پر گو کی طرح آپ طویل تقریروں کے قائل نہ تھے، بات جامع کہتے تھے مگر مختصر کہتے تھے۔آپ کی تقریر عموماً آدھا گھنٹہ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ہوتی تھی۔ وقت پر اپنا مضمون ختم کرتے تھے پھر بصد اصرار بھی اپنی تقریر جاری نہ رکھتے۔لوگ آپ کی تقریروں کو ٹیپ کرنا چاہتے مگر آپ منع فرماتے کہ تقریر میں اگر کہیں تسامح ہوگا تو دلیل بن جائے گا۔آپ کی تقریر کے اپنے تو اپنے دیگر مسلک کے لوگ بھی شیدائی وفدائی تھے۔آپ کا کٹر مخالف بھی آپ کی تقریر سننے چلا آتا تھا اور جب اٹھتا تو آپ کی علمیت کا اور آپ کے دلائل کا قائل ہوکر اٹھتا تھا، تقریر میں کوئی پرکاری نہیں ہوتی، بالکل سیدھی سادھی زبان ہوتی تھی۔ معمولی پڑھا لکھا بھی سمجھ جاتا تھا بعض بعض دفعہ علمی نکات اور منطقی طرزِ استدلال بھی ہوتا تھا جو صرف پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ہوتا تھا۔ اندازِ تقریر درس کا یا گفتگو کا سا ہوتا تھا، مرد حضرات کے ساتھ خواتین کی بڑی تعداد آپ کے حلقہ درس وبیانات میں شریک ہوتی تھی۔ آپ کے خطبات جمعہ وہفتہ واری خطابات، درس قرآن اور درسِ حدیث سبھی اسی نوعیت کے ہوتے تھے پھر سوال وجواب کی نشست بھی ہوتی تھی تو آپ نہایت معقول مدلل اور مسکت ومختصر جواب دیتے کہ سائل کو تشنگی کا احساس نہ ہوتا، عوام وخواص اور اکابر علماء بھی آپ کی تقریروں کا لوہا مانتے تھے۔

تحریر:

آپ کو تحریر میں بھی غیر معمولی ملکہ حاصل تھا، آپ کی تقریر کی طرح تحریر بھی سادگی کا نمونہ تھی۔ العزیز اس کی مثال ہے، جو آپ کی ادارت میں عرصۂ دراز تک شائع ہوتا رہا۔ جس کے مدیر و ناشر سب کچھ آپ ہی تھے۔ جماعت اور بیرون جماعت کے علمی حلقوں میں اس پرچے کی کافی مانگ تھی۔ العزیز کے پرچے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عامر عثمانی ایڈیٹر ''تجلی'' دیوبند کی اور مولانا کی مسائل کے سلسلہ میں خوب ٹھنی رہتی تھی۔ مولانا بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے تھے۔ ردِ شرکیات و بدعات 'اطیعو اللہ واطیعو الرسول' اثباتِ توحید و رسالت فقہ و حدیث کا تقابلی جائزہ ''العزیز'' رسالہ کا خاصہ تھا۔ زبان و بیان کے لحاظ سے بھی ایک ادیبانہ شان آپ کے اندر موجود تھی۔ ذیل میں آپ کی تحریروں کے کچھ نمونے دیئے جاتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ آپ کا طرزِ نگارش کیا ہے۔

''انسان ضعیف و ناتواں ہے، دنیا کی ہر چیز اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کو حیران و پریشان کر سکتا ہے۔ ایک دن کا زکام انسان کو ناکارہ اور بے بس بنا دیتا ہے۔ اور ایک دن کا خفیف بخار ہفتوں تک صاحب فراش کر دیتا ہے۔ اس میں ہاتھی کی قوت اور شیر کی جرأت نہیں، زمین کا ادنیٰ کیڑا بھی اپنی نیش زنی سے اس کو موت کے گھاٹ اتارتا اور پیوندِ خاک بناتا ہے' مگر رحمتِ الٰہی نے اسی کا انتخاب کیا۔ خلافتِ الٰہیہ کا تاج اس کے سر پر چمکا'' (الاعجاز: ص ۲)

''زمانۂ حاضرہ پر نگاہ ڈالو شام، دمشق، فلسطین، مصر میں لاکھوں عیسائی اور یہودی موجود ہیں، جن کی مادری زبان عربی ہے، جو عربی زبان میں نثر و نظم لکھنے پر قادر ہیں، جن کی ادارت میں اخبار و رسائل و جرائد اشاعت پذیر ہیں۔ آج وہ اس دعویٰ قرآنی کے مقابل کیونکہ کھڑے نہیں ہوتے ان میں تو ایسے ایسے ادیب ماہر زبان بھی موجود ہیں جنہوں نے لغاتِ عربیہ پر ''المحیط اقرب الموارد'' اور ''نجوم القرآن'' جیسی کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ اور قرآن جیسے کتاب لکھنے کی کوشش نہیں کرتے وہ کیوں دس سورتوں کے برابر بھی نہیں لکھتے، وہ کیوں ایک ہی سورت کے برابر لکھنے کی جرأت نہیں کرتے''۔ (الاعجاز: ص ۹)

علامہ کی تحریر کا ایک خاص انداز یہ ہے کہ وہ دل و دماغ کو اپیل کرتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب صاحبِ قلم میں تاثیر پذیری در آئے۔ مولانا کی تحریر کی دوسری خصوصیت ان کا وہ مناظرانہ انداز ہے، جس سے پوری قوت اور اعتماد اور ٹھوس علمی اور منطقی دلائل کے ساتھ معترض کو ساکت کر دیتا ہے مگر کہیں بھی ان کی متانت کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا دکھائی نہیں دیتا۔

علمی کارنامے:

آپ کے علمی کارناموں میں (۱) العزیز پندرہ روزہ کرنول (۲) حیات مسیح ابن مریم (۳) صحیح اسلام بجواب دو اسلام (۴) کتاب التوحید، (۵) الاعجاز، (۶) دلہن کنیز ہے یا بیوی (ایک چھوٹا سا اصلاحی رسالہ) (۷) مطریق الحدید علی رد التقلید ہے۔ (۸) شہادت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان ذوالنورین اور شہادت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت علی رضی اللہ عنہما۔

ذیل میں ان کی کتابوں کا مختصراً تعارف ملاحظہ کریں:

۱۔ **العزیز:** یہ پرچہ جماعت کا گویا آرگن تھا۔ سیرت رسول ؐ اتباع رسول ؐ حمایت سنت وحفاظت سنت نبوی، حدیث وفقہ حنبلی کا تقابلی جائزہ ائمہ اربعہ اوران کے مسلک کے مقلدین کے اعتراض کا جواب، جماعت اہل حدیث کا موقف ومنہج اس پرچہ کے خاص مضامین تھے، یہی وجہ تھی کہ ارباب تقلید اس پرچہ کو مستحسن نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ آخرانہیں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے یہ پرچہ بند کردیا گیا مگر آج تک اس کی علمیت کا شہرہ ہے۔

۲۔ **حیات مسیح ابن مریم:** چونکہ قادیانیت کی اساس ہی اسی مسئلہ پر تھی اس لئے علامہ نے کتاب وسنت اور عقلی منطقی دلائل کی روشنی میں حیات مسیح ابن مریم کو ثابت کیا ہے۔ یہ کتاب اب آپ کے ہاتھوں میں ہے اگر آپ غور سے اس کا مطالعہ فرمائیں گے تو اس موضوع پر اسے مدلل پائیں گے۔

۳۔ **صحیح اسلام بجواب دو اسلام:** مولانا مرحوم کا ایک علمی کارنامہ یہ بھی ہے کہ مولانا کی یہ کتاب ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب ''دو اسلام'' کے جواب میں ہے۔ دو اسلام میں ڈاکٹر برق نے مذہب اسلام خصوصاً محدثین کرام پر زبردست تنقید کی ہے اور روایت حدیث کے فن ''فن رجال'' کو پامال اور بے اعتبار کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ کتب حدیث میں جو کچھ احادیث کے ذخیرہ میں جمع کیا گیا ہے اس کی حیثیت اقوال الرجال، فنون عالیہ، شخصی اوہام وخیالات کے سوا کچھ نہیں، اور اگر کسی ناحیہ سے کوئی حدیث صحیح بھی ہو تو اسے شرعی حیثیت دینا اور وحی ربانی سمجھنا غلط ہے، مولانا نے علمی، عقلی و منطقی دلائل سے ڈاکٹر برق جیلانی کی ان فکری گمراہیوں کے تار و پود بکھیر دیئے، کیونکہ برق کے اعتراضات مولانا کی نظر میں تار عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ جس پر مدیر ''غزل'' بنگلور جناب شہاب یزدانی نے یہ قطعہ کہا تھا:

زندہ و پائندہ باد عبدالعزیز
ترجمان ہے تو ''صحیح اسلام'' کا
ہے تیرا ہر لفظ گویا کشفِ حق
ہر ورق ہے آئینہ الہام کا

۴۔ **کتاب التوحید:** اثبات توحید ور دِشرک جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اس کتاب کا خاصہ ہے۔ عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں بڑے پیارے اور دل نشین انداز میں علامہ نے توحید کی تفہیم پیش کی ہے۔ قاری اس کتاب کے لب ولہجے کی واقعیت کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور یہ کتاب بھی مستقبل قریب میں منظر عام پر آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

۵۔ **مطریق الحدید علی ردتقلید:** یقین ہے کہ یہ کتاب بھی جیسا کہ ظاہر ہے کہ ردِتقلید پر ایک فولادی ہتھوڑا ہوگی۔ افسوس کہ مجھے یہ کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

۶۔ **دلہن کنیز ہے یا بیوی:** گھوڑے جوڑے کی رسم کی مذمت اور بیوی کی شرعی حیثیت پر یہ نہایت مختصر اور مدلل رسالہ ہے۔

۷۔ **الاعجاز:** قرآن کریم کے اعجاز وعظمت کو اجاگر کرنے کے لئے مولانا نے یہ کتاب لکھی جیسا کہ خود اس کے مقدمہ میں آپ نے لکھا ہے: ''قرآن مجید سے مسلمانوں کی بے رغبتی اور بدذوقی سے متاثر ہو کر میں اس کتاب اعجاز قرآن کی تصنیف شروع کی اس میں ان دلائل کو بیان کروں گا، جس سے قاری کے دل میں قرآن مجید کا اعجاز، عظمت وبزرگی، قرآن مجید سے محبت، الفت اور دل بستگی پیدا ہو، اس کی حقانیت اور منزل من اللہ ہونے کا یقین قلب میں موجزن ہو اور ذہن میں ایمان کی روشنی جگہ پائے'' یہ کتاب اپنے موضوع اسلوب اور مواد کے لحاظ سے بڑی ہی جامع ہے۔

۸۔ **شہادت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان ذوالنورین اور شہادت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت علیؓ** یہ دونوں رسالے پندرہ پندرہ صفحات پر مشتمل ہیں، جو مستقبل قریب میں منظر عام پر آئیں گے۔ ان شاءاللہ۔

زیارتِ حرمین شریفین:

آپ کے فرزند عزیز اللہ بھائی کے بقول ۱۱؍نومبر ۱۹۷۷ء میں آپ کو زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل ہوئی۔ خادم الحرمین شریفین شاہ فیصل علیہ الرحمہ نے آپ کی علمی صلاحیتوں کے پیش نظر سعودیہ میں قیام کی دعوت بھی دی تھی۔ مگر آپ نے اپنے وطن میں خدمت دین کو ترجیح دی عندالرخصت شاہ فیصل نے انہیں ''مفتی'' کے لقب سے نوازا۔ یہ اعزاز آپ کے علمی وقار کے لئے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

اس واقعہ کو لکھتے ہوئے قدرے تردد ہوا تو میں نے اپنے رفیق عزیز بشیر احمد سلفی سے اس کا تذکرہ کیا جو مولانا کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، انہوں نے تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ مولانا نے خود مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا تھا۔

مناظرے:

ایک دور علمی مناظروں اور مباحثوں کا گزرا ہے۔ آج کل لفظ مناظرہ سے اچھے اچھوں کے پسینے چھوٹنے لگتے ہیں، مولانا ایک بہترین حاضر دماغ، ذی علم وسنجیدہ مناظر تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی معیت میں بھی کئی مناظروں میں حصہ لینے کا موقع ملا تھا۔ جو دہلی کے قرب وجوار میں ہوا کرتے تھے۔ غالباً جامعہ رحمانیہ سے فراغت کے دنوں کی بات ہے۔ ادھر جنوب میں مدراس، راجمندری، حیدرآباد وغیرہ مقامات پر آپ نے مناظرے کئے اور اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے، عموماً مولانا کے جن مسائل پر مناظرے ہوا کرتے وہ یہ تھے۔ مسئلہ قادیانیت، تصوف، تقلید جامد، مسئلہ وحدۃ الوجود، ردِ شرک واثباتِ توحید۔

یہ مناظرہ نوجوانان مسلم راجمندری کے خواہش پر جمعیت قریش کے زیر اہتمام بتاریخ ۲۸ ستمبر ۱۹۷۶ء بعد نماز عشاء سے لے کر رات ساڑھے گیارہ بجے رات تک جاری رہا، جس میں مقامی وغیر مقامی لوگوں کی ایک کثیر تعداد شریک تھی۔

اس مناظرے میں مولوی ولی الدین کاتب حیدرآبادی قادیانی مناظر تھے اوران کی تائید میں جناب محمد یوسف صاحب راجمندری قادیانی تھے۔ جب کہ اہل حدیث کے مناظر علامہ عبدالعزیز رحمانیؒ تھے۔ راجمندری کے قادیانی رکن رکین جناب محمد یوسف صاحب نے حاضری دی اور حسبِ عادت حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بحث شروع کی اور کہا کہ آپ مناظرہ کریں گے اور قرآن مجید سے ثابت کریں گے۔ عیسیٰؑ زندہ بجسد عنصری آسمان پر اٹھا لئے گئے؟ حضرت مولانا عبدالعزیز کرنولی رحمانیؒ نے فرمایا میں مناظرہ کروں گا اور صرف قرآن مجید ہی سے اس عنوان کو ثابت کروں گا۔ لیکن میرے مقابل آپ ہوں گے یا اور کوئی دوسرا؟ محمد یوسف نے کہا کہ میں نہیں بلکہ ابھی حیدرآباد کے امیر جماعت قادیان آپ کے مقابل ہوں گے۔

چنانچہ محمد یوسف صاحب راجمندری سے حیدرآباد گئے اور عید کے دوسرے دن بروز دوشنبہ کی درمیانی شب بمقام جامع مسجد اہل حدیث جام پیٹ آزاد چوک راجمندری ٹھیک بعد نماز عشاء ۹ بجے مناظرہ شروع ہوا۔

اہل حدیث کی طرف سے مولوی عبدالشکور صاحب اور قادیانیوں کی طرف سے محمد یوسف صاحب ثالث مقرر ہوئے، اہل حدیث کی طرف سے مدعی جناب حضرت العلام مولوی عبدالعزیز صاحب رحمانیؒ اور قادیانیوں کی طرف سے سائل مولوی ولی الدین صاحب تھے۔

آپ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں آیت کریمہ {وما قتلوہ یقینا ۔بل رفعه الله الیه} پیش کیا اور یہ ترکیب بیان کی کہ ان دو جملوں میں دو ضمیریں مفعول بہ ہیں اور ان دونوں ضمیروں کا مرجع حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ پہلی ضمیر مفعول ''قتلوہ'' میں ہے۔ اس کا معنی ہے زندہ عیسیٰؑ کو یہودیوں نے قتل نہیں کیا۔ اس ضمیر کا معنی زندہ عیسیٰؑ ہے تو یقینا دوسری ضمیر کا معنی بھی زندہ عیسیٰؑ ہی ہوگا۔ اللہ نے اپنے قریب یعنی آسمان پر حضرت عیسیٰؑ کو زندہ اٹھالیا۔

نیز فرمایا کہ ''رفعہ'' کی ضمیر زندہ حضرت عیسیٰ کی روح اور بدن دونوں پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا جسد کا ثبوت ہو گیا اور لفظ ''الیہ'' سے ثابت ہوا کہ وہ اللہ کی طرف اٹھالیا گیا۔ چونکہ اللہ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے، لہٰذا آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔

سائل نے کہا: آپ نے اللہ کو عرش پر بیٹھا کر محدود کر دیا اللہ تو دنیا میں ہر جگہ ہے۔ اس کا کوئی مکان نہیں لہٰذا عیسیٰؑ یہیں دنیا میں رہے البتہ ان کی روح پرواز کر گئی۔

مدعی نے: دنیا خود محدود یہاں کہ ہر چیز محدود ہے اگر اللہ بھی ہر جگہ قرار دیا جائے تو اللہ بھی محدود ہوگا کیونکہ ظروف محدود ہے تو یقینا مظروف بھی محدود ہوگا۔ دنیا کی ساری حقیقت بیضہ مور ہے اور ماوراء الدنیا غیر محدود ہے، اللہ تعالیٰ آسمانوں پر عرض پر غیر محدود وسعت میں ہے۔ الحاصل فلک الافلاک کے بیچ جو ہوگا محدود ہوگا اور جو ماوراء ہوگا وہ غیر محدود ہوگا۔

سائل نے کہا: رفع سے پہلے اللہ نے آپ کی وفات کو ذکر کیا ہے۔ {انی متوفیك ورافعك الی} یعنی میں نے پہلے عیسیٰؑ کو

موت دی بعدہ روح کو اٹھالیا۔

مدعی: اللہ نے اگر پہلے وفات دی ہے تو اللہ تعالیٰ ''بل رفعه الله'' میں قرینہ صارفہ ذکر کرتا ہے۔ اگر پہلے ''اماته الله'' یا پھر ''قبضه الله'' فرماتا تو اس صورت میں رفع کا معنی روح کو اٹھانا ہوتا۔ رفع کے معنی روح اٹھانا بالکل غلط ہے، بلکہ جہاں بدن کے ساتھ اٹھانا ہوتا ہے رفع لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کما قال الله {رفع ابويه على العرش} یوسفؑ نے اپنے ماں باپ کو بدن سمیت تخت پر اٹھالیا۔ کیا آپ مجھے موت وحیاتِ مسیح کے مسئلہ میں الجھانا چاہتے ہیں۔ یہ میرے مبحث کے خلاف ہے لہٰذا میں اس وقت موت وحیات پر بحث نہیں کروں گا بلکہ دوسرا مناظرہ رکھو اس میں آیت {انی متوفيك} کا معنی بتاؤں گا۔ کہ اس کے معنی موت کے نہیں ہیں۔ سائل نے اپنی یاوہ گوئی اور لفاظی میں ڈھائی گھنٹے گزار دیا۔ لیکن مدعی کی دلیل کا رد نہ کر سکا تو چڑ چڑا گیا اور کہا۔

سائل: یہ کیا آپ نے ضمیر کی رٹ لگا رکھی ہے کیا اس مضمون کی اور اور آیات قرآن مجید میں نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو آپ انہیں بیان کیجئے۔

مدعی: رفعِ عیسیٰؑ پر مختلف آیات ہیں لیکن جب تلک آپ اس دلیل کی تردید نہ کریں گے، دوسری آیات ہرگز پیش نہ ہوں گی، بلکہ اسی ایک دلیل میں مناظرہ ختم ہوگا۔

سائل: سائل نے مچل کر کہا اس آیت کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ آپ اس آیت کی صداقت اور حقانیت پر مزید دو آیات بطور گواہ پیش کیجئے، ورنہ یہ آیت نا قابل اعتبار ہوگی۔

مدعی: قرآن مجید اپنی صداقت وحقانیت میں گواہ کا محتاج نہیں ہزاروں مسائل صرف اور صرف ایک ہی آیت میں بیان کئے گئے ہیں۔ جو ایمان کے قابل اور لائق ہیں وہ گواہی کے محتاج نہیں۔ بلکہ جو لوگ قرآن پر گواہ طلب کرتے ہیں کافر ہیں۔

سائل کی یاوہ گوئی اور قرآن مجید کی غلط ترجمانی سے مجمع کی کیفیت بدل رہی تھی اگر حضرت العلام مولانا عبدالعزیز صاحب رحمانیؒ متانت اور سنجیدگی کی تاکید نہ فرماتے تو پتہ نہیں کیا انجام ہوتا۔ ہر ایک یہی کہہ رہا تھا کہ مولانا نے اپنی پند ونصائح سے ہمارے پاؤں جکڑ دیئے تھے۔

لیکن جوں ہی انہوں نے سنا کہ قرآن کی آیت اپنی صداقت میں مزید دو آیت کی محتاج ہے تو سارا مجمع بے قابو ہو گیا اور انتشار عام ہو گیا۔ یہ دیکھ کر قادیانی مناظرہ فوراً یہاں سے چلدیا۔

اس کے بعد ثالثین نے فیصلہ سنایا کہ حضرت العلام مولانا عبدالعزیز صاحب رحمانیؒ کی دلیل نہایت ٹھوس اور مستحکم رہی خصم نے اس کی تردید بلکہ تردید کی طرف توجہ بھی نہ کی بلکہ ڈھائی گھنٹہ یاوہ گوئی اور خرافات میں گزارا اور نامراد واپس ہو گیا۔ فللہ الحمد۔

اور اللہ کا کرم ہوا کہ آگے چل کر ولی الدین احمد صاحب قادیانیت سے نہ صرف یہ کہ تائب ہوئے بلکہ ساری زندگی ردِ قادیانیت میں انہوں نے گزار دی۔ اور متعدد کتابوں سے قادیانیت پر پڑے سربستہ رازوں سے پردے اٹھائے اور اسی راہ میں جاں بحق ہوئے۔ اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه۔

آخری وقت: آخر وہ گھڑی آ ہی گئی جو سبھی کے لئے آتی ہے یہ ۱۷ رنومبر ۱۹۸۰ء پیر کا دن تھا اپنی زندگی کے آخری ماہ وسال

آپ نے مسجد قمر سے ہٹ کر مسجد قبا میں گزارے یہیں فروکش رہتے تھے۔ یہیں پر آپ کی دعوتی ودرسی سرگرمیاں رہا کرتی تھیں۔ بعد نماز فجر اپنے بھانجہ داماد قاضی عبدالحکیم صاحب مرحوم کے مکان پر تشریف لے گئے ظہر تک یہیں رہے نماز ظہر قبا میں ادا کی طعام سے فارغ ہوئے، کسی لڑکے سے چائے لانے کو کہا چائے آنے سے پہلے آپ کی چاہ نے رب کی ''چاہ'' کو پالیا۔ غالباً آپ کے قلب پر حملہ ہوا تھا۔ آپ کی روحِ پرفتوح جسد عنصری سے پرواز کر چکی تھی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ عرصے سے ذیابطیس اور بلڈ پریشر کے مریض تھے مگر اپنی علمی، دینی ودعوتی سرگرمیاں برابر جاری رکھے ہوئے تھے۔ اسی دن بعد نماز مغرب آپ کا ''شہادت حسینؓ'' کے عنوان پر خطابِ عام بھی تھا۔ وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر، صوبے بلکہ ہندوستان کے جماعتی حلقوں میں پھیل گئی کہ علم وعمل کا آفتاب اب غروب ہوگیا۔ اس طرح ۶۷ سال آپ نے عمر پائی۔

جنازہ اور تدفین: سارے صوبے سے بلکہ کرناٹک سے بھی لوگ ایک بڑی تعداد میں مولانا کے آخری دیدار کے لئے آنے لگے۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے شاگرد قاضی ماجدالرحیم نے نماز جنازہ پڑھائی اور وصیت ہی کہ مطابق قبل از جنازہ آپ کی رویت کرائی گئی۔ ۱۸ر نومبر کو بعد نماز ظہر عام قبرستان میں آپ کو سپرد لحد کر دیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالصمد صمدانی صاحب نے تدفین کے بعد رقت انگیز دعا کی۔ نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد تھی کہ آپ کی جدائی کے صدمے سے نمناک تھی کہ آج ان کا مہربان وروحانی باپ اب نہیں رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ کرنول کے احباب جماعت آج تک آپ کا تذکرہ بڑے دل سوز انداز میں کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی جدائی کا گھاؤ آج بھی تازہ ہے۔

پسماندگان: اہلیہ کریم بی تو زندگی ہی میں داغِ مفارقت دے گئی تھیں۔ جن سے مولانا کی ۱۹۴۰ء میں شادی ہوئی تھی۔ اولاد میں عزیز اللہ (تاجر آہن) اور تاج النساء ہیں۔ عزیز اللہ بھائی کی چار نرینہ اولاد اور دو لڑکیاں ہیں، مگر ان میں سے کسی کو بھی دادا کی شاہراہ علمی پر نہیں لایا گیا۔ کاش خاندانِ عبدالعزیز سے کوئی ان کا حقیقی وارث پیدا ہوتا۔

علامہ ہم میں نہیں رہے اور انہیں ہم سے جدا ہوئے تقریباً پینتیس سال کا عرصہ ہو رہا ہے، مگر آج تک بھی یہ خلا پر نہ ہوسکا، ''موت العالم موت العالم'' کسی نے سچ کہا ہے ''پچھلے تین دہوں میں کرنول کی جن دو مایہ ناز شخصیتوں نے اپنے پیچھے گہرے نقوش چھوڑے ان میں بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم اور مولانا عبدالعزیز رحمانیؒ تھے۔ میرا یہ حسنِ ظن ہے کہ کرنول کو انہیں دو شخصیتوں کی وجہ سے سارے ہندوستان میں شناخت ملی۔ اللھم اغفر لھم وارحمھم۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ مولانا کی ولادت ۷ نومبر کو زیارتِ حرمین شریفین ۱ر نومبر کو اور وفات ۱۷ نومبر کو ہوئی اگرچہ کہ ان کے سال الگ الگ ہیں۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ماخوذ از حیات مسیح ابن مریم۔ ص ۱۶ تا ۳۵)

□□□

ڈاکٹر رضاء اللہ سلفی مدنی

(۱۹۵۲ء۔ ۲۰۰۳ء)

بمبئی کو لے گئی تجھ کو بنارس سے قضا　　　　فوزیہ سے جاکے تو فردوس میں فائز ہوا

ڈاکٹر رضاء اللہؒ حاجی محمد ادریس جراح کے چوتھے صاحبزادے، حکیم محمد شفیع اور علامہ محدث مبارکپوری کے پوتے تھے، جامعہ کے کاغذات میں آپ کی تاریخ پیدائش ۳۰؍دسمبر ۱۹۵۴ء مرقوم ہے۔ مگر حقیقتاً یہ عمر کم از کم دو سال کم لکھائی گئی تھی، گھریلو معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا سن پیدائش لگ بھگ ۱۹۵۲ء ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے گھر اور مدرسہ عربیہ دارالتعلیم مبارکپور میں حاصل کی، آپ کے گھر کے مخصوص مربی حاجی حکیم عبدالسمیع صاحب تھے، پرائمری پاس کرنے کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا، اور یہاں مولوی کے شعبہ میں چار سال تعلیم حاصل کی، جامعہ رحمانیہ میں آپ کے اساتذہ مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا عبدالسلام گونڈوی، مولانا قرۃ العین، مولانا عبدالسلام طیبی، ماسٹر عبدالحمید اور ماسٹر فیروزالدین وغیرہ تھے۔

۱۹۷۰ء میں جامعہ سلفیہ کے شعبۂ عالمیت میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۴ء میں عالمیت کی سند حاصل کی، اور بفضلہ تعالیٰ ابتداء ہی سے اپنے درجہ کے ممتاز طلبہ میں شمار ہوتے تھے، جامعہ سلفیہ کے موجودہ ناظم جناب مولانا عبداللہ سعود سلفی صاحب آپ کے ہم سبق تھے، اور یہ ہم درسی مسلسل آٹھ سال تک رہی، یعنی عربی کی پہلی جماعت سے لے کر آٹھویں جماعت یا عالمیت سال چہارم تک، جامعہ سلفیہ میں آپ کے بعض اساتذہ کے اسماء درج ذیل ہیں۔

مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا شمس الحق سلفی، مولانا محمد عابد رحمانی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا عبدالسلام مدنی، ماسٹر شمس الدین وغیرہم۔

جامعہ سلفیہ کے فضیلت کے کورس میں آپ ابھی داخل ہی ہوئے تھے کہ علامہ زماں ادیب عصر ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی (م ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ء) کی آمد ہوئی، دکتور ہلالی علامہ عبدالرحمن مبارکپوری محدث کے شاگرد رشید تھے، اور ان کے اخلاق وعلم سے بہت زیادہ متاثر تھے، دکتور ہلالی نے ڈاکٹر رضاء اللہ سلفی کو اپنے یہاں مغرب (مراکش) بلالیا، دکتور رضاء اللہ سلفی کا مغرب میں قیام کم وبیش دو سال رہا، سفر وحضر میں دکتور ہلالی کے ساتھ رہے، اس لئے استفادہ کا کافی موقع ملا، دکتو ہلالی سے انہوں نے عربی زبان وادب کے نکات سمجھے، زبان پر عبور حاصل ہوا، قلم سیال ہوا، عقیدہ وعمل بالکتاب والسنۃ میں پختگی آئی۔

پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں آپ کا داخلہ ہوگیا، یہاں آکر آپ کو اپنے جوہر کے نکھارنے کا خوب خوب موقع ملا،

۱۴۰۰ھ۔۱۳۹۹ھ۔۸۰۔۱۹۷۹ء میں آپ نے کلیۃ الحدیث سے ڈگری لیسانس (بی اے) کی ڈگری ممتاز پوزیشن میں حاصل کی۔

پھر ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۵ء میں ماجیستر (ایم اے) ممتاز پوزیشن سے پاس کیا۔اور ۱۴۱۰ھ۔۱۹۸۹ء میں پی ایچ ڈی (دکتورہ) کی ڈگری اعلیٰ پوزیشن سے حاصل کی۔

وہاں سے یہ اسناد عالیہ حاصل کرنے کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں بہ حیثیت استاد آپ کا تقرر ہوا، آپ کی صلاحیت اور صالحیت کے ناطے تھوڑے ہی دنوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی مقبولیت میں چار چاند لگائے، اور اسی دس بارہ سال کے اندر آپ کو طرح طرح کے مناصب ملے:

۱۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نمائندہ فارغین کے پروگرام میں آپ نے نیپال وہند کے فضلاء کی نمائندگی کرتے ہوئے شرکت کی، اور مقالے پیش کئے، جس کا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ذمہ داروں اور حکومت سعودیہ عربیہ پر بڑا اچھا اثر پڑا۔

۲۔ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی تنظیم مجمع الفقہ الاسلامی کے رکن بنائے گئے، اور اس کے اجلاس وکانفرنس میں شرکت کر کے مقالے اور اپنی آراء پیش کیں۔

۳۔ سفارت خانہ مملکت سعودیہ عربیہ دہلی نے نیپال اور ہندوستان کے اندر سعودی جامعات سے فارغین کی ایک جمعیت بنائی، جس کا صدر آپ کو بنایا گیا، کئی جگہ اس کے پروگرام منعقد ہوئے جس میں آپ نے بہ حیثیت صدر شرکت فرمائی۔

۴۔ جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت کے آپ معتمد خاص تھے، رمضان کی تعطیل میں وہاں کے دروس اور پروگراموں میں شرکت کرتے، اس تنظیم کی جانب سے امریکہ میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں آپ نے شرکت کی، اور مقالے ومحاضرات پیش کئے۔

۵۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے آپ نائب امیر تھے۔

۶۔ جامعہ سلفیہ بنارس (ہند) کے آپ شیخ الجامعہ بنائے گئے۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم کے زمانہ اور فراغت کے بعد جامعہ سلفیہ میں تدریس کے زمانہ میں جو تحریری وتصنیفی خدمات انجام دیں، ان میں بعض مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تحقیق وتعلیق علی کتاب الرد علی من یقول القرآن مخلوق لابی بکر النجاد (عربی ہکمل) مطبوع کویت۔(۲) تحقیق وتعلیق کتاب العظمۃ لابی الشیخ الصفہانی (ت ۳۶۹ھ) ۵ جلدیں (عربی) مطبوع ریاض۔(۳) تحقیق وتعلیق علی السنن الواردۃ فی الفتن واشراط الساعۃ لابی عمر والدانی (ت ۴۴۴ھ) ۳ جلدیں، مطبوع ریاض۔(۴) تحقیق وتعلیق کتاب الاھوال لابن ابی الدنیا۔ مطبوع ممبئی۔(۵) ایمان بالیوم الآخر (اردو) مطبوع دہلی)۔(۶) مذکرۃ فی الحدیث النبوی مع ترجمہ اردو (مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند) مطبوع۔(۷) سلفیت کا تعارف (اردو) مطبوع۔(۸) بئس ما فعل اخو العشیرۃ (عربی)۔(۹) موجودہ حکومتوں کے پارلیمانی انتخاب میں حصہ (ترجمہ اردو)۔(۱۰) خواتین کے مخصوص مسائل (ترجمہ اردو)۔(۱۱) کتاب الجنائز از صاحب تحفہ مبارکپوری (عربی ترجمہ)

ان تحریروں کے علاوہ آپ کے بیش بہا مقالے ومضامین اردو رسالوں مثلاً ترجمان دہلی، اشاعۃ السنۃ دہلی، محدث بنارس اور عربی میں صوت الامۃ میں مسلسل اور قسط وار شائع ہوتے رہتے تھے۔ یہاں احصاء مقصود نہیں۔ ابھی حال ہی میں صوت الامۃ میں ایک مقالہ بالاقساط شائع ہورہا تھا۔ جس میں آپ نے یہ دکھایا تھا کہ سعودی جامعات کے فارغین برصغیر ہندونیپال میں کتنی نمایاں اور ہمہ جہتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر رضاء اللہ صاحب عقیدہ وحدیث کے متخصص تھے۔ عقیدہ ومسلک بڑا ٹھوس اور پختہ تھا۔ جب بھی کسی طرف سے مسلک سلف پر کوئی وار کرتا تو ان کی رگ حمیت وغیرت پھڑک اٹھتی اور ان کا قلم متحرک ہوجاتا۔ مسلک کے خلاف جو عمل بھی ہوتا اس کی فی الفور معلومات حاصل کیا کرتے۔ اور پتہ لگایا کرتے۔ تحفظ سنت کانفرنس جو دیوبندی مسلک اور اسعد مدنی کے تحفظ کے لئے بڑے جاہ وجلال سے منعقد ہوئی تھی اور جس میں مسلک سلف پر بے تحاشہ رکیک ناجائز حملے کئے گئے تھے۔ اس کے جواب کے سلسلے میں انہوں نے بڑی تگ ودو کی۔ خود بھی لکھا اور دوسروں سے بھی لکھایا۔ مجھے بھی ایک رسالہ دعا کے موضوع پر عنایت کیا تھا۔

دیوبند میں مسلک سلف اور اہل حدیث کا رد برابر کیا جاتا ہے۔ اور وہاں باقاعدہ یہ چیز نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ انہوں نے یہ پورا مذکرۂ نصاب حاصل کرلیا تھا اور پاکستان سے بھی اگر مسلک سلف کے خلاف کوئی کتاب شائع ہوتی تو پہلے آپ ہی کے ہاتھ میں نظر آتی۔ کئی کتابیں اسی طرح مطالعہ کے لئے حاصل ہوئیں۔

الغرض آپ ہمہ جہت خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ساری خوبیوں اور کمالات کے باوجود آپ کی طبیعت میں حددرجہ تواضع وانکساری رکھ دی تھی۔ جس کی وجہ سے بڑے سادہ سے انسان لگتے تھے۔ نرم خو تھے اور دوسروں کے دردوغم کو سمجھتے تھے۔

۳۰؍مارچ ۲۰۰۳ کو ممبئی کی رحمت کانفرنس میں قضاوقدر کے موضوع پر تقریر کرنے کے تھوڑی دیر کے بعد فوزیہ ہاسپیٹل ممبئی میں انتقال ہوا۔ دوسرے دن بذریعہ طیارہ جنازہ مبارکپور لایا گیا۔ اور ۳۱ مارچ ۲۰۰۳ء کو بعد نماز مغرب نماز جنازہ وتدفین عمل میں آئی، مقبولیت کا یہ عالم کہ دوردور سے علماء وعوام جنازہ میں شرکت کے لئے اپنے اپنے وسائل سے پہنچے۔ بیسیوں ہزار کا مجمع تھا۔ اور ممبئی میں کانفرنس کے اندر ایک بار جنازہ کی نماز پڑھائی گئی تھی۔ جس میں پچاس ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی، ممبئی میں نماز جنازہ دکتور فضل الرحمن سلفی مدنی نے پڑھائی، اور مبارکپور میں آپ کے ہم سبق ساتھی مولانا عبداللہ سعود سلفی ناظم جامعہ بنارس کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر رضاء اللہ پر رحم وکرم فرمائے۔ آپ کی لغزشوں سے درگزر فرما کر آپ کی نیکیوں کا ثواب عطا فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

آپ کے پسماندگان میں آپ کی اہلیہ، ایک بہن، چار بھائی، اور بھتیجے، بھتیجیاں ہیں۔ مولانا محدث مبارکپوری کی طرح آپ کے بھی کوئی اولاد نہیں۔ حالانکہ تین شادیاں کیں۔ اور تیسری آپ کے بعد موجود ہیں اللہ تعالیٰ سب کو صبر جمیل کی توفیق عنایت کرے۔ آمین۔



(ماخوذ از: کتاب سلفیت کا تعارف: ص ۳۹۲ تا ۳۹۶)

باچشم نم (شیخ ابوالمکرم السّلفی کی حیات وخدمات)

مولانا محمد مستقیم سلفی (سابق شیخ الجامعہ، جامعہ سلفیہ، بنارس)

۲۱ رجنوری ۲۰۰۵ءمطابق ۱۰ رذی الحجہ ایک بجے شب بذریعہ فون یہ جان کاہ خبر بجلی بن کر گری۔ کہ ہر دلعزیز اخلاص ومحبت کا پیکر فاضل جامعہ سلفیہ بنارس مولانا ابوالمکرم سلفی اپنے تمام اعزہ واساتذہ کرام کو سوگوار چھوڑ کر عالم جاودانی کی جانب منتقل ہو گئے۔"انا للہ وانا الیہ راجعون"

یہ دنیائے فانی دار العمل ہے اور دار الامتحان بھی، یہاں اسی شخص کو مسرت وکامیابی اور عزت ونامی حاصل ہوسکتی ہے جو اعمال صالحہ کے ذریعہ سفر آخرت کے لئے تیار رہے جہاں ہمیشہ ہمیش رہنا ہے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس عظیم مقصد زیست کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور دین حق کی سربلندی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں، انہیں خوش نصیب لوگوں میں سے میرے عزیز مولانا ابوالمکرم بن عبدالجلیل سلفی تھے جنہیں آج ہم باچشم نم "رحمہ اللہ" لکھنے پر مجبور ہیں۔

ولادت: آپ ضلع سنت کبیر نگر اتر پردیش کے ایک چھوٹا سا قصبہ "سانتھا بازار" ۲۱ رمارچ ۱۹۶۳ءکو پیدا ہوئے، آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے ابوالمکرم بن عبدالجلیل بن نامدار بن محکم بن رحمت اللہ انصاری۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والدین سے حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ مدینۃ العلوم لوہرسن بازار ضلع سنت کبیر نگر میں جا کر داخلہ لیا جہاں پرائمری درجات سے لے کر عربی جماعت تک کی تعلیم حاصل کی، آپ نے وہاں پر جن اہم اساتذہ سے کسب فیض کیا ان میں مولانا محمد امین صاحب ریاضی، مولانا ابوالوفا صاحب زاہد سلفی، ماسٹر شریف الحسن صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آپ ۱۹۷۷ءمیں مدرسہ مدینۃ العلوم لوہرسن بازار سے جماعت اولیٰ پڑھنے کے بعد اپنے خالو حامد الانصاری صاحب انجم کے ساتھ مدرسہ شمس العلوم ہرنا مپور (نیپال) چلے گئے اور وہاں پر جماعت ثانیہ کی تعلیم مکمل کی، پھر انہیں کے مشورے پر ۱۹۷۸ءمیں مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا (سدھارتھ نگر) میں جا کر داخلہ لیا اور بابائے قوم مولانا خلیل الرحمن صاحب صدیقی رحمہ اللہ وغیرہ سے عربی کی جماعت ثالثہ کی کتابیں پڑھیں۔

چونکہ اس وقت اس مدرسہ میں جماعت ثالثہ سے اونچی جماعتوں کی تعلیم کا انتظام نہیں تھا اس لئے وہاں سے گھر چلے آئے اور شوال ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ءمیں جامعہ سلفیہ بنارس کا رخ کیا اور یہاں آکر عالمیت کے پہلے سال میں داخلہ لیا اور چھ سال یہاں رہ کر اپنی تعلیم مکمل کی اور ۱۹۸۲ء میں عالمیت اور ۱۹۸۴ء میں فضیلت کی ڈگری حاصل کی، ساتھ ہی دوران تعلیم جامعہ سلفیہ بنارس ۔الہ آباد بورڈ سے مولوی، منشی اور عالم کے امتحانات بھی پاس کیا۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں جن اساتذہ سے آپ نے استفادہ کیا ان میں شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحب سلفی، مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی، شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی رحمہم اللہ کے علاوہ مولانا محمد عابد صاحب رحمانی، ڈاکٹر مقتدی حسن صاحب ازہری، مولانا محمد رئیس صاحب ندوی مولانا صفی الرحمن مبارک پوری، مولانا عبدالسلام صاحب مدنی، مولانا عزیز الرحمن صاحب سلفی، مولانا نعیم الدین صاحب مدنی، مولانا جمیل احمد صاحب مدنی، مولانا احسن جمیل صاحب مدنی (بنارسی) اور راقم محمد مستقیم سلفی وغیرہم ہیں۔

تدریس: فراغت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک جامعہ سلفیہ بنارس کے شعبۂ ادارۃ البحوث الاسلامیہ میں آپ نے کام کیا، پھر کچھ مجبوریوں کی بنا پر اکتوبر ۱۹۸۵ء کے اواخر سے لے کر اپریل ۱۹۸۶ء تک ممبئی کے ایک اسکول ''انجمن اخوۃ الاسلام'' میں بحیثیت مدرس کام کرتے رہے، اس کے بعد جون ۱۹۸۶ء تا جون ۱۹۸۷ء ''مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیہ'' نئی دہلی کے شعبۂ تدریس ''معہد التعلیم الاسلامی'' اور شعبہ تحقیق ''مجمع البحوث الاسلامیہ'' میں کام کیا، پھر جولائی ۱۹۸۸ء سے دہلی کے قدیم ترین سلفی ادارہ ''مدرسہ ریاض العلوم'' دہلی میں بحیثیت مدرس کام کرنے لگے اور ۱۹۹۰ تک اس مدرسہ میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ جامعہ سلفیہ بنارس سے فارغ ہونے کے بعد تعلیمی سلسلہ مزید جاری رکھنا چاہتے تھے اس لئے سعودیہ عربیہ کی سب سے بڑی یونیورسٹی ''جامعۃ الملک سعود'' (ریاض) میں داخلہ کے لئے درخواست دے رکھی تھی اور ۱۹۹۰ء میں آپ کے پاس داخلہ کی منظوری بھی آگئی جس کی بنا پر آپ نے سعودیہ عربیہ کے لئے رخت سفر باندھا اور روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر آپ نے تدریب المعلمین میں داخلہ لیا اور چار ماہ کا یہ کورس مکمل کرکے اسی جامعہ کے کلیۃ التربیہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۶ء مطابق ۱۴۱۶ھ میں لیسانس کی ڈگری حاصل کی۔

آپ نے کلیۃ التربیہ مکمل کرنے کے بعد ریاض ہی میں "وکالۃ المطبوعات والنشر بوزارۃ الشئون الاسلامیہ والاوقاف والدعوۃ والارشاد" میں بحیثیت مترجم ملازمت اختیار کرلی اور تاحیات اسی شعبہ سے منسلک رہے۔

علمی خدمات: "وکالۃ المطبوعات والنشر" میں آپ نے لگ بھگ ۹ سال کام کیا ہے اور اس قلیل مدت میں ۵۴ کتابوں کی تصنیف وترجمے کئے جن کی تفصیلی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) **دعوۃ الامام محمد بن عبدالوھاب بین مؤیدیھا ومعارضیھا فی شبہ القارۃ الھندیۃ** (تالیف ،عربی) طبع اول ۱۴۱۳ھ. ناشر: مکتبہ دار السلام بالریاض۔

(۲) **علماء اھل الحدیث فی الھند وموقفھم من دعوۃ الامام محمد بن عبدالوھاب والدولۃ السعودیۃ** (تالیف، اردو) طبع اول ۱۴۲۲ھ ناشر: الجامعۃ السفلیہ بنارس بالھند۔

(۳) **اطلالۃ علی جمعیۃ الخلافۃ وموقفھا من مٔوتمر الحجاز** (رد علی جمعیۃ الخلافۃ وموقفھا الحاقد من الدولۃ السعودیۃ) تالیف، اردو) طبع اول ۱۴۰۷ھ ناشر: جمعیۃ اھل الحدیث المرکزیۃ بالھند۔

(۴) **ماسأۃ الحرم المکی الشریف، مؤامرۃ قذرۃ قدیمۃ** (تالیف، اردو) طبع اول ۱۴۰۴ھ۔

(۵) **کشف الشبھات للامام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ** (ترجمہ: اردو) طبع اول ۱۴۱۷ھ،

ناشر: مکتبۃ دار السلام بالریاض۔

(۶) لمعۃ الاعتقاد للامام ابن قدامۃ المقدسی رحمہ اللہ (ترجمہ،اردو)۔

(۷) مجمل اعتقاد ائمۃ السلف للدکتور عبداللہ الترکی (ترجمہ اردو غیر مطبوع)

(۸) الادلۃ الشرعیۃ فی حقوق الراعی والرعیۃ للشیخ محمد بن عبداللہ السبیل (ترجمہ ،اردو غیر مطبوع)

(۹) التحذیر من وسائل التنصیر للجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ (ترجمہ،اردو) غیر مطبوع۔

(۱۰) ھذہ نصیحتی لکل شیعی للشیخ ابی بکر الجزائری (ترجمہ،اردو) غیر مطبوع۔

(۱۱) الامر بالمعروف والنھی عن المنکر للامام ابن تیمیہ (ترجمہ،اردو) غیر مطبوع۔

(۱۲) تحفۃ الاخوان بأجوبۃ تتعلق بأرکان الاسلام للشیخ ابن باز (ترجمہ ،اردو) طبع ۱۴۱۸ھ ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔

(۱۳) تحفۃ الاخیار فی الادعیۃ والاذکار للشیخ ابن باز (ترجمہ،اردو) ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔

(۱۴) خلاصۃ الکلام فی احکام الصیام للشیخ الجار اللہ (ترجمہ،اردو) ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔

(۱۵) العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام ابن تیمیۃ رحمہ اللہ (ترجمہ ،اردو) ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔

(۱۶) فضل الاسلام للامام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ (ترجمہ،اردو) طبع اول ۱۴۲۰ھ ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔

(۱۷) زاد المسلم الیومی للشیخ عبداللہ الجار اللہ رحمہ اللہ (ترجمہ،اردو) طبع اول ۱۴۱۵ھ ناشر: مکتب الدعوۃ بسلطانۃ۔

(۱۸) ثلاث شعائر للدکتور سلیمان الأشقر (ترجمہ،اردو) طبع اول ۱۴۱۱ ناشر: الدار العلمیۃ بدلھی۔

(۱۹) البدعۃ واثرھا السئی فی الامۃ للاستاذ سلیم الھلالی (اردو) طبع اول ۱۴ ناشر: الدار العلمیۃ بدلھی۔

(۲۰) من منبر المسجد الحرام للشیخ محمد بن عبداللہ السبیل (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۱ھ ناشر: الجامعۃ السلفیہ بنارس، الھند۔

(۲۱) کتاب الکبائر للامام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ (ترجمہ،اردو) غیر مطبوع۔

(۲۲) لماذا صلاۃ الفجر للاستاذ عدنان الطرشہ (ترجمہ،اردو) غیر مطبوع۔

(۲۳) اللحیة لماذا الاستاذ محمد احمد اسماعیل (ترجمة ،اردو) غیر مطبوع۔

(۲۴) قبل ان تصلی للاستاذ انس بن عبدالحمید القوز (ترجمه ،اردو) طبع اول ۱۴ ناشر: مکتبة دار السلام بالریاض۔

(۲۵) هکذا حج الرسول ﷺ للشیخ ابن باز (ترجمه اردو) طبع اول ۱۴ ناشر: مکتبة دار السلام بالریاض۔

(۲۶) آداب المشیٔ الی الصلوة للامام محمد بن عبدالوهاب (ترجمه، اردو) غیر مطبوع۔

(۲۷) التحذیر من البدع لسماحة الشیخ ابن باز (ترجمه ،اردو) غیر طبع۔

(۲۸) ثلاث رسائل لسماحة الشیخ ابن باز (ترجمه ،اردو) غیر مطبوع۔

(۲۹) من اخطاء الحج والعمرة للشیخ سالم بن محمد الجهنی (ترجمه، اردو) غیر مطبوع۔

(۳۰) ستون سوالا عن احکام الحیض للشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمه الله (ترجمه : اردو) طبع اول ۱۴۲۰ھ ناشر: مرکز الدعوة بالدرعیة۔

(۳۱) رسالة الامام عبدالعزیز الشانی اوحقیقة دعوة الشیخ محمد بن عبدالوهاب للشیخ محمد بن عبداللطیف آل الشیخ (ترجمه: اردو) طبع اول ۱۴ ،ناشر: مکتب الدعوة بغرب الدیره۔

(۳۲) اعانة المحتاج من کتاب المنهاج للامام ابن تیمیة تالیف الشیخ شریف بن علی الراجحی (ترجمه، اردو) طبع اول ۱۴۲۰ھ، ناشر: مکتب الدعوة بغرب الدیره۔

(۳۳) التوحید اهمیته وفضله للشیخ عمر بن سعود العید (ترجمه، اردو) غیر مطبوع۔

(۳۴) الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان لابن تیمیة (ترجمه، اردو) طبع اول ۱۴۲۲ھ ناشر: مکتب الدعوة بسلطانة۔

(۳۵) الاسرة المسلمة للدکتور محمد بن لطفی الصباغ (ترجمه، اردو) غیر مطبوع۔

(۳۶) دور المرأة فی اصلاح المجتمع للشیخ العثیمین رحمه الله (ترجمه ،اردو) طبع اول ۱۴۲۲ھ ناشر: مکتب الدعوة بسلطانة۔

(۳۷) فتاوی مهمة تتعلق بالزکوة لسماحة الشیخ ابن باز رحمه الله (ترجمه،اردو) غیر مطبوع۔

(۳۸) التفسیر الیسیر لسورة الفاتحة وجزء عم للشیخ یوسف العوید (ترجمه، اردو) غیر مطبوع۔

(۳۹) ابواب الجنة (اردو) غیر مطبوع۔

(۴۰) الاسرة المسلمة لفضیلة الشیخ صالح بن فوزان (ترجمه، اردو) غیر مطبوع۔

(۴۲) یا اخا الاسلام (ترجمه، اردو) غیر مطبوع)

(۴۳) من فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیة للشیخ عبداللہ الجار اللہ رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۴ھ، ناشر: مکتب الدعوة بسلطانة۔

(۴۴) الولاء والبراء فی الاسلام لفضیلة الشیخ صالح الوزان (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۴ھ، ناشر: مکتب الدعوة بغرب الدیرہ۔

(۴۵) زیارة القبور والاستنجاد بالمقبور لشیخ السلام ابن تیمیة (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

(۴۶) الارشاد الی صحیح الاعتقاد لفضیلة الشیخ صالح الفوزان (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

(۴۷) شرح اصول الایمان للشیخ محمد العثیمین رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

(۴۸) نواقض الاسلام للامام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۴ھ ناشر: مکتب الدعوة بسلطانة۔

(۴۹) التحذر من الرویا المکذوبة علی المصطفی ﷺ للشیخ محمد السبیل (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۴ھ ناشر: مکتب الدعوة بسلطانة۔

(۵۰) حقوق دعت الیها الفطرة للشیخ محمد العثیمین رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۴ھ ناشر: مکتب الدعوة بسلطانة۔

(۵۱) المعتقد الصحیح للدکتور عبدالسلام بن برجس (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

(۵۲) الخلاف بین العلماء: اسبابه وموقفنا منه للشیخ محمد العثیمین رحمہ اللہ (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

(۵۳) الدعاء من الکتاب والسنة والعلاج بالرقی من الکتاب والسنة للشیخ سعید القحطانی (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۵ھ، ناشر: موسسة الجریسی للتوزیع۔

(۵۴) بیان عقیدة اهل السنة والجماعة ولزوم اتباعها للشیخ سعید القحطانی (ترجمہ، اردو) طبع اول ۱۴۲۵ھ ناشر: موسسة الجریسی للتوزیع۔

(۵۵) الطرق الحسان فی علاج امراض الجان للاستاد خلیل ابراهیم امین ابو المنذر (ترجمہ، اردو) غیر مطبوع۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ آپ کے مضامین مختلف اخبارات ورسائل میں بھی شائع ہوتے رہے تھے، بطور مثال چند اخبارات ورسائل کے اسماء مع عناوین درج ذیل ہے:

(۱) "مکتبة رضا برامفور، نشاتها وتطوراتها" یہ مضمون کتاب اردو "تاریخ رامپور رضا لائبریری رامپور" (مطبوع)

مصنفہ محمد حسین خاں شفا کا عربی ترجمہ ہے جو حکومت ہند کی جانب سے نکلنے والے سہ ماہی عربی مجلہ ''ثقافة الهند'' میں کئی قسطوں میں شائع ہو چکا ہے۔

(۲) ''ٹیلویژن اور شریعت اسلامیہ'' یہ مضمون شیخ عبداللہ بن حمید سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ آف سعودی عرب کے عربی رسالہ "التلفزیون وحکمه فی الشریعة" کا اردو ترجمہ ہے۔ جو ماہنامہ "التوعیة" نئی دہلی اکتوبر و نومبر ۱۹۸۸ء وغیرہ کے شماروں میں قسط وار شائع ہوا ہے۔

(۳) ''اسلام اور تربیت اولاد'' یہ مضمون چار قسطوں میں ماہنامہ ''التوعیة'' نئی دہلی ۸۶، ۱۹۸۷ء کے شماروں میں شائع ہو چکا ہے۔

(۴) اردو رسالہ ''مظلوم ابن سعود اور خلافت کمیٹی'' کا عربی ترجمہ قدرے حذف و اضافہ کے ساتھ ''صوت الامة'' بنارس اکتوبر دسمبر ۱۹۸۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔

(۵) ''حرمت کعبہ کی پامالی ایک قدیم سازش'' یہ مضمون پندرہ روزہ ترجمان دہلی کے ۱۹۸۷ء کے شماروں میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔

(۶) ''تاریخ کا یہ حیرت انگریز انقلاب'' یہ مضمون ترجمان دہلی کے ۱۶/مارچ اور یکم اپریل ۱۹۸۸ء کے شماروں میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔

اس مضمون کے لکھنے کا پس منظر یہ ہے کہ نومبر ۱۹۸۷ء میں ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن الترکی اور ڈاکٹر عبدالحلیم عویس حفظہم اللہ کی ہندوستان تشریف آوری کے موقع پر دارالعلوم دیوبند میں ان مہمانوں کو جو استقبالیہ پیش کیا گیا تھا اس میں صراحت سے یہ بھی کہا گیا "وقد تسمی الدیوبندیة بالوهابیة نسبة الی الشیخ محمد بن عبدالوهاب النجدی" اس مضمون میں یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ ''آپ دیوبندی حضرات کا شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی سے اتنا گہرا تعلق و ربط کب سے ہوا؟ کیا آپ کے اپنے اکابرین کی دل آزار تحریریں آپ کو یاد نہیں رہیں؟

(۷) ''سوال ملت کا ہے'' یہ مضمون دراصل ۱۹۸۷ء میں بموقع حج پیش آنے والے ''حادثہ حرم'' کے تعلق سے ایک اداریہ ہے جو ماہنامہ ''نوائے اسلام'' دہلی کے دسمبر ۱۹۸۷ء کے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے، اس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ''حرمین شریفین'' کی حرمت و تقدس کی حفاظت کے سلسلہ میں جماعت اہل حدیث کا موقف کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ یہ جماعت تاریخ کے نازک ترین دور میں بھی اپنے موقف پر سختی سے کاربند رہی ہے۔

(۸) ''تعلیم نسواں افکار و نظریات'' یہ مضمون علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ کے عربی مضمون "تعلیم الاناث و تربیتهن" (شائع شدہ مجلہ الجامعة السلفیة۔ بنارس) کا اردو ترجمہ ہے، ماہنامہ 'الاسلام' دہلی کے ۱۹۸۷ء کے شماروں میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔

بیماری اور وفات: زمانہ طالب علمی ہی سے آپ مجھ سے تعلق زیادہ رکھتے تھے، جب سعودیہ عربیہ جا کر ریاض میں آپ نے پڑھنے کے بعد ملازمت اختیار کر لی تو اکثر و بیشتر بذریعہ فون یا موبائل مجھ سے باتیں کیا کرتے تھے اور بعض کاموں کے سلسلہ میں مشورہ بھی لیتے

تھے، اس سال شروع رمضان (۱۴۲۵ھ) میں دومرتبہ موبائل پر رابطہ قائم کیا اور دیر تک گفتگو کرتے رہے، میں نے کہا فون بند کردیجئے خرچ بہت آئے گا، جواب دیا کہ زندگی کا کیا ٹھکانہ معلوم نہیں کہ آئندہ گفتگو کرنے کا موقع ملے یا نہ ملے، میں خاموش ہوگیا انہوں نے مختلف موضوع پر گفتگو کرنے کے بعد فون بند کردیا اس کے بعد سے گفتگو کا موقع نہیں ملا۔

جامعہ کھلنے کے بعد شوال میں بنارس پہنچا تو ان کے چھوٹے بھائی مولانا خورشید احمد سلفی سے فون پر گفتگو ہوئی، میں نے ان سے پوچھا کہ مولانا ابوالمکرم کا کیا حال ہے؟ زیادہ دن ہوگیا کوئی فون نہیں آیا، تو کہنے لگے کہ گھر فون آیا ہے طبیعت کچھ خراب چل رہی ہے، میں نے پوچھا کہ کیا بخار ہے؟ کہا نہیں پیٹ میں برابر درد رہتا ہے دعا کیجئے۔

شروع ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ کو یہ دل دوز اور جگر سوز خبر ملی کہ آپ کی آنت میں کینسر ہوگیا ہے اور ریاض کے ''شمیسی'' اسپتال میں آپ داخل ہیں اور علاج باقاعدہ شروع ہوگیا ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد خبر ملی کہ مرض بڑھتا ہی چلا جارہا ہے آخر ڈاکٹروں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے وطن چلے جائیں یہی آپ کے لئے بہتر ہے۔

ڈاکٹروں کا یہ مشورہ سن کر آپ مکمل طور پر اپنی زندگی سے مایوس ہوگئے اور فوراً گھر آنے کے لئے آمادہ ہوگئے اور گھر والوں کو بذریعہ فون خبر دیا کہ میں مع اہل وعیال بذریعہ طیارہ ۱۳؍جنوری ۲۰۰۵ء مطابق ۲؍ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ کو دہلی پہنچ رہا ہوں، چنانچہ آپ اپنے وقت موعود پر دہلی پہنچ گئے، آپ کے گھر والے پہلے سے ہوئی اڈہ پر موجود تھے مولانا کے اہل وعیال کو قیام کے لئے ''دارالدعوۃ'' میں بھیج دیا اور مولانا کو دہلی کے ایک بڑے اسپتال ''بترا'' میں لے جاکر داخل کردیا، یہاں کے ڈاکٹروں نے نئے سرے سے آپ کے مرض کی تشخیص کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب آپ کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے، ان لوگوں نے آپ کے گھر والوں سے کہا کہ جتنا جلدی ممکن ہو انہیں گھر پہنچادیں۔

چنانچہ ۱۹؍جنوری ۲۰۰۵ء مطابق ۸؍ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ کو آپ کے گھر والے آپ اور آپ کے بچوں کو لے کر بذریعہ ٹرین گھر کے لئے روانہ ہوگئے اور ۲۰؍جنوری ۲۰۰۵ء بمطابق ۹؍ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ کو دس بجے دن گھر پہنچ گئے اور ۲۱؍جنوری ۲۰۰۵ء مطابق ۱۰؍ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ کو ساڑھے ۱۲ بجے شب آپ کا انتقال ہوگیا، اور اسی روز ۲ بجے دن میں اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے، جنازہ کی نماز آپ کے والد محترم نے پڑھائی۔

شادی واولاد: آپ کی شادی ۱۹۹۱ء میں موضع ککرا پوکھر میں مولانا عزیز الحق صاحب کی صاحبزادی شہناز خاتون سے ہوئی جن کے بطن سے کل چھ اولاد ہوئیں اور سب بحمد اللہ زندہ وسلامت ہیں، ان کے اسماء ترتیب وار درج ذیل ہیں:

(۱) احسان (۲) بشریٰ (۳) سلویٰ (۴) ذکریٰ (۵) سارہ (۶) سلمان، سلمان کی عمر اس وقت کل ۱۳ ماہ ہے۔

آخر میں ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے بشری فروگذاشتوں کو معاف کرے اور آپ کی نیکیوں اور جملہ دینی خدمات کو قبول فرما کر انہیں آپ کی مغفرت ونجات کا ذریعہ بنائے اور آپ کے جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ (آمین)



(ماہنامہ السراج، جھنڈانگر۔ فروری تا اپریل ۲۰۰۵)

خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود

شیخ ابوالمکرم عبدالجلیل سلفی

مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی، مدیر ماہنامہ نورتوحید جھنڈانگر نیپال

۱۴۲۵ھ کی عیدالاضحیٰ کی خوشیوں اور شادمانیوں کا بھرپور لطف اٹھاتے ہوئے ہم یہ اسلامی تیوہار منا رہے تھے کہ فون پر ایک ایسی جانکاہ اطلاع ملی جس نے ہماری خوشیوں پر اوس ڈال دیا، فون پر عزیز بھائی مولوی خورشید احمد سلمہ نے غم آلود آواز میں یہ خبر دی کہ ''شیخ ابوالمکرم صاحب سلفی کی وفات ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ للہ ما اعطی ولہ ما اخذ۔

ایک خاندان پر شب عیدالاضحیٰ میں کیا گذری ہوگی جس کا جواں سال، لائق وفائق اور ہونہار عالم فرزندان سے جدا ہوگیا اور مست وشادمانی کے موقع پر ان کو سوگوار چھوڑ گیا وللہ فی خلقہ شئون۔

مجھے شیخ ابوالمکرم سلفی کی بیماری اور ریاض سے ہندوستان آمد کی اطلاع نہ تھی، ۱۴ردسمبر ۲۰۰۴ء کو ٹیلیفون پر میری ان سے گفتگو ہوئی تھی وہ اس وقت صحتمند تھے، چند ماہ پیشتر ہی وطن سے مع اہل وعیال ریاض گئے تھے۔

اول وہلہ میں میں نے یہی سمجھا کہ یہ حادثہ ریاض میں ہی پیش آیا ہے، پھر ایک دوسرے فون سے یہ واضح ہوا کہ انتقال گھر پر ہوا ہے۔

کافی دیر ہوچکی تھی، بڑی برق رفتاری ے سفر شروع کیا، منزل مقصود پر پہنچا کہ صلاۃ جنازہ ختم ہوگئی دو چار منٹ بھی مہلت ملی ہوتی توصلاۃ جنازہ جماعت کے ساتھ پاجاتا ''وما تشائون الا ان یشاء اللہ'' تدفین اور دعاء للمیت حول القبر میں شامل رہا۔

شیخ موصوف کے والد محترم الحاج عبدالجلیل صاحب اور برادر صغیر خورشید احمد سے تعزیت کیا اور انہیں صبر وضبط کے چند کلمات پیش کرنے کے بعد واپس گھر روانہ ہوا۔

ذیل کی سطور میں شیخ ابوالمکرم صاحب سلفی کی مختصر سوانح حیات اور تاثراتی کلمات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے شیخ ابوالمکرم سلفیؒ ضلع سنت کبیر نگر اترپردیش کے ایک چھوٹے سے قصبہ ''سانتھا بازار'' میں ۱۹۶۲ء میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم موضع لوہرسن بازار میں حاصل کرنا شروع کیا، لوہرسن بازار کی ایک معروف شخصیت ڈاکٹر عبدالحمید حامد الانصاری انجم صاحب حفظہ اللہ کی ہے، انجم صاحب نیپال کے ایک گاؤں ہرنام پور ضلع روپندیہی میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دے چکے ہیں، آپ کے ساتھ ابوالمکرم صاحب ہرنام پور آئے اور وہاں پر انجم صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، اس کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا میں تعلیم حاصل کیا، موصوف ایک ذہین وفطین طالب علم تھے، ہمیشہ امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کرتے تھے، اعلیٰ

تعلیم کے لئے ۱۹۷۸ء میں جامعہ سلفیہ بنارس کا رخ کیا، عالمیت اور فضیلت کا کورس نمایاں کامیابی کے ساتھ مکمل کیا، جامعہ سلفیہ کے نامور اساتذہ فن سے خوب خوب کسب فیض کیا۔

جامعہ سلفیہ بنارس اس وقت اپنے تعلیمی وتربیتی معیار کے لحاظ سے اعلیٰ مقام پر تھا اور متخرجین جامعہ کا ''جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ'' میں کثیر تعداد میں داخلہ ہوتا تھا۔

طلبہ میں تسابق وتنافس کا ایک خاص ماحول تھا، اسی شاندار ماحول میں شیخ ابوالمکرم سلفی نے تعلیم پائی اور دیگر محنتی اور ذہین طلبہ کی طرح اپنے اندر عمدہ لیاقت واستعداد پیدا کی، چنانچہ بعد کی عملی زندگی میں ان کا شمار بہترین علماء وفضلاء میں ہونے لگا۔

مملکت سعودی عرب کی یونیورسٹی میں داخلہ اور اعلیٰ تعلیم کا حصول ہر لائق وہونہار طالب کی دلی آرزو اور خواہش ہوتی ہے، موصوف کی بھی یہ دلی تمنا تھی چنانچہ ان کی یہ آرزو برآئی، غالباً ۱۹۸۶ء کی بات ہے آپ کا داخلہ جامعۃ الملک سعود ریاض میں ہوگیا، وہاں پر معہد اللغۃ العربیۃ۔ تدریب المعلمین کا کورس مکمل کیا، اس کے بعد كلية التربيه کے قسم الدراسات الاسلاميه سے ''لیسانس'' کی ڈگری حاصل کی، جامعۃ الملك سعود میں الدبلوم العالی لاعداد المعلمین کا کورس پورا کیا، غرضیکہ ریاض میں تعلیمی زندگی کا ایک طویل زمانہ گذارا اور اپنی علمی پیاس کو خوب بجھایا، قیام ریاض کے زمانہ میں جامعہ کی منہجی تعلیم کے علاوہ وہاں کے مشہور علماء ومشائخ سے استفادہ کا سلسلہ جاری رکھ کر اپنی علمی صلاحیت کو خوب پروان چڑھایا اور اس میں خوب جلا اور نکھار پیدا کیا۔

شیخ ابوالمکرم سلفی میدان عمل میں:

موصوف ۱۹۸۴ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے فارغ التحصیل ہوئے، آپ نے کچھ ایام جامعہ سلفیہ میں گذارا، وہاں پر مختلف علمی وتحقیقی فرائض وخدمات انجام دیتے رہے پھر آپ نے تدریسی مشغلہ جاری رکھتے ہوئے مختلف میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دیا۔

میدان تدریس: سب سے پہلے آپ نے معہد التعلیم الاسلامی نئی دہلی میں تدریسی فریضہ انجام دینا شروع کیا، وہاں پر آپ پڑھاتے تھے ساتھ ہی مطالعہ وکتب بینی کیلئے جامعہ ہمدرد کی لائبریری میں جاکر اپنی علمی تشنگی بجھاتے اور معلومات میں اضافہ کرتے رہے، اس سلسلہ میں ادارہ معہد آپ کا تعاون کرتا تھا، معہد میں غالباً ایک ہی سال گذارا، اس کے بعد آپ جامعہ ریاض العلوم دہلی میں مدرس مقرر ہوئے، آپ ایک کامیاب مدرس تھے اس کی گواہی وہ ضرور دیں گے جنہیں آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے، وہاں پر ایک سال سے کچھ زائد عرصہ گذارا تھا کہ آپ کو جامعۃ الملک سعود ریاض میں اعلیٰ تعلیم کا سنہری موقعہ ملا اور پھر جامعہ ریاض العلوم سے شہر ریاض چلے گئے۔

میدان خطابت: کم عمری سے ہی خطابت سے آپ کو دلچسپی تھی، اس میں بحمد للہ جناب انجم جمال اثری صاحب کی تعلیم وتربیت اور آپ کی صحبت کا بھی کافی اثر تھا، جامعہ سلفیہ میں اس صلاحیت کو مزید نکھارنے کا موقعہ ملا، بالآخر فن خطابت میں کمال پیدا ہوگیا، اکثر آپ اپنے ہم سبق زملاء اور ہم عصر اقران واصحاب پر میدان خطابت میں غالب رہتے اور تقریری مسابقات میں نمایاں پوزیشن

حاصل کرکے بازی مار لیتے تھے۔

۱۹۸۴ء میں ریاستی جمعیۃ اہل حدیث مشرقی یوپی کے زیر اہتمام شہر بھدوہی میں صوبائی کانفرنس کا انعقاد ہوا، اس کانفرنس میں ایک پروگرام طلبہ مدارس اہل حدیث کے مابین تقریری مقابلہ کا تھا، تقریر کا موضوع تھا ''اسلام میں نوجوانوں کا کردار'' اس انعامی تقریری مسابقہ میں متعدد جماعتی مدارس کے منتہی درجات کے طلبہ شریک تھے۔

جامعہ سلفیہ بنارس کی نمائندگی شیخ ابوالمکرم صاحب کررہے تھے جو اس وقت فضیلت سال آخر کے طالب علم تھے، تقاریر کا سلسلہ ختم ہوا نتائج کا اعلان ہوا، موصوف اول پوزیشن حاصل کرکے انعام اول کے مستحق قرار پائے، بعد کی عملی زندگی میں موصوف ایک بہترین خطیب ثابت ہوئے، آپ کا خطاب مدلل انداز بیاں سلجھا، زبان صاف اور اسلوب عمدہ ہوتا تھا ساتھ ہی تقریر میں متانت وسنجیدگی برقرار رہتی ہے

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

میدان تالیف وترجمہ: شیخ ابوالمکرم مضمون نویسی اور مقالہ نگاری میں دلچسپی لیتے تھے، ترجمہ وتالیف کا اچھا ذوق رکھتے تھے، جامعہ سلفیہ بنارس اور دہلی وریاض کے زمانہ قیام میں اس طرف کافی توجہ مبذول کی، آپ نے بعض اہم کتابیں تالیف کرنے کے ساتھ کچھ اہم دعوتی کتابوں کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا اور اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا۔

تالیفات وتراجم میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

۱۔ "علماء اهل حديث فى الهند وموقفهم من دعوة الامام محمد بن عبدالوهاب والدولة السعودية" یہ کتاب عربی زبان میں ہے، موضوع نام سے ہی ظاہر ہے، اس کتاب کی اہمیت کو شیخ عبدالرحمن بن عبداللطیف بن محمد آل الشیخ رحفظہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے: "وقد وجدت هذا الكتاب مهما فى موضوعه اضافة الى تميزه بدقة المعلومات وتوثيقها بالوثائق التاريخية" میرے نزدیک یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت اہم ہے ساتھ دقت معلومات میں ممتاز نیز تاریخی دستاویزوں سے مدلل ہے۔

اس کتاب کے ذریعہ مؤلف موصوف کا علمی حلقوں میں تعارف ہوا۔

۲۔ ''امام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور علمائے اہل حدیث کی مساعی'' یہ کتاب مذکورہ بالا عربی کتاب کا اردو ایڈیشن ہے، مؤلف موصوف نے اس موضوع پر دونوں زبانوں میں مستقل کام کیا، اس کتاب کو ادارۃ البحوث الاسلامیہ بنارس نے زیور طبع سے آراستہ کروایا، اس پر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری حفظہ اللہ کا قیمتی مقدمہ ہے۔

ڈاکٹر ازہری صاحب نے اپنے مقدمہ میں اس کتاب کی اہمیت اور مؤلف کی کاوش کو خوب اجاگر کیا ہے، ایک مختصر اقتباس ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں ''اس موضوع پر ان (ابوالمکرم) کا مطالعہ وسیع وعمیق ہے انہوں نے مآخذ کو کھنگالا تھا، افراد وجماعت کے مزاج سے واقف تھے، مواقف میں تبدیلیوں کے اسباب پر ان کی نظر تھی اس لئے انہوں نے شیخ محمد بن

عبدالوہاب کی دعوت، سعودی حکومت کے کارناموں اور جماعت اہل حدیث کے موقف پر عربی واردو دونوں زبانوں میں اوراس موضوع پر استنادی حیثیت حاصل کرلی"

۳۔ مظلوم ابن سعوداور خلافت کمیٹی: (اردو) ناشر: مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند: ۱۹۸۷ء

۴۔ **دلائل النبوۃ: تحقیق ودراسۃ (عربی)**

۵۔ روزہ کے مسائل: تالیف عبداللہ جاراللہ ابراہیم

۶۔ خطبات حرم: (اردوترجمہ)

یہ امام حرم فضیلۃ الشیخ محمد عبداللہ السبیل رحفظہ اللہ کے مسجد حرام کے خطبات جمعہ کے مجموعہ کا اردو ترجمہ ہے، آپ نے امام موصوف سے ترجمانی کی اجازت لینے کے بعد کام شروع کیا اور پایۂ تکمیل کو پہنچایا، جامعہ سلفیہ بنارس نے زیور طباعت سے آراستہ کرکے اسے شائع کیا۔

الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان (تالیف: شیخ الاسلام ابن تیمیہ) اردوترجمہ، ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

میدان دعوت وارشاد: جن عناصر سے شیخ ابوالمکرم سلفی کی شخصیت کی تشکیل ہوئی وہ ایک داعیہ کے لئے اس کی دعوتی زندگی میں ممدومعاون ثابت ہوسکتے ہیں، آپ کا مزاج دعوتی تھا۔

ہندوستان میں ریاض جانے سے قبل دہلی میں خطبات جمعہ اوراپنی دینی تحریروں کے ذریعہ دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دیتے تھے اوراپنے علاقہ میں وعظ ونصیحت عام کرنا اپنی اولین ذمہ داری سمجھتے تھے۔ قیام ریاض کے زمانہ میں وہاں دعوتی کام کرنے والی تنظیم "**المکتب التعاونی للدعوۃ والارشاد لتوعیۃ الجالیات**" سے وابستہ ہوکردعوت وارشاد کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

آپ کی اردو میں ترجمہ کردہ بہت سی کتابوں کی نشرواشاعت "المکاتب التعاونیۃ" نے کی ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں آپ سلطانہ ریاض کی جالیات سے وابستہ تھے، اردوطبقہ میں آپ کا محاضرہ ہوتا اور خوب شوق کے ساتھ سنا جاتا، توحید وعقیدہ کا درس باضابطہ طور پر دیتے تھے۔

جامعۃ الملک سعود سے فراغت کے بعد آپ نے جالیات کے زیر اشراف دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دینا شروع کیا پھر بعد میں وزارۃ الشئون الاسلامیہ والاوقاف والدعوۃ والارشاد' میں باحث ومترجم کی حیثیت سے مامور ہوئے، وہاں آپ کی ذمہ داری بحوث ومقالات کی تیاری وتکمیل، مفید دعوتی کتابچوں کا ترجمہ، دوسرے اہل علم کی ترجمہ کردہ کتابوں پر نظر ثانی اور وکالۃ المطبوعات والنشر کے زیر نگرانی طبع ہونے والی اردو کتابوں کی نگرانی وغیرہ کرنا تھا ساتھ ساتھ دروس ومحاضرات کے ذریعہ دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دینا تھا۔

آپ اس منصب پر فائز تھے کہ بیماری نے حملہ کیا آپ وطن لوٹ آئے اور دہلی میں علاج ومعالجہ کی انسانی کوشش ناکام ہونے کے بعد گھر آئے اور وہیں پر آپ کا انتقال ہوا۔

مدرسہ زید بن ثابت کی تاسیس: آپ نے دعوت حق کی نشر واشاعت اور دینی واسلامی تعلیم کے فروغ کے لئے موضع سانتھا بازار میں ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈالی اس کا نام ''مدرسہ زید بن ثابت'' رکھا وہاں پر ابتدائی تعلیم کے ساتھ شعبۂ حفظ وعربی درجات کی تعلیم کا بندوبست ہے، اس ادارہ سے علاقہ وجوار میں سلفیت کے فروغ کو بڑی مدد ملنے کی توقع تھی اور ہے لیکن آپ کے سانحہ وفات سے جہاں بہت سا علمی خسارہ ہوا وہیں پر مدرسہ زید بن ثابت کی تعمیر وترقی کی راہ میں مشکلات پیدا ہوگئی ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ادارہ کو اسلام کا قلعہ بنائے، اسے موصوف کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور انہیں اجر وثواب سے برابر نوازتا رہے۔ آمین

بیماری اور وفات: آپ کو دسمبر ۲۰۰۴ کے اواخر میں ''شمیسی'' اسپتال ریاض میں علاج کے لئے داخل کردیا گیا، آپ کے دونوں گردے متاثر تھے اور کام نہیں کررہے تھے جگر بھی متاثر تھا۔ ریاض میں ۲۰/روز تک علاج کے بعد بھی آپ روبصحت نہ ہوئے بالآخر وطن لوٹنے کا بندوبست ہوا، اہل خانہ دہلی پہنچے، وہیں ایک ہفتہ تک دوا کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد آپ بذریعہ ٹرین گھر پہنچے، جنوری ۲۰۰۵ء کی بیس اور ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ کی نو تاریخ تھی، گھر پر گورکھپور کے ایک حکیم کی دوا استعمال کی گئی، قدرے افاقہ کا احساس ہوا، ڈاکٹر نے لوگوں کو ملاقات اور بات سے منع کررکھا تھا، مگر آپ ملنے والوں سے گفتگو کرتے تھے، آخری وقت تک ہوش وحواس بھی درست تھا، اشاروں سے نمازیں ادا کرتے، عشاء کی صلاۃ بھی ادا کی پھر وقت موعود اور اجل محتوم آپہنچا آپ ۱۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰/جنوری ۲۰۰۵ء جمعہ کی رات میں گیارہ بجے انتقال کرگئے، ''**فانا للہ وانا الیہ راجعون**''

جنازہ وتدفین: مدرسہ زید بن ثابت سانتھا بازار ضلع سنت کبیر نگر کے احاطہ میں آپکی صلاۃ جنازہ آپ کے والد محترم جناب الحاج عبدالجلیل صاحب نے پڑھائی، جنازہ میں یوم الاضحیٰ کے باوجود کافی لوگ شریک تھے، لوہرسن بازار اور قرب وجوار کے بہت سارے لوگ اور علاقہ کے تقریباً تمام علماء موجود تھے۔

آپ کو مدرسہ کے قریب غالباً آپ کے قطعہ اراضی کے ایک گوشہ میں دفن کیا گیا ''**اللهم اغفرله وارحمه وافسح له في قبره ونورله فيه**''

ذات وصفات: جسم لاغر ونحیف، قدوقامت چھوٹا، رنگ سفید، پیشانی روشن وکشادہ، آنکھیں چمکدار، چہرہ شرافت کا آئینہ دار، چہرہ پر لمبی سیاہ داڑھی، کرتا و پاجامہ کے ساتھ شیروانی زیب بدن اور عمدہ اونچی دیوار کی ٹوپی زیب سر ہوتی اور دیار سعودیہ میں مروج عربی لباس میں ملبوس ہوتے۔ یہ تھا شیخ ابوالمکرم کا سراپا۔

مختصر قدوقامت اور پتلی کلائیوں اور کمزور ونحیف پنڈلیوں والے اس شخص کو دیکھ کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق قول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ یاد آتا تھا۔

'' **كنيف ملئی علما وفقها** '' یہ چھوٹا سا بکس علم وفقہ سے معمور ہے۔

بلاشبہ شیخ ابوالمکرم صاحب کی شخصیت علم وفقہ کی آئینہ دار تھی، اخلاق عالیہ وخصائل حمیدہ میں آپ ایک خاص مقام رکھتے تھے، سب سے خندہ پیشانی سے ملتے، تبسم ریزی آپ کی علامت بن چکی تھی، بڑوں کی توقیر اور چھوٹوں پر رحمت وشفقت آپ کا نمایاں

وصف تھا، خوردوں کے کام آنا اوران کو اجتہاد فی العلم والدراسہ کی رغبت دلانا اور باصلاحیت افراد سے کام لینا اوران کی مدد کرنا ساتھ ہی ان میں سلفی غیرت وحمیت کی آبیاری کرنا ان کا شیوہ تھا۔

آپ ایک علم دوست انسان تھے، اہل علم وفضل سے گہری محبت رکھتے تھے، مشائخ کبار وعلماء عظام سے ان کے مراسم وروابط تھے، اہل علم کی صحبت میں حاضری دیتے تھے، ان کے علم وفقہ سے خوب خوب کسب فیض کرتے تھے، علم وادب میں خوب ادراک رکھتے تھے، انہیں عربی زبان کی اچھی لیاقت کے ساتھ اردو زبان وبیان پر کافی دسترس حاصل تھا۔

ابوالمکرم صاحب میں سلفی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، علمی زندگی اس غیرت وحمیت کی عکاس تھی، سنت نبوی کے مطابق ان کے چہرہ پر لمبی داڑھی دیکھ کر اس کا احساس ہوتا تھا کہ اتباع سنت آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

آپ کی کتاب: ''امام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت اور علماء اہل حدیث کی مساعی'' سے عقیدہ توحید، عقیدہ سلفیت اور دعوت حق کی تیئں آپ کی سچی حمیت کا واقعی اظہار ہوتا ہے، یہ کتاب بہت اہم ہے اہل علم اور طلبہ کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

شیخ ابوالمکرم سلفی کے مثل ہماری جماعت میں ہزاروں اہل علم ہیں، جو علمی گہرائی وگیرائی ضرور رکھتے ہیں لیکن اپنے عمل اور حرکت ونشاط اور دعوتی ذہن اور علمی انتاجات کے اعتبار سے وہ مقام حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے جو موصوف نے حاصل کیا ؎

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد الہ بخشندہ

شیخ ابوالمکرم صاحب سلفی کو جامعہ سلفیہ بنارس اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اوران کے اعمال وخدمات اور متنوع سرگرمیوں سے بڑی دلچسپی تھی ساتھ ساتھ دیگر سلفی اداروں اور سلفی علماء سے بھی محبت وعقیدت رکھتے تھے۔

آپ کی وفات صرف آپ کے خاندان کا خسارہ نہیں ہے بلکہ جماعت وجمعیت کا ایک بہت بڑا علمی خسارہ ہوا ہے، آپ کی وفات سے ایک علمی خلا پیدا ہوا ہے۔

شیخ ابوالمکرم سلفی ایک متواضع، ملنسار، خلیق اور مہمان نواز انسان تھے، اس کے شاہد وہ طلبہ وغیرہ ہیں جو ریاض میں آپ سے شرف لقاء حاصل کرچکے ہیں، بہت سی خوبیوں کے مالک انسان میں بھی خامیوں کا وجود یقینی ہے، آپ میں خامیاں رہی ہوں گی نیکیوں کے ساتھ خطائیں بھی انسان سے سرزد ہوتی ہیں۔ اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ ان کی نیکیوں کو قبول کرے اور خطاؤں سے درگذر فرمائے۔ (آمین)

تقریباً عمر عزیز کی تینتالیس بہاریں دیکھ کر دسویں ذی الحجہ کا سورج بھی نہیں طلوع ہوا تھا کہ علم وفضل کا یہ روشن ستارہ شب کی تاریکیوں میں غروب ہوگیا ؎

خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بو

''اللهم أغفرله وارحمه وارفع درجته في المهديين وادخله برحمتك جنات النعيم''

(ماہنامہ السراج فروری تا اپریل ۲۰۰۵ء)

❑❑❑

مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ

مولانا عبدالمعید مدنی علی گڑھ

۱۹۶۷ء یا ۱۹۶۸ء میں تلشی پور، ضلع گونڈہ اب بلرام پور میں صوبائی کانفرنس کا انعقاد ہوا تھا۔ نہایت شاندار۔ اس وقت عمر ہی کیا تھی۔ دیہات سے قصبہ میں گئے ہر طرف اجالا ہی اجالا تھا اور بہار ہی بہار۔ بڑا اچھا لگا تھا۔ اس وقت تمام سہولتیں میسر ہیں لیکن نہ تواضع ہے نہ علمی اخلاص وبصیرت۔ نہ باہمی تعاون کا بھرپور جذبہ۔ اسٹیج پر تقریروں کی مقابلہ آرائی، وقت کے لئے جھگڑا گانے کے لئے فرمائش، کھانے کے لئے جھگڑا اور مطالبات، تقریریں بیچنے کی ہوڑ بازی اور ان کا نرخ، دلالی، سواری کے لئے جھگڑا، حق امتیاز اور حیثیت کی چھوٹائی بڑائی کیلئے ناراضگیاں، سامعین کا شوق غناء اور سنانے والوں کی سطحیت پستی اور علم کی توہین اور اسے ارزاں کرنے کی آمادگی۔ جلسوں کے لئے کئے گئے عوامی چندوں میں گھپلا اور خرد برد۔ جلسہ ہے کہ فتنوں کا مظاہرہ اور پھکڑوں سرپھروں کا پریڈ، علم ودولت کا ہراج (نیلا گاہ) جاہل بدکردار گویوں کی تعظیم کا دلدوز منظر۔

بہرحال یاد نہیں کانفرنس کا واقعہ ۶۷ کا ہے یا ۶۸ کا۔ اس میں بزرگوں کے ساتھ شریک ہوا۔ اپنا علاقہ، سارے رشتہ دار موجود، بس عید کا منظر تھا۔ ہر شے بڑی منظم اور مرتب نظم وضبط ڈسپلن، وہیں پہلے مرکزی دارالعلوم (جامعہ سلفیہ) کی انجمن ندوۃ الطلبہ کا اسٹال اور المنار کا جلوہ دیکھا اور ابناء قدیم اور طلباء جامعہ کا خوش رنگ دیکھا۔ اس کے دو ایک سال بعد ۱۹۶۹ء کے اخیر میں جامعہ رحمانیہ میں عربی سوم میں داخلہ ملا۔

سارے جلوے دیکھے، باری آئی تقریروں کے سننے کی، سنجیدگی ذمہ داری اور دلچسپی اور وقار کا ماحول، خاموشی اور توجہ۔ بعض معزز علماء کی آن بان اور ان کی تقریر کی شان کا دھندلا عکس اب تک ذہن میں موجود ہے۔ مولانا محمد زماں رحمانی کا موثر وعظ، مولانا عبدالقیوم رحمانی کی تقریر، تاریخی تقریر جس کے بعد ان کی زندگی کا دھارا بدل گیا۔ اس کے بعد ہی وہ سیاست کی خارزار وادی سے نکل کر ایک صالح بے نفس قادر الکلام ملک گیر داعی بن گئے۔ پہلی بار میں نے انہیں دیکھا خطابت کے اسٹیج پر تقریر کرتے ہوئے۔ موچھیں بڑھی ہوئی۔ لب ولہجہ باوقار، آواز میں زور اور کھنک کیا موضوع تھا اس وقت اس سے ہمیں سروکار کیا تھا؟ پھر جو وہاں سے شروع ہوئے اور دعوتی سفر جاری کیا تو اس وقت تھمے جب سانسوں کا قافلہ رک گیا۔

میں پہلے ان کا تماشائی تھا پھر شناسائی بنا۔ دور ونزدیک سے ہمارے گھرانے کی ان کے خاندان سے کئی رشتہ داریاں تھیں۔ اس لئے دوری بھی نہیں تھی لیکن میری طبعی کم آمیزی نے دوری بنائے رکھی۔ ہماری ان کی شناسائی اس وقت ہوئی جب میں ۱۹۸۲ء میں جامعہ سلفیہ میں مدرس کی حیثیت سے کام کرنے گیا۔ ایک بار وہ بنارس جامعہ سلفیہ تشریف لائے اور مجلہ الجامعۃ السلفیہ کے میرے ایک

عربی مضمون "السیاسۃ العرجاء" کے حوالے سے پوچھتے آئے ''عبدالمعید کون ہے میں اسے سو روپیہ انعام دوں گا'' جب انہیں میرے متعلق آگاہ کیا گیا تو فرمایا تو میرا رشتہ دار ہے۔ پھر اس کے بعد بارہا ملاقات ہوئی اور بسا اوقات عربی میں گفتگو کرتے۔ تفسیری نکات بیان کرتے، مشورے دیتے، حکم دیتے، میں پاس ادب میں سراپا نیاز بنا ان کی باتیں سنتا رہتا۔

مولانا سے آخری ملاقات اپریل کے آخری ہفتے میں جھارکھنڈ مولانا عبدالستار سلفی کی حویلی میں ہوئی۔ مولانا مدھوپور اور جامتاڑا ضلعوں کی اہل حدیث بستیوں میں کئی دہے سے تشریف لے جاتے رہے۔ اس بار دو روزہ تعلیمی کانفرنس میں تشریف لے گئے تھے، مسجد میں سلام وکلام ہوا۔ اصغر صاحب (ناظم جمعیت) میرا تعارف کرانے لگے۔ مولانا نے فرمایا: یہ ہمارے رشتہ دار ہیں۔ دوسرے روز ''الاستقامہ'' کے ایک مضمون کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہا اس میں شیعہ شعراء کے اشعار آگئے ہیں۔ میں نے لاعلمی ظاہر کی۔ فوراً ''الاستقامہ'' کا وہ شمارہ منگایا اور دکھلایا اور سرزنش بھی کی کہ ایڈیٹر ہونے کے ناطے اس کی خوبی خرابی کے ذمہ دار آپ ہیں۔ یہ میری آخری ملاقات ہے۔ اس کے بعد سنا دو ایک جلسوں میں تشریف لے گئے اور پھر آخرت سدھار گئے۔

ان کی پہچان نہ خاندان سے ہے، نہ حسب ونسب سے ہے، ان کی پہچان ان کی ذہانت، علم، قرآن سے شغف، دین کی اشاعت اور دعوتی وتبلیغی جدوجہد سے اور اس کا بھی اعتراف ہوا کہ انہوں نے جنگ آزادی میں عملی طور پر حصہ لیا اور اس کی خاطر جیل بھی گئے اور آزادی کے بعد مجاہد آزادی کی حیثیت سے انہیں خراج تحسین بھی ملا اور عوام وحکومت نے ان کی آزادی کی جدوجہد کو خوب سراہا اور قدردانی وہمت افزائی بھی ہوئی۔

جنگ آزادی کے آخری دنوں میں بلا تفریق مذہب وملت بہتوں نے حصہ لیا جن کی تعداد حد شمار سے باہر ہے البتہ ان میں قائدانہ رول انہیں لوگوں نے ادا کیا جو نظریاتی طور پر قیادت کر سکتے تھے۔ مولانا نے قائدین کا درجہ حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مفسر قرآن کو جو استعداد عطا کی تھی اس کے سبب وہ جہاں رہے ممتاز اور نمایاں رہے۔ ان کے اندر نہ زمینداری کا غرور تھا، نہ علم کی تعلّی، نہ سیاست کا مکروفریب، نہ تقریر کا پندار، فروتنی، تواضع سادگی اور بےنفسی ان کی پہچان تھی۔ اور کبھی بھی وہ اپنے کسی بھی کام اور محنت کے صلے کے طلبگار بھی نہ بنے۔

کسی فرد کا کردار تشکیل پاتا ہے بےنفسی، تواضع اور جان نثاری سے۔ اگر یہ عناصر موجود نہ ہوں تو کردار تشکیل نہیں پاتا بےنفسی سے انسان دوسری کی منت کشی سے نجات پا جاتا ہے۔ تواضع سے معرفت ذات اور معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے اور انسان فتنہ وفساد سے بچ جاتا ہے، جاں نثاری سے دین اور انسانیت کی خدمت کا جذبہ فراواں پیدا ہوتا ہے۔ جس کردار میں جس قدر ان عناصر کی بھرپور شمولیت ہوتی ہے اسی کے بقدر انسان کامل اور اچھے کردار کا بنتا ہے۔ روزمرہ کے تصرفات نشاطات اور سرگرمیوں کے مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے کہ مفسر قرآن کو ان عناصر کی بےبہا دولت ملی ہوئی تھی۔ باکردار انسان محبوب خلائق بن جاتا ہے اور بہادر بھی ہوتا ہے اس کا ضمیر ہلکا اور زندہ، اسکا دل غنی اور اس کا ذہن صاف ہوتا ہے۔ مولانا کو محبوبیت بھی حاصل تھی اور باہمت بھی تھے۔ کب کسی کے رعب میں آئے یا کسی سے دبے۔

ان کی محبوبیت کا منظر میں نے دیکھا بھی ہے اور سنا بھی ہے۔کسی بھی محفل میں جاتے مستفیدین ان کے ساتھ ہوتے۔اور ان کو سننے کے شائق رہتے۔علماء کی محفلوں میں قرآنی نکات بتاتے۔دوسال قبل اہل حدیث کمپلیکس میں منعقد سیمینار کی آخری نشست میں تقریر کی۔تقریر میں علماء کے اوپر محویت طاری تھی۔اختتام نشست کے بعد سبزہ زار پر ایک محفل جمی۔سوالات اور گفتگو کا دور شروع ہوا۔ایک گھنٹہ کی محفل میں ہر سوال کا جواب نکات قرآنی کی شکل میں دیا۔وہ لطف آیا کہ قرآنی معارف الہیہ لوگوں کی نگاہوں میں پھر گئیں۔

محبوبیت کا منظر ڈابھا کیند جھارکھنڈ میں دیکھا۔ایک خلقت امنڈ پڑی تھی۔انہیں دیکھنے کے لئے ان کا وہاں کی عوام سے شاید تیس سال سے تعلق تھا۔اس خطہ میں ۸۰ گاؤں میں اہل حدیث آبادی پھیلی ہوئی ہے گاؤں گاؤں مولانا کا دیکھا بھالا تھا جب طاقت تھی پیدل اور سواریوں کے ذریعہ قریہ قریہ پہنچ کر مولانا نے لوگوں کو اپنے وعظ ونصیحت سے نوازا۔دیکھا کہ بوڑھے جوان مولانا کی خدمت کررہے ہیں کوئی سر دبارہا ہے کوئی پیر دبارہا ہے کوئی جسم دبارہا ہے۔ایسا مولانا زکریا سہارنپوری کے متعلق سنا تھا۔اور پھر ڈابھا کیند میں اس منظر کا مشاہدہ ہوا۔رسول گرامی نے محبوبیت کا نسخہ بتلایا۔لوگوں سے غرض نہ وابستہ رکھو قناعت اور غناء نفس حاصل ہوگی۔ قناعت اور غناء نفس سے مفسر قرآن سرفراز تھے۔

کردار انسان کو عظمت ورفعت عطا کرتا ہے اور قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔اگر انسان کردار سے خالی ہو اور پڑھا لکھا ہو تو قرآن کی اصطلاح میں اسے گدھے کے مماثل قرار دیا گیا۔آج سماج میں ایسے گدھوں کی کثرت ہے۔

رحمانی علماء اخلاق کردار،دین داری اور علم میں گہرائی سے عموماً متصف ہوتے ہیں۔مفسر قرآن کی زندگی کے تین حصے ہیں:

(۱)۱۹۴۰ءتک تعلیم،تعلم،(۲)۱۹۶۷ءتک سیاست،(۳)۱۹۶۷ءسے ۲۰۰۸ءتک دعوت۔

مفسر قرآن ۲۰/جنوری ۱۹۲۰ء میں موضع دودھونیاں ضلع سدھارتھ نگر یوپی میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی۔فارسی کی تعلیم جھنڈانگر میں ہوئی۔مدرسہ فیض عام مئو میں عربی کی ابتدائی درجات کو پورا کیا۔پھر دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۰ء میں وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔اہم اساتذہ میں مولانا احمد اللہ پرتاپگڑھی جن کا نام کثرت سے مفسر قرآن لیا کرتے تھے،مولانا عبید اللہ مبارکپوری،علامہ نذیر احمد املوی،مولانا سکندر علی ہزاروی،مولانا عبدالغفور بسکوہری ہیں۔

رحمانیہ میں آپ کی تعلیمی کارکردگی مثالی تھی تقریر،حدیث،عربی بول چال میں امتیازی نمبرات سے سرفراز ہوتے اور امتحان میں بھی امتیازی مقام حاصل کرتے۔اور ہر سال کئی انعام کے مستحق قرار پاتے۔رحمانیہ میں امتیاز قائم کرنا معمولی بات نہ تھی۔وہاں امتیاز قائم کرنا دینی علوم میں پورے ملک میں امتیازی حیثیت قائم کرنے کے مترادف تھا۔

مولانا نے پنجاب بورڈ سے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔اور وقت کے دیگر مشاہیر سے بھی استفادہ کیا جیسے مولانا سعید احمد اکبرآبادی وغیرہ۔

دہلی میں مولانا کا تعلیمی دورانیہ سیاسی سرگرمیوں کا تھا۔ آزادی کی آمد آمد تھی، استعمار درماندہ ہو چکا تھا اور اپنا آخری کروفر دکھلا رہا تھا۔ حالات سے مولانا بھی متاثر ہوئے اور سیاست کی وادی پرخار میں قدم رکھ دیا استعمار کی نگاہ میں آگئے اور بستی، نینی (الہ آباد) اور گورکھپور میں قید کی مشقتیں برداشت کیں لکھنؤ میں دو ایک بار جیل میں قید کئے گئے سیاست میں آپ کو صف اول کے قائدین کی رفاقت ملی۔ سیاسی میدان میں آنے اور آزادی کی جنگ لڑنے کے سبب مفسر قرآن کا سیاسی وزن تھا یہ وزن دور دور تک محسوس کیا گیا اور اپنے علاقے کے اضلاع کو پرامن بنائے رکھنے میں یہ بہت کام آیا۔ ساتھ ہی بہت سے لوگوں کے حوائج پورے ہوئے اور مشکلات دور ہوئیں۔ اس سیاسی اثر و رسوخ کو انہوں نے اپنی ذاتی غرض کے لئے استعمال نہیں کیا۔ گاؤں کے متفق علیہ پردھان ضرور رہے شاید لوگوں کے کہنے سننے سے دو ایک بار صوبائی اسمبلی کا الیکشن بھی لڑے لیکن کامیابی نہیں ملی، طبیعت میں استغنا اور الیکشن دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ علاقے میں ان کے سیاسی ساتھیوں میں مشہور سیاسی و تعلیمی رہنما قاضی عدیل عباسی اور قاضی جلیل عباسی اور دیگر لوگ تھے۔

سیاست کی دنیا میں رہتے ہوئے انہوں نے چند عصری و دینی تعلیمی ادارے بھی قائم کئے۔ ۱۹۴۸ء میں انہوں نے بڑھنی بازار سدھارتھ نگر میں ایک ہائی اسکول کی بنیاد رکھی جو اب انٹر کالج بن چکا ہے۔ موضع مہدیا ضلع سدھارتھ نگر میں ''مسلم ہائر سکنڈری اسکول'' قائم کیا وہ ایک تسلیم شدہ کامیاب ادارہ ہے۔

موضع اکرہرا (سدھارتھنگر) میں ''مدرسہ اسلامیہ'' کی تاسیس کی جو کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے پچیس سال تک صدر رہے۔ مولانا کی سب سے کامیاب کوشش ان کی دعوت و تبلیغ ہے۔ ان کی دعوت و تبلیغ کی کئی خوبیاں تھیں:

☆ انہوں نے جلسہ جاتی فاؤل تقریروں کے درمیان قرآنی آہنگ کو پروان چڑھایا اور ان کا یہ خاص رنگ اتنا کامیاب ہوا کہ چالیس سال تک اس آہنگ میں فتور نہیں آیا۔ یکساں ڈمانڈ قائم رہا۔

☆ قرآن کے معانی عوام تک پہنچانے اور آسان تر بنا دینے کا ایک نمایاں کام کیا۔

☆ قرآنی تعلیمات اور معانی و مفاہیم کو اپنے عام فہم اسلوب میں عوام کے لئے نہایت پرکشش بنا دیا۔ بہت سے مقدس علماء کرام ان کے طرز تفسیر و طرز بیان کو علمی معیار پر ناپ کر سوالیہ نشانات کھڑا کرتے تھے۔ جب کہ مفسر قرآن اس کے برعکس معانی قرآن کو عام فہم اسلوب میں عوام کے لئے آسان انداز میں پیش کرتے تھے۔ اور ان کی کامیابی کا راز یہی تھا جس کو نافہم نہیں سمجھتے تھے۔

☆ ان کا قرآنی استحضار حیرت انگیز تھا۔ ان کا استحضار اتنا حیرتناک تھا کہ اچھے اچھے حفاظ کرام ان کی مانند موقع بہ موقع آیتیں سنا نہیں سکتے۔ اپنی ایک تقریر میں کئی درجن آیتیں اور بسا اوقات سو سے زیادہ آیتیں حسب موضوع سنا دیتے تھے اور ان کی عام فہم تشریح کر دیتے تھے۔

☆ ان کی تقریر کی جاذبیت کا سبب ان کا اخلاص تھا۔ کبھی انہوں نے اپنی دعوت و تبلیغ کو کمائی کا ذریعہ نہ بنایا۔ نہ لوگوں کا دل لبھانے کے لئے غیر سنجیدہ و سطحی وسیلہ اپنایا۔ نہ آؤ بھاؤ دکھلایا۔ نہ کبھی پیری مریدی کا سر مالگایا نہ گانا گایا۔ جس نے پکارا پہونچے پیدل بھی

پہنچے، سواری سے پہنچے۔ نہ کوئی شرط نہ اجرت کی طلب۔ نہ کسی شے کی فرمائش۔ کتنے صبر وآزمائش کی بات تھی کہ ایک شخص چالیس سالوں تک شہرت اور طلب کی سواری پر سوار تھا اور طلب وشہرت میں کمی نہیں آئی۔ پھر بھی اپنی ذات کو پورے عمل سے باہر رکھا۔ بے نفسی کا وہی عالم جو پہلے تھا وہی آخر میں تھا۔ لوگوں کے ہاتھ میں کیا ہے اس کی طرف نگاہ نہ ڈالی اپنی دنیا کا بادشاہ الغنی غنی النفس، اگر کسی دوسرے کی اتنی مانگ ہوتی جو نفس ناطقہ کا شکار ہوتو پتہ نہیں کیا کیا فتنے جگاتا اور کتنا عوام کی جیب تراشی کرتا اور جنت کا ٹھیکیدار بنا رہتا۔

دعوت وتبلیغ میں اتنا انہماک کہ بسا اوقات ہر روز تقریر اور کئی تقریر۔ ہندوستان کے وہ تمام خطے جہاں اردو بولی جاتی ہے مفسر قرآن کی تقریر کی آواز وہاں ضرور گونجی۔ لوگوں نے انہیں سنا اور سر دھنا اور کمال یہ کہ ان سے جب بھی مانگ ہوئی تقریر کے لئے تیار اور جتنا وقت دیا گیا منظور۔ کوئی رد وقد نہیں۔ دین کا تابعدار سپاہی آگے لگا دو خوش پیچھے لگا دو تیار، بٹھا دو اعتراض نہیں حدیث میں اسے مرد مومن کی نشانی قرار دیا گیا۔

ان کی خطابت کی راہ اتنی مشکل تھی اور خود ان کی اپنی ایجاد کردہ کہ دوسرے اس پر چل نہ سکے۔ دراصل اس کے لئے قرآن کریم میں انہماک اول وآخر شرط ہے اور بصیرت وشجاعت ضروری ہے۔ اگر یہ سب چیزیں نہ ہوں تو اس راہ پر نہیں چلا جاسکتا۔ مولانا نے جس دعوتی اور علمی ماحول میں اپنے دعوتی عمل کو جاری رکھا وہ اخلاقی فساد، انتشار وافتراق خیانتوں اور بدعہدیوں کا ماحول تھا، مادہ پرستی، دولت کے لئے دین وایمان تیاگ دینے کا ماحول تھا۔ اس پر خطر ماحول میں وہ اپنے بادشاہ آپ، اپنے مشن سے کام، کسی خرشے سے نہ الجھاؤ نہ زر ومال منصب کرسی کے لئے جھگڑا۔ نہ لوگوں کے جھمیلوں سے لینا دینا۔ بس قرآن کریم میں انہماک، آیات الٰہی کا ورد۔ اللہ تعالی نے کلام پاک سے لگاؤ کے سبب ان کو پاک نفسی عطا کی تھی۔ آیات الٰہی نے ان کی روح وقلب کی تطہیر کردی تھی۔ اس لئے مادی زندگی کی بھرپور چمک دمک کے بیچ رہتے ہوئے بھی کبھی ان کی آنکھ چکا چوند نہیں ہوئی۔

۲۰ رجنوری ۱۹۲۰ء میں جس کی سانسوں کا قافلہ شروع ہوا ۲۸ رمئی ۲۰۰۸ء کو ۱۱ بجے دن میں وہ قافلہ رک گیا۔ نماز جنازہ گاؤں میں پڑھی گئی اور گاؤں کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔ مفسر قرآن نے اپنے پیچھے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑے ہیں۔ اللہ تعالی انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی اولاد واحفاد میں ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین۔

اللہ کی رحمتیں صبح وشام نازل ہوں مفسر قرآن پر۔ اور ان کے درجات بلند ہوں اور ورثاء کو صبر کی توفیق ملے۔ آمین •

(جریدہ ترجمان دہلی جلد: ۲۸، شمارہ ۱۲، ۳۰-۱۶ جون ۲۰۰۸ء)

❑❑❑

نذرانۂ اشک بروفات

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالغنی سیفی عمری رحمہ اللہ

مولانا محمد انور محمد قاسم سلفی

شخصیات کی قدر واہمیت:

ایک مرتبہ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کسی ایک بڑے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، لوگ اس گھر کی وسعت، خوبصورتی، حسن وجمال اور کمیت وکیفیت کی تعریف کرر ہے تھے، آپ نے صحابہ کرامؓ سے کہا: ''اس گھر کے متعلق تم اپنے جذبات، خیالات اور احساسات کا اظہار کرو، ایک صحابیؓ نے کہا: کاش! یہ گھر میرا ہوتا اور سونے سے بھرا ہوتا، تو میں گھر سمیت سارا سونا اللہ کی راہ میں اسے فی سبیل اللہ خیرات کر دیتا۔ سیدنا عمر بن خطابؓ نے فرمایا: ''میری تمنا ہے کہ کاش یہ گھر معاذ بن جبل، ابوعبیدہ بن جراح، سالم مولیٰ ابوحذیفہ اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم جیسی شخصیات سے بھرا ہوتا تو میں انہیں اللہ کی راہ میں استعمال کرتا'' (مستدرک حاکم، ۲۵۲/۳)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیان کی ہوئی اس حقیقت میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں کہ ایمان اور عمل صالح کے بعد اس کائنات کا سب سے قیمتی سرمایہ وہ قابل شخصیات ہیں جن سے امت مستفید ہو، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مبارک عہد، خیر القرون سے متعلق تھا، جس میں آسمان ہدایت کے بے شمار چاند ستارے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی شکل میں موجود تھے، لیکن پھر بھی جو مذکورہ شخصیات دنیا سے چلی گئیں، ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ بقول شاد عظیم آبادی:

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں، ملنے کو نہیں نایاب ہیں ہم
جو یاد نہ آئے بھول کے پھر، اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

اس سے میری مراد برصغیر کے مشہور عالم دین، معروف خطیب، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، حامی کتاب وسنت، قامع شرک وبدعت، خادم دین مبین، محب العلم والعلماء اور مشہور اسلامی درسگاہ جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالغنی صاحب سیفی عمری، رحمۃ اللہ واسعہ سے ہے، جن کی وفات کی خبر گذشتہ دنوں ساری دنیا کے علمی اور دینی حلقوں میں نہایت رنج وغم سے سنی گئی، اور جو تقریباً ۸۷ سال کی عمر میں بروز سنیچر مورخہ ۱۴ر فروری ۲۰۰۹ء کو صبح کے وقت انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ

راجعون۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ واسکنہ فسیح جناتہ، آمین یارب العالمین۔

مولانا مرحوم بھی انہیں مقدس ومبارک لوگوں میں سے ایک تھے جن کی کوئی قدر اس فانی دنیا میں نہیں ہوئی، نہ جماعت نے اور نہ ہی جمعیتوں نے ان کی زندگی میں کبھی ان کی ہمہ گیر اور ہمہ جہات خدمات کا اعتراف کر کے ان کی عزت افزائی کی اور نہ ہی کسی گوشے سے اس کے متعلق کوئی صدا بلند ہوئی اور نہ ہی جماعت یا جمعیت کے کسی فرد کو اس کا احساس تک ہی ہوا۔ افسوس کہ:

وائے ناکامی ! متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

شاید اللہ رب العالمین کو یہی منظور تھا کہ اس کا یہ بندہ تمام دنیوی اعزازات سے مستغنی ہو کر صرف اپنے رب غنی وقدیر کے اخروی اعزازات سے متمتع ہو۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

جس ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی:

جس دور میں آپ نے آنکھیں کھویں، اس وقت رائیدرگ اور اس کے اکناف میں اصلاح عقائد کی تحریک زوروں پر تھی، اور اس تحریک کے بانی مبانی ضیغم ملت وجماعت حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب غزنوی رائیدرگی رحمہ اللہ کے والد گرامی قدر حضرت سید عبداللہ صاحب (سید سرمست حسینی) رائیدرگی رحمہ اللہ تھے، جو کہ اپنے نوخیزی کے ایام میں اردو ٹیچر کا امتحان لکھنے کے لئے مدراس تشریف لے گئے تھے۔ وہاں ان کی ملاقات حضرت مولانا سید قادر باشاہ صاحب رحمہ اللہ سے ہوئی، جو داعی الی اللہ حضرت مولانا سید محمد علی رام پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے اور جنہیں مجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید اور سید احمد شہید رحمہما اللہ رحمۃ واسعہ نے اصلاح عقائد کے لئے سرزمین دکن کی طرف روانہ کیا تھا۔

زباں پہ بار الٰہا ! یہ کس کا نام آیا
کہ بڑھ کے نطق نے بوسے میری زبان کے لئے

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے حضرت سید احمد بریلویؒ کے ساتھ مل کر اصلاح عقائد کی جو تحریک شروع کی دنیا اسے تحریک شہیدین کے نام سے جانتی ہے، یہ ایک مقدس تحریک تھی جو سرزمین ہند پر ایمان کا شعلہ جوالہ بن کر ابھری، اور جس نے کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک مسلمانوں میں حرارت ایمانی کا صور پھونک دیا، ایمان وعمل صالح کی کھیتی پھر سے لہلہا اٹھی، کل تک جو رہزن تھے آج وہ رہرو ہی نہیں، بلکہ بہترین رہبر بن گئے، کل تک جن کی زندگیاں فسق وفجور میں ڈوبی ہوئی تھیں، آج وہ صداقت و پاکیزگی کے اس بلند اور مقدس مقام پر فائز ہو گئے کہ خود صداقت و پاکیزگی کو ان کے انتساب سے شرف حاصل ہو گیا، وہ ایک پکار تھی جس پر لبیک کہتے ہوئے علماء نے اپنی مسندیں چھوڑ دیں، طلبا نے مدرسے، کسانوں نے اپنے ہل، تاجروں نے اپنی تجارت، مشائخ نے اپنی خانقاہیں اور امراء نے اپنی کوٹھیاں وعیش کدے خیر باد کہہ دیئے اور تمام کے تمام جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر سر سے کفن باندھ کر نکل

پڑے، بقول علامہ حالی ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ھادی
زمیں 'ہند' کی جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگادی
ایک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ نعرۂ حق سے
کہ گونج اٹھے دشت وجبل نام حق سے

حضرت مولانا سید محمد علی رام پوری رحمہ اللہ کا بیان کیا تھا؟

''گویا سمندر کی روانی تھا، جس نے بھی سنا وہ ان کا ہوگیا، حیدرآباد پہنچے تو نوابوں کے عشرت کدے مسجد بن گئے، نواب مبارز الدولہ جیسے کئی نوابوں نے اپنی دنیا تج کر آخرت کی زندگی سنوار لیا اور جب آپ حیدرآباد سے نکلے تو کرنول، کڑپہ، اور رینی گنٹہ میں قیام کرتے ہوئے مدراس پہنچے، مولانا جس مقام پر قدم رنجہ ہوئے وہاں اہل حق کی ایک جماعت پیدا ہوگئی۔ اگرچہ کہ وہ تعداد میں ''وقلیل من عبادی الشکور'' کی طرح تھوڑی، لیکن توحید واتباع سنت میں ثابت قدم تھی، اور وہاں انہوں نے اپنی اسی غربت تامہ میں مسجد کی بنیاد ڈالی، جو رینی گنٹہ میں اب بھی وہی مسجد جوں کی توں برقرار ہے۔ جب کہ کرنول میں اس مسجد کی برکت سے دسیوں مساجد اور بن گئی ہیں اور جب کہ کڑپہ میں ۱۹۹۰ء میں اس بوسیدہ مسجد کی جگہ اصلاح المساجد ممبئی کے زیر اشراف نئی مسجد بنائی گئی، گویا آپ جس جگہ سے گزرے، وہاں مسجد کی شکل میں اپنی یادگار اور نقش چھوڑتے ہوئے گذر گئے۔ گویا بقول شاعر:

بتادیتی ہے شوخی نقش پاکی
ابھی اس راہ سے گذرا ہے کوئی

یا بقول عربی شاعر:

الا ان وادالجزع اضحی ترابه
من المسك كافورا واعواده رندا
وماذاك الا ان هندا عشية
تمشت وجرت بين جانبيه بردا

ترجمہ: ''مقام جزع کی وادی کی مٹی مشک وکافور ہوگئی، اوراس کی لکڑیاں ترنم ریز ہوگئیں، وہ اس لئے کہ سنہری شام کے وقت ''ہندہ'' جب اس وادی سے گذری تھی تو اس کی چادر کو اس مقام کی زمین نے چھولیا تھا''۔

مدراس میں آپ کی رسائی نواب آف آرکاٹ محمد علی کے محل میں ہوئی، آپ کے وعظ وارشاد کی مجلسوں سے کئی نواب زادوں اور نواب زادیوں کی دل کی دنیا بدل گئی، دنیا پرست علمائے سوئے بھلا کب خاموش بیٹھتے؟ انہوں نے جب دیکھا کہ اگر اس داعی الی اللہ کا قیام کچھ ماہ اور مدراس میں رہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری روٹی کے لالے پڑ جائیں، اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی سازشیں تیز کر دیں، اور نواب آف آرکاٹ کو سید صاحب سے بدظن کر دیا، جس کی وجہ سے سید صاحب کو مجبوراً مدراس چھوڑنا پڑا، اس کی تفصیل بڑی لمبی ہے، مولانا محمد یوسف کوکن عمریؒ نے اپنی شاہکار تصنیف ''خانوادۂ قاضی بدرالدولہ'' میں اس ساری تفصیل کو بڑی ہی خوش اسلوبی سے جمع فرمایا ہے۔

غرضیکہ حضرت مولانا سید قادر باشاہ صاحب رحمہ اللہ، انہی حضرت مولانا سید محمد علی رام پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے، مولانا سید قادر باشاہ صاحب نے بھی دعوت الی اللہ میں اپنے استاذ محترم کی ہی طرح بے شمار صعوبتیں اور مصائب برداشت کیں، بلکہ اللہ کے لئے ذلیل بھی کئے گئے، لیکن انہوں نے ایک لمحے کے لئے بھی دعوت الی اللہ کے اپنے مقصد کو فراموش نہیں کیا، بلکہ مخالفتوں کی تیز وتند آندھیوں میں اپنے خون دل سے توحید کا چراغ جلاتے رہے، یہاں تک کہ ان کو سید عبداللہ (سید سرمست حسین) رائیدرگیؒ کی شکل میں ایک گوہر آبدار مل گیا، جنہوں نے اپنے استاذ محترم کے توحیدی مشن کی اپنے شہر رائیدرگ کی سنگلاخ چٹانوں میں اپنے خون جگر سے آبیاری کی، اللہ تعالیٰ نے سید عبداللہ (سید سرمست حسین) رائیدرگی کو تین فرزند عطا کئے تھے، جن میں سے بڑے فرزند کا نام حضرت مولانا محمد اسماعیل رائیدرگیؒ تھا، موصوف نے اپنے اس فرزند کو عالم دین بنانے کی ٹھانی، اور انہیں پہلے شمس العلماء حضرت مولانا محمد عمر صاحب کرنولیؒ (والدگرامی قدر بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم) کی خدمت عالیہ میں مدرسہ شمسیہ کرنول بھیجا، پھر استاذ العلماء حضرت مولانا فقیر اللہ پنجابی ثم مدراسی (تلمیذ رشید حضرت شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلویؒ) کی خدمت اقدس میں ''پرنام بٹ'' روانہ کیا اور پھر وہاں سے خاندان غزنویہ کا فیض حاصل کرنے کے لئے ''مدرسہ غزنویہ امرتسر'' روانہ کیا، جہاں سے آپ ۱۹۲۳ء میں سند فراغت حاصل کر کے اپنے وطن لوٹے، اور توحید کے پرچار میں اپنے والدگرامی کے دست وبازو بن گئے۔

قارئین معاف فرمائیں، بات ذرا دور چلی گئی، لیکن بے مقصد نہیں، کیوں کہ ہمارے ممدوح حضرت مولانا عبدالغنی صاحب سیفی عمریؒ کی زندگی کی ساری کڑیاں اسی تحریک سے ہی جڑی ہوئی ہیں، داستان کچھ طویل اس لئے ہوگئی کہ ''اہل دل'' کا تذکرہ بھی دل کو سکون پہنچاتا ہے۔ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم''

پیدائش اور تعلیم وتربیت:

حضرت مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگیؒ کی تحریک اصلاح عقائد کے جو لوگ سب سے پہلے دست وبازو بنے، ان میں سے ایک نام حضرت مولانا عبدالغنی صاحب سیفی عمریؒ کے والدگرامی قدر جناب فخر الدین صاحب مرحوم ومغفور کا بھی ہے، لیکن افسوس کہ عمر نے ان سے وفا نہیں کیا اور اس طرح وہ ایام جوانی میں ہی اپنے پیچھے بیوہ (زینب بی بی) اور تین بیٹوں اور ایک بیٹی کو چھوڑ کر رب غفور الرحیم کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے راہی ملک عدم ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی ولادت، مشہور علمی مقام رائیدرگ میں ۱۹۲۴ء کو ہوئی، آپ سے ایک بھائی بڑے اور دوسرے آپ سے چھوٹے تھے۔ والدہ ماجدہ زینب بی بی ایک باہمت وحوصلہ مند خاتون تھیں، انہوں نے اپنے اس یتیم بچے کو عالم دین بنانے کی ٹھانی اور اس کے لئے انہوں نے اپنے بیٹے کو حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب غزنوی، رائیدرگی رحمہ اللہ کے مدرسہ محمدیہ میں داخل کرایا، جو اس وقت ابھی صرف مدرسہ محمدیہ کے نام سے ہی تھا۔ جامعہ نہیں بنا تھا، جہاں آپ نے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حافظ عبدالرزاق صاحب رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذتہہ کیا، حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب غزنوی، رائیدرگیؒ نے اس یتیم بچے کی تعلیم وتربیت میں خصوصی دلچسپی لی اور انہیں اپنے فرزند ارجمند حضرت مولانا سید عباس حامی عمری رحمہ اللہ کے ساتھ غالباً ۱۹۴۳ء میں جامعہ دارالسلام عمرآباد روانہ کیا، جہاں اس زمانے میں، وقت کے کبار علمائے اہل حدیث مسند درس وارشاد پر فائز تھے، اور آپ وہاں پر درس نظامیہ کی تکمیل کر کے ۱۹۴۵ء میں اپنے مسقط رأس رائیدرگ تشریف لے آئے، جہاں بانی جامعہ محمدیہ رائیدرگ حضرت مولانا سید اسماعیل صاحب رائیدرگی رحمہ اللہ نے آپ کو اپنے مدرسہ جامعہ محمدیہ میں بحیثیت مدرس، ملازم رکھ لیا، اس دن سے لے کر تاحین حیات آپ جامعہ محمدیہ سے وابستہ رہے، بلکہ اپنی اولاد کو بھی جامعہ کی خدمت میں لگا دیا۔

اساتذہ وشیوخ:

جس دور میں آپ نے آنکھیں کھولیں، وہ دور جماعت اہل حدیث کا سنہری دور تھا، ابھی ملک کی تقسیم کا سانحہ پیش نہیں آیا تھا، جماعت اہل حدیث نے ایک طرف قادیانیت کو شکست فاش دے کر اسے پسپائی پر مجبور کر کے اس کے اثرات کو قادیان اور ربوہ کے علاقوں میں ہی محدود کر دیا تھا، تو دوسری طرف آریہ سماج جیسی متطرف اور انتہا پسند ہندو تنظیموں اور عیسائی مشنیریوں کو مناظروں کے میدان میں لگاتار شکست فاش دے کر چاروں شانے چت کر دیا تھا، اور ساتھ ہر میدان میں جماعت اہل حدیث کی علمی برتری کا جھنڈا گاڑ دیا، اس وقت شیر پنجاب، فاتح قادیان شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء امرتسری، حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی، حضرت مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی، حضرت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، صاحب تحفہ علامہ عبدالرحمن صاحب مبارکپوری، صاحب عون المعبود علامہ شمس الحق عظیم آبادی، امام الہند ابوالکلام آزاد اور حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہم اللہ جیسے سینکڑوں اصحاب علم وعمل، اپنی اپنی اصلاح وتربیت کی کرنوں سے سرزمین ہند کو بقعۂ نور بنائے ہوئے تھے۔ اور ان میں سے اکثر علماء واساطین جماعت، گاہے بگاہے سرزمین رائیدرگ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کرتے رہتے تھے، یہ کیسے ہوسکتا کہ ان بزرگوں کا دیدار، ان کا بیان اور ان کی دعائیں، مولانا مرحوم کے دل ودماغ پر خوشگوار اثرات نہ چھوڑے، اسی کا اثر تھا کہ غربت اور یتیمی کے باوجود مولانا نے جامعہ دارالسلام عمرآباد میں داخلہ لیا۔

مولانا نے دوران تعلیم جن اساتذہ وشیوخ سے استفادہ کیا، اگر چہ ان کی فہرست بڑی طویل ہے لیکن کچھ اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب غزنوی، رائیدرگی رحمہ اللہ، بانی جامعہ محمدیہ رائیدرگ (۲) حضرت

مولانا حافظ عبدالرزاق صاحب رحمہ اللہ، سفیر جامعہ محمدیہ رائیدرگ (۳) حضرت مولانا محمد نعمان صاحب مئوی شیخ الحدیث جامعہ دارالسلام عمرآباد (وشاگرد شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ) (۴) شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمد گوندلویؒ (سابق استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ وخسر علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ) (۵) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل پیارم پیٹیؒ (نسبتی برادر حضرت مولانا فقیر اللہ پنجابی شاگرد شیخ الکل فی الکل) (۶) علامہ غضنفر حسین شاکر النائطی صاحب ''الانابۃ الی شعر الصحابہ'' (۷) حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب سلفیؒ (صاحبزادہ حضرت مولانا فقیر اللہ پنجابیؒ) (۸) حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب اعظمی عمریؒ (۹) حضرت مولانا عبداللہ عقیل صاحب اعظمی عمریؒ (۱۰) حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب اعظمی عمریؒ وغیرہ۔

ان اساتذہ کرام کے علاوہ سینکڑوں ایسے علمائے کرام تھے، جن سے مولانا مرحوم نے استفادہ کیا، بالخصوص حضرت مولانا کی زبان سے راقم الحروف نے بارہا محسن ملت، ساہوکار حضرت کا کا محمد اسماعیل رحمہ اللہ مہتمم جامعہ دارالسلام عمرآباد، خلف الرشید محسن جماعت ساہوکار حضرت محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ دارالسلام عمرآباد کا تذکرہ نہایت ہی شاندار الفاظ میں سنا ہے۔آپ ان کے ان تمام احسانات کا برملا اظہار فرمایا کرتے تھے جو حضرت کا کا محمد اسماعیل رحمہ اللہ، اپنے دور اہتمام میں ہمارے ان موصوف مرحوم پر کیا کرتے تھے۔اللہ تعالی ان تمام پاک طینتوں کی مغفرت فرمائے اورانہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔آمین۔

لائق مدرس اور بہترین مربی:

مولانا نے اپنی ساری عمر پڑھنے پڑھانے ،علم واہل علم کی چاکری اور کتاب وسنت کی خدمت میں گزار دی،تقریبا پچپن سال جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ میں خدمت تدریس اوردعوت وارشاد پر فائز رہے،اور چالیس سال تک شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ اور تقریبا پندرہ سال تک جامعہ کے پرنسپل کے عہدۂ عالیہ پر فائز رہنے کے بعد ۱۹۸۶ء میں ریٹائرڈ ہوگئے،لیکن ارباب جامعہ کی درخواست پر تقریبا ۲۰۰۵ء تک حدیث شریف بالخصوص صحیح بخاری شریف کا درس دیتے رہےاور تدریس کے ان تمام ادوار میں اپنی ہر ذمہ داری کو نہایت ہی تندہی، اخلاص اورلگن کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا،مولانا نے ہرفن کی چھوٹی کتاب سے لے کر صحیح بخاری تک پڑھایا۔جامعہ میں راقم الحروف کا دور تعلیم ۱۹۷۳ء کے اواخر میں ۱۹۸۱ء کے وسط تک محیط ہے۔اس دوران راقم نے مولانا مرحوم سے شرح مأۃ عامل سے لے کر صحیح بخاری تک، ہمہ فن کی کتابیں پڑھی ہیں،آج کل عربی مدارس میں یہ مرض لاحق ہو چکا ہے کہ بڑے اور سینئر اساتذہ چھوٹی جماعتوں کو پڑھانا اپنی کسرشان سمجھتے ہیں،جس کی وجہ سے ابتدائی کلاسوں کی بنیادی کتابیں نوعمر اساتذہ کوسونپ دی جاتی ہیں،جن میں صبر وشکیب کی قلت،اور علم وحلم کا قحط ہوتا ہے،جس کی وجہ سے اپنے جیسے چھوکرے اساتذہ کی طلبہ قدر نہیں کرتے،اور نہ ہی ان کے درس کو یاد کرنے کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں،جس کی وجہ سے طلباء کی علمی بنیاد کمزور رہتی ہے،اور پھر اس کا نتیجہ بھی:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

معمار کی اس پہلی ٹیڑھی اینٹ کی طرح ہی رہتا ہے، جس کے نتیجے میں ٹیڑھی دیوار ہی بنتی ہے۔ جب کہ اس کے برعکس سرکاری اسکولوں کا طریقہ تدریس ہے کہ ہیڈ ماسٹر عموماً پہلی یا دوسری کلاس کی کتابیں لیتے ہیں اور جونیئر اساتذہ کی بڑی کلاسوں کی کتابیں دیتے ہیں کہ وہ پڑھانے میں محنت اور تندہی سے کام لیں۔ امید کہ ارباب مدارس ان گذارشات پر ہمدردی سے غور فرمائیں گے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا تربیت کے معاملے میں بڑے سخت تھے، طلباء سے فلم بینی، سگریٹ نوشی اور اس طرح کی دیگر شرارتوں کی سخت سزا دیتے تھے، جس کی وجہ سے طلباء پر مولانا کی ہر وقت ہیبت طاری رہتی، اگر مولانا جامعہ کے گول پر بیٹھے رہتے تو طلباء میں ہمت نہیں ہوتی کہ وہ آپ کے آگے سے گذر جائیں لیکن ہم جیسے کچھ لڑکے اس کی ہمت کر جاتے تھے۔

مولانا ہمیشہ اپنا سر منڈوائے رکھتے تھے، جہاں تک آپ کا بس چلا لڑکوں کو بھی اسی شکل میں دیکھنا چاہتے تھے، بالخصوص جب سالانہ چھٹی قریب آتی تو یہ نوٹس لگ جاتی کہ تمام طلباء اپنے سر منڈوالیں۔

طلباء میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہوتا جو اپنا سر چمکاتا ہوا گھر جانا پسند کرتا، لیکن ایمرجنسی ایسی لگی ہوتی کہ چارناچار ہر ایک کو اس ''پل صراط'' سے گذرنا ہی پڑتا۔ کچھ طلباء چالاکی دکھانے کی ناکام کوشش کرتے ایک مرتبہ ایسی ہی چالاکی مولوی عبدالغنی جامعی سلفی، پرنسپل اردو ہائی اسکول تالیکوٹ نے بھی دکھائی کہ درمیان میں بال رکھ لئے، اور حجام سے کہہ کر اطراف سے منڈوالیا، اور ٹوپی دبا کر سر پر بٹھالی، جس سے ایسا معلوم ہو کہ سر منڈا ہوا ہے، جونہی جامعہ میں داخل ہوئے تو سامنے ہی مولانا پڑ گئے، پوچھا کہ کیا تم نے سر منڈوالیا؟ انہوں نے اپنے سر کے منڈھے ہوئے حصے کی طرف اشارے کر کے کہا ''منڈوالیا'' مولانا نے قریب بلایا، ٹوپی اتاری تو بال تھے، پہلے تو اچھی خاصی مرمت کی، پھر قینچی منگوا کر مختلف جگہ سے بال مفت میں کاٹ دیئے، پھر بچے کچھ بال انہیں پیسے دے کر منڈوانے پڑے۔

میں بھی ایک زمانے تک مولانا موصوف کے اس عمل کو تشددہی قرار دیتا تھا، لیکن یہاں کویت آکر دل ہی دل میں مولانا کا ممنون و مشکور ہوں اور سر منڈوانے کی افادیت کا قائل ہو چکا ہوں، اس لئے کہ کویت کے پانی سے بال یا تو جھڑ جاتے ہیں یا پھر سفید ہو جاتے ہیں، لیکن رائیدرگ میں بارہا سر منڈوانے کی برکت سمجھئے کہ بال صحرا کی گرم آب وہوا کا پامردی سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ الحمدللہ بال جھڑنے کا عمل کافی سست ہے، اور سر میں سفیدی بھی کچھ کچھ دکھائی دے رہی ہے، اس میں کچھ قصور تو یہاں کے پانی کا ہے اور باقی بڑھتی عمر اور ڈھلتی جوانی کا۔ مولانا موصوف کردار کے دھنی تھے، اس آسمان کے نیچے کوئی شخص یہ گواہی نہیں دے سکتا کہ مولانا میں اس نے کوئی اخلاقی خرابی دیکھی ہے۔ مولانا خود بھی نمازوں کے سخت پابند تھے، سردی ہو کہ گرمی، گھر سے تہجد پڑھ کر نکلتے، وقت ملتا تو جامعہ تشریف لاتے اور ہر بچے کے بستر کے پاس عصا سے ''ٹک ٹک'' کی آواز کرتے ہوئے نہایت شفقت سے ''اے بچہ! او بابو! نماز کے لئے اٹھو'' کی صدا لگاتے، جس سے طلباء فوراً جاگ جاتے اور سو کر اٹھنے کی دعا پڑھتے ہوئے مسجد کی جانب روانہ ہو جاتے۔

آپ حضر میں رہتے تو نماز صبح کی امامت خود فرماتے، ہر جمعہ کے دن پہلی رکعت میں سورہ سجدہ اور دوسری میں سورہ دہر پڑھتے،

راقم کو مولانا کی اقتدا میں نماز پڑھتے پڑھتے یہ سورتیں حفظ ہوگئی تھیں اور موصوف نماز کے بعد یومیہ درس قرآن کریم ارشاد فرماتے اور آپ کی یہ روٹین چالیس سال سے زیادہ عرصے تک قائم رہی، اس طرح آپ نے سارے قرآن مجید کی تفسیر کا دورہ دو مرتبہ مسجد جامع محمدیہ میں کیا، تیسرا دور بھی شروع کیا اور آدھے سے زیادہ قرآن مجید کی تفسیر بھی کی تھی، لیکن نقاہت و کمزوری کی وجہ سے روٹین باقی نہیں رہ سکی اور اس طرح یہ تیسرا دورۂ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری طالب علمی کے زمانے میں مولانا موصوف نے دورۂ تفسیر کے اختتام پر اپنے کاشانے پر علماء وطلباء اور مصلیان مسجد کی ضیافت فرمائی اور اس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی اور خطیب بغدادی رحمہم اللہ جیسے دیگر علمائے حق کی سنت کو زندہ کیا۔

خطابت اور مناظرہ:

مولانا موصوف میں دعوت وتبلیغ کا بے پناہ فطری جذبہ موجود تھا، ساتھ ہی خالق حقیقی نے گھن اور گرج دار آواز عطا فرمائی تھی، جس کا بھرپور استعمال موصوف نے زندگی کی آخری سانس تک کیا، آپ میں جماعتی غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، سرزمین رائیدرگ کے قرب وجوار میں جب کسی نے جماعت اہل حدیث کو للکارا، مولانا سب سے پہلے اس کے مقابلے میں خم ٹھونک کر کھڑے ہوگئے اور دلائل سے اسے شکست فاش دے دی، رائیدرگ میں بھی کچھ خوش عقیدہ لوگ رہتے ہیں، گاہے بگاہے وہ بطور شرارت اپنے کسی باہر سے آئے ہوئے مولوی کی تقریر رائیدرگ کے کسی محلے میں کرواتے رہتے تھے، اگر اس مولوی کی زبان سے جماعت اہل حدیث کے خلاف کوئی بات نکل جاتی تو مولانا دوسرے دن اسی مقام پر اپنا جلسہ کرتے اور شیر کی آواز میں گرجتے ہوئے اس بدعتی کو للکارتے اور اسے سامنے آکر مناظرہ کرنے کا چیلنج دیتے، لیکن عموماً وہ مولوی دم دبا کر بھاگنے میں ہی اپنی عافیت محسوس کرتا۔ رائیدرگ سے تقریباً نوے کلومیٹر کے فاصلے پر ''چتر درگہ'' نامی ایک شہر واقع ہے، جب اس شہر میں کچھ نوجوانوں نے مسلک حق قبول کیا تو مولانا نے نہ صرف دامے درمے قدمے سخنے ان کی مدد فرمائی بلکہ بارہا وہاں بدعتی مولویوں سے مناظرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے، ان پروگراموں میں راقم بھی آپ کے ساتھ ہی رہتا، بلکہ ایک مرتبہ رمضان مبارک کے موقع پر جب رائیدرگ میں مولانا اور دیگر علماء موجود نہیں تھے احباب ''چتر درگہ'' نے راقم کو ''ہندوپور'' اطلاع دی، جہاں کہ ان مبارک ایام میں راقم دروس قرآن وحدیث کے لئے آیا ہوا تھا تو راقم ہندوپور سے ایک بڑی جماعت لے کر ''چتر درگہ'' روانہ ہوا، لیکن اللہ کا کرم ہوا کہ کسی بدعتی مولوی کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوسکی اور اللہ تعالیٰ نے ''نصرت بالرعب'' سے ہی کام چلا دیا۔ بالخصوص آندھرا پردیش اور کرناٹک میں کوئی بھی اجتماع آپ کے بغیر ادھورا تصور کیا جاتا، قرب وجوار میں آپ کی تبلیغی کاوشوں سے توحید وسنت کا بول بالا ہوا، ان دونوں ریاستوں میں جماعت کو کوئی بھی مشکل دیوبندی یا بریلوی بھائیوں سے آن پڑتی تو احباب جماعت علمی تعاون کے لئے آپ سے رجوع کرتے، ایک مرتبہ ہمارے ضلع

کڑپہ کے ایک مقام ''سمہادری پورم'' میں دیوبندی بھائیوں کی جانب سے ایک ایسی ہی مصیبت پیش آئی، انہوں نے اس مقام پر جماعت کی قلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے افراد اور سیاسی قوت کے بل بوتے پر وہاں کی مسجد اہل حدیث پر قبضہ کرنا چاہا، احباب جماعت پلی ویندلہ نے مجھے شہر پر دوٹو رخبر بھجوائی، میں نے رائیدرگ میں مولانا کو خبر بھجوائی، مولانا علماء کی ایک جماعت، کتب کثیر اور جم غفیر کے ساتھ ''سہادری پورم'' تشریف لائے ہر پن ہلی سے حضرت مولانا عبدالوہاب جامعی اور بنگلور سے مولانا احمد اللہ قریشی، کرنول سے مولانا یوسف جمیل اور اطراف و اکناف کی ایک بڑی جماعت جمع ہوگئی، ان علماء و مشائخ اور کتب حدیث کو دیکھ کر دیوبندی علماء مبہوت رہ گئے، اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم مناظرہ یا بحث و مباحثہ کے لئے نہیں آئے ہیں۔ پھر کچھ غیر مسلم سیاسی لیڈروں سے بات آگے بڑھی اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ بلکہ رائیدرگ سے ہزاروں میل کے فاصلے پر ریاست راجستھان میں اجمیر کے قریب ''وجے نگر'' نامی بستی میں ایک بدعتی حافظ سے ۱۹۶۲ء میں ''محفل میلاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور اس پر کھڑے ہونے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے یا نہ ہونے ۔استمداد بغیر اللہ۔ بشریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مناظرہ کیا: آخر بدعتی حافظ نے یہ کہتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے کہ ''آپ کے دلائل مضبوط ہیں لیکن میں اپنے بزرگوں کا مسلک نہیں چھوڑ سکتا'' اس مناظرہ کی تفصیل مولانا محمد مقتدیٰ اثری عمری نے اپنی بیش بہا کتاب ''تذکرۃ المناظرین'' کی جلد دوم صفحہ ۳۷۵ تا ۳۷۹ میں ذکر کی ہے۔

مسجد جامع محمدیہ کی خدمت:

جامعہ محمدیہ کی سرکاری ملازمت سے سبکدوشی کے بعد احباب جماعت نے آپ کی خدمت میں مسجد جامع محمدیہ کی تولیت کا عہدہ پیش کیا، جسے آپ نے اللہ کی رضا کے لئے قبول کرلیا اور اپنے دور تولیت میں ماشاء اللہ مسجد کی اس قدر خدمت کی کہ کسی بھی دور میں اس کی مثال نہیں ملتی، مسجد جامع محمدیہ، جامعہ محمدیہ سے ملحق ہے۔ میرے زمانہ طالب علمی میں اس کا صرف مغربی دروازہ تھا، جب کہ مشرق میں کچھ اجڑے ہوئے گھر تھے جس کے مالکان سخت قسم کے مرہٹے قصاب تھے، مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگیؒ نے اپنے دور حیات میں بڑی کوشش فرمائی کہ یہ زمین ہاتھ لگے، بلکہ آپ نے جماعت کے ایک نہایت مخلص ساتھی محترم خلیفہ حسین پیراں صاحب مرحوم و مغفور کو اسی کام پر لگا دیا تھا، اس بندۂ مومن نے اپنے دور میں بڑی کوشش کر ڈالی لیکن یہ کام نہ ہوسکا، جس کی حسرت لے کر محترم خلیفہ صاحب بھی مرحوم ہوگئے۔ جب یہ بار امانت آپ کے سر پر ڈالا گیا تو موصوف نے زمین کے مالکان سے بات چیت کی انہوں نے مارکیٹ کے ریٹ سے کئی گنا اس زمین کی قیمت بتلائی، مولانا نے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرکے ہمت کرلی اور بیعانہ میں ایک لاکھ روپیہ دیا اور باقی کے لئے آپ نے ادھر ادھر خطوط لکھے، اس خدمت میں حصہ ڈالنے کے لئے مولانا نے مجھے بھی ایک خط تحریر فرمایا۔ یہ ۱۹۹۷ء کے اواخر کا کوئی مہینہ تھا۔ مولانا نے بڑی ہی دردمندی سے مجھے خط لکھا، جس میں جماعت کی غربت کے تذکرہ کے بعد مجھ سے گذارش کی تھی کہ کم از کم ایک لاکھ روپیہ اس مد میں روانہ

کروں۔ مولانا کی یہ گذارش میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی تھی، چونکہ کویت میں ابھی میری نئی نئی آمد ہوئی تھی، کسی سے اس قدر جان پہچان بھی نہیں تھی، ایک دولوگوں کو جنہیں میں یہ سمجھتا تھا کہ اللہ ان کے ذریعے سے یہ کام بنادے گا، گذارش کی، لیکن وہ ٹکا سا جواب دے کر خاموش ہوگئے، میں نے اللہ سے دعائیں مانگیں کہ وہ استاذ محترم کے اس حکم کی تعمیل کا کوئی بندوبست فرمائے۔ الحمدللہ وہ گھڑی آہی گئی، کہ دو ایسے احباب جو میرے درس میں بیٹھتے تھے، میرے پاس ایک قضیہ لے کر آئے، جس میں ایک بھائی نے دوسرے سے ۶۵۰ کویتی دینار مانگے تھے، اس نے اسے یہ نیت کر کے دے دیئے کہ اس سے واپس نہیں لینے ہیں، جب دوسرے بھائی کی ضرورت پوری ہوگئی اور اس کے پاس مذکورہ رقم جمع ہوگئی تو اس نے وہ رقم واپس کردی، لیکن پہلے والے نے یہ کہتے ہوئے واپس لینے سے انکار کردیا کہ یہ میں نے واپس لینے کے لئے نہیں دیا تھا۔ لیکن دوسرے نے یہ کہتے ہوئے اصرار کیا کہ یہ میں نے بطور قرض لیا تھا، جب یہ دونوں میرے پاس آئے تو میں نے انہیں مولانا کا لکھا ہوا خط دکھادیا، وہ دونوں اس بات پر راضی ہوگئے کہ یہ رقم اس مسجد کے لئے دے دیں، اس میں میں نے ۷۰ دینار ڈالے اور اس طرح ایک لاکھ کا ڈرافٹ بنا کر مولانا کے نام روانہ کیا۔ مولانا بڑے خوش ہوئے، خوب دعائیں دیں اور اس بھائی کو بھی شکریہ کا خط لکھا، جب راقم ۱۹۹۸ء میں بچوں کے ساتھ رائے درگ گیا تو مولانا نے اپنے دولت کدے پر دعوت پر بلایا، مسجد میں جب گیا تو ان روپیوں کا حساب پیش کرنا چاہا میں نے نہایت ہی ادب کے ساتھ مولانا سے گذارش کی کہ آپ مجھے شرمندہ نہ کریں، اس کے بعد پھر اس جگہ کو خرید کر مسجد کا مشرقی دروازہ اور مسجد کی آمدنی کے لئے کچھ دکانیں وغیرہ بنوائیں اور اس طرح اپنے دور تولیت میں مولانا سید محمد اسماعیل رائیدرگی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا اور مسجد جامع محمدیہ کو اس قدر وسیع وعریض کردیا کہ تنگ دامنی کا گلہ شکوہ جاتا رہا، مولانا نے اپنی زندگی میں جماعت کے لئے جو بیش بہات خدمات انجام دیں، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید قوی ہے کہ وہ آپ کی مغفرت کا سامان بنیں گی۔ بقول عرفی

امید ہست کہ بیگانگی عرفی را
بدوستی سخنہائے اوآں آشنا بخشد

آئندہ نسلوں کے لئے بھی ہم جیسے مولانا مرحوم کے نام لیوا، مولانا کی دینی جماعتی، ملی اور قومی خدمات پر فخر سے نہیں، بطور شکر ضرور کہہ سکتے ہیں۔

مانا کہ اس زمین کو نہ ہم گلزار کرسکے
کچھ خار کم تو کرگئے گذرے جدھر سے ہم

(نوائے اسلام دہلی جولائی اگست ستمبر ۲۰۰۹)

❑❑❑

حافظ مولانا عبدالمتین میمن جونا گڑھی حیات وخدمات

مولانا ضیاء الحسن سلفی مئو

خانوادہ میمن سرزمین جونا گڈھ گجرات کا ایک دینی وعلمی خانوادہ ہے جس سے بہت سے علمی دنیا کے درخشاں ماہتاب وآفتاب گذرے ہیں ان ہی میں سے ایک بڑی پروقار عبقری اور دینی وعلمی شخصیت حافظ مولانا عبدالمتین میمن جونا گڈھی کی بھی ہے آپ اپنے وقت کے حافظ، مفتی، نامور خطیب وداعی اور مشہور مولف تھے۔آپ کی شخصیت گوناگوں مناقب وکمالات کی جامع تھی۔ ان کی زندگی کے بعض تابناک نقوش ہدیۂ قارئین ہیں۔

مولد ومنشأ: آپ کا نام مولانا حافظ عبدالمتین میمن جونا گڈھی ہے آپ کے والد کا نام مولانا عبداللطیف میمن جونا گڈھی ہے آپ کی ولادت ۱۶ رنومبر ۱۹۳۸ء مطابق ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ میں بروز اتوار صبح ۱۰ بجے اٹاوہ کی سرزمین میں ہوئی آپ کا بچپن وہیں پر گذرا پھر آپ اپنے آبائی وطن جونا گڈھ ضلع کاٹھیاواڑ گجرات تشریف لائے۔

تعلیم وتربیت: مولانا عبدالمتین صاحب نے ایک خالص دینی وعلمی ماحول وخانوادہ میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم، حفظ قرآن مجید اور عربی وفارسی کی بنیادی تعلیم اپنے والد محترم مولانا عبداللطیف میمن جونا گڈھی سے حاصل کی جو اپنے وقت کے جید اور ممتاز عالم دین اور حافظ حدیث تھے فن حدیث میں اس وقت ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حافظ عبدالمتین صاحب شروع سے ہی بہت ذہین وفطین تھے آپ نے اپنے والد محترم کی سرپرستی میں ۷ سال کی مختصر عمر میں حفظ قرآن مجید کرلیا اور اس کی تکمیل صرف ۶ ماہ کے مختصر وقت میں کیا اور دس سال کی عمر میں باقاعدہ نماز تراویح پڑھانی شروع کردی۔ اسی طرح آپ نے اپنے والد ماجد سے درس حدیث لینا شروع کیا ابتداء میں بلوغ المرام اور پھر مشکوۃ المصابیح پڑھی اور آپ کے والد نے اپنے فرزند پر اپنی گہری چھاپ اس طرح چھوڑی کی انہوں نے مشکوۃ المصابیح کے باب اول کی تمام احادیث کو حفظ کرلیا۔ اور اس کے علاوہ مشکوۃ المصابیح کی اکثر احادیث ضبط کرلیں۔ علم حدیث اور دیگر فنون میں اپنے والد سے فیضیاب ہونے کے بعد شکراوہ تشریف لے گئے اور وہاں شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار شکراوی سے کسب فیض کیا، پھر مولانا عبدالرشید لداخی سے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ سنن اربعہ اور دیگر فنون کی کتب کا درس شکراوہ میں لے کر یہیں سے فراغت حاصل کی پھر دہلی تشریف لے گئے اور مشہور عالم دین مولانا عبدالسلام بستویؒ سے علم حدیث اور دیگر فنون کی تعلیم حاصل کی اور مولانا عبدالسلام بستوی کے قائم کردہ مدرسہ ریاض العلوم سے ۱۹۵۸ء میں سند فراغت حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۵۸ء میں سند عالمیت اور ۱۹۵۹ء میں سند فضیلت حاصل کی پھر اپنے آبائی وطن واپس آکر درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں مشغول ہوگئے۔

تدریس ودعوتی خدمات: ۱۹۷۱ء میں پہلی بار ماہ رمضان میں تراویح پڑھانے اوردرس حدیث دینے کی غرض سے بنگلور تشریف لے گئے وہاں کے لوگ آپ کے علمی تبحر اورفن خطابت میں سحر بیانی سے کافی متاثر ہوئے اورآپ کے گرویدہ ہوگئے،اہل بنگلور کے کافی اصرار پرآپ یہیں بطورامام وخطیب رہنے پر مجبور ہوگئے اورلوگوں کی بے پناہ محبت واحترام نے زندگی کے بقیہ ایام گذارنے پرآمادہ کردیا یہاں تک کہ اپنی عمرعزیز کے ۳۸ سال کی طویل مدت اسی سرزمین سے وابستہ رہ کر کتاب وسنت کی نشر واشاعت میں مصروف رہ کراسی سرزمین بنگلور میں سپرد خاک ہونا پسند کیا بنگلور قیام کے دوران یہاں کی مرکزی جامع مسجد چار مینار میں درس احادیث اورامامت وخطابت اورجلسوں میں مواعظ کے علاوہ ۱۹۹۵ء میں آپ کے زیرسرپرستی شعبۂ حفظ کا قیام عمل میں آیا،اس طرح جامع مسجد چار مینار کے زیراہتمام چلنے والے مدرسۃ البنات میں آپ بحیثیت استادونگراں برائے تعلیمی امورخدمات انجام دیتے رہے اوراپنے طول تعلیمی تجربات اورانتظامی صلاحیت کو بروئے کارلاکراس کے تعلیمی معیار کو بلند کیا اور یہاں کی مقامی جمعیت کے شعبۂ دارالافتاء کے باقاعدہ مفتی رہ کر پوری زندگی اس کام کوبحسن وخوبی انجام دیا آپ کے تبحرعلمی اورقوم وملت کی بے لوث خدمات سے متاثر ہوکرآپ کوصوبائی جمعیت اہل حدیث کرناٹک وگوا کا مسلسل تین بارامیر مقرر کیا گیا جب کہ اس سے پہلے اس عہدہ جلیلہ کوقبول کرنے سے چھ بارآپ نے معذرت کردی تھی بالآخر جمعیت کی خواہش کے مطابق آپ نے ۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۶ء تک مسلسل ۱۲ رسال صوبائی جمعیت کے امیر رہ کر جماعت وجمعیت کی عظیم خدمات انجام دیں۔مرکزی جمعیت اہل ہند کی مجلس عاملہ کے رکن بھی رہے۔

آپ نے طویل عرصہ میں بحیثیت امام وخطیب،استاذ،مفتی،امیر،نگران اعلی اورداعی اسلام گویامختلف انداز سے جماعت وملت کی خدمت کی اورکتاب وسنت کی نشرواشاعت کی آپ کی دعوتی مساعی جمیلہ کا خوشگوار نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی مخلصانہ دعوت سے علاقہ کے تقریباًدس ہزارافرادکتاب وسنت کی روشن شاہراہ پرگامزن ہوگئے۔

قناعت واستغناء: خلوص،قناعت واستغناء کے جذبہ صادق سے آپ کی پوری زندگی معمورتھی ابتداء میں بنگلور کی مرکزی جامع مسجد چار مینار میں جب آپ بحیثیت امام وخطیب مقرر ہوئے تواس وقت آپ کی تنخواہ ۱۵۰ روپئے تھی جو کہ آپ کی علمی صلاحیت واستعداد کے اعتبار سے بہت کم تھی لیکن جب آپ کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی کہ بورڈ سے آپ کی تنخواہ میں اضافہ کے لئے سفارش کی جائے توآپ نے اس سے صاف انکار کردیا اورکہا کہ یہ میرے والد کی اس نصیحت کے برخلاف ہے کہ دینی کام میں تنخواہ کے پیچھے نہ جانااورہدیہ وتحفہ کے علاوہ کوئی بھی چیز ہرگز قبول نہ کرنا۔اسی طرح بعض علماء کی کوشش سے سعودی عرب کے شعبۂ دعوت وتبلیغ سے آپ کی تنخواہ جاری کروادی گئی لیکن آپ کی غیرت،استغناءاورقناعت پسند طبیعت نے اسے قبول کرنے نہ دیااوراسی کی دوسروں کوبھی تلقین کیا کرتے تھے۔آپ نے اپنی عظمت ورفعت اورشہرت کارازقناعت واستغناء کوقرار دیا۔آپ شہرت وجاہ پسندی سے کافی دور تھے، انکساری وتواضع آپ کی زندگی کا نمایاں وصف تھا۔

خطابت کے میدان میں: اللہ تعالیٰ نے آپ کوخطابت کا ملکہ اورزوربیان اپنے والد سے وراثت میں عطا کیا تھا جوناگڈھ، بنگلور

کے علاوہ بیرون ملک دبئی میں آپ کے خطاب ودروس ومواعظ سے کافی لوگ متاثر تھے اللہ نے آپ کی زبان میں بڑی شیرینی عطا کی تھی اپنے خطبوں میں آپ قرآنی آیات بکثرت تلاوت کرتے اور مشکوۃ المصابیح کی اکثر احادیث حفظ ہونے کی وجہ سے دوران خطبہ لمبی لمبی حدیثیں بطور استشہاد پیش کرتے چلے جاتے تھے اور جب کوئی واقعہ بیان کرتے تو صحابہ کرام کے ناموں کی ایک طویل فہرست گن کر رکھ دیتے حاضرین آپ کی ذہانت وفطانت پر ششدر رہ جاتے۔

تصنیف وتالیف: فن خطابت ودروس میں زور بیانی کا جادو جگانے کے ساتھ ہی زور قلم بھی حاصل تھا جب بھی دین حق کی تائید اور شرک وبدعات کی بیخ کنی کے لئے قلم کی ضرورت پڑی تو آپ نے اس کا استعمال اس انداز سے کیا کہ اس کا حق ادا کر دیتے اور آپ کی شگفتہ تحریر سے مسئلہ حق بالکل واضح ہوجاتا ہے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد کل آٹھ ہے جن میں سے حدیث نماز، حدیث رمضان، حدیث اعتقاد، حدیث قبور اور حدیث خیر وشر مطبوع ہو کر داد تحسین حاصل کرچکی ہیں ان میں حدیث خیر وشر گل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے یہ کتاب مشہور حنفی عالم یالن حقانی کی کتاب شریعت یا جہالت کا دندان شکن جواب ہے یہ کتاب نایاب تھی مکتبہ نعیمیہ کے ذمہ داران نے اس کو جدید ترتیب، مزید تصحیح وتنقیح اور مؤلف کے سوانح حیات کے ساتھ خوبصورت ٹائٹل کے ہمراہ شائع کرکے اس کو منصۂ شہود پر لانے کی سعادت حاصل کی ہے امید کہ اس کے بعد اس کا حلقۂ قارئین اور وسیع ہوگا اور عام لوگ اس سے مزید مستفیض ہوں گے۔ اور بقیہ تین کتابیں حدیث وفن حدیث جبرئیل اور حدیث رد وقبول منظر عام پر نہ آسکیں اور ان کے مخطوطے آج بھی محفوظ ہیں۔

وفات وتدفین: آپ ۸؍اپریل ۲۰۰۹ء مطابق ۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ بروز بدھ بعد نماز عشاء اہل خانہ کے ساتھ انتہائی خوش اسلوبی وخوش مزاجی کیساتھ محو گفتگو تھے کہ اچانک صرف ۵ منٹ کے عرصہ میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ان للہ وانا الیہ راجعون۔ تقریباً ۷۱ سال کی عمر پائی۔

آپ کو اپنے گھر میں غسل دینے کے بعد آپ کی نعش کو سوگواروں کے دیدار کے لئے جامع مسجد چار مینار میں رکھ دی گئی اور ۹؍اپریل ۲۰۰۹ء مطابق ۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ بروز جمعرات بعد نماز ظہر چار مینار مسجد میں آپ کی نماز جنازہ آپ کے فرزند حافظ عبدالسلام صاحب نے پڑھائی اور بلاتفریق مسلک وملت ہزاروں سوگواروں نے باچشم نم اس ولی صفت شخصیت کو شہر کی نیانری روڈ قبرستان میں سپرد خاک کیا۔

پسماندگان: آپ کے پسماندگان میں آپ کی بیوہ، نولڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اللہ تعالی مولانا موصوف کی دینی وعلمی ودعوتی جملہ خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور اعلی علیین میں جگہ دے اور جملہ پسماندگان اہل خانہ وجمعیت وجماعت کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ (آمین)

(ماخوذ از: حدیث خیر وشر۔ ص ۱۷۷ تا ۱۸۰)

□□□

آہ! رئیس المصنّفین نہ رہا

(مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کی یاد میں)

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی رکاندیولی ممبئی

سرزمین ہند اپنی علمی ودینی خدمات بالخصوص حدیث رسول کی نشرواشاعت ،درس وتدریس، شرح وتعلیق میں بیش بہا کاوشوں کے لئے مشہور ومعروف ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے لے کے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، علامہ عبدالرحمن مبارکپوری، شمس الحق عظیم آبادی، مولانا محمد جوناگڈھی، ثناء اللہ امرتسری، داؤد راز، وحیدالزماں کیرانوی اور دیگر اساطین علماء اسلام کو کون نہیں جانتا۔ الغرض حدیثی خدمات کا ایک طویل اور لامتناہی سلسلہ تاریخ ہے جو آج تک جاری وساری ہے۔سلسلہ تاریخ خدمات حدیث کی ایک سنہری کڑی دنیائے تصنیف وتالیف اور انکار شرک وبدعت ورد اباطیل اور اساطیر میں مشہور ومعروف ایک عظیم علمی وتصنیفی شخصیت حضرت مولانا محمد رئیس ندوی المعروف رئیس الاحرار کی ہے، جنہیں مرحوم کہتے ہوئے قلم میں لغزش سی طاری ہوجاتی ہے۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت کے بعد ۱۹۶۰ء کے دہائی سے لے کر ۲۰۰۹ء تک تقریبا نصف صدی کی ایک طویل اور مسلسل سفر آپ نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں طے کیا ہے۔ اپنے اعلانِ اہل حدیثیت سے لے کر اواخرِ حیات تک توحید وسنت کے خلاف تحریر کی جانے والی بے بنیادی تحریروں کا آپ نے دندان شکن جواب دے کر نہ صرف یہ کہ اپنی ایک شناخت بنالی بلکہ فرق باطلہ اور مبتدعہ کے خلاف ایک مضبوط چٹان بن گئے ترجمہ قرآن مجید سے لے کر فن حدیث، رجال، سیرت وتاریخ پر اپنی گہری دسترس کی وجہ سے بزم صحافت میں چھاتے چلے گئے اور ہزاروں نہیں لاکھوں صفحات اپنے قلم سے سیاہ کر کے سانس کے آخری لمحے تک دین متین کی خدمت اور چمن اسلام کی آبیاری کرتے رہے۔ بالآخر قضاء وقدر آ پہنچی اور ۹ر مئی ۲۰۰۹ء بروز سنیچر بوقت رات گیارہ بجے اس دارفانی سے دارالبقا کی طرف کوچ کر گئے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔ مرحوم کو اگر رئیس الاحرار کے ساتھ رئیس المصنفین کہا جائے تو شاید کہ مبالغہ نہ ہوگا۔ مجھ ناچیز کو بھی آپ کی شاگردی کا غیر معمولی شرف حاصل ہے۔ اسی بنیاد پر ذیل میں چند سطور حوالۂ قرطاس ہیں۔

نام ونسب: مولانا محمد رئیس بن سخاوت علی بن باقر حسین بن جہانگیر۔

مقام وتاریخ ولادت: آپ کی ولادت سرکاری دستاویز اور تعلیمی سندوں کے اعتبار سے ۱۷ر جولائی ۱۹۳۸ء مطابق ۱۷ر جمادی الاولی ۱۳۵۷ھ بروز جمعرات ضلع بستی (موجودہ سدھارتھ نگر) کے ایک مشہور ومعروف علاقہ تحصیل بانسی سے جنوب مشرق

کی جانب دس کلومیٹر کی دوری پر واقع بھٹیا گاؤں میں ہوئی۔ یہ گاؤں فی الوقت ضلع بستی سے کٹ کر نئے ضلع سدھارتھ نگر میں شامل ہے۔ آپ کے خاندان کا عمومی پیشہ پارچہ بافی (کپڑے بننا) تھا اور یہی پورے خاندان کا ذریعہ معاش تھا گویا کہ ہندوستان کے خاندانی نسبت کے اعتبار سے آپ انصاری تھے لیکن اپنے خاندانی پیشہ سے ہٹ کر علم کی دنیا میں وہ سنہرے اور زریں نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک اہل علم وفن کے لئے ایک نمونہ رہے گا۔

لیس الجمال باثواب تزیننا
ان الجمال جمال العلم والادب

آپ کے والدین علم سے کوسوں دور اور بالکل ان پڑھ اور جاہل تھے اور اپنے خاندانی پیشہ میں مشغول رہ کر اس سے روزی روٹی حاصل کرتے تھے لیکن اپنے بیٹے محمد رئیس کو تعلیم دینے کا شوق وجذبہ تھا چنانچہ ابتداء سے ہی آپ کو علم وتعلیم کی راہ پر لگا دیا اور اس طرح مختلف جگہوں پر علم حاصل کر کے آپ نہ صرف ایک عظیم مدرس بلکہ جامع علوم وفنون ہو گئے کہ اگر آپ کو رئیس المصنفین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

تعلیم وفراغت:

آپ نے ابتدائی اور بنیادی تعلیم گاؤں کے دینی مکتب میں برادر منشی عبدالمجید، منشی عبدالحمید (چھتیونی سدھارتھ نگر) اور منشی معین الحق صاحبان سے حاصل کی، گاؤں کا یہ مکتب آج مدرسہ معین العلوم کے نام سے مشہور ہے جب شعور کی منزل کو پہنچے تو ۱۹۴۶ء میں اپنے گاؤں سے قریب پوسٹ مروٹیا بازار میں واقع پرائمری اور مڈل اسکول میں داخلہ لیا اور تقریباً آٹھ سالوں تک پنڈت شہرت اور پنڈت گومل سے تعلیم حاصل کی۔ پرائمری اور مڈل کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دینی تعلیم کا جذبہ بیدار ہوا اور قدرت نے آپ کے شعور کو روحانی تعلیم حاصل کرنے کی طرف رغبت عطا کی۔

چنانچہ ۱۹۵۳ء میں اپنے آبائی وطن اور خاندانی گاؤں کو خیر باد کہہ کر اس زمانہ میں تعلیم کے لئے مشہور ضلع بستی کے صدر مقام شہر بستی کے لئے روانہ ہو گئے اور وہاں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شاخ مدرسہ عالیہ عربیہ واقع پکا بازار بستی میں داخلہ لیا اور اس طرح ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۵۷ء یعنی کل چار سالوں تک مذکورہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں یہاں مولانا سید عبدالغفار ندوی (بھرول بارہ بنکی) مولانا محمود الحسن بستوی (ناظم انجمن تعلیمات دین بستی جو کہ قاضی عدیل عباسی کے رشتہ دار تھے) اور حافظ مرغوب الرحمن صاحب (تپا اجیار والے ضلع بستی) اور مولانا اسحاق وغیرہم تھے جن سے آپ نے چار سالوں تک دینی وعلمی فیض اٹھایا اور اس طرح عربی اور دینی علوم کے ایک لائق طالب علم بن گئے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ:

علمی انہماک اور تعلیمی دلچسپی کسی بھی انسان کی ترقی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ مولانا محمد رئیس صاحب نے ابتدائی اور عربی درجات کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد علم کی اعلیٰ منزلیں سر کرنے کے لئے دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے مرحوم ہونے کے بعد ملک ہندوستان کی سب

سے عظیم درسگاہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کا رخ کیا چونکہ شہر بستی کا مدرسہ عالیہ ندوۃ کی ایک شاخ تھا اس لئے آسانی سے آپ کو داخلہ مل گیا۔ چنانچہ ۱۹۵۷ء میں عالمیت سال آخر یعنی ساتویں جماعت میں داخل ہوئے اور یہاں پر رہ کر آپ نے عالمیت اور فضیلت کی تعلیم کو تین سالوں میں مکمل کر لیا اور ۱۹۶۰ء میں آپ فارغ التحصیل ہو کر وطن واپس لوٹ آئے۔

دوران تعلیم آپ کے ہم سبق دس طلبہ تھے جن میں ضیاء الحسن لکھنوی، منظور الحسن بنگال اور الطاف حسین خاں میرٹھی صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام قابل ذکر ہیں۔

مشہور اساتذہ: آپ نے ابتدائی تعلیم سے لے کر آخر تک مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی جن میں چند کا نام پہلے گزر چکا ہے اور مزید قابل ذکر اساتذہ کا نام درج ذیل ہے: (۱) مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (۲) مولانا سید عبدالغفار ندویؒ نگرامی (۳) مولانا محمود الحسن صاحب بستوی (۴) مولانا محمد ادریس ندوی نگرامی (۵) مولانا محمد رابع ندوی (۶) مولانا محمد اسحاق ندوی سندیلوی (۷) مولانا ابوالعرفان ندوی جونپوری (۸) مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی (صاحب مصباح اللغات) (۹) مولانا اسباط صاحب (۱۰) مولانا مفتی ظہور احمد صاحب۔

اعلان اہل حدیثیت:

آپ کا خاندان اور گھرانہ ابتداء سے ہی حنفی المسلک تھا چنانچہ آپ بھی اسی پر قائم رہے۔ ندورۃ العلماء میں داخلہ کے بعد فضیلت کی تعلیم میں جب آپ نے صحیحین اور دیگر کتب احادیث کا مطالعہ کیا تو توحید وسنت کی روشنی سے آپ کے دل کی دنیا بدلتی چلی گئی۔ اور رفتہ رفتہ آپ نے مسلک اہل حدیث کو قبول کر کے اسے اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھ لیا اور اس طرح بانگ دھل آپ اپنی سلفیت اور اہل حدیثیت کا اعلان کر کے کتاب وسنت کے شیدائی وفدائی بن گئے۔

مدرسہ عالیہ بستی اور ندوۃ العلماء میں تدریس وتعلیم:

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد آپ کی علمی مہارت اور تدریسی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے ندوۃ کی شاخ مدرسہ عالیہ عربیہ پکا بازار شہر بستی میں تدریس کی خدمت پر مامور کر دیا چنانچہ آپ اپنے مادر علمی مدرسہ عالیہ بستی جہاں پر چار سالوں تک تعلیم حاصل کی تھی، تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ دوران تدریس بیمار پڑنے کی وجہ سے تقریباً چھ ماہ کے بعد لکھنؤ علاج کے لئے جانے پر مجبور ہو گئے۔ لکھنؤ میں آپ ڈاکٹر فریدی کے زیر علاج رہے، مولانا علی میاں ندوی نے علاج کا پورا خرچ بھی برداشت کیا اور آپ کی صلاحیتوں سے ابنائے ندوۃ کو فیض پہنچانے کے لئے آپ کو ندوہ ہی میں ابتدائی درجات کی تدریس پر مامور کر دیا چنانچہ اس طرح تقریباً ایک سال تک ندوہ میں اپنا علمی فیض پہنچاتے رہے۔

جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں بحیثیت مدرس:

ماحول کی تبدیلی اور ناسازی طبع کی وجہ سے ۱۹۶۱ء میں لکھنؤ سے جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال حسب حکم علی میاں ندوی منتقل ہو گئے اور ۵۰ روپئے ماہانہ ماہوار مشاہرہ پر تدریسی خدمات انجام دینے لگے انتہائی انہاک اور محنت ولگن سے

تدریسی فریضہ کے ساتھ ساتھ تقریباً دو سالوں تک آپ نے علاقہ میں دعوتی کام بھی کیا۔

غالباً مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی، شیخ الجامعہ بونڈھیار (جو اس وقت آپ کے رفیق تدریس تھے) کے ساتھ علاقے میں دعوتی آمدورفت بکثرت ہوا کرتی تھی بعد میں مشاہرہ کی قلت کی وجہ سے آپ نے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر سے استعفیٰ دے دیا۔

تدریسی مشاغل کے سلسلے میں مولانا کا خود بیان:

ندوہ سے فراغت کے بعد حضرت مولانا (جھنڈانگری) نے مجھے اپنے زیر انتظام چلنے والے مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں مدرس ہونے کی پیش کش کی اس سال میں پکا بازار بستی کے مدرسہ میں درس وتدریس کا وعدہ کر چکا تھا اس لئے سال بھر کی مہلت حضرت خطیب الاسلام سے مانگی۔ میں پکا بازار مدرسہ میں صرف چھ ماہ رہ سکا علالت کے باعث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مقیم رہ کر ڈاکٹر فریدی کے زیر علاج حضرت الاستاذ العلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حسب ارشاد رہا اور ندوہ کی ابتدائی درجات کے بعض اسباق پڑھاتا رہا...... آگے لکھتے ہیں کہ اور رمضان بعد میں ۱۹۶۱ء میں حضرت الاستاذ نا العلام سید ابوالحسن علی میاں ندوی کے حسب مشورہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر درس وتدریس کے لئے آ گیا۔ (السراج خطیب الاسلام نمبر: ص، ۴۷۷، مئی۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء)

احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کا سفر:

جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں دو سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۰ روپے ماہوار مشاہرہ پر دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، بہار چلے گئے اور ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی کی نگرانی میں تقریباً چھ سالوں تک ۱۹۶۴ء سے لے کر ۱۹۶۹ء تک درس وتدریس میں منسلک رہے۔ ساتھ ساتھ دعوتی خدمات انجام دینے کے علاوہ پندرہ روزہ الہدیٰ دربھنگہ میں اپنے اشہب قلم سے قلم وفن کی نورانیت بکھیرتے رہے۔

احمدیہ سلفیہ دربھنگہ اور وہاں کے ذمہ داران بالخصوص ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفی سے گہرے روابط تھے۔ احمدیہ سلفیہ چھوڑنے کے بعد بھی یہ روابط برقرار رہے اور ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی برابر مولانا ندوی کے ساتھ انسانیت بھرا سلوک کرتے رہے۔ مولانا رقم طراز ہیں: ''میں جامعہ سراج العلوم کے بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں آ گیا تھا جہاں چھ سال تدریسی خدمت کے زمانہ میں تین بار حضرت خطیب الاسلام جلسہ مذاکرہ علمیہ میں تشریف لائے'' (السراج خطیب الاسلام نمبر، ص: ۴۷۸)

رئیس الاحرار ندویؒ جامعہ سلفیہ بنارس میں قدم رنجہ:

احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں چھ سالوں تک تدریسی وتعلیمی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۶۹ء میں جماعت کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس چلے گئے اور مختلف النوع مضامین بالخصوص کتب احادیث اور بالاخص صحیحین کا درس دینے لگے۔ آپ کے درس کی شہرت طلباء واساتذہ کے مابین عام تھی جس موضوع پر زبان محو گفتگو ہوتی اس پر سیر حاصل بحث کرتے اور اس پر اپنی معلومات کے موتی بکھیرتے ۱۹۶۹ء سے لے کر ۱۹۹۸ء تک تقریباً انتیس سالوں تک مسلسل تدریس سے جڑے رہے۔ طبیعت کی خرابی اور دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے تصنیفی کام اور فتویٰ نویسی میں زیادہ منہمک ہو گئے اور تادمِ حیات جامعہ سلفیہ بنارس میں طلباء، علماء، اساتذہ اور شیوخ

سبھی کو فیض پہنچاتے رہے۔ تقریباً چالیس برس کی طویل خدمات پر آپ کی زندگی محیط ہے۔ علمی، دعوتی، تبلیغی اور تصنیفی امور میں آپ کی مشغولیت اور مختلف النوع جہود واعمال اتنے متنوع اور کثیر الفوائد ہیں کہ ان سے اہل علم ودانش کو فائدہ اٹھانا چاہیے، اور جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران اور اساتذہ کو آپ کی طویل مدتی خدمات کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنی چاہیے۔ آپ کے شاگردان رشید کو بھی چاہیے کہ اپنی اپنی معلومات کی حد تک مولانا کے زریں حیات کے مختلف گوشوں پر اپنے قلم سے روشنی ڈالتے رہیں۔

قابل ذکر تلامذہ:

ہندو نیپال کی تین عظیم سلفی درسگاہوں میں تعلیم وتدریس کی ذمہ داری آپ نے کم وبیش نصف صدی تک انجام دی ظاہر ہے کہ ان عظیم درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے ملک کے گوشے گوشے سے آنے والے طلباء کی ایک جم غفیر رہا کرتی تھی اس لئے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ کے طلباء اور شاگردان کی تعداد بے شمار ہے۔ فی الوقت ملک کی درسگاہوں میں جامعہ سلفیہ بنارس کے جتنے بھی فارغین ہیں سب آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں اور جتنے بھی چنندہ چنندہ علماء موجودہ وقت میں اپنی علم وتحقیق کی وجہ سے مقبول خاص وعام ہیں تقریباً سب کے سب آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

ذیل میں صرف چند اہم تلامذہ اور شاگردان کا ذکر کیا جارہا ہے: (۱) ڈاکٹر عبدالرحمن پریوائی (ریاض) (۲) ڈاکٹر اختر جمال محمد لقمان (مکہ مکرمہ) (۳) ڈاکٹر عبدالباری فتح اللہ مدنی (ابوظبی) (۴) شیخ صلاح الدین مقبول (کویت) (۵) دیگر سلفی علماء جو جالیات اور شعبہ دعوت وارشاد میں لگے ہیں تقریباً سب کے سب آپ کے شاگرد ہیں۔ (۶) دکتور رضاء اللہ ادریس مبارکپوری (مرحوم) (۷) مولانا شاہد جنید نائب صدر جامعہ سلفیہ بنارس (۸) مولانا عبداللہ سعود ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس (۹) ڈاکٹر عبدالعزیز بن شیخ الحدیث مبارکپوری (۱۰) ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی (مالیگاؤں) (۱۱) مولانا اصغر علی سلفی دہلی (۱۲) شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی (دہلی) (۱۳) د۔ اقبال بسکوہری (مالیگاؤں) (۱۴) مولانا عبدالمنان سلفی جھنڈانگر نیپال وغیرہ، ودیگر ملک ہندوستان و نیپال کے اساتذہ مدارس وجامعات، دعاۃ ومبلغین اور طلباء وعلماء کی ایک لمبی فہرست ہے جو ہزاروں سے متجاوز ہو سکتی ہے۔

تصنیفی خدمات:

تصنیف وتالیف اور تحریر وتقریر کا ذوق طالب علم کے اندر اگر ابتداء ہی سے پیدا ہو جائے تو بعد میں چل کر میدان تعلیم وتدریس میں اسے علمی جلاء مل جاتی ہے اور پھر ایک محرر اور مصنف کی حیثیت سے ابھر کر انسان سامنے آتا ہے۔ یہی حال ابتداء اور زمانہ طالب علمی سے مولانا رئیس الاحرار ندوی مرحوم کے اندر بھی قدرت نے ودیعت فرمادیا تھا اور اس کا سب سے بین ثبوت یہ ہے کہ آپ نے زمانہ طالب علمی کے اواخر ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۱ء ہی میں دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اس کے روح رواں مولانا علی میاں ندوی کے حسب ارشاد ومشورہ تاریخ یہود کی تصنیف ایک کتابچہ کی شکل میں نہیں بلکہ پانچ ضخیم جلدوں میں تیار کی تھی اور اس کے بعض حصے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں شائع بھی ہوئے تھے۔ علماء اور اصحاب قلم نے خوب پذیرائی بھی کی تھی مگر افسوس کہ اس کا مسودہ مشیت الٰہی کے مطابق بعد میں کہیں ضائع ہو گیا اور ایک عظیم علمی سرمایہ فقدان وگمنامی کا شکار ہو گیا۔ مولانا مرحوم ایک سلسلے میں خود رقمطراز ہیں ''کہ اگر چہ اس

کے پہلے زمانہ طالب علمی میں ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۱ء میں تاریخ یہود کی تصنیف پانچ ضخیم جلدوں میں کر چکا تھا جس کے بعض مطبوع حصوں کو ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں دیکھ کر خطیب الاسلام موصوف (جھنڈا نگر) نے نہایت تعریف کی اور میری حوصلہ افزائی بھی۔ افسوس یہ کتاب شائع ہوئے بغیر ضائع ہوگئی۔ اس کی تصنیف میں حضرت استاذنا العلام ابوالحسن علی ندویؒ کی بھی کافی معاونت وہدایات ومشورے شامل رہے۔'' (السراج خطیب الاسلام نمبر: ص، ۴۷۸)

الغرض حضرت رئیس الاحرار مرحوم کے اندر قلمی صلاحیت ابتداء سے ہی قدرت نے ودیعت کر دیا تھا اور اپنی انہیں صلاحیتوں کو آپ نے بعد میں ایک مستقل اور ٹھوس منصوبے کے تحت ان گنت تصنیفات وتالیفات میں اجاگر کیا۔ آپ کے مضامین بالخصوص تاریخ یہود کے بعض حصے ہفت روزہ الہدیٰ دربھنگہ میں بھی شائع ہوئے بلکہ ندوہ سے ابتدائی تدریسی زمانہ میں واپسی کے بعد مستقلاً جب جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر آئے تو صرف دو سالوں کے اندر ہی جھنڈا نگری مرحوم نے آپ کی قلمی صلاحیتوں کو پرکھ لیا اور آپ کے ذمہ اپنی مایہ ناز کتاب ''تردید حاضر وناظر'' کے جواب میں ایک بریلوی عالم مفتی عبدالمنان کی طرف سے شائع ''الشاہد'' نامی کتاب کا دندان شکن جواب دینے کے لئے حضرت مولانا رئیس ندوی کو مامور کیا۔ چنانچہ آپ نے اس کا جواب لکھا اور جھنڈا نگری مرحوم نے اسے ''تصحیح العقائد بابطال شواہد الشاہد'' کے نام سے چھپوایا اور یہ مولانا کی طبع ہونے والی سب سے پہلی کتاب تھی۔ مولانا ندوی مرحوم لکھتے ہیں ''میں مدرسہ سراج العلوم میں صرف دو سال رہ سکا اس دوران انہوں نے (جھنڈا نگری نے) مجھ پر ایک کرم فرمائی کی کہ ان کی بدعت شکن کتاب ''تردید حاضر وناظر'' کا نہایت اذیت رساں جواب کے نام پر فرقہ بریلویہ کی طرف سے ''الشاہد'' از بریلوی بحر العلوم مفتی عبدالمنان شائع ہوئی۔ اس کے جواب کا مکلف خطیب الاسلام نے مجھے بنایا اور میں نے اس کا جواب لکھا بھی جسے خطیب الاسلام نے ''تصحیح العقائد بابطال شواہد الشاہد'' کے نام سے چھپوایا یہ میری طبع ہونے والی سب سے پہلی کتاب ہے۔ (السراج: خطیب الاسلام نمبر: ص، ۴۷۷، ۴۷۸)

مولانا رئیس ندوی مرحوم کی علمی وقلمی صلاحیتوں کا بین ثبوت خطیب الاسلام جھنڈا نگری مرحوم سے آپ کے وہ علمی روابط بھی ہیں جنھیں حضرت مولانا رئیس ندوی نے خود رقم کیا ہے ایک طرف جہاں آپ نے جھنڈا نگری کی تحریروں اور تقریروں سے استفادہ کیا وہیں جھنڈا نگری مرحوم نے آپ کی علمی وتحریری صلاحیتوں کو دیکھ کر اپنی بعض تصانیف نظر ثانی اور اصلاح کے لئے بھی دیں۔ مولانا رقمطراز ہیں: ''میں نے خطیب الاسلام کی تصنیفی وتحریری عبارتوں کا بالاستقصاء مطالعہ کیا اور مکرر سہ کرر مجھے ان کی تحریری عبارتوں کی بدولت تحقیقی ذوق اور اردو عبارت نویسی میں سلاست پیدا کرنے کی صلاحیت آئی۔ ان کی تقریروں اور خطبات سے تقریر وخطبات کی زیادہ سے زیادہ آرائش وزیبائش کا سلیقہ آیا اور میں نے ان کے علوم سے کافی انتفاع کیا، اپنی بعض تصانیف مجھے نظر ثانی واصلاح کے لئے دیں میں نظر ثانی واصلاح کیا کرتا اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے قبل ازیں اپنے علوم میں اضافہ کرتا رہا اور ان کی کتابوں کو دیکھ کر تصنیف وتالیف کا داعیہ میرے اندر پیدا ہوتا رہا'' (السراج خطیب الاسلام نمبر: ص، ۴۷۸)

دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں دوران تدریس آپ نے اپنا علمی وتحریری ذوق برقرار رکھا اور بدعات کا پوسٹ مارٹم کرنے کے لئے اپنے قلم کو رواں دواں رکھا چنانچہ کتاب ''خلافت معاویہ ویزید وتحقیق مزید'' نامی محمود عباس کی تصنیف کا رد بھی تحریر کیا جس پر اہل علم

اوراصحاب فکر ونظر نے آپ کی حوصلہ افزائی وستائش کی۔آپ رقمطراز ہیں:''میری تیسری تصنیف محمود عباس کی کتاب خلافت معاویہ ویزید وتحقیق مزید کے رد پر بنام''قول سدید بجواب محبان یزید'' کی اقساط مطبوع پندرہ روزہ الہدی دربھنگہ میں دیکھ کر حضرت خطیب الاسلام نے مجھے اپنی حوصلہ افزاباتوں سے نوازا''(السراج خطیب الاسلام نمبر:ص ۴۷۸)

تصانیف وتالیفات:

آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد بالضبط ابھی معلوم نہ ہوسکی ہیں کیونکہ کئی کتابیں ابھی زیورطبع سے آراستہ نہ ہوسکی ہیں اور کچھ کتابیں زیرتالیف بھی تھیں۔ذیل میں چند کتابوں کے نام دیئے جارہے ہیں جومطبوع یامشہور قلمی ہیں:

(۱) ترجمہ قرآن مکمل (اردو) (۲) اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات (۵ جلدوں میں) (۳) تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق (۴) نفقۂ مطلقہ (۵) تصحیح العقائد بابطال شواہد الشاہد (۶) غایۃ التحقیق فی تضحیۃ ایام التشریق (۷) اسلام میں نماز جمعہ کا حکم (۸) بدعات اوران کا شرعی پوسٹ مارٹم (۹) رسول اکرم کا صحیح طریقۂ نماز (۱۰) تاریخ یہود (۴ جلدوں میں) قلمی (۱۱) معاشرہ کی مہلک بیماریاں (۱۲) تحویل قبلہ نبی آخرالزماں فی ردمصنف تفسیر مفتاح القرآن (اردو) (۱۳) سیرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ (۱۴) سیرت آدم علیہ السلام (۱۵) اولا دحضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ (۱۶) سیرت علامہ نذیر احمد املوی رحمانی (۱۷) قصہ ایام قربانی کا (۱۸) رکعات تراویح (۱۹) علوی مالکی سے دوباتیں (۲۰) دیو بندی سنت تحفظ کانفرنس پر سلفی تحقیقی جائزہ (۲۱) مفقود الخبر شوہر کا شرعی حکم (۲۲) صحت نکاح کے لئے ولی اور کفو کی شرط (۲۳) تاریخ اہل حدیث قلمی (پہلی جلد ایک ہزار صفحات سے زیادہ) (۲۴) کتاب العقیقہ (۲۵) خطبات نغمہ حدیث جامعہ محمدیہ مالیگاؤں (۲۶) قول سدید بجواب محبان یزید قلمی (صفحات ۷۰۰) (۲۷) سیرت ابن حزم۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں دوران طالب علمی رئیس الاحرار سے ایک اہم ملاقات:

غالباً ۱۹۸۸ء کا زمانہ تھا میں معہد التعلیم الاسلامی دہلی سے متوسطہ درجات پاس کرنے کے بعد اپنی علمی پیاس کو بجھانے کے لئے جامعہ سلفیہ بنارس آ گیا۔الحمدللہ جامعہ کے سخت ترین امتحان داخلہ میں میرا نام میرٹ لسٹ میں آ گیا اور میرا داخلہ بآسانی منظور ہوگیا۔ رحمانیہ میں تعلیم کے بعد جب جامعہ سلفیہ بنارس میں داخل ہوا تو وہاں رئیس الاحرار ندوی سے ملاقات اور شاگردی نیز فیض یابی کا موقع ملتا نظر آیا۔مختلف کتابوں کی تدریس کے دوران آپ کے علمی وقلمی صلاحیتوں کے بحرذخار سے استفادہ کا بھی موقع ملا میری قسمت نے وفا نہ کی اور عالمیت سال آخر ہی میں جامعہ اسلامیہ مدینہ سے منظوری کا شرف حاصل ہوگیا۔بہرصورت ندوی صاحب مرحوم سے ایک بار اتفاقاً گھر واپس آنے کے بعد اپنے والد بزرگوار کے تذکرہ کرنے کی وجہ سے ایک اہم ملاقات کا موقع ہاتھ آ گیا۔قصہ یوں کہ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۳ء میں جب مولانا مرحوم جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے اور مولانا ابوالعرفان محمد عمر سلفی (سابق شیخ الجامعہ بونڈیہار) بھی آپ کے رفیق کار تھے۔یہ دونوں بزرگان دین برابر میرے والد محترم سے گہرے مراسم کی وجہ سے ہمارے گھر اکثر وبیشتر قدم رنجہ ہوتے۔والد محترم بھرپور خدمت کا شرف لیتے اوردعاؤں کی درخواست

کرتے۔ایک بار چائے نوشی کے دوران غالباً چائے کا گرم برتن کسی وجہ سے مولانا مرحوم کے ہاتھوں پر اچانک گر گیا جس کی وجہ سے آپ کو کافی دنوں تک تکلیف لاحق تھی اور یہ واقعہ ایک یادگاری واقعہ بن گیا۔میرے والد محترم نے جب کسی شناسا سے سنا کہ مولانا محمد رئیس ندوی اب جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں تو آپ نے مجھ ناچیز کے واسطے پیغام سلام بھیجا اور ہنس کر کہا کہ اگر نہیں پہچانیں گے تو چائے کا واقعہ ذکر کرنا شاید کہ پہچان لیں گے۔میں والد محترم کا سلام کہنے مولانا مرحوم کے قیام گاہ پہنچا اجازت طلب کی اور آپ سے خیریت دریافت کرنے کے بعد اپنے گاؤں اور والد صاحب کا تعارف کروایا۔صرف ایک معمولی ذکر پر آپ اپنی قوت حافظہ سے ساری قدیم یادیں دہرانے لگے اور چائے کا واقعہ خود بیان کرنے لگے۔اور پھر جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں اپنی تدریسی خدمات، مرحوم جھنڈانگری کی کرم فرمائیاں اور میرے والد محترم سے مخلصانہ روابط اور گہرے مراسم کا ذکر کرتے کرتے کافی وقت نکل گیا۔ مجھے بھی نصیحت کی، عزم و ہمت اختیار کرنے کی ترغیب دی اور صرف تعلیم میں انہماک اور خارجی مطالعہ میں مشغولیت پر زور دیا اور ڈھیر ساری دعائیں عطا کیں۔دوران ملاقات میں اپنی نگاہیں مرحوم کے تحقیقی کار اور جذبہ مطالعہ و مذاکرہ پر دوڑا تا رہا مولانا بات کرتے رہے اور کتابوں کے ورق بھی الٹتے رہے۔

بعض کتابیں مجھ سے بھی اٹھانے کے لئے کہا۔چاروں طرف کتابوں کے جھرمٹ میں بیٹھے اپنے کام میں مشغول دنیا و مافیہا سے بے رغبت ہو کر تحقیق، و تدقیق، تدوین و تالیف میں منہمک کبھی بخاری و مسلم کی ورق گردانی تو کبھی صحاح ستہ کے مختلف سنن اور جوامع کی طرف رجوع کبھی شروحات حدیث کو کھولنے اور مطالعہ کرنے کا منظر تو کبھی فقہی کتابوں سے استئناس و مراجعہ، ایسا محسوس ہوا جیسے کہ مولانا مرحوم کوئی موبائل لائبریری ہیں حوالہ جات صفحہ نمبر کے ساتھ یادداشت میں محفوظ صفحات در صفحات لکھے جا رہے ہیں۔سیاہی پر سیاہی ختم ہو رہی ہے۔میں یہ منظر دیکھتا رہا اور حیرانی و تعجب سے اپنے استاد محترم مرحوم ندوی کو سوچتا رہا اور آج بھی یہ منظر سوچ کر وہی کیفیت جسم و قلب پر طاری ہے۔

خدا رحمت کندا اینی عاشقان پاک طینت را

دعوتی جھود کی ایک جھلک: علم دین سے وابستہ طلباء و علماء کا سب سے اہم مشن دعوت دین ہے اور یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جو ایک انسان کی زندگی میں تبدیلی لانے، بگڑے ہوئے سماج و معاشرہ کو سدھارنے اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے جانے کا ذریعہ اور راستہ بنتا ہے۔دعوت الی اللہ ایک انبیائی مشن ہے اور علماء وارثین انبیاء و رسل ہیں چنانچہ اپنی بھرپور علمی صلاحیتوں سے دعوت دین کا کام کرنے اور انبیائی مشن کو زندہ رکھنے کے لئے مولانا رئیس مرحوم نے بھی اپنی توانائیاں صرف کیں۔خطبات جمعہ سے لے کر وعظ و نصیحت اور دروس وغیرہ کے پروگرام جاری و ساری رہے، اگرچہ آپ کسی اسٹیج اور جلسے و جلوس کے عادی نہ تھے لیکن قدرت نے آپ کی زبان و قلم سے بیشتر کو فائدہ پہنچایا۔ابتدائے زمانہ تدریس سے ہی آپ کو دعوتی لگاؤ تھا اور اصلاح و ارشاد کے لئے جھنڈانگر نیپال میں تدریس کے وقت گاؤں اور چھوٹی چھوٹی بستیوں میں خطبہ جمعہ کیلئے جایا کرتے تھے۔مولانا مرحوم نے جھنڈانگری کی یادداشت میں اس سلسلے میں خود تحریر فرمایا ہے لکھتے ہیں کہ ''درسی کتابوں کے علاوہ خطیب الاسلامؒ نے مجھے بعد نماز فجر مدرسہ سراج العلوم کی جامع مسجد

میں درس قرآن دینے نیز کبھی کبھار خطبہ جمعہ دینے کا بھی حکم فرمایا۔ میرے درس قرآن میں حضرت خطیب الاسلام بالالتزام موجود رہتے اور ازراہ ذرہ نوازی حوصلہ افزائی والے الفاظ اپنے بعض خطبات جمعہ تک میں کرتے‘‘ ۔(السراج خطیب الاسلام نمبر،ص ۴۷۷)

دوران طالب علمی جامعہ سلفیہ بنارس کی عظیم الشان جامع مسجد میں میں نے خود مولانا کے متعدد خطبات جمعہ کو سنا اور یاد کیا ہے جس موضوع پر لب کشا ہوتے اس کے مالہ وماعلیہ اور استدلال واستشہاد، اعتراضات وجوابات کا سمندر بن جاتے اور یہی علماء سلف کی شان اور اہل علم کی پہچان رہی ہے۔

خطیب الاسلام جھنڈانگری سے دیرینہ روابط: خطیب الاسلام جھنڈانگری مرحوم کی شخصیت بے مثال سے کون واقف نہیں مخلصانہ جذبات، ہمدردانہ رویہ، انسانیت نوازی کا شوق، علماء وطلبا اور اہل خرد کا ہمدرد وبہی خواہ ہمیشہ دینی لگن، سراج العلوم کی ترقی کا جذبہ اور بالکل مشینی زندگی کے ہمراہی ایک بے لوث خادم ملک وملت، جب ۱۹۶۲ء میں مولانا رئیس ندوی مرحوم سراج العلوم جھنڈا نگر میں بحیثیت مدرس مقرر ہوئے تو جھنڈانگری مرحوم سے اپنی علمی دوستی اور قدردانی کا بے حد ثبوت دیا نہ صرف یہ کہ جھنڈانگر کے زمانہ تدریس میں اس علم دوستی کو نبھاتے رہے بلکہ تادم زیست مولانا رئیس ندوی مرحوم کے ساتھ آپ کا مشفقانہ اور مخلصانہ کردار قائم رہا جب آپ جھنڈانگر سے دربھنگہ احمدیہ سلفیہ چلے گئے اور وہاں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے تو جھنڈانگری مرحوم سے بار بار ملاقات اور علمی تبادلہ اور اپنی تصنیفی کاوشوں پر حوصلہ افزا کلمات سنتے رہے۔ جامعہ سلفیہ بنارس میں دوران تدریس بھی جھنڈانگری سے دیرینہ روابط برقرار رہے۔ بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ جھنڈانگری مرحوم قلمکار جماعت رئیس ندوی مرحوم کے لئے مسیحا کا کام کیا کرتے تھے۔ دامے، درمے، سخنے ہر طرح سے معاونت جاری رہتی، نقد امداد کی بھی ضرورت پیش آتی تو بصد خلوص عطا کرتے قرضہ جات کی حاجت آپڑتی تو پیشانی پر سلوٹیں نہ پڑتیں۔ جھنڈانگری مرحوم سے اتنے دیرینہ روابط کے سلسلے میں خود ندوی مرحوم رقمطراز ہیں: ’’جب میرے پہلے نرینہ لڑکے کا انتقال صرف دوڈھائی سالہ عمر میں ہوگیا تو حضرت خطیب الاسلام دس بارہ افراد کے ساتھ دشوار گزار راستہ طے کر کے میرے غریب خانہ پر تشریف لائے مجھے بھی تسلی دی، اظہار ہمدردی وغم گساری کیا اور میرے سوگوار والدین واہلیہ کے لئے کلمات خیر کہے اور میرے لئے نعم البدل ملنے کی دعائیں کیں۔ مجھے جہاں خطیب الاسلام کی اس جم غفیر سے اپنے غریب خانہ پر قدوم میمنت لزوم سے غیر معمولی خوشی وفرحت ہوئی وہاں دوسری طرف حیرت بے انتہاء بھی ہوئی کیونکہ میں نے کسی مدرسہ کے ناظم اعلیٰ اور اتنے بڑے علوم کے بحر ناپیدا کنار اور دنیاوی مال ومنال وریاست وسیادت والے ناظم اعلیٰ کیا معنی؟ کسی رکن کو بھی اس طرح کی خبر گیری کرنے والا آج تک نہیں دیکھا۔ میری تدریسی وتصنیفی خدمات کا زمانہ چالیس سال کی طویل مدت پر پھیلا ہوا ہے مگر کسی ذمہ دار ادارہ تعلیمی نے مجھ پر ایسی شفقت ومہربانی واشک سوئی وہمدردی وغم گساری کرنے کو گوارہ نہیں کیا۔ اپنی ناگفتہ بہ ہارٹ کی حالت میں کسمپرسی وبے کسی وبے سروسامانی میں حضرت خطیب الاسلام بہت یاد آیا کرتے ہیں‘‘ (السراج خطیب الاسلام نمبر، ص: ۴۸۰)

الغرض جھنڈانگری مرحوم سے مولانا کے روابط بے حد خوشگوار اور عمدہ تھے اور جھنڈانگری مرحوم ہمیشہ مولانا کے ساتھ ہمدردانہ رویہ قائم رکھتے، پریشانی اور مالی مصیبت میں آپ کی اعانت قرضہ اور ہدیہ کی شکل میں جاری رہتی۔ مولانا ندوی مرحوم رقمطراز ہیں ’’میری

نہایت کٹھن گھڑیوں خصوصاً مالی پریشانی کی حالت میں جب ہر طرف سے راستے مسدود نظر آتے تو بھاری بھاری قرضے پچاس ہزار وچالیس ہزار روپیوں سے طویل المیعاد ادائیگی والے دیتے رہے اور ادائیگی کے موقع پر اچھی خاصی رقوم مجھے یہ کہہ کر واپس کر دیا کرتے تھے کہ تم میری بعض کتابوں کی طرف سے بریلویہ کا رد لکھ کر میرا دفاع کرتے رہے ہو میں تمہارے ان کاموں کی قدر کرتے ہوئے یہ رقوم تمہیں بطور عطیہ وھبہ وبطور تشجیع دے رہا ہوں۔ بالکل اواخر زندگی میں موصوف خطیب الاسلام نے میری مطبوع کتاب تصحیح العقائد باضافات جدیدۃ کثیرۃ کی طباعت واشاعت میں بھاری تعاون کیا'' (السراج خطیب الاسلام نمبر: ۴۷۹)

رئیس الاحرار کا حقیقت پسندانہ کرب والم کا اظہار:

انسان جس ماحول میں زندگی گزارتا ہے اسے وہاں کے نشیب وفراز اور زیر وبم سے اچھی طرح واقفیت ہوتی ہے۔ ایک بے کس وبے سہارا کے لئے تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے اور ایک پریشان حال کے لئے اشک سوئی وغم گساری کے چند الفاظ ہی کافی ہیں۔ آج کی دنیا اتنی بے مروت اور بے درد ہو چکی ہے کہ بے سہاروں کو کوئی سہارا دینے پر آمادہ نہیں، خیر یہ تو عام بات ہے ارباب مدارس وذمہ داران ادارہ جات تعلیمی بھی اس سلسلہ میں اکثر وبیشتر کسی طرح سے کھرے نہیں ثابت ہوتے۔ علماء کی قدردانی اہل علم کی حوصلہ افزائی اور علم دوستوں کی تشجیع اور اعانت سے آج ہمارے تعلیمی ادارے، مدارس اور جامعات بھی کوسوں دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی طرح کے کچھ احساسات کا اظہار مرحوم ندویؒ نے انتہائی کرب والم اور رنج وغم سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں ''میں نے کسی مدرسہ کے ناظم اعلیٰ کیا کسی رکن کو بھی اس طرح کی خبر گیری کرنے والا آج تک نہیں دیکھا، میری تدریس وتصنیفی خدمات کا زمانہ چالیس سال کی مدت تک پھیلا ہوا ہے مگر کسی ذمہ دار ادارہ تعلیمی نے مجھ پر ایسی شفقت واشک سوئی وہمدردی وغم گساری کو گوارہ نہیں کیا۔ اپنی ناگفتہ بہ ہارٹ اٹیک کی حالت میں کسمپرسی وبے کسی وبے سروسامانی میں حضرت خطیب الاسلامؒ (جھنڈانگری) بہت یاد آیا کرتے تھے، افسوس کہ میں گوشہ خمول میں تنہائی اور بے اعتنائی کا شکار رہ کر انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہا ہوں، اس دنیا سے رفتہ رفتہ دردمند دل رکھنے والوں اور پریشان حالوں کی اشک سوئی کرنے والوں اور تسکین دینے والوں کا دار فانی سے دار جاودانی میں انتقال ہوتا جا رہا ہے اب تو ضرورت شدیدہ پر دو چار اور پانچ ہزار روپیوں کا قرض مانگنے پر بلند اقبال دولت مندوں اور اونچے مناصب پر فائز لوگوں کے ماتھوں یا یوں کہہ لیجئے کہ جبین نازنین پر عجیب قسم کی سلوٹیں نظر آنے لگتی ہیں جن کے وجہ سے دل کی بات زبان پر پوری طرح لانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ بڑے لوگ پریشان حال لوگوں کے ساتھ بے حد بے اعتنائی، بے التفاتی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ ان سوگواروں پر نظر رحمت ڈالنی اپنی شان بلند کے لئے نامناسب جانتے ہیں، معلوم نہیں کہ یہ کس قسم کے بڑے لوگ اور اونچے مناصب والے لوگ ہیں جو غریبوں سے بات بھی کرنے کے روادار نہیں۔ دنیا کی یہ رفتار، یہ رنگت اور یہ حالت دیکھ کر بڑی شدت سے احساس ہوتا ہے کہ قیامت قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے اور قیامت کو قریب سے قریب ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی لوگوں میں کسی قسم کا خوشگوار اثر نہیں ظاہر ہوتا، لوگ مسلمانوں کی بدحالی کا رونا بہت روتے ہیں مگر اپنی بدحالی وبداخلاقی وغلط روی وبیجا پالیسی پر ذرہ برابر بھی نظر ڈالنے کے روادار نہیں ہوتے کیا نظام عالم میں اس طرح کے کردار اور اطوار ورہن سہن سے کوئی اچھی صورت ظاہر ہو سکتی ہے؟''

اولادواحفاد: مولانا مرحوم کی ازدواجی زندگی کے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں البتہ یہ بات معلوم ہے کہ آپ نے انتہائی خوشگوار زندگی گزاری ہے اور پیش آمدہ مصائب ومحن کا ڈٹ کر صبر واستقامت اور استقلال وشکیبائی سے مقابلہ کیا ہے۔ اور ہر طرح کی مشکل گھڑیوں میں رضا بالقدر کو اپنی حرز جاں بنایا ہے اور یہی علماء اور داعیان حق کی شان وپہچان ہے۔ آپ کی دو شادیاں ہوئیں پہلی بیوی سے صرف ایک بچی ہے جو فضیلۃ الشیخ محمد اسماعیل مدنی کے زیر نکاح ہے جن کے سات لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ دوسری بیوی سے پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، جس کا نام عبدالحق ہے۔ (محمد مستقیم سلفی، نوائے اسلام دہلی جون ۲۰۰۹ء ص: ۴۴)

وفات: عرصہ دراز سے مولانا کی طبیعت ناساز تھی اور تقریباً دوڈھائی سال سے مرض کی شدت اور بڑھاپے کی ضعف ونقاہت کی وجہ سے صاحب فراش بھی ہوگئے تھے اس پیرانہ سالی اور بیماری کے عالم میں بھی آپ نے اپنا تصنیفی وتالیفی سفر جاری رکھا اور کچھ کام اللہ تعالیٰ کی توفیق ومدد سے کرگئے جو ابھی قلمی نسخوں کی شکل میں موجود ہے۔

اچانک ایک دن بیماری بڑھتی گئی اور ۸/مئی ۲۰۰۹ء کو تنفس کا شدید عارضہ لاحق ہوا، دوا علاج کے لئے ہاسپیٹل میں داخل کئے گئے مگر قدرت ومشیئت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا بالکل افاقہ نہ ہوا اور ۹/مئی ۲۰۰۹ء کو دن بھر تنفس کی اذیتوں کو برداشت کرتے کرتے بالآخر رات گیارہ بجے لگ بھگ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات کی تاریخ: ۹/مئی ۲۰۰۹ء، ۱۳/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ بروز سنیچر بوقت شام رات گیارہ بجے۔

تدفین وتعزیت: مذکورہ تاریخ میں آپ کا انتقال رات گیارہ بجے بنارس میں ہوا جہاں سے کچھ ہی لمحوں میں تقریباً ڈھائی بجے آپ کے جنازہ کو بذریعہ ایمبولینس آپ کے آبائی وطن بھٹیا بانسی سدھارتھ نگر لایا گیا۔ علماء کے ایک پرہجوم تعداد کی سوگواری وتعزیت میں جامعہ سلفیہ کے ایک بزرگ استاد مولانا محمد مستقیم سلفی سابق شیخ الجامعہ بنارس نے نماز جنازہ پڑھائی اور پرنم آنکھوں سے متعدد کتابوں کے مصنف رئیس المصنفین ورئیس الاحرار کو سپرد خاک کردیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مراجع ومصادر:

(۱) تراجم علمائے حدیث/خالد حنیف صدیقی: ۱/۳۹۶، ۳۹۸)
(۲) ماہنامہ نوائے اسلام/جون ۲۰۰۹ء مولانا محمد مستقیم سلفی: ص، ۴۲، ۴۴)
(۳) ماہنامہ السراج خطیب الاسلام نمبر، مئی تا اکتوبر ۲۰۰۰ء ص: ۴۷۶-۴۸۱)
(۴) جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات، محمد مستقیم سلفی استاد جامعہ سلفیہ بنارس۔

❑❑❑

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ: تدریسی خصوصیات وکمالات

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

یہ بات ماہرین فن تعلیم وتربیت، منتظمین مدارس وجامعات اور علم نفسیات سے شغف رکھنے والوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ تدریس کا فن ایک امانت ہے اور تمام علوم وفنون میں یہ انتہائی پیچیدہ، پرخطر اور وسیع وعریض فن ہے۔ فن تدریس دراصل مطلوبہ فن کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنے اور متعلمین ودارسین کے ذہن ودماغ میں اسے راسخ کرنے کا نام ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ ایک مدرس اور معلم سے اس میدان میں خون جگر بہانے کا مطالبہ کرتی ہے تو جائز ہوگا۔ فن تدریس سرچشمۂ علم وعرفان کا وہ فیض بے بہا ہے جو دل ودماغ کی گہرائیوں میں جا کر اپنا مسکن بناتا ہے اور علم ومطالعہ کے موج بیکراں اور تلاطم خیز سمندر سے بیش بہا موتیوں کو نکال کر طلباء ودارسین کے فکر وشعور کے خانوں میں سجاتا ہے اور سنوارتا ہے۔

ایک معلم ومدرس جب تک متعلم وطالب علم کے ذہن وفکر میں انقلاب نہ پیدا کردے اور اپنے معلومات کے بیش بہا خزانے سے خالی جگہوں کو نہ بھر دے اس وقت تک معلم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ غزارت علم وسعت مطالعہ اور متعلقہ فنون پر دسترس وکمال، مالہ وماعلیہ کی گہری معلومات، متعارض نظریات اور ان کے دلائل ومسائل کا بھرپور علم۔ اعتراضات وشکوک وشبہات کے جملہ پہلوؤں پر نگاہ، فن کی باریکیوں سے واقفیت، دقت نظر وسعت علم اور تیز دماغ، بیدار مغز اور قلب سلیم ایک معلم کے وہ اوصاف ہیں جو اگر کسی معلم میں بدرجہ اتم پائے جائیں تو اسے معلم حقیقی کا خطاب دیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ اوصاف وخصوصیات کے پیش نظر جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام اوصاف وخصوصیات استاذ الاساتذہ، فخر جماعت، نازش ملت رئیس المصنّفین ورئیس المدرسین علامہ محمد رئیس ندویؒ کی شخصیت میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

جامعہ سلفیہ بنارس کے فیض یافتہ طلباء واساتذہ، علماء واساطین علم فن سبھی اس بات کے شاہد وگواہ ہیں کہ علامہ محمد رئیس ندویؒ کی شخصیت تدریسی وتعلیمی اعتبار سے جامع الصفات تھی۔ علوم دینیہ کے مختلف گوشوں سے لے کر علوم عقلیہ، تاریخ وسیرت، فن اسماء الرجال اور علم جرح وتعدیل پر یدطولیٰ کے مالک تھے۔ فقہی مذاہب ومسالک کا میدان وسیع ہو یا اصول وفقہ وتاریخ تشریع اسلامی کی خاردار وادیاں، فن عقیدہ کے پرپیچ مباحث ہوں یا الٰہیات وصفات کے پرخطر علمی ابواب، جدول ومناظرہ ہو یا بحث ومباحثہ، فن حدیث اور مصادر سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چمنستان خوش رنگ ہو یا جرح وتعدیل، تاریخ اسماء الرجال والرواۃ کا وسیع علمی ذخیرہ، تفسیر واصول تفسیر ہو یا علم بلاغت اور علوم نحو یہ اور قواعد عربیہ کا بحر بیکراں ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے کہ ہر فن میں توفیق الٰہی آپ کی مکمل حلیف اور معاون رہی ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ علامہ محمد رئیس ندویؒ فن تدریس کے اعلیٰ مقام پر فائز رہنے کے ساتھ

ایک مثالی مدرس اور جامع الصفات معلم تھے۔

ذیل میں معلم ومدرس کے ان خصوصیات وکمالات کی روشنی میں ہم جائزہ لیں گے کہ یہ تمام خصوصیات ندوی مرحوم کی شخصیت میں بدرجہ اتم موجود تھیں یا نہیں؟

۱۔غزارت علم اور وسعت مطالعہ:

کسی بھی مدرس اور معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے زیر تدریس فن اور اس سے متعلق دیگر علوم پر کامل دسترس رکھے، مطلوبہ فن کی باریکیاں، اس کے پیچیدہ مسائل اور دلائل پر اس کی گہری نگاہ ہو۔ اس فن پر لکھی گئی علمی وتحقیقی قدیم وجدید کتابوں نیز شروحات وحواشی پر اس کا مطالعہ بے حد وسیع ہوتا کہ وہ اپنے طلباء کو مکمل طور پر مطمئن کر سکے اور ان کے ذہن ودماغ میں مدروسہ فن کی باریکیوں کو راسخ کر سکے۔

علامہ محمد رئیس ندویؒ کی تدریسی صلاحیتوں کا جب ہم مذکورہ پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے تدریس فن پر بالکل عبور حاصل تھا۔ مالہ وماعلیہ اور جملہ اعتراضات، شکوک وشبہات پر گہری نظر ہوتی تھی اور کبھی کبھی تو آپ اس فن کی گہرائیوں میں ڈوب کر علم وعرفان کے دریا بہاتے تھے۔ بسا اوقات طلباء جان بوجھ کر جب کسی مختلف فیہ مسئلہ میں مخالفین کے بعض مسائل اور ان کے دلائل کے قوی ہونے کا اندیشہ ظاہر کرتے۔ پھر تو ندوی مرحوم کا بحر علم وعرفان موجزن ہو جاتا اور پورے وثوق اور فنی کمال کے ساتھ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث میں ڈوب جاتے۔ مخالفین کے دلائل اور ان کے مسائل کا یکے بعد دیگرے علمی وتحقیقی انداز میں رد کرتے اور صحیح وراجح قول کو دلائل صحیحہ اور احادیث وآثار سے ثابت کرتے۔ اگر حدیث کی بات ہوتی تو من حیث القبول والرد، حدیث کی اسنادی حیثیت، سلسلہ رجال سند اور ان کے اوصاف قبول وعدم قبول کو بھی بحث میں شامل کرتے اور اگر معاملہ تفسیر کا ہوتا تو علماء مفسرین بالخصوص صحابہ وتابعین کے حوالوں سے آیت کی تشریح کرتے اور ناقدین اور معترضین ومخالفین کا لغوی وصرفی بحث ومباحثہ کے ذریعہ مکمل طور پر قلع قمع کر دیتے۔ غرضیکہ بنیادی طور پر ایک معلم کے لئے تدریس وتعلیم کی خاطر جس علمی گہرائی، وسعت معلومات اور غزارت علم کی ضرورت ہوتی ہے ندویؒ اس کے پورے پورے مصداق تھے اور مذکورہ بنیادی خصوصیت کے مکمل طور پر مالک تھے۔

۲۔زبان وبیان کی شیفتگی وعمدگی:

ایک معلم کے لئے زبان تدریس میں مہارت، من حیث اللغۃ ان کی نزاکتوں، فصاحتوں اور بلاغتوں پر عبور، الفاظ وتراکیب کے مختلف استعمالات سے واقفیت بے حد ضروری ہے۔ فنی اعتبار سے زبان دانی کے لئے اس کے قواعد واصول، سلیقۂ ادب، اسلوب کلام، طرز ادائیگی اور زبان وبیان کی عمدگی وشیفتگی کے علاوہ فصاحت وبلاغت اور واضح گفتگو کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ علامہ ندویؒ کی گونا گوں خصوصیات کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عربی، اردو، فارسی ہر زبان پر آپ کو

قدرت اور دسترس حاصل تھی۔ اردو زبان میں تو آپ کی فصاحتوں کے چرچے طلباء کی زبان پر رہا کرتے اور بسا اوقات بعض نادرالاستعمال کلمات وتراکیب بطور نمونہ اپنے ذہن ودماغ میں محفوظ رکھتے اور اس کے چرچے اور تذکرے ہوا کرتے تھے۔ زبان میں عمدگی اور شیفتگی، بولنے میں فصاحت وبلاغت آواز میں گھن گرج، طرز تکلم اور اسلوب کلام میں بالکل جدت اور ندرت پائی جاتی تھی۔ آپ کی اپنی ایک مخصوص اسٹائل ہوتی تھی اور ایک علیحدہ طرز واسلوبِ بیان کہ بسا اوقات طلباء کے چہرہ پر مسکراہٹ کی لکیریں نمودار ہوجاتیں اور کبھی کبھار تو محفل قہقہہ زار ہوجاتی۔ متن قرآن وحدیث کے مناسب ترجمے سے لے کر اس کی تشریح وتوضیح تک انتہائی آسان اور سلیس زبان میں ہوتی، مسائل پر گفتگو، شکوک وشبہات کا ازالہ، فن کی باریکیوں کے متعلق معلومات فراہمی پر اگر غور کیا جائے تو ہر ایک معاملہ میں ندوی مرحوم صاحبؒ ایک سلیقہ مند زبان وبیان، عمدہ گفتگو، جامع تبصرہ، واضح اسلوب، سمجھ میں آنے والی طرز واداکے مالک تھے۔ اور یہ معلم کی وہ بنیادی خصوصیت ہے جو اسے میدان تدریس میں اپنے جوہر دکھانے کے لئے ایک ضروری اور اہم سبب ہے۔ کتنے ایسے مدرسین ہیں جو علم ووسعت مطالعہ کے باوجود طلباء اور شاگردوں کے ذہنوں کو زبان وبیان اور اسلوب ادا میں نقص وکمی کی خاطر مطمئن کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ نہ تو معلومات کی ترتیب ہے اور نہ ہی زبان وبیان کی قدرت وسلاست کہ اپنے مافی الضمیر کو طلباء کے سامنے وضاحت وفصاحت کے ساتھ پیش کرسکیں۔ یہ ہنر اور سلیقہ ہے جو فطری طور پر ہر کسی کو نہیں ملتا۔ علامہ ندوی رحمہ اللہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان تھا کہ ان میں یہ خوبی بدرجہ اکمل پائی جاتی تھی اور فطری طور پر زبان وبیان کی قدرت آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل تھی۔ ندوہ کے ایک سفر میں بعض ندوی رفقاء اور احباب نے جب علامہ رئیس ندوی مرحوم سے لسانی طور پر کچھ چھیڑ چھاڑ کی تو آپ نے ایسے مسکت اور فصیح جوابات دیئے کہ پھر کسی کو آپ سے دوبارہ اس طرح گفتگو کی ہمت نہ ہوئی۔ الغرض زبان میں مہارت، طرز ادائیگی اور عمدگی وشیفتگی فطرتاً علامہ رئیس ندوی مرحوم میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے تدریس وتعلیم کے میدان میں آپ کو ایک عظیم مقام ومنصب حاصل ہوا اور تادم حیات یہ شرف وفضل آپ کی زندگی کا ساتھ دیتی رہی۔ **ذلك فضل الله يوتيه من يشاء**۔

۳۔ حاضر جوابی واستحضار معلومات:

ایک معلم کی بنیادی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ وہ حاضر جواب ہو، طلباء ومتعلمین کی طرف سے آنے والے اعتراضات وشکوک وشبہات، دوران تدریس کسی طرح کی کوئی غلط فہمی اشکال واعلال پیش ہو تو فوراً مسئلہ کی نزاکت سمجھے اور اپنی قوت فیصلہ اور استحضار معلومات کو کام میں لائے اور فی الفور اس کا معقول ومسکت جواب دے تاکہ شکوک وشبہات کے تمام چور دروازے بند ہوجائیں اور ذہنوں میں معلومات راسخ ہوجائیں اور ہر طرح کے اشکال واعلال کا ازالہ ہوجائے۔

بحمد اللہ یہ خوبی علامہ محمد رئیس ندویؒ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ نہ صرف یہ کہ وسعت مطالعہ، غزارت علم اور

زبان و بیان کی فصاحتوں کے دھنی تھے بلکہ ہر وقت سامعین وطلباء کی طرف سے آنے والے شکوک وشبہات اور اعتراضات واشکالات کا فوراً جواب دیتے اور نہ صرف یہ کہ جواب میں معقولیت ہوتی بلکہ علمی بنیادوں پر آپ کے یہ جوابات مدلل اور مبرھن ہوا کرتے تھے۔ اور طلباء کے ذہنوں میں ہجوم کرنے والے شکوک وشبہات کے تمام چور دروازے بند ہو جاتے۔ آپ نے تو اپنی حاضر جوابی سے لکھنؤ اور بنارس کے بڑے بڑے دعویداران علم کو چاروں خانے چت کر دیئے ہیں اور اپنی حاضر جوابی، فی البدیہہ گفتگو اور استحضار معلومات کا لوہا اپنوں اور غیروں سب سے منوالیا ہے۔ آپ کے حلقہ درس میں شامل رہنے والے طلباء اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کی علمی وتحقیقی تصنیفات سے بھی یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ علامہ ندوی رحمہ اللہ مذکورہ خوبی کے پوری طرح مالک تھے۔

۴۔ مطالعہ ومذاکرہ:

ایک کامیاب مدرس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ مطالعہ کا عادی اور شوقین ہو، زیر تدریس فن کو اس کی علمی وفنی باریکیوں کو پڑھے بغیر نہ پڑھائے۔ مالہ وماعلیہ کا مطالعہ کرے، مسند تدریس کی ایک عمدہ امتیازی صفت یہ بھی ہے کہ استاد ہر درس سے پہلے اس کا مطالعہ کرے، عبارت خوانی سے لے کر الفاظ کے معانی ومفاہیم، شروح وحواشی کے مطالعہ کے ساتھ مسائل کا مکمل ادراک اور درس کے تمام متعلقات کے سلسلے میں پوری جانکاری اور معرفت حاصل کرے تا کہ طلباء پر تعلیمی اعتبار سے مکمل کنٹرول ہو۔ ندوی مرحوم رحمہ اللہ کے مطالعہ کی کیفیتوں کو جن طلباء نے اپنی دیدۂ بینا سے کبھی آپ کے گھر میں دیکھا ہے تو انہیں یہ یاد ہوگا۔ ایک مرتبہ مجھے بھی آپ کے گھر پر مطالعہ کے اوقات میں ملاقات کا موقع حاصل ہوا۔ دوران ملاقات میں اپنی نگاہیں مرحوم کے تحقیق کار اور جذبہ مطالعہ ومذاکرہ پر دوڑاتا رہا۔ علامہ ندویؒ بات کرتے رہے اور کتابوں کی ورق گردانی بھی جاری رہی۔ بعض کتابیں مجھے بھی اٹھانے کے لئے کہا، چاروں طرف کتابوں کے جھرمٹ میں بیٹھے اپنے کام میں مشغول دنیا ومافیہا سے بے رغبت ہو کر تحقیق وتدقیق، تدوین وتالیف میں منہمک رہتے۔ کبھی بخاری ومسلم کی ورق گردانی تو کبھی صحاح ستہ کے مختلف سنن وجوامع کی طرف رجوع، کبھی شروحات حدیث کو کھولنے اور مطالعہ کرنے کا منظر تو کبھی فقہی کتابوں سے استیئناس ومراجعہ، ایسا محسوس ہوا جیسے کہ مولانا مرحوم کوئی موبائل لائبریری ہیں۔ حوالہ جات صفحہ نمبر کیساتھ یادداشت میں محفوظ، صفحات در صفحات لکھے جارہے ہیں، سیاہی پر سیاہی ختم ہو رہی ہے۔ میں یہ منظر دیکھتا رہا اور حیرانی وتعجب سے اپنے استاد محترم ندوی کو سوچتا رہا۔ اور آج بھی وہ منظر سوچ کر وہی کیفیت جسم وقلب پر طاری ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۵۔ پابندیٔ وقت اور حضور درس:

باکمال مدرس کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ میدان تدریس میں جہاں بہت خوبیوں کا مالک ہو وہیں پر وقت کی پابندی،

درس میں حاضری اور استمرار بھی بے حد اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ طلباء اس طرح رفتہ رفتہ علم وفن کی ٹھوس بنیادوں پر آہستہ آہستہ ترقی کے منازل طے کر لیتے ہیں اور بالتدریج معلومات ان کے ذہنوں میں راسخ ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور ان کی تعلیم تکمیل کے مرحلے تک بآسانی پہنچ جاتی ہے۔ وقت کی پابندی، اسباق میں بالاستمرار حاضری، بلا کسی عذر کے درس میں مستقل اور یکسو ہو کر طلباء کے گیسوؤں کو سنوارنا ایک کامیاب معلم کی حقیقی پہچان ہے۔ ندوی مرحوم کی زندگی یوں تو گونا گوں مصروفیات کی حامل تھی بلکہ استفتاء اور افتاء جیسے اہم اور وقت طلب ذمہ داریوں سے لے کر تصنیف وتالیف وعظ ونصیحت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اگر کبھی کبھار غیر حاضر بھی رہتے تو آپ کے لئے عذر ہوتا مگر جہاں تک مجھے یاد ہے کہ الا ماشاء اللہ، ہمیشہ آپ نے وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھا ہے اور درس میں حاضری واستمرار کا اہتمام کیا ہے۔ یہ آپ کی وہ عمدہ خصوصیت ہے جو عموماً مدرس کی زندگیوں سے آج کل مفقود ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ علامہ ندوی رحمہ اللہ ہزاروں مصروفیتوں اور اشغال وانہماک کے باوجود وقت کی پابندی، درس میں حاضری اور پوری ایمانداری سے طلباء کی تدریس اور ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے عادی تھے۔

خلاصۂ کلام:

یہ تھیں وہ خصوصیات جو علامہ محمد رئیس ندویؒ کی شخصیت میں بحیثیت ایک کامل مدرس اور کامیاب معلم کے بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ دراصل علامہ رئیس ندوی رحمہ اللہ علم کے ایک بحر بیکراں اور موج ناآشنا تھے۔ قدرت نے آپ کو سیال علم وقلم عطا کیا تھا۔ زبان وتدریس پر آپ کو ملکہ تام حاصل تھا۔ استدلال کی باریکیوں اور فن کی موشگافیوں سے واقف تھے۔ استحضار معلومات اور حاضر جوابی تو آپ کی فطرت اور سرشت میں داخل تھی۔ زبان وبیان کی قدرت اور مطالعہ ومذاکرہ کی عادت، وقت کی پابندی اور درس میں حاضری اور استمرار جیسی عمدہ خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ جو آپ کو اپنے معاصر علماء اور مدرسین سے ممتاز کر دیتی ہیں۔ اور آپ کی تدریسی خصوصیات وکمالات کی واضح وبین ثبوت ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں آپ کے لئے وسیلۂ نجات اور ذخیرۂ آخرت کرے اور آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً۔



(یہ مقالہ ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کی جانب سے منعقدہ سیمینار ''علامہ محمد رئیس ندوی حیات وخدمات'' منعقدہ ۲۰-۲۱/اپریل ۲۰۱۱ء بمقام کانفرنس ہال جامعہ خیر العلوم ڈومریا گنج سدھارتھ نگر میں پیش کیا گیا تھا۔)

شیخ الحدیث مفتی مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ
چند یادیں چند باتیں

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی رکاندیولی ممبئی

علم وعمل کا ایک گوہر نایاب اپنی پوری تابانیوں ورعنائیوں کو لے کر عالم عقبیٰ کا راہی بن گیا، آپ کی صورت بھی قابل دید اور کردار وعمل بھی لائق نمونہ، زندگی کی ۸۵ بہاریں دیکھ کر مختلف علمی ودینی درسگاہوں کو فیض پہنچاتے پہنچاتے ہماری نگاہوں سے دور آغوش قبر کے حوالہ ہوگئے۔ میں نے مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس میں آپ کی شاگردی کیساتھ ساتھ آپ کے عملی زندگی، ناصحانہ ومخلصانہ طبیعت ومزاج کو قریب سے دیکھا ہے اور بہتوں نے ہم سے زیادہ بھی دیکھا ہوگا۔ صبح فجر کی نماز میں طلباء کو بیدار کرنا، کمرے کمرے جگانا اور نماز کی ادائیگی کے لئے نصیحت کرنا آج بھی یاد ہے۔ درس گاہ میں حاضر ہوتے تو ہنستے مسکراتے بچوں کو پڑھا کر اور سمجھا کر چلے جاتے اور جب درس نہ پڑھنے کا طلبا کی طرف سے کبھی اصرار ہوتا تو اپنے مخلص اسٹائل 'جون ہے کہ تون' کے تکیہ کلام اور اس کی نغمگی سے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیر دیتے اور پھر خلاصہ نہیں خلاصۃ الخلاصہ پیش کر کے اپنی بھرپور صلاحیتوں کا لوہا منوا لیتے، سبق بھی سمجھ میں آجاتا اور پھر خلاصہ لے کر ایک عجیب علمی لذت اور چاشنی محسوس ہوتی۔ یوں تو شرارتی طلباء (جو کہ ان کا مزاج ہوتا ہے) ہمیشہ آپ کی نقالی کرتے اور 'جون ہے کہ تون' کی کاؤنٹنگ کر کے اپنے ہم سبق ساتھیوں کو سناتے مگر اتنا احترام اور ادب اور اتنا پاس ولحاظ کہ معمولی سی گستاخی بھی کوئی روا نہ سمجھتا۔ الغرض آپ کی علمی صلاحیت، ناصحانہ طبیعت اور مخلصانہ قلب ونگاہ، طلباء کی بلندیوں کے متمنی اور قول وعمل میں مطابقت کے داعی ومنادی غرضیکہ ان ساری باتوں کو دیکھ کر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ فی الحقیقت ایک علم دوست، طلباء نواز اور انتہائی مخلص اور ناصح مدرس ومربی تھے۔ فتویٰ نویسی سے لے کر علم میراث، فرائض کی تعلیم وتدریس اور خطبہ جمعہ نیز دیگر دعوتی واصلاحی سرگرمیوں میں آپ نے زندگی کی ۸۵ ربہاریں گذار دیں، مختلف مدارس وجامعات بالخصوص جامعہ سلفیہ بنارس کے در ودیوار آپ کی عظمتوں اور نیکیوں کے گواہ رہیں گے ان شاء اللہ۔ ذیل میں آپ کی حیات وسوانح سے متعلق چند یادیں چند باتیں زیب قرطاس ہیں۔

نام ونسب: عابد حسن بن حبیب اللہ بن جمائی بن کریم بخش خان۔

مقام وتاریخ پیدائش: آپ کی پیدائش ضلع گونڈہ (حال بلرام پور) کے ایک مشہور علمی وزراعتی گاؤں کنڈوبونڈیہار میں ہوئی جہاں پر دریائے راپتی کے کنارے ۱۹۰۷ء میں محدث کبیر علامہ عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی نے ایک عظیم سلفی درسگاہ جامعہ سراج العلوم کی بنیاد رکھی تھی، جو اک مینارہ علم ونور کی شکل میں اپنی سلفی کرنوں کو آج بھی بکھیرتا ہوا پورے علاقے کی نیک نامی کی ایک علامت ہے۔

یوں تو حتمی طور پر آپ کی تاریخ پیدائش کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہ ہوسکا البتہ ایک اندازے کے مطابق تقریباً ۱۹۲۴ء یعنی آزادی سے ۲۳ سال قبل آپ کی ولادت ہوئی۔ صاحب تراجم علمائے اہل حدیث نے بھی اسی تاریخ کو تحریر کیا ہے۔(۱/۴۰۰)

خاندانی پس منظر:

بونڈیہار میں آپ کا گھرانہ ایک شریف، متدین اور علمی و دینی گھرانہ مانا جاتا ہے۔ دراصل آپ کے خاندانی مورث اعلیٰ ''جبین خان'' اسلامی دور حکومت میں مسلمان ہوئے تھے اور ماقبل اسلام ٹھاکر برادری سے تعلق رکھتے تھے اور اس طرح رفتہ رفتہ قبول اسلام کے بعد زراعت و کاشتکاری میں آپ کا خاندان بے حد مشہور ہوا اور کسانی و زراعتی امور میں آپ کے خاندان کی مہارت آج بھی مسلم ہے جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کے قیام اور محدث عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی کی گاؤں میں آمد(۱۹۰۷ء) سے علاقہ وجوار اور بالخصوص بونڈیہار میں ایک علمی انقلاب آ گیا جس سے مولانا عابد حسن کا گھرانہ بالخصوص آپ اور مولانا عبدالسلام رحمانی اور مولانا عزیز الرحمن خان بہادر ازہری سب سے زیادہ فیض یاب ہوئے۔ مولانا عبدالسلام رحمانی صاحب اپنی سوانح مطبوع تراجم علمائے اہل حدیث میں لکھتے ہیں کہ ''ہمارے مورث اعلیٰ (جبین خان) اسلامی دور حکومت میں مسلمان ہوئے جب کہ وہ ٹھاکر برادری سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی کی آمد کی برکت سے گاؤں کے لوگ اہل حدیث مسلک میں داخل ہوئے۔ ہمارے والد ایک ماہر کسان تھے اور انہوں نے مدرسہ سراج العلوم میں گلستاں بوستاں تک تعلیم حاصل کی تھی اور ہمارے چچا مولانا عابد رحمانی عالم دین ہیں، جامعہ رحمانیہ بنارس سے فارغ ہوئے اور ایک زمانہ تک جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریسی ذمہ داری سنبھالی'' (تراجم علمائے اہلحدیث: ۱/ ۴۱۵۔۴۱۶)

تعلیمی مراحل:

اپنے گاؤں بونڈیہار سے لے کر مختلف مسلکی وغیر مسلکی دینی درسگاہوں میں حصول علم کے لئے آپ کی شرکت قابل قدر ہے۔ آزادئ وطن کے پرفتن ماحول میں آپ نے ہندوستان کی مرکزی درسگاہوں میں جس طرح سے پہنچ کر تعلیم حاصل کی ہے وہ آپ کی رغبت، شوق، دلجمعی اور حصول علم کی راہوں میں قربانیوں کی دلیل ہیں جن اداروں میں آپ نے ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک سفر کیا ہے ان کے مختصر کوائف درج ذیل ہیں:

(۱) **جامعہ سراج العلوم بونڈیہار:** ابتدائی تعلیم آپ نے دریائے راپتی کے کنارے واقع بونڈیہار (ضلع گونڈہ) حال بلرام پور کے مشہور و معروف دینی و تعلیمی ادارہ جامعہ سراج العلوم میں حاصل کی جسے صاحب تحفہ محدث مبارکپوری نے ۱۹۰۷ء میں قائم کیا تھا۔ مولانا نے یہاں گاؤں کے دینی ادارہ میں گلستاں بوستاں، یوسف زلیخا اور اخلاق محسنی تک کی تعلیم جامعہ کے مایہ ناز اساتذہ کرام سے حاصل کی، بالخصوص مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ کے زیر تربیت و تعلیم آپ کی تعلیمی زندگی جاری رہی۔ چونکہ اسی دوران مولانا اقبال رحمانیؒ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کے روح رواں اور ۴۳ سالوں تک پوری صلاحیت و دیانت اور نیکوکاری

کے ساتھ خدمت انجام دینے والا نمونہ سلف استاد و مربی بھی اپنی علمی تابانیاں بکھیر رہا تھا چنانچہ مولانا کو آپ سے بھی استفادہ کا بھر پور موقع ملا اور میزان منشعب وغیرہ کی تعلیم آپ یعنی مولانا اقبال رحمانیؒ سے حاصل کیں۔ اور اس طرح جامعہ کے ان بزرگوں کے کردار و عمل کی روشنی میں اپنی زندگی کی پلکیں سنوارنے کی سعی مجہود کرتے رہے۔ اور بالآخر انہیں کا ایک عکس نیک بن کر تادم حیات نیکی، خیر، بھلائی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتے رہے۔ اور جو شجر حدیث صاحب تحفہ نے سراج العلوم کے نام سے لگایا تھا اس سے فیض یافتہ ہو کر علم و عمل کی روشنی بکھیرتے رہے۔

(۲) جامع العلوم پٹکاپور کانپور: جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں اساطین علم سے فیض یاب ہو کر کنڈؤ بونڈیہار کے ہی ایک عالم دین مولانا شبیر احمد کنڈوَ کے ہمراہ کانپور چلے گئے اور وہاں جامع العلوم پٹکاپور میں پہلی جماعت میں داخلہ لے لیا اور تقریباً ایک سال تک آپ نے شہر کانپور میں عربی ابتدائی درجات کی تعلیم حاصل کی۔

(۳) دارالحدیث رحمانیہ دہلی: جامعہ العلوم پٹکاپور میں عربی ابتدائی درجات کی تعلیم ایک سال تک حاصل کرنے کے بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لے لیا اور یہاں مشکوٰۃ شرح وقایہ اور شرح جامی وغیرہ کتابیں اساطین جامعہ سے پڑھیں۔ اس وقت آزادی کا آندولن بہت ہی زوروں پر تھا، انگریز و بھارت چھوڑ دو کی تحریک اپنے شباب پر تھی۔ بالآخر ۱۹۴۷ء کو دہلی اور پورے ملک میں فساد پھوٹ پڑا جس کے نتیجے میں دارالحدیث رحمانیہ بھی بند ہو گیا اور مدرسہ کے مہتمم شیخ عبدالوہاب مع اہل خانہ پاکستان ہجرت کر گئے۔ چنانچہ آزادی کے بعد مولانا عبدالسلام رحمانی اور ان کے چچا مولانا عابد حسن رحمانی نومبر ۱۹۴۷ء میں وطن واپس لوٹ آئے اور اس کے بعد کا سال جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں ہی گزار دیا۔ غالباً دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں آپ عربی کی چوتھی یا پانچویں جماعت میں تھے۔

(۴) ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند کا علمی سفر: آزادی کی تحریک اور اس کے پس منظر میں رونما ہونے والے فساد کے نتیجہ میں آپ نے جامعہ رحمانیہ دہلی کو چھوڑ کر وطن کا رخ اختیار کیا اور پھر حالات قابو میں آنے کے بعد عالمیت کی تعلیم مکمل کرنے کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا رخ کیا اور یہاں اساطین علم وفن کی نگرانی میں علمی پیاس بجھانے میں لگے رہے۔ ادب کیساتھ ساتھ علوم شرعیہ میں مہارت کا شوق اور دینی علوم کی تحصیل میں آپ کی علمی تشنگی و پیاس بجھتا ہوا نظر نہ آیا تو دارالعلوم ندوۃ العلماء کو خیر باد کہہ دیا اور دینی و شرعی علوم میں مہارت حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کی مایہ ناز علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کا رخت سفر باندھا اور مختلف فنون میں ہدایہ، نورالانوار، بیضاوی، عقائد نسفی، سراجی اور شرح چغمینی جیسی بیش بہا کتابوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فقہ و معمولات کی تکمیل کر ڈالی اور اس طرح ایک دینی و علمی پیاس بجھانے کی آرزو مکمل ہوتے ہوئے دکھائی دینے لگی۔ چنانچہ ہر طرح سے بھر پور صلاحیتوں کے مالک بن کر ایک باصلاحیت، ہنر مند عالم دین بننے کی سعادت نصیب ہوئی گویا آپ نے یہاں سے عالمیت کا کورس مکمل کر لیا۔

(۵) جامعہ رحمانیہ بنارس: مسلک سلف کا ترجمان اور دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی یادگار جامعہ رحمانیہ بنارس اس وقت اپنے پورے

تعلیمی وتدریسی شباب پر تھا۔علماء کے قافلے یہاں سے بہرہ اندوز ہوکر پورے ملک میں تشنگان علوم نبویہ کی آسودگی کا سبب بن رہے تھے۔ بالآخر مولانا عابد حسن بھی رحمانیہ دہلی کی باقی ماندہ سیرابی کو مکمل کرنے کے لئے بنارس قدم رنجہ ہوگئے اور اپنی فراغت اور پگڑی کے لئے آپ نے رحمانیہ بنارس کو منتخب کیا اور یہاں داخل ہوکر چند سالوں میں یہاں سے فارغ التحصیل ہوگئے اور ایک عظیم علمی، دعوتی وتدریسی ذمہ داریوں کا احساس لے کر وطن واپس لوٹے۔

مشہور اساتذہ: یوں تو آپ نے ہندوستان کی پانچ عظیم علمی ودینی درسگاہوں میں آزادی سے پہلے اور بعد میں اپنے تعلیمی سفر کو مکمل کیا۔ظاہر سی بات ہے کہ بونڈ یہار سے لے کر رحمانیہ دہلی اور ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند، رحمانیہ بنارس تک اس تعلیمی سفر میں بے شمار اساتذہ، علماء، اصحاب علم وفن سے سابقہ پڑا ہوگا جنہیں حیطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں البتہ چند اساتذہ جن سے آپ نے ابتدائی درجات سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک فیض اٹھایا درج ذیل ہیں:

(۱) مولانا عبدالغفور بسکوہری (۲) مولانا محمد اقبال رحمانیؒ (۳) مولانا علی میاں ندویؒ (۴) مولانا محبوب الرحمن ازہریؒ (دیوبندی) (۵) مولانا فخر الحسنؒ (۶) مولانا بشیر احمد سہسوانیؒ (۷) مولانا نذیر احمد املویؒ رحمانیہ بنارس وغیرہم کثیر۔

تدریسی ودعوتی مراحل: آپ کی علمی صلاحیت، منقولات ومعقولات میں آپ کا زبردست عبور، تدریس علوم شرعیہ میں مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ افتاء بالخصوص میراث اور فرائض کے مسائل ومعاملات میں گہرائی وگیرائی اور وعظ وارشاد میں مکمل دلچسپی اور انہماک ہر کس وناکس کے یہاں مسلم ہے۔آپ جہاں ایک طویل عرصہ تک درس وتدریس اور تعلیم وتربیت کے میدان میں وابستہ رہے وہیں جمعہ، جماعت اور مختلف دینی پروگرام میں آپ کے نصیحت آمیز کلمات قابل عمل اور نمونہ ہیں۔جامعہ سلفیہ بنارس میں درس وتدریس کے ساتھ افتاء وقضاء سے وابستگی ایک لمبے عرصے تک برقرار رہی اور ساتھ ہی ساتھ جامعہ کی وسیع وعریض مسجد میں آپ کے خطبات جمعہ اور قرب وجوار میں آپ کی مختلف دعوتی ودینی پروگراموں میں شرکت آپ کا خاصہ رہی۔مڈل اسکول اڑیسہ سے لے کر مدرسہ شمس الہدیٰ دلال پور جھارکھنڈ اور اسی طرح بہار وبنگال کے مختلف اداروں میں آپ نے ایک عرصہ تک خدمات انجام دیں ہیں اور بعدہ جامعہ سلفیہ بنارس، سراج العلوم کنڈو بونڈیہار اور جامعہ خیر العلوم ڈومریا گنج نیز ان کے علاوہ دیگر جماعتی اداروں سے وابستہ رہے۔الغرض درس وتدریس کے مختلف اداروں میں آپ کی موجودگی وہاں کے نیکی اور تدین پرستی کی دلیل ہوا کرتی تھیں۔ذیل میں مختلف اداروں کے نام درج ہیں جہاں آپ نے تدریسی وتعلیمی خدمات انجام دیں ہیں:

(۱) مڈل اسکول اڑیسہ (۲) مدرسہ شمس الہدی دلال پور جھارکھنڈ (۳) مدرسہ اسلامیہ اصلاح المومنین برھیٹ صاحب گنج جھارکھنڈ (۴) مظہر العلوم بٹنہ مالدہ بنگال (۵) جامعہ رحمانیہ بنارس (۶) جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار (۷) مرکزی دارالعلوم بنارس (۸) مدرسہ انوار العلوم پرساعماد ضلع سدھارتھ نگر (۹) جامعہ فاطمۃ الزہراء مئوناتھ بھنجن (۱۰) مدرسہ کلیۃ الطیبات ڈومریا گنج سدھارتھ نگر (۱۱) مدرسہ دعوۃ الاسلام لال گوپال گنج آلہ آباد (تراجم علمائے اہل حدیث: خالد صدیقی: ۱/ ۴۰۲)

تلامذہ وشاگردان: جامعہ سلفیہ بنارس جیسی عظیم اور بین الاقوامی درسگاہ اور اسی طرح دیگر مشہور اداروں میں ایک زمانہ تک

تدریسی خدمات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آپ کے تلامذہ کا حلقہ بے حد وسیع ہے جو اس وقت ہندوستان کی مشہور درسگاہوں سے لے کر عرب اور دیگر ممالک میں کام کر رہے ہیں۔ چند مشہور تلامذہ درج ذیل ہیں:

(۱) وصی اللہ عباس (مکہ مکرمہ) (۲) ڈ۔فضل الرحمن مالیگاؤں (۳) شیخ عبدالعلیم بستوی (مکہ) (۴) شیخ صلاح الدین مقبول (کویت) (۵) ڈ۔صغیر احمد (امارات) (۶) عبدالرحمن پریوائی (ریاض) (۷) اصغر علی امام مہدی (دہلی) وغیرہم کثیر، ناچیز راقم السطور کو بھی آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔

فقہ وفتاویٰ: درس وتدریس میں مہارت کے ساتھ آپ فقہ وفتاوی کے انتہائی مستند عالم مانے جاتے تھے۔ اور ایک زمانہ تک جامعہ سلفیہ بنارس میں افتاء کی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے ہیں۔ آپ کے مختلف فتاویٰ جسے آپ نے جامعہ سلفیہ میں تحریری شکل میں استفتاء کے جواب میں لکھا تھا جامعہ میں موجود ہیں۔ ارباب جامعہ اگر اس کی ترتیب وطباعت کی طرف توجہ فرمائیں تو یہ کتب فتاویٰ میں ایک عمدہ اضافہ ہوگا۔ بالضبط اس سلسلے میں نہ تو آپ کی کوئی کتاب ہے اور نہ ہی دیگر کوئی تصنیف۔

حج بیت اللہ: جامعہ سلفیہ بنارس کے بعد آپ کلیۃ الطیبات ڈومریا گنج میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے مگر پیرانہ سالی اور ضعف وکمزوری کے باعث یہ سلسلہ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا اور یہیں دوران تدریس آپ نے حج بیت اللہ کیا اور زیارت حرمین شریفین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے۔

آل انڈیا اہل حدیث ایوارڈ: مولانا کی طویل المیعاد تعلیمی وتدریسی اور دعوتی وتبلیغی خدمات کی وجہ سے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس منعقدہ پاکوڑ جھارکھنڈ میں ایک پرہجوم مجمع میں آپ کو آل انڈیا اہل حدیث ایوارڈ سے نوازا گیا جو آپ کی خدمات کی سراہنا کے ساتھ ساتھ آپ کے علم وعمل کا ایک ایسا حسین اعتراف اور آپ کے زریں خدمات اور جہود واعمال کی ایک حوصلہ افزائی اور تشجیع بھی ہے۔

اولاد واحفاد: آپ کا خاندان ایک وسیع خاندان ہے اور بونڈیہار کے متدین اور بااخلاق لوگوں میں ان کا شمار ہے بالخصوص مولانا کی سادگی، بردباری، بے لوثی اور مہمان نوازی اس کی بین دلیل ہیں۔ خود مولانا بھی ایک کھاتے پیتے باذوق اور خوش ذائقہ طبیعت کے مالک تھے، آپ کے پسماندگان میں چار لڑکے، چھ لڑکیاں قابل ذکر ہیں اور سب کے سب تعلیم یافتہ لائق وفائق مانے جاتے ہیں۔

وفات: بیماری اور ضعیفی کے باعث اواخر عمر میں تدریس وتعلیم سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے بعد مولانا گھر پر ہی سکونت پذیر ہوگئے اور رفتہ رفتہ قضائے الٰہی اور مشیت ربانی کے مطابق ۱۷ر جولائی ۲۰۰۹ء بوقت صبح بروز جمعہ مطابق ۲۳ر رجب ۱۴۳۰ھ جان جان آفریں کے حوالہ کردی۔ اور علم وعمل کا یہ گوہر نایاب اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ راہی اجل ہوگیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

❑❑❑

آہ! نشانِ فکروفن اور رونقِ بزم چمن نہ رہا

(ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ کی یاد میں)

عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

اعظم گڑھ، بنارس، مئو کا خطہ اہل علم وفن کی تاریخ میں بڑا ہی مردم خیز اور علم خیز علاقہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس علاقے کی مٹی میں قدرت نے نہ جانے کیا کچھ پیوست کر دیا ہے کہ ہر زمانے اور دور میں علم وادب کے بلند وبالا نشان دنیائے صحافت وخطابت کی اعلیٰ پہچان اور دینی علوم میں مہارت وعبور رکھنے والے عظیم وبلیغ انسان کہیں نہ کہیں اس خطے میں ضرور جگمگاتے رہے ہیں، گویا اس علاقے کی مٹی کو ہی قدرت نے علم وادب، ہنرمندی وآگہی، لیاقت وصلاحیت اور فکروفن کے خمیر سے ایسا مرکب بنادیا ہے کہ ہر ذرہ آفتاب بن کر چمکنے اور ہر کلی خوشبو بن کر مہکنے اور چمنِ علم وادب میں اپنی رعنائیوں کو بکھیرنے کی منتظر ہے۔ علامہ علی متقی ہندی صاحب کنز العمال جونپوری، سخاوت علی جونپوری، محدث کبیر علامہ عبدالرحمن مبارکپوری، عبدالسلام مبارکپوری، عبیدالرحمن مبارکپوری، صفی الرحمن مبارکپوری، مولانا سیف بنارسی، مولانا حریری، سعید بنارسی، عبدالمعید بنارسی، حافظ عبداللہ محدث غازی پوری، مولانا حبیب الرحمن فیضی مئوی، مولانا فیض اللہ مئوی، ابوالمکارم مئوی، ملا حسام الدین مئوی، مجاز اعظمی، فضا ابن فیضی اور علامہ شبلی نعمانی، عبدالسلام ندوی، ضیاء الدین اصلاحی اور بے شمار علماء ادباء شعراء، مؤلفین ومصنفین جو ہم سے رخصت ہو چکے ہیں اسی خمیر کے پروردہ تھے۔ الغرض یہ خطہ اور علاقہ بڑا ہی زرخیز ہے اور قافلۂ علم وادب اور کاروان فکروفن کا علمی غلغلہ اور فکری وادبی عظمتوں کا سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔

سرزمین اعظم گڑھ کے ایک بڑے ہی زرخیز علاقے میں قافلۂ علم وادب اور کاروان فکروفن کا ایک عمدہ نشان، اعلیٰ پہچان اور عظیم انسان بنارس ومئو کی مشترکہ خمیر اور ازہر مصر وازہر ہند علی گڑھ کی مشترکہ علمی عظمتوں سے لبریز ہو کر ۱۹۶۸ء میں صبح بنارس کی حسین ودلکش نظاروں کے جھرمٹ میں پڑاؤ ڈال کر مستقل طور پر خیمہ زن ہو جاتا ہے اور پھر اپنی پوری رعنائیوں اور تابانیوں کے ساتھ ساحل گنگا سے کچھ فاصلے پر ریوڑی تالاب کی پرپیچ وادیوں میں قدم رنجہ ہو جاتا ہے۔ یہ یہاں کیا آگیا گویا صبح بنارس کو ایک نئی کرن اور چمک عطا ہوگئی، بنارس میں علم وادب کا ایک سیلاب اور فکروفن کا ایک انقلاب آگیا۔ زبان وادب کے علمی مہ پارے مصر اور ازہر سے چل کر گنگا اور بنارس کی ساحلوں پر لنگرانداز ہو گئے۔ ازہر کی شانِ ادب اور مئو اعظم گڑھ کی عظمتِ فکروفن گویا صبح بنارس میں نمودار ہوگئی۔

●

جامعہ سلفیہ مرکزی دار العلوم بنارس سلفیانِ ہند کا مرکزی ادارہ اور منہج سلف کی علمی میراث کا ترجمان ہے، اکابرین جماعت نے آل انڈیا نوگڈھ کانفرس ۱۹۶۲ء میں جامعہ کے قیام کا فیصلہ کیا تھا اور اسے قائم ہوئے تقریباً چھ سال بھی ہو چکے تھے علماء کا ایک قافلہ اور

کارواں بھی یہاں پڑاؤ ڈال چکا تھا، علم وفن کے جلوے بکھیرنے اور قرآن وحدیث کی عظمتوں کو صدور رجال میں اتارنے کے لئے اہل علم وفضل کی ایک ٹیم بھی مہم پر لگ چکی تھی۔ بس اب ضرورت تھی تو کسی میر کارواں اور قافلہ سالار کی جوان عظمتوں کو اپنی مدبرانہ صلاحیتوں سے حسن انتظام اور اہتمام کی حسین لڑیوں میں پرو سکے اور جامعہ کی مرکزیت اور منہجیت کو بنارس سے لے کر ہندوستان کے کونے کونے اور بیرون ہند عرب وعجم تک روشناس کرا سکے۔ اللہ کی مشیت ومرضی سے اس عظیم خدمت گذاری اور اہم ذمہ داری کے لئے بانیان جامعہ کی نگاہ ایک ایسے ذرہ پر پڑی جسے ذروں کو آفتاب بنانے کی قدرت نے صلاحیت عطا کی تھی۔ اور گہرائیوں میں چھپے ہوئے صدف سے موتی نکالنے کا ہنر معلوم تھا۔ پس کیا تھا حسن انتخاب سے ایک حسین منتظم وباصلاحیت وہنرمند گوہر شناس نصیب ہوگیا۔ اور یہ عظیم شخصیت تھی ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ کی جنھیں ارباب جامعہ سلفیہ، وابستگان، اساتذہ، طلباء، اسٹاف عملہ، زائرین ومتعلقین سبھی لوگ کبھی ڈاکٹر صاحب کبھی ازہری کے نام سے یاد کرتے تھے۔

●

ہر صبح اپنی رہائش گاہ دار الضیافہ سے وکالت الجامعہ کی آفس میں مسلسل حاضری اور امور جامعہ کی انجام دہی میں مصروفیت علماء سے تبادلہ خیال، خطوط ومراسلات کی تحریر وتبیض سے لے کر تدریس وتعلیم اور جامعہ کی ترقی کی فکرمندی ومنصوبہ سازی جیسی تمام ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے اور عصر کی نماز کے بعد خصوصی طور پر دوبارہ آفس میں بیٹھ کر ترجمہ وتصنیف کا کام ''صوت الامۃ'' کے ادارتی کلمات کی تحریر، ایڈیٹنگ اور اشراف، تصحیح بحوث ومقالات، عربی فکر وفن کی علمی میراث کو ہندی علماء تک منتقل کرنے اور علماء ہند کے علمی سرمایہ سے اہل عرب کو روشناس کرانے کی تالیفی وتدوینی کاوشیں عمل پیہم کی شکل میں جاری رہتیں۔ اگر کبھی وکالت الجامعہ آفس بند ہوجاتی تو جامعہ کی علمی عظمت ماند پڑتی دکھائی دیتی اور ایک رونق جو آپ کے وجود سے جامعہ اور بزم جامعہ کو ملا کرتی تھی مرجھائی سی لگنے لگتی۔ طلباء باہم تذکرہ چھیڑتے اور نتیجہ نکالتے کہ شاید ازہری صاحب کہیں سفر پر چلے گئے، کسی کانفرنس یا سیمینار کے لئے روانہ ہوگئے یا پھر جامعہ کے کام سے بلاد عرب اور خلیج کے راہی ہوگئے۔ الغرض تمام طرح کے خیالات اور تصورات ہر کوئی ازہری صاحب کی عدم موجودگی کا احساس کرتا اور آپ کے وجود کی رونق کا تذکرہ کرتا اور جیسے ہی واپسی ہوتی وکالت الجامعہ کی آفس کا دروازہ کھلتا وہی علمی رونق، رعنائیاں، رعب ودبدبہ آن بان شان پھر واپس لوٹتی محسوس ہوتی، اور اتنا رعب اور دبدبہ کہ اگر اپنی آفس میں کرسی پر بیٹھ کر ہی طلبہ کو آواز لگاتے کہ منتشر طلباء فوراً مارے خوف سے بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگ کر اپنے ریوڑ خانے میں محبوس ہوجاتے اور آپ کو دیکھتے ہی نہ جانے کتنے لہو ولعب کے متوالے گوشہ نشین ہوجاتے اور ایسا محسوس ہوتا کہ آمدِ ازہری نے انہیں شرافت کا جامہ پہنا دیا ہے۔

ہمارے بزرگ استاد مولانا مستقیم صاحب سلفی جو آپ کے شاگرد بھی ہیں اپنے استاذی کے زمانے میں بھی ادب واحترام کا پتلا بن جایا کرتے تھے اور ہمیشہ ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر صاحب، ازہری صاحب نے فرمایا کہ رٹ لگاتے رہتے تھے۔ طلباء کو یہ محسوس ہوتا کہ شاید بے جا شان بڑھا رہے ہیں مگر اب احساس ہوتا ہے کہ فکر وادب کی دنیا کا شہسوار اس سے کہیں زیادہ ہم طلباء واساتذہ علماء

اور ارباب جامعہ و جماعت کے احترام وادب کا مستحق تھا۔

قصہ مختصر یہ کہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ کی شخصیت جامعہ، جماعت اور اہل علم کے لئے ایک نعمت الٰہی تھی، آپ کے انتقال سے بزم جامعہ مرجھا گئی اور رونق جماعت اور آل انڈیا کانفرنسوں کی عظمتیں ماند پڑگئیں اور علم وادب کی ایک شان، ایک پہچان ختم ہوگئی فکر وفن کا درخشاں باب بند ہوگیا۔ جامعہ کے درودیوار حسرت خیزی میں ازہری کی راہ تکتے ہوں گے اور وکالۃ الجامعہ، ادارۃ البحوث الاسلامیہ کی آفس آپ کی آمد کے لئے اب بھی بازوؤں کو کھولے منتظر راہ ہوں گی ان بے جانوں کو کیا معلوم کہ ازہری دنیائے فانی چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوچلے اور وہ ذرہ جو آفتاب بن کر افق بنارس پر چمکا تھا اب خاک مئو کے سپرد ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ذیل کے مضمون میں ازہری صاحب کی مختصر سوانح سپرد قرطاس کررہا ہوں ان شاء اللہ آئندہ آپ کی زندگی کے بقیہ گوشے بھی اجاگر کئے جائیں گے۔

نام ونسب: ڈاکٹر حافظ مقتدی حسن فیضی الازہری بن حاجی محمد یاسین بن محمد سعید۔

تاریخ پیدائش: آپ کی پیدائش ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش سے مشہور صنعتی شہر مئوناتھ بھنجن میں آزادی سے آٹھ سال پہلے ۸/اگست ۱۹۳۹ء کو ہوئی۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی عربی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن، جامعہ دارالحدیث اثریہ مئو اور اسی طرح جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں مکمل ہوئی اور آخر الذکر جامعہ فیض عام سے ہی ۱۹۶۰ء میں فارغ التحصیل بھی ہوئے، مفتی جامعہ مولانا حبیب الرحمن فیضی، شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی اور مولانا عبداللہ شائق مئوی وغیرہم سے سند واجازۂ حدیث حاصل کیا اور فراغت کے بعد دوسالوں تک تدریس کا فریضہ بھی یہیں انجام دیا۔ ان دنوں جامعہ ازہر مصر میں تعلیم کا بڑا چرچا تھا اور ہندوستان کے فارغین مدارس کو ان کی لیاقتوں کے اعتبار سے بسا اوقات داخلہ بھی مل جاتا تھا۔ حافظ مقتدی حسن نے بھی اپنی نصیب آزمایا اور اللہ کی توفیق سے ۱۹۶۲ء میں ازہر یونیورسٹی مصر میں داخلہ کی سعادت حاصل ہوگئی۔ آپ نے وہاں رہ کر عربی زبان وادب پر کافی عبور حاصل کیا اور ایم، اے، کی ڈگری سے سرفراز کئے گئے۔ ازہر یونیورسٹی سے فراغت کے بعد آپ نے دوسالوں تک قاہرہ ریڈیو کے شعبۂ اردو میں مترجم اور اناؤنسر کی حیثیت سے خدمات بھی انجادیں۔ اور ۱۹۶۸ء کے اواخر میں ہندوستان واپس آکر ملک کی عظیم سلفی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس سے منسلک ہوگئے۔

جامعہ سلفیہ میں دوران تدریس آپ نے اپنی اعلیٰ علمی تشنگی کو بجھانے اور علم وادب میں مزید ریسرچ اور تحقیق کرنے کے لئے ۱۹۷۰ء میں ہندوستان کی عظیم دانش گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں ایم، فل کرنے کے لئے داخلہ لیا اور اس طرح ایم، فل کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۹۷۵ء میں پی، ایچ، ڈی اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کرلی۔

پی، ایچ، ڈی کی ڈگری کے حصول کے لئے آپ نے علامہ ابن عبدالبر قرطبی کی مایہ ناز کتاب بہجۃ المجالس (جزء ثانی کی احادیث) کی تخریج کی، ستاون ابواب پر مشتمل یہ کتاب زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ احادیث کی تحقیق میں ڈاکٹر صاحب نے

کافی محنت اور عرق ریزی کی ہے۔ چونکہ اس کتاب کے پہلی جلد کی تحقیق ڈاکٹر ظہور الحق نے کی تھی اس لئے ڈاکٹر ازہری صاحب نے دوسری جلد کی تحقیق کے ساتھ ساتھ پوری کتاب کی علمی فہرست بھی مرتب کی۔

مشہور اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں اساطین علماء مئو، علماء ازہر کی ادبی شخصیتیں اور علیگڑھ مسلم یونیورسٹی شعبۂ عربی کے مایہ ناز ماہرین ادب عربی و تاریخ ادب عربی شامل ہیں۔ جن میں مئو کے مشہور علماء فیض عام وغیرہ میں۔ (۱) مولانا عبدالمعید بنارسی صاحب کتاب امین النحو و امین الصرف (۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۶ء آپ نے فیض عام میں تدریس کا فریضہ انجام دیا) (۲) مفتی حبیب الرحمن فیضی، ناظم اعلیٰ جامعہ فیض عام مئو (۳) شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی (۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۷ء مدرس فیض عام رہے) (۴) مولانا ابوالوفاء محمد عظیم اللہ فیضی مئوی (۵) مولانا عبداللہ شائق، بانی جامعہ دارالحدیث اثریہ مئو، اوراسی طرح جامعہ ازہر کی دو عظیم شخصیتیں (۶) ڈاکٹر عبدالواحد وافی (۷) مشہور ادیب ڈاکٹر شوقی ضیف اور ان کے علاوہ دیگر اساطین علم و فن شہر مئو، جامعہ ازہر اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اس فہرست میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔

تدریسی ودعوتی خدمات: جامعہ ازہر مصر سے واپسی کے بعد ۱۹۶۸ء میں ملک کی عظیم سلفی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس سے بحیثیت مدرس و منتظم وابستہ ہوگئے، آپ کی علمی، انتظامی اور عربی زبان و قلم کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ذمہ داران جامعہ نے آپ کے کندھوں پر تدریس و تعلیم کے ساتھ ساتھ وکیل الجامعہ (ریکٹر) کی اہم اور کلیدی ذمہ داری بھی ڈال دی چنانچہ عربی زبان و ادب، تاریخ و انشاء اور دیگر علوم کی تدریس کے ساتھ آپ اس اہم انتظامی امر کی ذمہ داری بحسن خوبی انجام دیتے رہے۔ جامعہ سلفیہ کے داخلی و خارجی امور میں آپ کی اصابت رائے اور دور اندیشانہ مشوروں کی ہمیشہ ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔ تدریسی و انتظامی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ ملی و جماعتی تنظیموں سے بھی آپ کی وابستگی بے حد گہری اور مضبوط تھی جس کی وجہ سے ملک کے طول وعرض میں عربی مدارس و جامعات سے لے کر کالج و یونیورسٹیز کی جانب سے منعقد ہونے والی مختلف علمی و ادبی، اور اصلاحی کانفرنسوں، سیمیناروں اور سمپوزیموں میں شرکت آپ کی زندگی کا لازمی جزو بن گئی تھی بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اکثر و بیشتر سلفی و غیر سلفی مدارس و تنظیموں کے یہاں جماعت و جامعہ کی نمائندگی و ترجمانی ڈاکٹر ازہری صاحب کے ہی سپرد رہا کرتی تو بے جانہ ہوگا۔ عمر کے آخری لمحہ تک جامعہ سلفیہ بنارس اور جماعت کی نمائندہ تنظیم جمعیت اہل حدیث سے وابستہ رہے اور اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے انجام دیتے رہے۔ عربی زبان و ادب پر عبور حاصل ہونے کی وجہ سے آپ سے بے شمار تشنگان علم و ادب نے فیض اٹھایا اور آپ کی زبان و قلم پر دسترس اور ایک طویل تجرباتی زندگی کے نچوڑ کو آپ کے شاگردوں نے آبِ حیات بنالیا اور اس طرح ہزاروں کی تعداد میں فارغ التحصیل ہوکر عرب و عجم میں آپ کے علمی فیض کو تقسیم کرتے رہے۔ آج بھی آپ کے شاگردوں کی ایک معتد بہ تعداد خلیج عرب ممالک، یورپ اور امریکہ اور ہندو نیپال کے بیشتر مدارس، مساجد، علمی و دعوتی مراکز و معاہد میں موجود ہے۔ **فالحمد للہ علی ذالك۔**

عربی ماہنامہ مجلہ صوت الأمۃ کی ادارت اور اشراف: یہ ماہنامہ جامعہ سلفیہ کے شعبۂ تالیف و ترجمہ دار التالیف والترجمہ سے ۴ دہائیوں سے مسلسل شائع ہوتا چلا آرہا ہے۔ ابتداء سے لے کر آج تک تقریباً چالیس سال کے طویل عرصہ سے ڈاکٹر ازہری

صاحب ہی اس کے ایڈیٹر اور مقالات وبحوث کے مشرف ونگراں رہے ہیں۔صوت الامہ میں آپ کے اداریتی کلمات عرب وعجم میں اہل زبان کے یہاں بے حد دلچسپی اور شوق سے پڑھے جاتے تھے۔اداریہ کے علاوہ آپ کے دیگر عربی مضامین عصر حاضر کے سلگتے ہوئے ملی، ملکی، عالم عربی اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی وغیرہ جیسے حساس اور اہم عناوین پر بے حد مفکرانہ ومدبرانہ ہوا کرتے تھے۔اور اہل علم کے یہاں یہ مستند علمی وتحقیقی درجہ رکھتے تھے۔اگر صرف صوت الامہ کے عربی اداریہ کو شمار کرلیا جائے تو کم وبیش چالیس سال کے طویل عرصہ میں لگ بھگ پانچ سو اداریے آپ نے تحریر کئے ہیں جو ایک اندازہ کے مطابق دو ہزار صفحات سے بھی متجاوز ہوں گے۔ اگر انہیں جمع کر کے مرتب کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں عالم عرب اور مدارس عربیہ واسلامیہ کے لئے بیش قیمت علمی سرمایہ ہوسکتی ہیں۔

عربی زبان وادب میں عبور اور صدر جمہوریہ ایوارڈ: یوں تو ازہری صاحب بیک وقت فارسی، اردو، انگریزی اور عربی زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے اور ہر ایک پر آپ کو لکھنے پڑھنے اور بولنے کی قدرت حاصل تھی مگر سب سے زیادہ آپ کو عربی زبان وادب اور اس کی شعری وغیر شعری تاریخ کے متعلق ایک طویل تجربہ حاصل تھا جس کی وجہ سے عربی زبان میں مہارت تامہ اور عبور کامل کے ساتھ ساتھ ایک ادیبانہ ومحررانہ شان کے مالک بن گئے تھے۔زبان وادب، ترجمہ وٹرانسلیشن میں مہارت کے ساتھ ساتھ تاریخ ادب عربی پر آپ کا مطالعہ بے حد وسیع اور گہرا تھا چنانچہ آپ نے اپنے وسعت مطالعہ کو اردو زبان میں ادب عربی کی تاریخ پر ایک عمدہ اور مایہ ناز کتاب کی شکل میں پانچ ضخیم جلدوں میں بکھیر دیا اور بفضلہ سبحانہ وتعالیٰ عربی مدارس، علمی مکتبات وجامعات نیز اہل علم وفضل کے یہاں یہ بے حد مقبول ہوگئی اور رفتہ رفتہ اس نے اپنی قبولیت کے بال و پر عصری یونیورسٹی کے پروفیسران اور سرکاری محکمہ جات سے لے کر ایوان اقتدار تک پھیلا دیئے۔بالآخر آپ کو اس محنت کا ثمرہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نصیب ہوا اور عربی زبان وادب پر حسین وطویل خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت ہند نے صدر جمہوریہ ایوارڈ جیسے عظیم تمغہ سے سرفراز کیا اور اس طرح دنیائے علم وادب کو آپ کی علمی وادبی صلاحیتوں سے آگاہی کے ساتھ ساتھ فیض یابی وبہرہ اندوزی کا حسین موقع عطا ہوا۔اور آج بھی ہزاروں محققین اور ریسرچ اسکالر اس کتاب سے نہ صرف یہ کہ فائدہ اٹھاتے ہیں بلکہ سبھوں کے لئے ایک مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

تالیفی وتصنیفی خدمات: تصنیف وتالیف کا کام علم اور زبان دانی کا متقاضی ہوتا ہے، ڈاکٹر ازہری مرحوم کو قدرت نے علم اور زبان دانی میں مہارت عطا کی تھی جس کی وجہ سے آپ نے اپنے تصنیفی دائرہ کو مختلف زبانوں میں علم وتحقیق کے موتی بکھیرتے ہوئے پھیلا دیا جہاں پر آپ نے خود کئی مستقل کتابیں تصنیف کیں وہیں پر مختلف زبانوں میں نامور علماء ودانشوران کے علمی سرمایہ کو دوسری زبانوں تک منتقل کیا۔تصنیف کے ساتھ عربی علوم کو اردو اور اردو فارسی علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی ایک عمدہ مثال آپ نے قائم کی۔جامعہ سلفیہ کے تصنیفی ادارہ دارالتالیف والترجمہ کی ذمہ داری انتہائی منظم ومرتب طریقے سے تاحیات انجام دیتے رہے۔تصنیف وتالیف اور ترجمہ نگاری کے ساتھ ساتھ آپ مختلف علماء ومصنفین کی تحریر کردہ کتابوں اور مقالہ جات کی تصحیح اور مراجعہ کا بھی کام کرتے رہے۔جامعہ سلفیہ سے شائع ہونے والی کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو آپ کے علمی وفکری اور ادبی پیش لفظ، تقدیم یا تقریظ سے خالی ہو اگر صرف ان صفحات کو شمار کرلیا جائے تو ہزاروں سے بھی متجاوز ہوں گے۔ذیل میں آپ کی علمی، ادبی اور فکری تصنیفات وتراجم

کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

مترجم کتابیں: (۱) رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان منصور پوری (اردو سے عربی ترجمہ/ ۳ جلدیں)(۲) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (فارسی سے عربی ترجمہ)(۳) تحریک آزادی فکر اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی مولانا محمد اسماعیل سلفی گجرانوالہ (اردو سے عربی ترجمہ)(۵) مسئلۃ حیاۃ النبی مولانا محمد اسماعیل گجرانوالہ (اردو سے عربی)(۶) اقتضاء الصراط المستقیم شیخ الاسلام ابن تیمیہ (عربی سے اردو)(۷) مختصر زاد المعاد شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب (عربی سے اردو) (۸) اصلاح المساجد جمال الدین قاسمی (عربی سے اردو)(۹) فی ظلال الرسول ڈاکٹر عبدالحلیم عویس (بنام رسالت کے سائے میں (عربی سے اردو)(۱۰) سقوط ثلاثین دولۃ ڈاکٹر عبدالحلیم (بنام عظمت رفتہ)(عربی سے اردو)(۱۱)۔(۱۶) مولانا محمد تقی امین کی چھ کتابوں کا اردو سے عربی ترجمہ (الاسلام تشکیل جدید للحضارۃ/ بین الانسان الطبیعی والصناعی/ عصر الالحاد خلیفہ تاریخیۃ/ النظام الالہی للرقی والانحطاط)(۱۷) قضایا کتابۃ التاریخ الاسلامی/ رد۔ محمد یاسین مظہر صدیقی (اردو سے عربی)(۱۸) زیارت قبور محمد اسماعیل سلفی گجرانوالہ (زیارۃ القبور (اردو سے عربی) (۱۹) موجودہ عیسائیت/ مصلح الدین اعظمی (النصرانیۃ الحاضرۃ)(اردو سے عربی)(۲۰) کمیونزم اور اسلام/ مصلح الدین اعظمی (الشیوعیۃ والاسلام)(اردو سے عربی)۔

تصنیفات وتحقیقات: (۲۱) تاریخ ادب عربی ۵ جلدیں (اردو)(۲۲) خاتون اسلام (اردو)(۲۳) نظرۃ الی مواقف المسلمین من احداث الخلیج (عربی)(۲۴) منصور الفقیہ حیاتہ وشعرہ (عربی)(۲۵) مشکلۃ المسجد البابری فی ضوء التاریخ والکتابات المعاصرۃ (عربی)(۲۶) الثقافۃ الاسلامیۃ والمسلمون (عربی) (۲۷) فتح المنان بتسہیل الاتقان للسیوطی/ تلخیص (عربی)(۲۸) حصول المامول/ نواب صدیق حسن خاں قنوجی تلخیص (عربی)(۲۹) مسئولیۃ الشباب المسلم فی العصر الحاضر (عربی)(۳۰) تخریج احادیث بہجۃ المجالس لابن عبدالبر القرطبی (الجزء الثانی)(ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی)۔

بحوث ومقالات: آپ کے بے شمار بحوث ومقالات اور اردو عربی تحریریں ماہنامہ صوت الامہ (عربی) بنارس، ماہنامہ محدث (اردو) بنارس اور اس طرح دیگر جماعتی وملی رسائل میں مطبوع ہو چکی ہیں۔ اور آپ کے قلمی رشحات ملک وبیرون ملک میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں بڑے ہی تحقیقی، علمی وفکری ہوا کرتے تھے بالخصوص آپ کی صدارتی کلمات اور خطبات استقبالیہ منظور خاص وعام رہا کرتے تھے اور بڑی دلچسپی اور انہماک سے پڑھے اور سنے جاتے تھے۔ اگر ان منتشر تحریروں کو جمع کرلیا جائے تو ہزاروں صفحات پر مشتمل آپ کے مجموعۂ مقالات کی کئی جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ، جہاد آزادی وطن کانفرنس شان مکھانند ہال ممبئی اور آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس رام لیلا گراؤنڈ دہلی اور اس طرح کے دیگر بین الاقوامی وملکی کانفرنسیں آپ کے علم وفضل اور صحافتی وتحریری مہارت وقدرت کی شاہد اور گواہ ہیں۔

ملی وجماعتی مناصب وذمہ داریاں: آپ کے علم وفضل اور خبرات وتجارب سے فیض اٹھانے اور اہل علم وعامۃ الناس کو فائدہ

پہنچانے کے لئے مختلف علمی وادبی اور جماعتی تنظیموں نے آپ کو مختلف ذمہ داریاں اور رکنیتیں عطا کیں ذیل میں اہم مناسب اور ذمہ داریوں کو تحریر کیا جارہا ہے، (۱) تاحیات وکیل الجامعہ (ریکٹر) جامعہ سلفیہ بنارس (۲) رکن مجالس عاملہ رابطہ ادب اسلامی ہند (۳) رکن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ (۴) رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ (۵) ایڈیٹر ماہنامہ صوت الامہ (عربی بنارس تقریباً چالیس سال تک) (۶) مشرف دارالتالیف والترجمہ بنارس (۷) رکن مجلس عاملہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دہلی (۸) رئیس وصدر مجلس شوریٰ جامعہ سلفیہ بنارس (۹) رکن مجلس مشاورت سہ ماہی افکار عالیہ جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن۔ یوپی۔

اولاد و احفاد: اللہ تعالی نے آپ کو کل چھ اولاد عطا کیں تھیں تین بیٹے اور تین بیٹیاں۔ البتہ ایک بیٹے اور ایک بڑی بیٹی بتول کا انتقال ہو چکا ہے اور دو بیٹے اور دو بیٹیاں بقید حیات ہیں: (۱) سلمان احمد جو کہ بڑے ہیں اور خلیج میں کہیں پر برسر روزگار ہیں (۲) ڈاکٹر فوزان احمد جو کہ میرے جامعہ سلفیہ کے ہم سبق اور دیرینہ دوست ہیں اور فی الوقت جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں شعبۂ عربی میں لیکچرر ہیں (۳) ایک بیٹی کا نام عفاف اور (۴) دوسری کا نام نکہت ہے دونوں بقید حیات ہیں۔

وفات: اواخر عمر میں پیرانہ سالی کے باوجود جامعہ و جماعت کی مختلف سرگرمیوں اور نشاطات میں ہمیشہ متحرک و سرگرداں رہا کرتے تھے۔ جماعت اہل حدیث کی پاکوڑ اور دہلی رام لیلا گراؤنڈ وغیرہ پر منعقد ہونے والی آل انڈیا کانفرنس اور اس کے شرکاء اس بات کے گواہ اور شاہد ہیں۔ نظم جماعت سے لے کر مستقبل کی پلاننگ اور منصوبہ بندی، ہنگامی حالات میں آپ کی دور اندیشی و مدبرانہ صلاحیتیں آخری عمر تک عوام وخواص کے لئے جاری وساری رہیں مگر قضائے الٰہی اور مشیت ربانی کے سامنے ہر انسان بے کس و بے بس نظر آتا ہے اور کسی نہ کسی حیلہ سے ہر فرد بشر موت کی آغوش کے قریب پہنچتا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ مشیت الٰہی کے مطابق وفات سے چند ہفتوں پہلے آپ کی طبیعت بے حد ناساز ہو گئی۔ اخوان جماعت کی اطلاع کے مطابق پیٹ کی تکلیف کا شدید عارضہ لاحق ہوا۔ علاج ومعالجے کے لئے بترا ہاسپٹل میں ایڈمیٹ کردیئے گئے مگر چند دنوں کے بعد ڈاکٹروں نے جواب دیدیا اور گھر لے جانے کا مشورہ دیا چنانچہ ۲۹/اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز جمعرات آپ کو بذریعہ ایمبولینس دہلی سے آبائی وطن مئو لایا جارہا تھا کہ اچانک جمعہ کی صبح کانپور کے علاقہ میں ہی داعی اجل آپہنچا اور کانپور پہونچتے پہونچتے آپ نے جان جان آفریں کے حوالہ کردی اور اس طرح ۳۰/اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز جمعہ مطابق ۱۰/ذی القعدہ ۱۴۳۰ھ کو آپ کی وفات ہو گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ کی تدفین ۳۰/اکتوبر ۲۰۰۹ء جمعہ کی شام کو آپ کے آبائی وطن مئوناتھ بھنجن میں کی گئی۔ ایک پرہجوم مجمع نے شاہد جنید سلفی نائب صدر جامعہ سلفیہ بنارس کی امامت میں نماز جنازہ ادا کیا اور دس ہزار سے زیادہ شرکاء جنازہ نے پرنم آنکھوں سے ڈاکٹر ازہری کو خاک مئو کے سپرد کردیا۔ اور اس طرح علم وادب کا چمکتا ایک درخشاں باب اور فکروفن کا ایک چمکتا آفتاب غروب ہو گیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے — سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

❑❑❑

مولانا عطاء اللہ خان امینیؒ: جماعت کا بے باک سپاہی

مولانا عبدالمعید مدنی (مدیر ماہنامہ الاحسان۔ دہلی)

ابھی کل کی بات ہے جس پر بھروسہ تھا کہ جب بھی حق کے لئے آواز اٹھے گی وہ ساتھ دے گا۔ آج ہمارے درمیان نہیں رہا۔ گردش لیل ونہار میں روز انگنت انسانوں کی زندگی کے صفحات بند ہوتے ہیں اوران گنت انسانوں کی زندگی کے صفحات کھلتے ہیں۔ کسے یارا ہے کہ حکم الٰہی کے آگے اپنی چلا سکے۔

کل ہی کی بات تو ہے کہ انسان اچھا خاصا فرائض حیات نبھا رہا تھا۔ تعمیری زندگی کے لئے ہر دم رواں دواں تھا۔ اصلاح فرد واصلاح سماج میں لگا ہوا تھا۔ کسے خبر تھی کہ بے آہٹ پیام اجل آئے گا اور اچانک وہ ہم سے جدا ہوجائے گا اور ایک جم غفیر کو سوگوار چھوڑ جائے گا۔

ہم بھی تھے اس کے قدرداں دلی طور پر، اور وہ بھی تھا مہرباں ہم پر، دل رابدل راہ ست۔ عرصہ ہوا ان سے شناسائی ''نوائے اسلام'' دہلی کے مشہور ماہنامے مجلس الدعوۃ الاسلامیہ کے ترجمان کے حوالے سے ہوئی۔ پہلے پہل انہیں جامعہ سلفیہ میں دیکھا۔ یاد نہیں طالب علمی کا دور تھا یا معلمی کا۔ اور اب بھی وہ منظر نگاہ میں ہے کہ کس طرح جامعہ کے گیٹ سے باہر کچھ طلباء انہیں الوداع کہنے کے لئے کھڑے تھے۔ اس وقت لباس کی جو شکل تھی اور جو ہیئت کذائی تھی ہو بہو آخر تک وہی برقرار تھی۔ ان کی ظاہری ہیئت سے ہی عیاں رہتا تھا کہ ایک ذمہ دار، چاک چوبند، باہمت اور حوصلہ مند فرد ہیں۔ گفتگو اور ہر انداز سے یہ ٹپکتا تھا کہ یہ انسان کچھ ٹھانے ہوئے ہے اور کچھ کرنا چاہتا ہے اور کچھ کرگذرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔

ان کی زندگی کا اگر کوئی عنوان ہوسکتا ہے تو وہ ہے حوصلہ، ہمت اور ولولہ بقیہ زندگی کی کارکردگیاں اس عنوان کے مضامین ہیں۔ جب کسی فرد کی زندگی کا عنوان بن جاتا ہے تو آدمی ہمیشہ اپنی زندگی کو اسی کے تحت مرتب کرتا ہے اور اسی کے لئے موضوعات ومضامین میں تلاش کرتے ہوئے عمر کی بیڑیاں کاٹ دیتا ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی بلاعنوان ہوتی ہے۔ کبھی غلط عنوان لگا بیٹھتا ہے اور پھر غلطیاں ہی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور بسا اوقات غلطیوں کی جھولا ڈال کر جھولتا رہتا ہے، اور خوشی میں گاتا بھی رہتا ہے۔ مولانا امینی نے اپنے عنوان حیات کے تحت جاں کوشی اور جان کاہی کی اور وطن مالوف کو چھوڑ کر مستقلاً بھیونڈی میں آباد ہوگئے۔ دین کی تعلیم حاصل کرنا، پھر اس لائن سے لگے رہنا اور اس کی خاطر وطن چھوڑ دینا بڑی قربانی ہے۔ دنیا کی خاطر، ملذات حیات کے حصول کے لئے انسان ساری کلفتیں برداشت کرسکتا ہے اور کرتا بھی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے تجارتی مراکز کی طرف

رخ کرتے ہیں تو اپنے علم واخلاق، شخصیت اور مقصدیت کے لئے نفی بن جاتے ہیں اور پرورش لوح وقلم اور علم وہنر کے بجائے پرورش شکم پر قانع ہوکر رہ جاتے ہیں۔ مبارکباد کے مستحق ہیں وہ علماء جو دینی مشن سے جڑے رہ کر سماج میں اذیتیں سہتے، دعوت وتبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

مولانا امینیؔ نے اپنے وطن مالوف ضلع مہاراج گنج میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر مئو کے مدارس میں زیر تعلیم رہے، اور مدرسہ امینیہ دہلی سے سند فراغت حاصل کی۔ علماء واساتذہ سے متعلق گفتگو کے دوران وہ اکثر مولانا محمد میاں رحمہ اللہ کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔ ان کی شفقتوں کا اثر وہ آج تک اپنے دل ودماغ پر محسوس کرتے تھے اور نصاب کے لئے اپنی مرتب کردہ سیرت کی کتاب ''الصادق الامین'' کو اپنی ماں کے ساتھ مولانا محمد میاں کے نام منسوب کیا ہے۔

مسلکی تفاوت موجود ہے مولانا محمد میاںؒ پکے جمعیۃ العلماء کانگریسی اور دیوبندی یعنی تین تین بوجھ اور مولانا امینی اہل حدیث لیکن اس کے باوجود استاذی وشاگردی کا رشتہ ایسا مضبوط کہ مرور ایام کے باوجود اس میں خلل نہیں آیا۔ دراصل دونوں کا کمال ہے۔ غالباً مولانا محمد میاں کا انتقال ۱۹۷۵ء میں ہوا تھا۔ میں نے ندوۃ العلماء میں ان کی تعزیت میں منعقد جلسے کو بھی دیکھا ہے۔ مولانا برہان الدین سنبھلی کی صدارت میں جلسہ ہوا تھا ''علماء حق کا شاندار ماضی'' کے حوالہ سے ان کی غلطیاں کتنی بھی بھیانک ہوں لیکن انسانیت شرافت اور ہمدردی کی جو خوبیاں ان کی شخصیت کا حصہ تھیں انہیں کا اثر تھا کہ وہ استاذ کی حیثیت سے اپنے لائق شاگردوں کے لئے ہمدرد اور سراپا خیر تھے۔ اسلامی یا انسانی شخصیت کی ہی کشش اور دل موہ لینے والی خوبی آج مفقود ہے جس کے سبب دل نہیں جڑتے۔ مشینی دور میں الفاظ جملے اور تراکیب کے جڑنے کی بڑی کثرت ہے لیکن دلوں کو جوڑنے کا کام شاید باید کے زمرے میں ہے۔ عجب تضاد ہے اس دور میں۔ انسان مفادات کے جوڑ گھٹاؤ میں ہر ایک سے چپکنے میں منافقت اور روباہی کی ساری سرحدیں پار کردیتا ہے اور توڑنے پر آتا ہے تو ہر ایک سے لڑنے کے لئے کمربستہ رہتا ہے اور ہماری جماعت میں ایسے ماڈل بکثرت پیدا ہورہے ہیں۔ اللہ خیر کرے۔

مولانا کا اپنا جو عنوان حیات طے تھا اس کے طے ہونے میں ان کی فطری صلاحیت، گھریلو ماحول، خدمت دین کے جذبے اور اساتذہ کی تربیت کا خاص دخل ہے، بچپن سے لے کر سن شعور تک انسان کا جو شاکلہ بن جاتا ہے جس کردار کی تشکیل ہوجاتی ہے اور اخلاقی وفکری ڈھانچہ بن جاتا ہے وہ عموماً ٹوٹتا نہیں ہے وہیں عنوان حیات بنتے ہیں اور نقش حیات بھی۔

مولانا نے معاشرے میں قدم رکھا اور بھیونڈی کو اپنی سرگرمیوں کی جولان گاہ بنایا۔ کسی صنعتی شہر میں دعوتی وعملی جولان گاہ بنانے میں بڑی آسانیاں بھی ہوتی ہیں اور مشکلات بھی۔ مادی اسباب کی آسانیاں ضرور ہوتی ہیں لیکن اس کے بعد مشکلات ہی مشکلات ہوتی ہیں۔ سب ان آسانیوں کو دیکھ کر موم بتی بن جاتے ہیں آقا اور سرکار کے الفاظ ان کے ورد زبان ہوجاتے ہیں اور ان کے مفاہیم ان کے دل ودماغ سے ہوتے ہوئے ان کے پورے جسم پر پھیل جاتے ہیں اور بہت سے ان آسانیوں کی زبان سمجھ لیتے ہیں اور جھیلنے کا

یارا نہیں رکھتے ہیں اس لئے میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو سب سمجھتے ہیں اور سمندر بن کر سب کو پی جاتے ہیں۔حوصلہ مندی کا ثبوت دیتے ہیں اور میدان میں ڈٹے رہتے ہیں۔مولانا امینی اسی تیسری قسم کے جی داروں اور حوصلہ مندوں میں سے تھے۔

مولانا امینی حوصلہ مند تھے۔میدان میں ڈٹے رہے۔کام میں جٹے رہے۔انہوں نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔بھیونڈی میں انہوں نے حالات کے تقاضے کے مطابق اپنے علم کی تکمیل کی۔ایم اے اور بی ایڈ کیا اور علمی و تعلیمی لائن میں لگ گئے۔وہاں کے کئی اداروں کے قیام کے محرک بنے۔ان کو سنوارا بنایا اور آگے بڑھنے میں مدد کیا اور روح رواں رہے۔عالم کا کمال ہی ہوتا ہے کہ وہ نام ونمود کے چکر میں نہیں رہتا اور اپنے فیض کا چشمہ ہر جگہ جاری رہتا ہے۔بھیونڈی میں انہوں نے مسلسل ۳۴ سال کام کیا۔اس شہر کی علمی و تعلیمی سرگرمیوں میں ان کی جو حصہ داری ہے ان کے لئے ذخیرۂ آخرت ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین۔وہ ہمیشہ اسی پیشے سے جڑے رہے اور قائدانہ رول ادا کیا۔ہوتا یہ ہے کہ خاکہ ونقشہ کوئی دیتا ہے رنگ کوئی بھرتا ہے مادی اسباب کوئی مہیا کرتا ہے اور تکمیل کسی اور کے ہاتھ سے ہوتی ہے، چلاتا کوئی اور ہے پڑھتے پڑھاتے دوسرے ہی ہوتے ہیں۔اس اعتبار سے مولانا نے ہمیشہ قائدانہ رول ادا کیا ہے۔تعلیمی کاموں سے دلچسپی کا نتیجہ ہے کہ مولانا نے جونیئر ہائی اسکول تک کے لئے دینی کورس تیار کیا، اسے اسکولوں میں داخل نصاب کیا، ہزاروں بچوں کو دین سے آگاہ کرنے کی کوشش سارے مادی اسباب پر بھاری ہے،لیکن اس کے تولنے کیلئے اب دنیاوی میزان عمل کافی نہیں ہے۔اس کا صحیح وزن میزان الٰہی سے ہی ہوسکتا ہے۔اور جہاں دنیاداری کی ہاہا کار مچی ہو اس شور میں مخلصانہ دینی کوششوں کی قدر و قیمت کی آواز کانوں تک کہاں سنائی دے گی۔

مولانا امینی نے بھیونڈی کی جمعیت سے وابستگی اختیار کی ایک مدت تک اس کی قیادت کی، ان کی قیادت میں جمعیت کے خطوط کار متعین ہوئے۔علمی، تعلیمی، دعوتی اور خدمت خلق کا نقشہ کار بنا۔ان کی اور ان کے ہمراہیوں اور رفقاء کی جدوجہد کے نتیجے میں بھیونڈی کی جمعیت کو امتیازی شان حاصل ہے۔شاید ہی کسی سطح کی جمعیت کو ایسی منظم متنوع اور ہمہ گیر کارکردگی ہو، اس وقت جمعیت کے پاس مساجد ہیں، مدرسہ ہے، اس کے کھولے ہوئے اسکول ہیں۔شاندار لائبریری ہے، خدمت خلق کا شعبہ ہے۔سب اللہ کے فضل سے کامیابی سے چل رہے ہیں۔جمعیت کو فعال، مستعد بنانے اور اسے راہ عمل دکھانے میں ان کا قیادی رول تھا اور ساتھ ہی احباب جمعیت کی خوبی ہے کہ سب کی صلاحیتیں مل کر اسے نمایاں بنائے ہوئے ہیں۔

مولانا امینی نے خطابت کو اپنایا اور کبھی خطابت سے دستبردار نہ ہوئے، حتیٰ کہ انتقال سے ایک روز قبل جمعہ کا خطبہ دیا، بیمار تھے لیکن اس حالت میں بھی خطبہ دیا اور یہ اعلان کیا کہ یہ میری زندگی کا آخری خطبہ ہے،شاید انہوں نے اجل کی دھمک کو محسوس کرلیا تھا۔ خطابت میں شان امامت اور قیادت پائی جاتی ہے اور شخصیت زوردار ہو تو خطابت کی بات ہی اور ہوتی ہے۔خطیب کی اگر اپنی پرسنالٹی ہو تو اس کا ہر جملہ اعتماد اور تاثیر میں ڈوبا ہوتا ہے اور اگر وہ دردمند ملت ہے تو تاثیر دوبالا ہوجاتی ہے۔ان کی خطابت مناظراتی یا فرقہ

وارانہ نہیں ہوتی تھی وہ پیغام حق خلق الٰہی تک پہنچانے کے لئے تھی، اور خطابت کے زور وشور اور رعب داب کے ساتھ، اور انہیں اس میں کامیابی بھی ملی۔

جس مسجد میں ان کا خطاب ہوتا تھا اور جس کے بنانے سنوارنے اور آباد کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے، بلکہ اگر کہا جائے کہ وہی اس کے محرک تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ پہلی بار میں نے اسے دیکھا تو بڑی مسرت ہوئی کہ ایسی بڑی دو منزلہ مسجد میں مولانا خطابت فرماتے تھے اور جب یہ پتہ چلا کہ بلاتفریق اس میں ہر مسلک کے لوگ نماز پڑھتے ہیں تو حیرت انگیز خوشی ہوئی اور یہ سوال بھی سامنے آیا کہ کس ساقی کا غمزۂ خون ریز ہے کہ سب اس کے شہید ہیں بہر حال اس سوال کا جواب ملا اور اس سے خوشی ہوئی۔ اللہ اسے آباد رکھے اور کتاب وسنت کی تعلیمات اس سے عام ہوں۔

میرا بھیونڈی میں بارہا جانا ہوا۔ ان سے ملاقات ہوتی، بڑی مسرت کا اظہار فرماتے اور واقعہ یہ ہے کہ کہیں بھی ملاقات ہوتی حددرجہ خوش ہوتے۔ ۲۰۰۲ء میں ممبئی میں ایک ماہ سے زیادہ رہنا پڑا۔ بھیونڈی سے ملنے آئے اور اپنی مرتب کردہ نصابی کتابوں کا ایک پیکٹ ہدیے میں دیا اور گذارش کی اس پر ایک نظر ڈال لوں۔ ابھی ملاقات کی خوشی اور سرور چھایا ہی ہوا تھا کہ دوستوں کی نظر کرم کا شکار ہوگیا۔ ایک بجلی گری اور آن واحد میں آرزوؤں اور امیدوں کا نشیمن ہی تہ وبالا ہوگیا اور دور بہت دور چلا گیا۔ پھر ان کتابوں کو دیکھ نہ سکا اور ان کتابوں کی ہی بات کیا لکھنؤ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کا فارم بھرا گیا تھا اس تک کا پتہ نہ رہا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی نہ لے سکا۔

مولانا سے زیادہ تر ملاقات دہلی میں مرکزی جمعیت کی میٹنگوں میں ہوتی تھی۔ پہلی ملاقات شاید ایک شوریٰ میں ہوئی تھی۔ امیر جمعیۃ مولانا مختار احمد ندوی استعفا دے چکے تھے اور استعفا منظور ہو چکا تھا۔ امارت کی جگہ خالی تھی۔ میٹنگ اس لئے بلائی گئی تھی کہ تاکہ اس اہم منصب کی جو جگہ خالی تھی اسے پر کیا جائے۔ ایک صاحب کا نام بڑے اہتمام اور طویل اوصاف کے ساتھ لیا گیا تھا۔ اتفاق سے میں مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب اور مولانا امینی پچھلی قطار میں ساتھ بیٹھے ہوئے تھے نام سن کر ایک نے دوسرے کو دیکھا اور مسکرائے، اس مسکراہٹ کا مطلب تینوں نے سمجھ لیا اور ہوا وہی جو سمجھا گیا تھا۔

پھر بار بار اس اسٹیج پر ملاقات ہوئی اور ہر بار جمعیۃ کے سلسلے میں کامل ہم آہنگی کے ساتھ گفتگو ہوئی۔ ان کا درد ہمارا درد ایک تھا۔ جمعیۃ اور جماعت کے متعلق۔ لیکن کون اسے محسوس کرے۔ نہ احساس رہا نہ شعور ہے۔ بس ایک روٹین ہے گاڑی کھسک رہی ہے اور جنہیں ناحق کرسیاں ملتی رہیں وہ جمعیۃ کو ذاتی میراث سمجھتے ہیں اور تمام نالائقیوں کے باوجود سمجھتے ہیں کہ جمعیت ان کے دم سے قائم ہے۔ ایسے بے شرم چند ٹکوں کی خاطر کہیں بھی رکوع وسجود میں گر پڑتے ہیں مگر پھر بھی جمعیۃ کو اپنے آباء واجداد کی جائیداد سمجھتے ہیں۔ تنظیمی کانفرنس کے ایک سیشن کی صدارت کرتے ہوئے ایسے بے شرموں کو مولانا نے للکارا تھا اور ان کی وہ درد بھری آواز اب تک یاد ہے کہ جمعیۃ وجماعت کے افراد کس قدر اپنے مفادات کے پھیرے میں رہتے ہیں مگر کبھی کسی کے دکھ درد میں شریک نہیں ہوتے۔ چند سال

پہلے ان کو دلی عارضے کی شکایت ہوئی تھی لیکن ایک غریب مولوی کو کون لفٹ دینے لگا۔اس وقت ان کی کسی نے خبر گیری تک نہ کی جبکہ سالہا سال سے وہ جماعت سے وابستہ رہے اور جماعت کی خاطر انتھک کوشش کی اور بہت سے مواقع پر آواز حق بلند کی اور لوگوں کے ضمیر و ایمان کو للکارا اور جمعیت کو بہت سے بحرانوں سے باہر لانے میں بھرپور کام کیا۔

مولانا مجلس الدعوۃ الاسلامیہ دہلی کے احباب کی اس وقت سرپرستی کی جب وہ نئے نئے میدان میں آئے تھے اور ہر طرف ان کے خلاف جماعت وجمعیت کے آقاؤں نے شکوک وشبہات کی گرد اڑا رکھی تھی۔ہمیں بھی ان احباب سے دلی ہمدردی تھی ہم سے بعض فکری عرج کے شکار پوچھتے تھے کیوں ان کی مدد کرتے ہو؟ میرا جواب ہوتا تھا اس لئے کہ وہ مظلوم ہیں۔ہم تو باہر نکل گئے اور ساری ہندوستانی سرگرمیوں سے کٹ گئے لیکن مولانا امینی تاحین حیات اس کے سرپرست رہے اور سرپرستی کی ذمہ داری نبھاتے رہے۔

جب ہم اور عزیز عمر سلفی ان کے زیر بالیں کھڑے تھے اور دیدار کے لئے چہرہ کھولا گیا اس وقت زندگی کے واقعات ولمحات سامنے کھڑے تھے۔یادوں نے دل و دماغ میں ہلچل مچا رکھی۔عزیز عمر اپنے سرپرست سے محروم ہو چکے تھے۔ان کے دیرینہ تعلقات انہیں یاد آرہے تھے وہ بھبک اٹھے۔ڈھارس بندھائی گئی۔جم غفیر موجود، پورا محلہ بلاتفریق مسلک سوگوار تھا۔اور سارا کاروبار چھوڑ کر تجہیز وتکفین میں لگا ہوا تھا اور آخری دیدار کرنے اور کندھا دینے کے لئے بے تاب تھا۔اللہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پسماندگان کو صبر عطا کرے۔آمین۔

(نوائے اسلام دہلی نومبر ۲۰۰۹)



بھیونڈی جماعت اہل حدیث کا میرِ کارواں
مولانا عطاء اللہ خان امینی رحمہ اللہ

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

مشرقی یوپی اور شمالی ہندوستان کے علماء، داعیان اور افراد جماعت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ جس طرف بھی گئے اور جدھر بھی رہے بسے انہوں نے تجارت، صنعت اور مختلف پیشہ وری اور حصول رزق کے متعدد وسائل قدیمہ وجدیدہ کے ذریعہ جہاں اپنا گھر بسایا، پیسہ کمایا، اور دنیاوی ترقی پر گامزن رہے وہیں انہوں نے علم وعمل کے گلستان کی آبیاری کی، مسجدیں بنائیں، اسلامی ادارے قائم کئے اور اپنے علم اور دولت سے پوری جماعت کو فیض پہنچایا، انہیں معززین اور باوقار علمائے جماعت میں ایک نام مولانا عطاء اللہ خان امینیؒ کو حاصل ہے کہ شمالی ہندوستان کے مہراج گنج اور اس کے قرب وجوار کے خاندان اور اہل علاقہ کو چھوڑ کر جب ممبئی کا رخت سفر باندھا تو بھیونڈی میں مشیت الٰہی سے سکونت پذیری نصیب ہوئی، اور پھر علم وعمل کے ایسے جام لنڈھائے کہ وہ تاریخ اہل حدیث کا حصہ بن گئے، نوکری اور پیشہ تدریس سے وابستگی کے ساتھ ساتھ آپ نے نہ صرف یہ کہ بھیونڈی جماعت کی آبیاری کی بلکہ دعوت وتبلیغ، تدریس وتعلیم کے ساتھ ساتھ اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ اور طالبات کے لئے تعلیم قرآن، تعلیم عربی زبان کی خاطر سہل اور دل پسند اسلوب میں ایک مکمل اور جامع نصاب تیار کیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور جماعتی دردمندی اور تبلیغی مساعی کی وجہ سے کئی بار بھیونڈی جمعیت کے امیر بھی منتخب کئے گئے بھیونڈی بیت المال کا منظم جماعتی سسٹم آپ کی ہی مرہون منت ہے۔ ۳۵ سال کے طویل عرصہ پر مشتمل آپ کی خدمات وحیات کی ایک حسین اور لمبی داستان ہے جو علم وعمل اور جہد مسلسل، فکرمندی اور جماعتی ترقی کے لئے بیش قیمت قربانیوں سے عبارت ہے، اس لئے آپ کی حیات وخدمات کے مختلف گوشوں کی ایک مختصر جھلک ہدیہ قارئین کی جاری ہے امید کہ مفید وعبرت آموز ہوگا۔

نام ونسب:

مولانا عطاء اللہ امینی بن رسول محمد خان، آپ کے والد امام صاحب کے نام سے اپنے علاقے میں بے حد مشہور تھے چونکہ تاحیات اپنے گاؤں کی مسجد کی امامت کی ذمہ داری نبھائی اس لئے امام صاحب کے نام سے پکارے جانے لگے، اور یہی آپ کی پہچان بن گئی، انتہائی نیک وصالح اور متقی انسان تھے، ایسے صاف ستھرے اور متدین ماحول میں مولانا عطاء اللہ خان امینی پیدا ہوئے اور یہیں آپ کی تعلیم وتربیت اور پرورش وپرداخت ہوئی۔ امینی کی نسبت آپ کی تعلیمی فراغت کے اعتبار سے ہے۔ ہندوستان کی راجدھانی پرانی دہلی میں ایک قدیم ادارہ ہے جو مدرسہ امینیہ کے نام سے جانا جاتا ہے وہیں سے آپ فارغ التحصیل تھے اس لئے برصغیر کے علمی رواج کے اعتبار سے آپ نے امینی کی نسبت اپنے نام کے ساتھ لاحق کردی۔

تاریخ ومقام پیدائش:

گورکھپور سے قریب شمالی ہندوستان کے مشہور علاقہ مہراج گنج کے ایک گاؤں بشن پورہ میں آپ کی پیدائش ہوئی، اور یہی آپ کا آبائی مسکن بھی ہے آپ کی تاریخ ولادت تقریباً ۱۹۵۲ء کے آس پاس ہے یا کچھ اور پہلے کی ہوگی۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم:

(۱) ابتدائی مکتب کی تعلیم گاؤں کے مدرسہ میں ہوئی۔

(۲) فارسی اور عربی کی تعلیم آپ کے گاؤں سے چھ کلو میٹر دور موضع ململیا عرف سرسیا میں ہوئی جو معروف عالم دین مولانا عبداللہ فیضی کا گاؤں ہے۔

(۳) درس نظامی کے لئے جماعت کے مشہور تعلیمی ادارہ جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن گئے اور جماعت خامسہ تک کی تعلیم مکمل کی۔

(۴) مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مولانا عبدالواسع ریاضی کے ساتھ دہلی گئے جو اس وقت مدرسہ ریاض العلوم میں طالب تھے اور وہیں داخلہ لیا اور ایک سال تک حصول تعلیم میں لگے رہے۔

(۵) اس کے بعد اچانک وہاں سے دہلی کے پڑوس میں واقع ہاپوڑ شہر چلے گئے اور ایک عربی ادارہ میں سال بھر تعلیم پائی اور پھر دہلی واپس آگئے۔

(۶) دہلی واپسی کے بعد پرانی دہلی کے مشہور ومعروف عربی دارالعلوم مدرسہ امینیہ میں فراغت میں داخلہ لے لیا اور وہیں سے ۱۹۶۴ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

(۷) بعد میں بھیونڈی آنے کے بعد آپ نے دوران تدریس بی اے، ایم اے اور بی ایڈ کی ڈگری بھی امتیازی نمبرات حاصل کیں۔

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ کا تفصیلی ذکر تو نہ مل سکا مگر ہندوستان کے مشہور جامعات جامعہ عالیہ عربیہ اور ریاض العلوم دہلی جیسے ادارہ میں تعلیم حاصل کرنا ہی اس وقت کے بڑے اساطین اہل علم کی شاگردی کا شرف پانے کی ضمانت ہے۔(۱) شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی (۲) اور اسی طرح مدرسہ امینیہ میں مولانا میاں صاحب مصنف ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' کا ذکر خیر بہت ہی کیا کرتے تھے۔

خدمات اور کارنامے:

(۱) فراغت کے بعد ۱۹۶۴ء، ۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک ضلع دیوریا کے ایک مشہور گاؤں ''انودھی'' میں درس وتدریس اور امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے رہے اور یہیں آپ کی شادی بھی ہوئی۔(۲) انودھی کے کچھ لوگ بھیونڈی کاروبار کرتے تھے اور یہیں سکونت پذیر تھے، انہیں لوگوں کی دعوت پر ۱۹۷۱ء میں آپ بھیونڈی تشریف لائے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔(۳) ۱۹۷۵ء میں بھیونڈی کھاڑی پار کی ایک چھوٹی سی مسجد میں امامت وخطابت شروع کی۔(۴) ۱۹۷۵ء ہی میں رئیس ہائی اسکول میں دینیات کے ایک استاد کی حیثیت سے تقرری ہوئی اور تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ رئیس ہائی اسکول بھیونڈی شہر کا ایک قدیم اور

معتبر تعلیمی ادارہ ہے اور پورے علاقے میں اسے خاصی شہرت حاصل ہے۔ مولانا نے پیشہ تدریس کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنی ڈیوٹی انجام دینے کے ساتھ ساتھ بی۔اے، ایم اے اور بی ایڈ کی اعلیٰ ڈگریاں بھی حاصل کر ڈالیں۔ یہ مولانا کی صلاحیت اور ان کی لگن اور محنت کی ایک بڑی دلیل ہے۔ جو ہمیں علمائے اسلاف کی میدان علم میں قربانیوں اور ان کے حوصلوں کی یاد تازہ کرا دیتی ہے۔(۵) دس سالوں تک رئیس ہائی اسکول سے منسلک رہے اور اس کے بعد ایک ماہر عربی ٹیچر اور معلم کی حیثیت سے ۱۹۸۵ء میں رفیع الدین فقیہ گرلس ہائی اسکول میں گورنمنٹ کی نوکری پانے میں کامیاب ہوگئے اور تادم آخری اسی تعلیمی ادارہ سے بحیثیت معلم ایک قابل قدر اور بااصول منتظم و معلم وابستہ رہے۔ آپ کے تلامذہ اور طالبات کی تعداد بے شمار ہے اللہ تعالیٰ تمام کو آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

بھیونڈی بیت المال کا قیام اور اس کا ایک مضبوط سسٹم آپ ہی کی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔

تالیفات اور علمی خدمات:

مولانا عطاء اللہ امینی عوام الناس کی دینی رہنمائی کے لئے احکام شریعت نماز، روزہ اور دیگر کئی چیزوں پر چھوٹے چھوٹے رسالے ترتیب دے کر شائع کیا کرتے تھے۔ بالخصوص اسکول کے طلباء و طالبات کے لئے عام فہم زبان میں دینی نصاب کی ترتیب آپ کا سب سے عظیم عمل ہے ذیل میں آپ کی تصنیفات کی فہرست حوالہ قرطاس ہے تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ امینی صاحب کس قدر بلند و بالا علمی و اکیڈمی سوچ کے حامل تھے۔

(۱) ناظرہ قرآن یعنی قرآن مجید پڑھنے اور تلاوت کرنے اور سیکھنے کے لئے ایک سلسلہ نصاب ''الالف والباء'' برائے ناظرہ قرآن تیار کیا تھا جو پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ روضۃ الاطفال (کے جی کے لئے) دوسرا حصہ روضہ الاطفال (سینئر کے جی کے لئے) تیسرا حصہ الصّف الاول ابتدائی کے لئے چوتھا حصہ الصّف الثانی الابتدائی کے لئے اور پانچواں حصہ الصّف الثالث الابتدائی کیلئے مقرر نصاب تھا۔

(۲) اسلامی تعلیمات پر مشتمل ایک نصابی رسالہ ''المبتدا'' کے نام سے چوتھی کلاس سے لے کر دسویں کلاس تک کے لئے مرتب کیا تھا جو عقائد، عبادات، سیرت اور عربی زبان کے بعض اسباق پر مشتمل ہے۔

(۳) عربی زبان دانی اور اس کی تعلیم کے لئے ایک نصابی سلسلہ ''مصباح العربیۃ'' کے نام سے درجہ چہارم سے دسویں کلاس تک لکھنا شروع کیا تھا۔ دو حصے الجزء الاول والثانی مطبوع ہیں باقی کا علم نہیں ہوسکا۔ مسودہ تیار تھا طبع نہ ہوسکا یا کہ کتاب ہی تیار نہ کر پائے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) سیرت نبویہ کی تعلیم و تفہیم کے لئے ۱۵۷/ اسباق پر مشتمل ایک ضخیم کتاب اسکولی نصاب کے لئے ''الصادق الامین'' تیار کی تھی جو اسکولوں میں رائج ہے۔

(۵) مسنون نماز (ہندی) (۶) کتاب الصوم (فقہ السنہ سے اردو ترجمہ)

(۷) زکوٰۃ قرآن کے آئینہ میں (۸) رمضان کے فضائل ومسائل

(۹) ماہ ربیع الاول اور حب رسول کے تقاضے (۱۰) ماہ شعبان حدیث کے آئینہ میں

(۱۱) رہزن دین وایمان (مولانا شمیم احمد سلفی قطر کی کتاب تعویذ وگنڈہ اور ڈاکٹر مسعود کی کتاب سے مستفاد ہے، تعویذ وگنڈوں اور سفلی علوم جیسے شرکیہ عقائد کا بہترین رد ہے۔)

اہم عہدے اور مناصب:

(۱) آفس سکریٹری مقامی دفتر جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی، بھیونڈی جمعیت کے لئے جب مولانا عبدالصمد کلتی اور مولانا مختار احمد ندوی کے توسط سے دفتر کا قیام عمل میں آیا اور اس کا شاندار افتتاح ہوا تو آپ کو اس کا سب سے پہلا سکریٹری مقرر کیا گیا۔

(۲) تین بار بھیونڈی جمعیت اہل حدیث کے امیر منتخب ہوئے اور بہترین کارکردگی سے جماعت کو بام عروج تک پہنچایا، ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۸ء تک اور اس کے بعد کے ادوار میں آپ نے امارت کی ذمہ داری انجام دیں۔

(۳) کئی بار جمعیت اہل حدیث ہند دہلی کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔

(۴) ۱۹۹۰ء میں جب مولانا مختار احمد ندویؒ کل ہند امیر منتخب ہوئے تو نائب نظماء میں مولانا عبدالباری کلکتہ، ڈاکٹر سید عبدالحلیم دربھنگہ کے علاوہ آپ کو بھی مولانا نے نائب ناظم کے طور پر منتخب کیا تھا۔

(۵) جماعت کے مشہور ماہنامہ نوائے اسلام دہلی کے تاحیات سرپرست رہے۔ اور ہمیشہ اس کی ترقی وتعاون کے لئے کوشاں رہے۔

(۶) ۳۵ سال تک مستقل امامت وخطابت کا فریضہ بھی بھیونڈی کھاڑی پار کی مسجد رسول آباد میں انجام دیتے رہے۔

سعادت زیارت حرمین: ۲۰۰۶ء میں ہندوستانی سفارت خانے کی طرف سے فریضہ حج پر جانے کی آپ کو سعادت ملی۔

بیماری اور وفات: مولانا کی جسمانی صحت فٹ تھی، کوئی خاص بیماری آپ کو لاحق نہ تھی۔ مگر قضاء الٰہی سے کسے چھٹکارا ہے، ۲/اکتوبر کو حسب معمول جمعہ کا خطبہ دیا، دوران خطبہ ہچکیاں آنے لگیں جس کی وجہ سے چند منٹ قبل از وقت ہی خطبہ بند کر دیا، شام تک ایسے ہی معاملہ رہا مگر کوئی تشویشناک صورت حال سمجھ میں نہ آئی رات میں اچانک بے چینی بڑھ گئی، ۴/بجے رات میں غسل کیا اور پھر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے مگر نیند نہ آئی فجر کا وقت ہو گیا، تیمم کر کے گھر پر نماز پڑھی جیسے ہی قبلہ رو ہو کر بیٹھے اچانک منہ سے خون آنا شروع ہو گیا اور لڑھک گئے اور ڈاکٹروں کے آنے سے پہلے روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی۔ ۳/اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز ہفتہ صبح کی مبارک ساعت تھی۔ ظہر کی نماز کے بعد بھیونڈی میں تدفین عمل میں آئی۔ **اللھم اغفرلہ وارحمہ واسکنہ الفردوس الاعلیٰ۔**

پسماندگان: پسماندگان میں ایک بیوہ، تین بچے، (ایک لڑکا، دو لڑکیاں) اور بھائیوں میں دو چھوٹے اور ایک بڑے بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ اللہ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت کرے۔ آمین۔

(ملخص از نوائے اسلام دہلی۔ نومبر ۲۰۰۹ وذاتی معلومات)

❑❑❑

مختصر سوانح حیات: شیخ عبدالمتین بن عبدالرحمن السّلفی رحمہ اللہ

مطیع الرحمن بن عبدالمتین السّلفی

نام : عبدالمتین

نسب نامہ : عبدالمتین بن عبدالرحمن بن کلیم الدین بن حفیظ اللہ۔

کنیت : ابومطیع الرحمن

لقب : السّلفی

تاریخ پیدائش : یکم جنوری ۱۹۵۴ء

جائے پیدائش : موضع: بالا پتھر، ضلع: مالدہ، مغربی بنگال

ابتدائی تعلیم : آپ نے ایک تعلیمی ماحول میں آنکھیں کھولیں۔آپ کے والد محترم مدرسہ نورالقمر کانتیر پا مغربی بنگالی میں صدر مدرس تھے۔انہیں کے زیرسایہ آپ کی تعلیم وتربیت ہوئی۔

مولوی کی سند : مشہور ومعروف سرکاری تعلیمی ادارہ سینئر جامعہ مظہرالعلوم بٹنہ، ضلع مالدہ سے مولوی کی سند اور ۱۹۷۲ء میں جامعہ سلفیہ بنارس میں داخلہ لیا اور سند فضیلت حاصل کی اور مشاہیر علماء سے کسب فیض حاصل کیا۔

مدینہ منورہ میں آپ کی تعلیم: جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اپنے یوم تاسیس ہی سے عالم اسلام کے لئے دل کی حیثیت رکھتا ہے اور کون ہے جو وہاں کی آرزو نہیں کرتا، اس سلسلہ میں بھی فضیلۃ الشیخ جناب محمد عطاء الرحمن المدنی حفظہ اللہ کی کوششوں کا بہت بڑا دخل ہے، انہوں نے جامعہ کے وائس چانسلر علامہ ابن بازؒ کے پاس ان کے داخلے کے لئے شفارس نامہ ارسال کیا تھا جس سے آپ کے داخلہ میں بڑی آسانی پیدا ہوگئی، آپ نے جامعہ اسلامیہ کے شعبۂ شریعہ سے ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں فراغت حاصل کی۔اس طرح سے اللہ نے آپ کو علماء عجم کے علاوہ علمائے عرب سے بھی علمی تشنگی بجھانے کا بھرپور موقع دیا۔فللہ الحمد۔۔۔۔۔

ایم اے : ایم اے کی ڈگری آپ نے ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے حاصل کی۔

ہندوستان میں آپ کی تعلیمی اور دعوتی سرگرمیاں:

۱۹۷۱ء میں آپ نے جامعہ مظہرالعلوم بٹنہ، شمسی، مالدہ، مغربی بنگال سے ممتاز المحدثین کی سند حاصل کرنے کے بعد مدرسہ فیض العلوم بڑاسوہار، کرن دیگھی، اتر دیناج پور، مغربی بنگال میں درس وتدریس کا کام شروع کیا تھا۔عجیب حسن اتفاق تھا کہ ان دنوں میں آپ

کے مربی واستاذ خود آپ کے والد ماجد بھی اسی مدرسہ میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔یعنی آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بھی اپنے مشفق باپ کی نگرانی میں شروع کیا جیسا کہ تعلیمی سفر کا آغاز بھی انہیں کی نگرانی میں ہوا تھا۔ ۱۹۷۲ء تک آپ نے وہاں تدریسی خدمات انجام دیئے پھر جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس تشریف لے گئے۔

جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد جب آپ وطن مالوف واپس آئے تو مدرسہ فیض العلوم بڑاسوہار منتقل ہوکر راحٹ پور، اتردیناج پور آچکا تھا بنابریں آپ پھر اسی مدرسہ میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔مگر یہ وقفہ بھی زیادہ طویل نہیں ہوسکا بایں طور پر اسی سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے منظوری آنے کے بعد آپ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

معہد العلوم الاسلامیہ:

رمضان ۱۴۰۸ھ موافق ۱۹۸۸ء میں ہندوستان کی ممتاز علمی شخصیت جناب شیخ محمد عطاء الرحمن مدنی (جو آپ کے خسر محترم بھی ہیں)اور آپ کے والد محترم جناب شیخ عبدالرحمن مظہری صاحبان نے مل کر علاقہ کے بڑے بڑے علماء ودانشوروں اور نمائندگان کے تعاون سے کشن گنج شہر کے جنوب میں سلفی منہج تعلیم کے لئے ایک ادارہ قائم کیا اور اس کا نام معہد العلوم الاسلامیہ رکھا۔

ایک سال کے بعد ۱۹۸۹ء میں جب شیخ سلفیؒ ہندوستان تشریف لائے تو بانی مدرسہ جناب شیخ محمد عطاء الرحمن مدنی اور آپ کے والد ماجد جناب شیخ عبدالرحمن مظہری صاحبان نے معاونین کے اتفاق رائے سے معہد کی پوری ذمہ داری آپ کو سونپ دی اور آپ نے اپنی آمد کے روز اول سے اس ادارہ کو اپنی اولاد کی طرح دل میں جگہ دی۔ایک اولاد کی طرح اس کو پروان چڑھائے۔اس کی نوک و پلک کو درست کئے اور اس کو بام عروج تک پہنچانے کیلئے ہر ممکن کوشش کرڈالی۔ ۱۹۹۵ء تک چار گھنٹیاں مستقل طور پر آپ پڑھاتے رہے۔

توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ:

توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ دراصل شمال مشرق ہندوستان کی ترقی، تعلیمی بیداری اور مسلمانوں کی اقتصادی بلندی کا دوسرا نام ہے۔ ۱۹۹۰ء میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور آپ اس کے صدر منتخب کئے گئے اور آخری وقت تک اس عہدے پر فائز رہے۔اس کے قیام عمل کے بعد معہد العلوم الاسلامیہ کو اس کے تابع کردیا گیا۔آپ کی دن رات کی محنت، ایثار وقربانی، مسلسل جدوجہد اور عمل پیہم نے اس ادارہ کو بام عروج تک پہنچادیا۔ آپ کے جذبہ صادق اور اللہ کی مدد نے نے اس ٹرسٹ کو اتنی کم مدت میں اتنی ترقی عطا کی کہ یہ ٹرسٹ اس علاقہ کا یک مثالی ٹرسٹ بن گیا اور چند ہی سالوں میں اس کا دائرہ کار صرف سیمانچل ہی نہیں بلکہ مشرقی بہار، مغربی بنگال، آسام اور جھارکھنڈ تک وسیع ہوگیا۔سینکڑوں مساجد، بے شمار اسکول، مدارس، مکاتب، اور یتیم خانوں کے ذریعہ ملک وقوم کی تعمیر وترقی میں حصہ لیا گیا، ہزاروں ٹیوب ویل، سیلاب زدہ علاقہ میں طرح طرح کی امداد، جاڑے میں غریبوں کے لئے گرم ملبوسات کے ذریعہ اس ٹرسٹ نے جس طرح کی رفاہی وفلاحی خدمات انجام دی ہیں

اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔آج اس ٹرسٹ کے چلنے والے صرف تعلیمی اداروں کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے، تاہم درج ذیل تین ادارے شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جامعۃ الامام البخاری:

شیخ کی کاوشوں سے معہد العلوم الاسلامیہ بفضلہ تعالی اس بلندی کو چھونے لگا جہاں اس کو معہد سے جامعہ کی شکل دینا ضروری ہوگیا، چنانچہ ۱۹۹۴ء میں شیخ نے اس کا نام امام بخاری کی طرف منسوب کرتے ہوئے جامعۃ الامام البخاری رکھ دیا اور جامعہ کی وسیع وعریض مسجد میں دوران پروگرام اس کا اعلان کیا نیز یہ بھی فرمایا کہ یہاں کے فارغین کو بخاری کا لقب دیا جائے گا۔

جامعۃ الامام البخاری آپ کی کوششوں سے شمال مشرقی ہندوستان کے افق پر نیر تاباں بن کر ابھرا اور طلبہ کے لئے باعث کشش بن گیا دور دراز علاقوں سے وہ کشاں کشاں آنے لگے، آپ نے اس کے لئے اچھے سے اچھے اساتذہ اور جید علماء کرام کا انتخاب کیا عمدہ نظم ونسق کے ساتھ ساتھ معیار تعلیم کو بھی بلند کیا، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے معادلہ کے بعد جامعہ میں اور چار چاند لگ گیا۔آج اس کا نام نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ملک بھی روشن ہے، یہاں کے فارغین جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے علاوہ جامعہ ملیہ اور جے این یو دہلی وغیرہ میں بھی زیر تعلیم ہیں۔اور سینکڑوں فارغین مختلف علاقے میں علم وحکمت کی آبیاری کر رہے ہیں۔

آپ نے عرب اور ہندوستان کے بڑے بڑے علماء کرام کے دورے کرائے اور دوبار جامعہ اسلامیہ کے دورۂ تدریبیہ کرانے میں کامیاب ہوئے یقیناً یہ کوئی آسان کام نہیں تھا، اس سے جامعۃ الامام البخاری کو جواعزاز ملا وہ واقعی قابل فخر ہے۔

جامعہ عائشۃ الاسلامیہ:

آپ نے ۱۹۹۳ء میں توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ کے ماتحت جامعہ عائشۃ الاسلامیہ برائے بنات کی بنیاد رکھی اور پہلی بار سیمانچل کے اندر تعلیم نسواں کا قیام عمل میں آیا۔اس کے ذریعہ قوم کی ہزاروں بیٹیاں اس سے بہرہ ور ہوسکیں، اور آج تک اس کا فیض جاری ہے۔یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ آپ اس سلسلے کے مؤسس بانی ہیں سیمانچل کی تاریخ میں ازیں قبل اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔

آئی ٹی آئی کا قیام:

آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ قوم وملت کی ترقی ملک کی تعمیر اور بیروزگاری کے حل کے لئے ٹیکنیکل تعلیم کے حصول کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔لہٰذا آپ نے توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ کے ماتحت آئی ٹی آئی کالج کی بنیاد رکھ کر بالعموم پورے سیمانچل اور بالخصوص کشن گنج پر ایک بہت بڑا احسان کیا۔آج قوم کے ہزاروں بچے اس سے مستفید ہوکر ملک اور بیرون ملک میں برسر روزگار ہیں اور ملک کی تعمیر وترقی میں حصہ لے رہے ہیں۔اس میں تعلیم پانے والے طلبہ بہار، مغربی بنگال، جھارکھنڈ، آسام اور منی پورہ سے تعلق رکھتے ہیں، یقیناً یہ تینوں ادارے غیر

معمولی حیثیت کے حامل ہیں تاریخ ان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی ہے۔

آپ کے سیاسی روابط:

میدان سیاست سے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں تھی، اگر آپ چاہتے تو کسی بھی سطح کا انتخاب بآسانی لڑ سکتے تھے، جس کی کئی بار آپ کو پیش کش بھی کی گئی، آپ نے اس جانب کبھی توجہ نہیں دی، تاہم یہ عجیب اتفاق تھا کہ سیاسی رہنماؤں سے آپ کے تعلقات ہمیشہ بہت زیادہ گہرے رہے، بلکہ اس سلسلہ میں ہندوستان گیر پیمانے پر علماء کرام کی صف میں آپ کی شخصیت سب سے زیادہ نمایاں، منفرد اور ممتاز رہی۔ آپ نے جب اور جس کو بھی دعوت دی اس نے لبیک کہا۔ ان حضرات کی فہرست بہت طویل ہے جن میں سے چند اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) عالی جناب غلام سرور صاحبؒ (اسپیکر اسمبلی بہار) آئی ٹی آئی اور جامعہ عائشہ للبنات کا سنگ بنیاد آپ ہی کے ہاتھ سے رکھا گیا۔

(۲) عالی جناب اخلاق الرحمن قدوائی صاحب (سابق گورنر بہار) عالی جناب اخلاق الرحمن قدوائی صاحب سے آپ کے تعلقات اس قدر پختہ اور وسیع تھے کہ بذات خود یہ موضوع غیر معمولی صفحات کا محتاج ہے۔ موصوف دامے درمے سخنے قدمے ہر طرح اور ہر موڑ پر آپ کا ساتھ دیتے رہے۔

(۳) عالی جناب لالو پرساد یادو صاحب (سابق وزیر اعلیٰ بہار و سابق مرکزی وزیر ریل) جناب یادو جی نے جب کشن گنج کا دورہ کیا تو اس موقع پر انہوں نے حفاظتی دستہ کو یہ حکم دیا کہ شیخ عبدالمتین سلفی صاحب کے علاوہ کسی کو بھی مالا پہنانے یا پھول پیش کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یادو صاحب کو آپ نے جب جب دعوت دی بخوشی تشریف لائے، اور ہمیشہ آپ کے کارنامے اور خدمات کو سراہتے رہے اور ہر طرح کے تعاون کا اعلان کیا۔ یہاں تک کہ جامعہ کے روبرو ریل گاڑی رکنے کا حکم صادر کیا، اور اس کی تنفیذ بھی ہو چکی ہے۔

(۴) عالی جناب تسلیم الدین صاحب (سابق وزیر داخلہ) روز اول ہی سے موصوف سے آپ کے مراسم بہت اچھے رہے موصوف ہر موڑ پر آپ کے ساتھ اور مدرسہ کے لئے عظیم قربانیاں دیتے رہے ایک موقع پر آپ نے کہا کہ عبدالمتین سلفی کے خلاف اٹھائے گئے ہر فتنہ کا ہم سر قلم کر دیں گے۔

(۵) عالی جناب مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی (ممبر پارلیمینٹ دہلی) آپ دونوں کے تعلقات ہمیشہ بہت اچھے رہے اور ایک دوسرے کو اپنے اپنے پروگراموں میں بلاتے رہے۔ اور دونوں کا مشن ہی علاقہ میں تعلیمی بیداری لانا تھا۔

(۶) عالی جناب پریہ رنجن داس منشی (سابق وزیر) ایک موقع پر آپ نے کہا کہ اگر آپ آسمان سے ستارے توڑنے کا بھی حکم دیں گے تو میں ضرور تیار ہو جاؤں گا چونکہ آپ سے مجھے ہمت ملتی ہے۔

(۷) عالی جناب منصور عالم صاحب (سابق وزیر اطلاعات ونشریات حکومت بہار) آپ سے تو ان کے تعلقات گھریلو جیسے تھے

اور وقتاً فوقتاً آپس میں زیارتیں اور ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔

(۸) عالی جناب سکونی چودھری صاحب (سابق وزیر صحت حکومت بہار) آپ نے شیخ مرحوم کی دعوت پر توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ اور جامعہ کا معائنہ کیا اور وہاں توحید چیریٹیبل ڈسپنسری کی بنیاد رکھی۔ اور شیخ صاحب کی طلب پر ایک ایمبولینس عنایت کی۔

موجودہ حکومت بہار کے سیاسی رہنماؤں سے آپ کے روابط:

(۱) عالی جناب نتیش کمار صاحب (وزیر اعلیٰ بہار) ۲۰۰۸ء میں موصوف شیخ کی دعوت پر جامعہ میں قدم رکھا اور آپ کی گراں بہا خدمات کو بے حد سراہا، شیخ نے موقع کا بھر پور فائدہ اٹھاتے ہوئے جامعہ کو یونیورسٹی کی شکل دینے کی درخواست کی۔ آپ کو بی ایڈ کالج کی اجازت مل گئی، جس کا قانونی عمل جاری ہے۔ نیز اقلیتی گرلس ہاسٹل کے لئے دو کروڑ چونتیس لاکھ روپئے کا پروجیکٹ منظور کیا، جو زیر تعمیر ہے۔

(۲) ڈاکٹر دلیپ کمار جیسوال صاحب (ایم ایل سی و ڈائریکٹر ایم جی ایم میڈیکل کالج کشن گنج) آپ نے مدرسہ کے اندر ایک پختہ سڑک بنوائی اور ہمیشہ شیخ کا دفاع کرتے رہے۔

(۳) عالی جناب اختر الایمان صاحب (ایم، ایل، اے کشن گنج) موصوف نے ہمیشہ آپ کو اپنے سرپرست کا درجہ دیا اور آپ بھی ہمیشہ ان سے فراخ دلی سے ملتے رہے۔ ان کے علاوہ عالی جناب شری کمار مکھرجی صاحب مغربی بنگال، عالی جناب حفیظ عالم شیرانی صاحب کلکتہ، عالی جناب کلیم الدین شمس صاحب اسپیکر مغربی بنگال، عالی جناب مشتاق عالم صاحب کولکاتا، عالی جناب شاہجہان بسواس صاحب کولکاتا سے بھی شیخ کے بہت اچھے اور گہرے تعلقات تھے۔

اسفار:

دعوتی امور میں آپ نے ملک اور بیرون ملک کے بے شمار اسفار کئے جن میں سے چند ممالک درج ذیل ہیں۔ امریکہ، یوروپ، چین، مصر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت، قطر، بحرین، بنگلہ دیش، نیپال، بھوٹان، سری لنکا، مالدیپ وغیرہ۔

وفات: ۲۹ رمحرم ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۶ جنوری ۲۰۱۰ء بروز سنیچر بوقت ۱۱ بج کر ۴۵ منٹ (پونے بارہ بجے) دو پہر۔

علمی خدمات:

آپ کی تالیف اور ترجمے کی تعداد تقریباً سترہ تک پہونچتی ہے۔ تالیفات مثلاً التوحید جواہر الاسلام (عربی) روزے کے احکام واہمیت (بنگلہ) کلمتان (بنگلہ) وغیرہ۔ ترجمے: مثلا کشف الشبہات (بنگلہ) اصول الثلاثہ (بنگلہ) الصیام (بنگلہ) دلیل الحج والعمرہ (بنگلہ) ماہنامہ پیام توحید (اردو و بنگلہ) کے موسس اور مدیر مسئول تھے۔

(ماہنامہ نوائے اسلام دہلی فروری ۲۰۱۰ء)

❑❑❑

ڈاکٹر جاوید اعظم بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

(ولادت: ۱۳۶۹ھ۔ ۱۹۵۰ء وفات: ۱۴۳۳ھ۔ ۲۰۱۱ء)

مولانا محمد یونس مدنی

نسب نامہ: ڈاکٹر جاوید اعظم بن عبدالعظیم بن عبدالحق بن حافظ عبدالرحمن بن حافظ عبدالرحیم بن اللہ بخش بن نذر محمد بن پیر محمد عرف فرنگی۔

آپ محلہ مدن پورہ شہر بنارس میں ۶ ر رجب ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۵ ر اپریل ۱۹۵۰ء بروز منگل پیدا ہوئے، آپ کا گھرانہ دین داری، تمول اور سخاوت وفیاضی میں اپنی مثال آپ تھا، آپ کے پردادا حاجی عبدالرحیم (م ۱۹۳۵ء) نہایت متقی، پرہیزگار اور غریب پرور انسان تھے۔ توکل، بے نیازی اور سادگی ان کی فطرت تھی، بنارس کے بڑے تاجروں میں ان کا شمار ہوتا تھا، اپنی صاف گوئی، راست بازی، خوش معاملگی کی بناء پر وہ ''التاجر الصدوق'' کے صحیح مصداق تھے۔ ایسے دین دار گھرانے میں ڈاکٹر جاوید اعظم بنارسیؒ نے آنکھ کھولی اور نشو ونما پائی۔

تعلیم وتربیت: ڈاکٹر صاحب موصوف نے ابتدائی اور عربی کی جماعت رابعہ تک کی تعلیم بنارس کے مشہور ادارہ جامعہ رحمانیہ مدنپورہ میں حاصل کی۔ پرائمری درجات میں ماسٹر عبدالحمید صاحب جونپوری، قاری احمد سعید صاحب بنارسی اور مولانا ابوالخیر صاحب فاروقی آپ کے اہم اساتذہ میں تھے، مولوی رابع تک کی تعلیم مولانا عزیز احمد صاحب ندوی، مولانا عبدالسلام رحمانیؒ مولانا قرۃ العین صاحب سے حاصل کی۔

موصوف جس سال جماعت رابعہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اسی سال جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کا افتتاح ہوا۔ (مولوی) سے اوپر کی جماعت (عالمیت، فضیلت) جامعہ سلفیہ منتقل ہوگئی، چنانچہ عالمیت اور فضیلت کی تعلیم جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں ہوئی۔

فراغت کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ گئے اور کلیہ الدعوۃ واصول الدین میں داخلہ لیا اور ویزا کے سلسلے میں آپ کو اردن کا سفر بھی کرنا پڑا۔

۱۳۹۷ھ میں آپ نے کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سے ''لیسانس'' کی ڈگری حاصل کی ''لیسانس'' کی سند حاصل کرنے کے بعد دراسات علیا کی تعلیم مکۃ المکرمہ میں ہوئی، ماجستر (ایم اے) میں رسالہ کا موضوع تھا: دراسۃ وتحقیق "المقنع فی علوم الحدیث لابن الملقن"

ڈاکٹر صاحب کو اپنے ماجستر کے رسالہ "المقنع" کے لئے مصر کا سفر کرنا پڑا، اس سفر کے دوران وہاں کے علمی اداروں، مکتبات اور اہم شخصیات سے ملنے کا موقع ملا۔

دکتوراہ (پی ایچ ڈی) کے رسالہ کا موضوع تھا: دراسۃ وتحقیق "الجزء الثامن من کتاب الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان"۔

جامعہ ام القری مکۃ المکرمہ سے ماجستر (ایم اے) اور دکتوراہ (پی ایچ ڈی) کی اعلیٰ سند حاصل کیں، بنارس میں اسلامیات میں ام القریٰ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کرنے والے آپ دوسرے شخص تھے۔

تاریخ اور مقام فراغت:

(۱)	عالمیت	۱۳۹۰ھ	جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس
(۲)	فضیلت	۱۳۹۲ھ	جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس
(۳)	لیسانس	۱۳۹۷ھ	جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
(۴)	ماجستر	۱۴۰۳ھ	جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرمہ
(۵)	دکتوراہ	۱۴۱۳ھ	جامعہ ام القریٰ مکۃ المکرمہ سعودی عرب

سند اجازہ: شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ الرحمانیؒ (م ۱۴۱۴ھ) نے ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب کو اجازت حدیث کی جو سند عطا کی اس کے الفاظ یہ ہیں:

"ان الأخ الشیخ جاوید اعظم بن عبدالعظیم من أھالی مدنفورہ، بنارس الھند، طلب منی الاجازۃ بروایۃ الحدیث ووصل سندہ بسند أئمۃ الحدیث من أصحاب الصحاح وغیرھم، وقد أسعفتہ بمطلوبہ، تحقیقا لظنہ ومرغوبہ وان کنت لست أھلا لذالك، ولکن تشبھا بالأئمۃ الأعلام السابقین الکرام، فأقول باللہ التوفیق: انی قد أجزت الأخ الشیخ جاوید أعظم بن عبدالعظیم المذکور أن یروی عنی جمیع ما تصح لی روایۃ من کتب الصاح الستۃ وغیرھا من الکتب المؤلفۃ فی الحدیث وأصولہ وأجزتہ أیضا أن یروی عنی مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح .....الخ۔ ۲۸؍صفر ۱۴۱۱ھ۔ ۱۹ نومبر ۱۹۹۰ء۔

عبیداللہ الرحمانی المبارکپوری کی اس سند اجازہ سے ڈاکٹر صاحب موصوف رحمہ اللہ کو شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ الرحمانی رحمہ اللہ سے نہ صرف یہ کہ شرف تلمذ حاصل ہوا بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو بزرگ علماء کرام سے کتنی محبت اور لگاؤ تھا اور علوم دینیہ سے کس قدر دلچسپی تھی۔

ہندوستان کے مشہور اساتذہ کرام: ہندوستان کے مشہور اساتذہ کرام: (۱) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانیؒ (م ۱۹۷۸ء) (۲) مولانا شمس الحق سلفیؒ (م ۱۹۸۶ء) (۳) مولانا عبدالمعید بنارسیؒ (م ۱۹۸۰ء) (۴) مولانا عبدالوحید رحمانیؒ (م ۱۹۹۷ء) (۵) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ (م ۲۰۰۹ء) (۶) مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ (م ۲۰۰۹ء) (۷) مولانا عبدالحمید رحمانیؒ (م ۲۰۱۳ء) (۸) مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ (۲۰۰۹ء)۔

عرب اساتذہ: (۱) شیخ حماد الانصاری (۲) شیخ صالح العراقی (۳) شیخ عبداللہ الغنیمان (۴) ڈاکٹر ربیع ہادی المدخلی (۵) شیخ علی مشرف العمری (۶) شیخ رمضان ابوالعز (۷) ڈاکٹر عبدالعظیم الشناوی (۸) شیخ محمود عبدالوہاب فائد (۹) شیخ محمد محمد ابوفرحہ (۱۰) شیخ حسن مقبول (۱۱) شیخ یوسف النجار (۱۲) شیخ عبدالعزیز الجہنسی (۱۳) شیخ عبدالکریم المراد (۱۴) شیخ صالح المحیسن (۱۵) شیخ محمد المجذوب (۱۶) ڈاکٹر احمد محمود الاحمدی (۱۷) ڈاکٹر محمد ابوزہو (۱۸) ڈاکٹر مصطفی امین الشازی (۱۹) ڈاکٹر احمد نور سیف (۲۰) شیخ سید احمد (۲۱) ڈاکٹر عبدالمہدی عبدالقادر عبدالہادی۔

فراغت کے بعد مشغلہ: ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب متمول گھرانے کے فرد تھے اور خود بھی مالدار تھے، اگر چاہتے تو کاروبار سے لگ جاتے لیکن فراغت کے بعد موصوف نے درس وتدریس کو پسند فرمایا، طلبہ، اساتذہ اور علماء سے اپنا ربط برقرار رکھا اور زندگی کے آخر تک یہ سلسلہ جاری رکھا۔

دکتوراہ (پی ایچ ڈی) کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سعودی عرب کے شہر دمام میں کلیۃ الادب للبنات، جامعۃ الملک فیصل بن عبدالعزیز میں تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے، آپ نے صحاح ستہ کے منتخبات پڑھائے، تدریس کا یہ سلسلہ ۱۴۱۱ھ سے لے کر ۱۴۳۰ھ تک برقرار رہا۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں لگ بھگ ایک سال تک تدریس کا فریضہ انجام دیا اور موطا امام مالک جیسی حدیث کی اہم کتاب اپنے درس میں رکھی۔

جامعہ سے آپ کا گہرا لگاؤ: جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس سے آپ کو بڑی محبت، گہرا لگاؤ اور تعلق تھا، آپ جامعہ کی ترقی اور تعلیمی معیار کو بلند کرنے اور بہتر بنانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، آپ نے مملکت سعودی عرب میں چھتیس سال کی زندگی میں جامعہ کا تعارف کرانے میں اہم رول ادا کیا، آپ کی گراں قدر خدمات کو ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

جامعہ کی مادی تعاون کے ساتھ ساتھ معنوی تعاون کا بھی آپ نے خیال رکھا، علماء مشائخ سے بہتر سے بہتر تعلقات بنائے رکھا، جامعہ کی سنٹرل لائبریری کو آپ نے بیش از بیش قیمتی، معیاری اور مراجع کی کتابوں سے مالا مال کیا جو آپ کا ایک عظیم اور تاریخی کارنامہ ہے۔

اکتوبر ۲۰۱۰ء میں جامعہ کی مجلس نے آپ کو جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم بنارس) کا صدر منتخب کیا۔ جنتا سیوا اسپتال کے ذمہ داروں نے بھی آپ کو مئی ۲۰۱۱ء میں باتفاق رائے اسپتال کا صدر منتخب کیا۔

دعوت وتبلیغ اور خطابت: ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی دعوت وتبلیغ اور خطابت کا بھی شوق تھا، آپ مستقل کسی مسجد کے خطیب تو نہیں تھے، لیکن گاہے بگاہے خطبۂ جمعہ دیا کرتے تھے، میں نے آپ کا سب سے پہلا خطبۂ جمعہ زمانہ طالب علمی میں حافظ ظہور کی مسجد میں سنا، ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے موضوع پر اچھے انداز میں خطاب فرما رہے تھے، مسجد اہل حدیث اللہ پورہ میں بھی آپ نے خطبۂ جمعہ دیا، ادھر چند ماہ پہلے میرے ساتھ بھدوہی کے ایک سفر میں تشریف لے گئے تھے وہاں بھی آپ نے خطبہ جمعہ دیا۔ آپ کو شوق ضرور تھا لیکن جسمانی مجبوری کی وجہ سے بہت کم خطبہ دیا کرتے تھے۔ عیدگاہ فاطمان روڈ للہ پورہ، بنارس میں غالباً ۱۹۷۸ء میں جب جماعت اہل حدیث کا عمل دخل ہوا تو اس کے سب سے پہلے امام عیدین آپ ہی تھے، آپ کے

بعد جناب مولانا عبدالقدوس رحمہ اللہ نے امامت کا فریضہ انجام دیا۔ بعدہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ امام عیدین ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بعد ۱۹۸۴ء سے خاکسار کو امام عیدین مقرر کیا گیا۔ ۲۹ رمئی ۲۰۱۱ء کو سعیدیہ لائبریری کے میدان میں تبلیغی اجتماع تھا، جس کی صدارت آپ نے فرمائی اور عوام کو بہترین انداز میں خطاب فرمایا۔

کانفرنس، سیمینار اور اجلاس عام میں شرکت آپ کا معمول تھا، باہمت اس قدر تھے کہ دور دراز علاقوں کا سفر کر لیتے تھے، ادھر ڈاکٹر رحمہ اللہ نے دہلی، مدراس، نیپال وغیرہ کا سفر اسی مقصد کے لئے کیا تھا، مدراس کا سفر دراصل آنکھ چیک کرانے کے لئے کیا تھا آپ کو آرام کی ضرورت تھی پھر بھی الحاج احسان اللہ صاحب (۱) کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے مدراس کی مسجد مبارک میں لوگوں کو بڑا جامع اور پر مغز خطاب فرمایا۔

جامعہ کے قاعۃ المحاضرات میں ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب رحمہ اللہ کا آخری خطاب بروز جمعرات بتاریخ ۲۷/۱۰/۲۰۱۱ء کو ہوا جو کہ ایک خاص پروگرام کے طور پر منعقد کیا گیا تھا جس کی صدارت خود ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فرمائی تھی۔

آپ نے اپنے اس اجتماع میں طلبہ کو بصیرت افروز خطاب سے نوازا، آپ نے حالات حاضرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے دہشت گردی کے متعلق فرمایا کہ دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور نہ ہی مسلمان دہشت گرد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مسلمان ایک ایسے مذہب کا پابند ہے جس کی تعلیمات میں دور دور تک بھی ظلم و بربرت کا نام نہیں ہے۔ نیز جس مذہب کا درس ہی امن وشانتی اور انصاف پسندی کا ہو تو پھر وہ اور اس کے ماننے والے کیسے دہشت گرد ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ملک میں کچھ لوگ امن کی فضا کو مکدر کرنے کے درپے ہیں اور اس کے بعد اس کا تعلق اسلام کے ماننے والوں کی طرف منسوب کر کے خاص پروپیگنڈے کے تحت چند ہونہار نوجوان کو گرفتار کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا جاتا ہے۔

اخیر میں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے امت مسلمہ کے حق میں دعا خیر کی اور اس کے ساتھ ہی اپنے خطاب کا بھی اختتام کیا۔

اخلاق وعادات: ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل بڑے خوش اخلاق ملنسار اور مرنجان مرنج شخصیت کے مالک تھے، بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے، ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۳ء تک مدینہ میں قیام کے دوران کئی بار مکہ جانے کا اتفاق ہوا قیام وطعام کا انتظام آپ ہی کرتے تھے۔ آپ کے یہاں مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری اور کئی دیگر علمائے کرام بھی مہمان ہوتے جب ڈاکٹر صاحب بنارس تشریف لاتے تو جامعہ سلفیہ کے مخصوص و بزرگ علمائے کرام کو کبھی عصرانہ اور کبھی عشائیہ پر بلاتے اور بڑی پر تکلف دعوت کرتے، صاحب زادے عبدالمحسن کی شادی میں بنارس کے ہر علاقہ کے لوگوں کو دعوت دی تھی، بنارس اور مضافات کے لوگوں نے بڑی تعداد میں ولیمہ میں شرکت کی تھی، جزاہ اللہ خیرا۔

بیماری اور وفات: ڈاکٹر صاحب موصوف رحمہ اللہ بیمار تو رہا کرتے تھے، آپ کو شوگر کا مرض تھا، علاج بھی برابر جاری تھا، معمول کے مطابق روزانہ جامعہ تشریف لاتے اور مختلف جگہوں میں ہونے والے امتحان کا جائزہ لیتے لیکن ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ آپ آناً فاناً اس دار فانی سے رخصت ہو جائیں گے۔

۲۶ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعرات حسب معمول جامعہ تشریف لائے اور مسجد کے تہ خانہ میں جہاں طلبہ کا امتحان ہو رہا تھا کافی دیر تک بیٹھے رہے، جب امتحان ختم ہوا تو دھوپ میں بیٹھ کر اساتذہ کے ساتھ محو گفتگو تھے، ظہر کی نماز جامعہ میں ادا کی، اس کے بعد گھر تشریف لے گئے، سب کچھ ٹھیک تھا، رات کو سینے میں تکلیف اٹھی اور دھیرے دھیرے بڑھتی گئی، نماز فجر کے وقت ایمبولینس آئی تا کہ اسپتال لے جایا جائے لیکن اس کی نوبت نہ آئی اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اس طرح آپ ۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۲۰۱۱ء بوقت ۶ بجے صبح جان جان آفریں کے حوالہ کردی، **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

اسی روز بعد نماز مغرب مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ ناظم اعلیٰ جامعہ بنارنے مدن پورہ روڈ پر آپ کی نماز جنازہ بڑھائی، جنازہ میں شرکت کے لئے دہلی سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم عمومی مولانا اصغر علی سلفی حفظہ اللہ، مئو، مبارکپور کے مدارس کے علماء کرام جامعہ کے طلبہ واساتذہ کرام بنارس ومضافات بنارس سے کافی تعداد میں لوگ جنازہ میں شریک تھے۔ ۷ بجے شام اپنے آبائی قبرستان سکرا باغ میں سپرد خاک کردیئے گئے۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ ووسع مدخلہ۔**

ملک کے مختلف حصے میں آپ کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پسماندگان میں بیوی ایک لڑکا اور چھ لڑکیاں ہیں ماشاء اللہ آپ نے بھرا پڑا خاندان چھوڑا ہے۔ آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالمحسن حفظہ اللہ لیسانس کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد دمام میں اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

(۱) آپ مدراس کے معزز اور مالدار گھرانے کے ایک فرد ہیں، بڑے شفیق ومہربان، سخی وفیاض اور با اخلاق وملنسار ہیں علماء کے بڑے قدرداں اور مہمان نواز ہیں، ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو جب مدراس کا سفر کرنا تھا تو سفر سے پہلے الحاج احسان اللہ صاحب کو اطلاع کردی گئی تھی کہ جامعہ سلفیہ بنارس کے صدر محترم مدراس تشریف لے جا رہے ہیں، موصوف نے ڈاکٹر صاحب کے مدراس پہنچنے پر ان کا ان کے شایان شان استقبال کیا اور بڑی پر تکلف ضیافت فرمائی اور بڑے احترام واکرام کے ساتھ پیش آئے۔ یہی حال الحاج شیخ احسان اللہ صاحب کے بھائی الحاج شیخ عبداللہ رحمہ اللہ کا تھا۔ بڑے خلیق، ملنسار، سلفیت کے حامی اور علماء کے قدرداں تھے، **نوّر اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ۔**

دراصل یہ لوگ بزرگ باپ کے پروردہ ہیں، شیخ احسان اللہ صاحب کے دادا الحاج شیخ اسماعیل رحمہ اللہ انتہائی خلیق، ملنسار اور سخاوت وفیاضی میں اپنی مثال آپ تھے اور شیخ احسان اللہ صاحب کے والد محترم حاجی عبدالعزیز رحمہ للہ شرافت ومروت وفیاضی میں یکتا تھے، ان کا پورا گھرانہ ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا صحیح مصداق ہے۔

مجھے چند سالوں سے جامعہ سلفیہ کی طرف سے سفارت پر مدراس جانا ہوتا ہے، الحاج احسان اللہ صاحب جو کمپنی کے ذمہ دار ہیں، بڑی محبت سے پیش آتے ہیں، جامعہ سلفیہ کے تعاون کا خاص اہتمام کرتے ہیں، مدراس میں مسجد مبارک کا پورا انتظام وانصرام یہی خاندان کرتا ہے۔ **جزاھم اللہ خیر الجزاء۔**

نوٹ: ڈاکٹر صاحب سے متعلق بعض اہم معلومات آپ کے صاحبزادے عبدالمحسن صاحب نے فراہم کیں۔

❑❑❑

(تراجم علمائے اہل حدیث بنارس از مولانا محمد یونس مدنی۔ ص ۶۲۔ ۷۰)

فخر جماعت علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ
چند نمایاں خصوصیات وخوبیاں

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

نام: عبدالحمید رحمانی بن عبدالجبار رحمانی

ولادت: کاغذات میں ۲۱/اپریل ۱۹۴۳ء اور حقیقت میں ۱۹۴۰ء بمقام تندوا، ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی)، یوپی۔

تاریخ وفات: ۲۰/اگست ۲۰۱۳ء ۱۲/شوال ۱۴۳۴ھ بروز منگل ۶:۳۰ صبح۔

تعلیمی صلاحیت: ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے اسکول سے، عربی واسلامی تعلیم مدرسہ شمس العلوم سمرا، بحر العلوم انتری بازار، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار، فیض عام مئو، عربی وفارسی بورڈ الہ آباد اور جامعہ رحمانیہ بنارس سے اور اعلیٰ تعلیم جامعہ اسلامیہ مدینہ نبویہ میں اور ۱۹۷۰ میں وہاں سے فراغت۔

تدریسی تجربات: جامعہ رحمانیہ بنارس، جامعہ سلفیہ بنارس اور مرکز کے تعلیمی اداروں میں تقریباً سات سال۔

ریسرچ اور بحث وتحقیق کے تجربات: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے شعبۂ تالیف وتحقیق میں تین سال تک ''ہندوستان میں خدمات حدیث'' پر مقالات کی نگرانی اور رہنمائی، ''فتنۂ انکار حجیت حدیث'' کے موضوع پر تحقیقی مقالات کی تیاری اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ''نصاب تعلیم'' کی نگرانی۔

صحافتی تجربات: ایڈیٹر، پندرہ روزہ 'ترجمان' (اردو) دہلی، معاون ایڈیٹر سہ ماہی 'صوت الجامعۃ' (عربی) جامعہ سلفیہ بنارس، ممبر مجلس ادارت، ماہنامہ 'اوقاف'، سرپرست ماہنامہ 'التوعیۃ' اور ماہنامہ 'التبیان' (اردو)، نئی دہلی۔ اور اہم اور حساس موضوعات پر خصوصی نمبرات اور متعدد علمی اور بین الاقوامی شخصیات پر وقیع مقالات۔

انٹرویوز: ڈاکٹر محمد عدشویعر، جریدہ 'عقیدتی' قاہرہ کے ایڈیٹر، انٹرنیشنل ہفتہ واری جریدہ ''المسلمون' کے نمائندہ روزنامہ 'الشرق الاوسط' کے نمائندہ، مجلۂ 'التوحید' قاہرہ کے ایڈیٹر اور مجلۂ ''اقتصاد اسلامی' امارت کی جانت سے لئے گئے اہم انٹرویوز۔

عالمی کانفرنسوں میں شرکت اور اہم خطبات ولیکچر: سعودی عرب، مصر، ترکی، اردن، برطانیہ، امریکہ، ملیشیا، سنگاپور، سری لنکا، بنگلہ دیش، اور ہندونیپال کی مختلف کانفرنسوں کے علاوہ دسیوں کانفرنسوں، سیمیناروں میں شرکت اوران کی نظامت، ہندوستان کے مختلف صوبوں اور نیپال کے مختلف علاقوں کی اہم کانفرنسوں میں حساس موضوعات پر خطاب، دروس خطبات جمعہ۔

علمی، دینی اور سماجی تنظیموں کی رکنیت اور عہدے:

جنرل سکریٹری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، بانی وصدر جمعیۃ الشبان المسلمین بنارس، معاون سکریٹری مسلم مجلس مشاورت ہند، رکن کل ہند مسلم پرسنل لابورڈ، رکن کل ہند علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایکشن کمیٹی، رکن دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش، رکن مجلس الثقافہ والتربیہ الاسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی، رکن مجلس عاملہ ایجوکیشنل ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن نئی دہلی، جنرل ایڈوائزر جامعہ دارالسلام عمر آباد، تاملناڈو، رکن مرکزی ایڈوائزری حج کمیٹی حکومت ہند، رکن مائنارٹی کمیٹی حکومت ہند، صدر عمومی ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی، صدر جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی، صدر مجمع البحوث العلمیہ الاسلامیہ نئی دہلی، سرپرست مجلس الفقہ الاسلامی نئی دہلی، رکن اساسی ورلڈ اسلامک کونسل، لندن، رکن مجلس تاسیسی اسلامک کونسل برائے مسلمانان جنوبی ایشیاء، سری لنکا۔ (ماخوذ از مجموعہ مقالات)۔



فطری طور پر ہر انسان کو قدرت کچھ نہ کچھ خوبیاں دے کر عالم وجود میں بھیجتی ہے رحمانی صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے پناہ خوبیاں عطا کیں تھیں، ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک بہترین مدبر اور منتظم کار بھی تھے۔ دینی اور مسلکی پہچان کے پہلو بہ پہلو سماجی اور سیاسی اعتبار سے بھی آپ کا رتبہ بے حد بلند تھا، جہاں آپ نے پوری دنیا میں جماعت اہل حدیث کی نمائندگی کا بھرپور حق ادا کیا ہے وہیں آپ نے عالم اسلام کو پیش آنے والے مسائل ومعاملات میں ملت کی بھرپور ترجمانی ونمائندگی کی ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی نظامت علیا اور امانت عامہ کی اہم ترین ذمہ داریوں سے لے کر درجنوں جماعتی وملی تنظیموں کی رکنیت اور ذمہ داری بالخصوص اپنے قائم کردہ مرکز ابوالکلام اور اس کے ماتحت درجنوں سے زیادہ اداروں کی تنظیم، صدارت اور ان کی تعلیمی اور مالی نگرانی وسرپرستی تک ہر جگہ کامیابیوں نے آپ کی قدم بوسی کی ہے علمی اعتبار سے تحریر وتقریر کی صلاحیتوں سے آپ جہاں مالا مال تھے وہیں پر زبان وبیان کی قدرت، تدریس وتعلیم میں مہارت، تحقیق وریسرچ میں بے پناہ ادارک وبصیرت بھی رکھتے تھے، خطابت کے ساتھ ساتھ آپ کی صحافت قلمی شاہ کار کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ مذکورہ خوبیاں رحمانی صاحب میں بھرپور موجود تھیں لیکن ان صفات عالیہ کے پہلو بہ پہلو جو خوبیاں آپ کی شخصیت میں نکھار اور عالمی شہرت کا سبب بنیں وہ میرے اپنے تجربہ کے اعتبار سے تین اہم خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے رحمانی صاحب ایک مثالی اور عالمی شخصیت بن کر افق پر نمودار ہوئے اور آخری وقت تک چمکتے دمکتے رہے۔

(۱) منہجی غیرت اور مسلکی بے باکی، برجستگی اور جرأت۔ (۲) تاریخ اہل حدیث میں مہارت اور گہری واقفیت۔

(۳) اردو عربی زبان وادب میں قدرت روانی اور طلاقت۔

(۱) منہجی غیرت اور مسلکی جرأت:

کوئی قوم، عقیدہ، جماعت، منہج، مسلک اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کے ماننے والے اس کے حمایتی پر چارک اور اسے پھیلانے کے لئے دردمند نہ ہوں۔ اور یہ جذبہ اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب اس قوم اور جماعت کے اندر اس عقیدہ یا منہج کے

لئے غیرت موجود ہو جہاں اس کے خلاف کوئی بات اٹھے اس کی تردید اور منہجی طریقہ سے اسے کاٹنے کے لئے بے تاب ہو اور اس کی حمایت کے لئے ٹھوس دلائل، انسانی جذبہ اور جرأت رندانہ پیدا کرے اور اسے بچانے کے لئے خود اٹھ کھڑا ہو۔ دوسروں کو تیار کرے، لوگوں کو آمادہ کرے، ہمنوا بنائے اور اس راستے میں کسی طرح کی مصالحت، جھکاؤ یا سودے بازی اور دباؤ قبول کرنے کا معاملہ نہ ہو بلکہ ضرورت پیش آئے تو جان مال وقت اور دیگر وسائل وذرائع کو اختیار کرتے ہوئے اس کے لئے قربانی پیش کرے مداہنت بازی یا بے جا رواداری سے کوسوں دور ہو۔ اور یہ خوبی بدرجہ اتم رحمانی صاحب میں پوری آب وتاب کے ساتھ موجود تھی مسلک اہل حدیث کی حمایت۔ عقیدۂ توحید اور جماعت حقہ کی حفاظت وصیانت کے لئے آپ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جہاں بھی رہے پوری منہجی غیرت اور مسلکی جرأت کے ساتھ حق کی اور اسی راہ میں لگے رہے۔

مرکزی جماعت کی نظامت علیا کے دور میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا معاملہ ہو یا مرکز ابوالکلام آزاد جوگا بائی کے قیام سے لے کر تا حیات اوکھلا دہلی میں منہج وعقیدہ کی بات ہو ہر وقت ہر جگہ آپ جماعت اور عقیدہ ومنہج پر پوری جرأت مندی سے قائم رہے آپ کا ادارہ مرکز ابوالکلام آزاد جوگا بائی ابتدائی ادوار سے ہی غیر جماعتی اہل بدعت کی آنکھوں میں کھٹکتا رہا ہمیشہ سازشیں کی گئیں، رحمانی صاحب کو جھکانے دبانے اور آپ کے ادارہ کو بند کرنے کی کاوشیں ہوئیں، مگر پوری جرأتمندی اور منہجی غیرت کے ساتھ آپ نے تمام اہل باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا کورٹ کچہری تک مقدمات ہوئے رب العالمین نے وہاں بھی فتح وکامیابی سے ہمکنار فرمایا غرضیکہ دہلی میں جماعت اہل حدیث کو اگر کہیں سے استحکام ملا اور اہل حدیثوں میں مضبوطی آئی ہے تو اس میں ایک بڑا حصہ رحمانی صاحب اور آپ کی منہجی غیرت مندی اور جرأت کا بھی ہے۔

☆ ترجمان سلف علامہ شیخ محمد بن ربیع ہادی المدخلی کی مخلصانہ نصیحت:

اس وقت مجھے عالم اسلام کی ایک معتمد منہجی غیرتمندی میں بے مثال اور مستند شخصیت، مدینہ یونیورسٹی کے مایہ ناز محدث شیخ ربیع بن ہادی مدخلی کی وہی نصیحت یاد آرہی ہے جب اپنے گھر کی ایک نجی مجلس میں آپ نے سلفیان برصغیر اور اہل حدیثان ہند کو یہ مشورہ دیا تھا کہ آج کے پرفتن دور میں مسلک اہل حدیث اور منہج سلف کی حفاظت کے لئے ایسے علماء کی ضرورت ہے جو ہندوستانی عالم دین شیخ عبدالحمید عبدالجبار یعنی رحمانی صاحب کی طرح پوری بے باکی، اور غیرتمندی سے ہر جگہ مسلک اور منہج کی سچی اور کھری ترجمانی کریں، مداہنت پرستی، مسلکی رواداری اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی لوچ پوچ کا شکار نہ بنیں بالخصوص فتنہ انکار سنت اور اس کے چور دروازوں کو بند کرنے کے لئے طلباء اور علماء کو ہندی عالم دین رحمانی صاحب کو اپنا آئیڈیل ماننا چاہیے اور آپ کے تجربات، برجستگی، علم اور منہجی غیرت کو مثال بنانا چاہیے، علامہ مدخلی کی اسی نصیحت کے پیش نظر میں نے ہمیشہ رحمانی صاحب کو اپنا منہجی آئیڈیل تسلیم کیا۔

☆ ممبئی میں صوبائی جمعیت اہل حدیث نے ۲۰۰۳ء میں جب دین رحمت کانفرنس کا انعقاد باندرہ کرلا کمپلیکس میں کیا تو اس میں مختلف علماء اور اسکالروں کے ساتھ ڈاکٹر ذاکر نائک کو بھی مدعو کیا۔ نائک صاحب کی شخصیت بڑی عالمی اور مشہور ہے صوبائی جمعیت اہل حدیث کے اسٹیج سے نائک صاحب نے جماعت اہل حدیث کے خلاف ایک سوال کے جواب میں بڑی اوچھی باتیں کہیں، جو عوام

وخواص، علماء اور جہلا سب کے لئے فکر مندی کا باعث تھیں فوری طور پر نائک صاحب کی ان اوچھی حرکتوں کا جواب دینا بے حد ضروری تھا مگر یہاں بھی غیرت جرأت اور علم وزبان کی ضرورت تھی چنانچہ جماعت کے ذمہ داروں نے اس کے لئے رحمانی صاحب کا انتخاب کیا اور بروقت انتخاب کیا مناسب انتخاب کیا حق بحق دار رسید کی مصداق تھا یہ انتخاب، اور پھر رحمانی صاحب نے پوری جماعت، منہج، اہل توحید اور تاریخ اہل حدیث کا وہ عظیم الشان قرض اور اس کا بوجھ اپنے سر سے اتار دیا جو آپ کے اوپر عائد تھا اسٹیج پر تشریف فرما تھے مائک پر جلوہ گر ہوئے اور پھر نائک صاحب کی ان اوچھی حرکتوں کا اتنا مدلل اور مسکت جواب دیا کہ آج تک اہل علم اسے سراہتے ہیں اور یہ جماعت کی تاریخ کا ایک باب بن گیا۔ اور صرف یہی نہیں ہند اور بیرون ہند ہر جگہ آپ نے اسی طرح کی نمائندگی کی ہے اہل عرب ہوں یا عجم دانشوران ہوں یا مفکرین، جہاں بھی موقع ملا آپ نے منہج حقہ کی بروقت مدلل اور مناسب ترجمانی کی اور تاریخ کے حوالوں سے جماعتی قربانیاں، علماء اہل حدیث کی جہود ومساعی کو اجاگر فرمایا، اور یہ بات مشہور ہے، عرب میں رہنے والے بھی جانتے ہیں کہ کویت، سعودی عرب اور خلیج میں بھی آپ نے اپنی اس جرأت اور شجاعت اور منہجی غیرت کا لوہا منوایا ہے۔ ائمہ حرمین سے لے کر شاہی خاندان اور وہاں کے علماء اور علم وتحقیق سے وابستگی وشغف رکھنے والے دردمند حضرات سبھی کو آپ نے اپنی منہجی غیرت کا ثبوت دیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہاں علمی مجلسوں میں آپ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور آپ کی قربانیوں کو سراہا جاتا تھا اور اسی وجہ سے شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے لیکر ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف اور امام حرم شیخ سبیل رحمہ اللہ جیسے عبقری شخصیتیں آپ پر بڑا اعتماد اور اعتبار رکھتی تھیں اور سلفیان ہند کا آپ کو نمائندہ تصور کرتی تھیں صلاح الدین مقبول کی زوابع فی وجہ السنۃ اور دعوۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر آپ کے تمہیدی کلمات وتقریظات اس بات کے شاہد ہیں کہ رحمانی صاحب نے مداہنت اور بے جا رواداری کا چور دروازہ اپنی دعوتی زندگی میں جماعتی اور منہجی غیرت کی وجہ سے بالکل ہی بند کر رکھا تھا۔

☆ ہندوستان کے مشہور مفکر عالم عرب وعجم میں اپنی ادبی اور علمی تحریر سے پہچانی جانے والی معروف ندوی اور دیوبندی شخصیت مولانا علی میاں ندوی ہوں یا پھر فتنۂ انکار سنت کے حوالہ سے ریشہ دوانیاں اور بچکانہ تحقیق کے دعویداران برصغیر ہند وپاک کے قدیم علماء ہوں یا یونیورسٹی میں سرکاری روٹی کھانے والے پروفیسران ہوں یا پھر عمر آباد کے خاندان اہل حدیث کے وارثین ہوں یا جماعت اہل حدیث کا کوئی ادارہ یا شخصیت ہو جہاں بھی آپ نے کوئی بھی لوچ پوچ دیکھا، انکار سنت کی بو محسوس کی، تصوف کا رنگ چڑھتے ہوئے نظر آیا، یا پھر منہجی غیرت کو ذرہ برابر آنچ آئی تو رحمانی صاحب تڑپ اٹھے، سنت کی حفاظت اور جماعت حقہ کی حمایت میں پھر آپ سے رہا نہ گیا، زبان گویا ہوگئی، قلم چلنے لگا، حق کی آواز غیر تمندی کے ساتھ آپ نے بلند کردی، اسٹیج پر برس پڑے یا اخباروں میں تڑپ اٹھے اور یہی جرم تھا رحمانی صاحب کا جس کی وجہ سے اپنوں اور غیروں کے آنکھوں میں تنکا بنے ہوئے تھے مگر سچ ہے کہ حق وصداقت کا گھونٹ بڑا کڑوا ہوتا ہے۔

منہجی غیرت اور اس میدان میں صراحت اور حق گوئی کی ایک ادنیٰ مثال آپ کی وہ تحریر ہے جو علی میاں ندوی کے سلسلے میں آپ نے لکھا ہے، لکھتے ہیں کہ: هذا هو دين الاستاد الندوي فانه في كتبه يلاقي العربي بوجه يوافق ذوقه السني السليم و يلاقي العجمي بآخر يوافق ذوقه الصوفي السقيم، ويشاركه في هذا السلوب كبار جماعة

التبليغ وجماعة الاستاذ المودودي أيضاً۔

ترجمہ: کہ یہی استاد علی میاں ندوی کا شیوہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں اہل عرب سے اس طرح خطاب کرتے ہیں جو ٹھیک ان کے سنی مزاج کے موافق ہو اور غیر عرب (اردو داں) سے ان کے صوفی مزاج کے مطابق گفتگو کرتے ہیں اور اس اسلوب میں تبلیغی جماعت کے بڑے علماء اور جماعت مودودی کے اساطین بھی یکساں ہیں (مقدمہ دعوۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ صلاح الدین مقبول احمد ص ۴۶)

☆ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر اپنی اردو کتابوں میں صوفی رنگ چڑھانے کی جو کاوشیں علی میاں ندوی نے کیں ہیں ان کا قلع قمع کرتے ہوئے بڑی صراحت اور جرأت کے ساتھ رحمانی صاحب رقمطراز ہیں:

ولاأدري ماذا يريد الاستاذ الندوي بالذكر والمراقبة والنسبة والروحانية والباطنية؟ أما يكفيه الاحسان الذي عبربه النبي ﷺ عن كمال الايمان واعلىٰ درجاته؟ وهل يحتاج المؤمن زيادة الى اسوة الرسول ﷺ الى رياضيات شاقة وتربية صوفية؟ وهل كان اصحاب الرسول وتابعوهم باحسان لم يبلغوا تلك الدرجة التي بلغها ابن الرومي والسهروردي والسمناني والبدوي والتيجاني وغيرهم؟ وهل الرجل لا يتمكن من بلوغ درجات الكمال التي يريدها الاستاذ الابالمراقبة عند القبور التي يقوم بها امثاله في التكايا والزوايا وصدق الرسول ﷺ حيث قال: "بدأ الاسلام غريباً سيعود كما بدأ فطوبى للغرباء"

ترجمہ: اور مجھے معلوم نہیں کہ ندوی صاحب (علی میاںؒ) کا ذکر، مراقبہ اور ریاضت ونسبت کے تذکرہ سے کیا مقصد ہے؟ کیا، احسان کا وہ درجہ جو کمال ایمان اور اس کے اعلیٰ درجات کی زبان نبوی سے تعبیر ہے اس کے لئے کافی نہیں ہے اور کیا کسی مومن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کے سوا کسی بدنی ریاضت اور صوفیانہ تربیت کی ضرورت ہے؟

اور کیا اس درجہ کو صحابہ کرام اور تابعین عظام نہیں تھے جس درجہ تک ابن الرومی سہروردی سمنانی، بدوی اور تیجانی وغیرہ پہنچے تھے؟ اور کیا کوئی آدمی کمال کے درجات تک جس کا تذکرہ ندوی صاحب نے کیا ہے بلا قبروں کے پاس مراقبہ کے نہیں پہنچ سکتا ہے جیسا کہ آپ جیسے بہت سارے لوگ گوشوں میں بیٹھ کر کیا کرتے ہیں۔ سچ فرمایا نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: اسلام غربت واجنبیت کے عالم میں شروع ہوا ہے اور اسی حالت میں عنقریب لوٹ جائے گا تو ایسے غربت زدہ لوگوں کے لئے بشارت ہو۔

(دعوۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ صلاح الدین مقبول ص ۴۷)

علی میاں ندویؒ کی ایک تاریخی غلطی کی نشاندہی اور اس سلسلے میں صراحت گوئی:

دعوۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے مقدمہ میں رحمانی صاحب نے ہندوستان میں ابن تیمیہ کے بعض شاگردوں کی آمد اور شاہ محمد تغلق

سے گفتگو اور بدعات کے خاتمہ کے لئے ان کی کاوشوں کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ اس سلسلے میں علی میاں ندوی نے تعصب اور اغماض سے کام لیا ہے اور اپنی کتاب تاریخ دعوت وعزیمت میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے لئے مختص (۲ جلد) میں ان کے شاگردوں کے تعلق سے کسی بات کا تذکرہ نہیں کیا ہے، لکھتے ہیں:

وان تعجب فتعجب من الشیخ ابوالحسن علی الندوی الکاتب المعروف الذی لایذکر شیئاً من هذه الحقائق حتی فی کتبه التی تختص بتاریخ المسلمین فی الهند وبسیرة شیخ الاسلام ابن تیمیه رحمه الله ایضاً، ولا یمکن تلمس العذرله فی هذا الشان بعدم الاطلاع علی هذه الحقیقة التاریخیة النیرة لانه مجبول علی الکتابة فی التاریخ الاسلامی وان وجدذکر الملك محمدتغلق فی بعض المواضع من مولفاته فبروایات أعدائه من المتصوفة الضالین الذین قضیٰ علیهم وعلی خز عبلاتهم وانحرافاتهم فی عصره الزاهر تاثرا بتلامیذة شیخ الاسلام ابن تیمیه رحمه الله ولعل الشیخ الندوی حفظه الله لا جل نزعته الصوفیة وولائه العمیق للمتصوفة لم یجد دافعاً لذکرهم بل وصل الأمر عنده الی حدالتغاضی عنهم والله اعلم بالصواب۔

ترجمہ: اگر کوئی تعجب خیز امر ہے تو مولانا علی میاں ندوی جیسے مشہور ومعروف کاتب کے سلسلے میں ہے جنہوں نے مذکورہ تعلق سے حقائق کو اپنی ان کتابوں میں کہیں نہیں ذکر کیا ہے جو ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ اور ابن تیمیہ کی سیرت سے متعلق ہیں۔ اور اس سلسلے میں ان کے لئے اس تاریخی حقیقت سے ناآشنائی کا کوئی عذر اور بہانہ بھی نہیں ڈھونڈا جاسکتا ہے کیونکہ تاریخ اسلامی اور اس کے سلسلے میں لکھنے کے وہ عادی ہیں، اور اگر شاہ محمد تغلق کا ذکر آپ کی کتابوں میں کہیں موجود بھی ہے تو یہ ان کے صوفیہ حاقدین اور دشمنوں کی وہ روایات ہیں جن کے خاتمہ کے لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے متاثر ہو کر شاہ تغلق نے اپنے زمانہ میں انجام دیا تھا اور شاید کی ندوی رحمہ اللہ اپنے صوفیانہ مزاج اور ان سے گہری عقیدت کی وجہ سے ان کے تذکرہ سے باز رہے بلکہ معاملہ تو جان بوجھ کر پہلوتہی اختیار کرنے اور نظر انداز کرنے جیسا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (دعوۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص ۲۱)

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء علوم کتاب وسنت کے بجائے تصوف اور ایک خاص مسلک کی ترجمانی کی راہ پر:

ندوۃ العلماء کے قیام کا مقصد ملت اسلامیہ میں علوم کتاب وسنت کا فروغ اور اس کی نشرواشاعت تھا ندوہ کے قیام اور اس کے استحکام میں مولانا ابراہیم آروی، محمد حسین بٹالوی، اور ثناء اللہ امرتسری جیسے اساطین علماء اہل حدیث کی مساعی کا بہت بڑا عمل دخل رہا ہے۔ ندوہ کے ساتھ ہمیشہ علمائے اہل حدیث نے علمی فکری اور ہمہ جہتی تعاون پیش کیا ہے، مگر ندوہ اب اپنے قیام کے مقاصد سے ہٹ چکا ہے اور تاریکی کی راہ پر چل پڑا ہے یہ درد اور کرب مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب نے تاریخی حقائق کی روشنی میں بڑے دکھ کے ساتھ تحریر کیا ہے اس میں صراحت حق گوئی اور غیرت بھی ہے اور ملت اسلامیہ کے اتحاد اور اس کے نجات و بچاؤ کا جذبہ بھی، لکھتے ہیں:

مولانا عبدالباری ندوی کی یہ تحریر تیس سال سے زیادہ پرانی ہے اس وقت تو مولانا علی میاں کی شخصیت اتنی تقدس مآب نہیں مانی جاتی

تھی، لیکن ماضی کی تیس سال کی مدت میں تو ان کے گرد جی حضوریوں تصوف، تقلید جامد اور اصحاب وجد وحال اور قصیدہ پڑھنے والوں کا ایک انبوہ جمع ہو گیا ہے اور ان کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کے حواریوں کے اندر رسہ کشی کی عجیب سی فضا پیدا ہو گئی ہے اور ندوہ مکمل طور پر ان کے ذاتی خیالات، رجحانات اور ان کے اپنے خاص ''مسلک'' کا ترجمان بن کر رہ گیا ہے۔ ان کا مسلک اہل حدیثوں کی مجلسوں میں نجد کے مشائخ کے سامنے، سلفیت ہے اور کوثری صاحب اور ان کے شاگردوں عبدالفتاح ابو غدہ وغیرہ کے سامنے کوثریت ہے اور احمد غراب وغیرہ کے سامنے اپنی عربیت اور وحدت الوجودیت و وحدت الشہودیت وغیرہ ہے۔ ۱۹۱۰ء میں جو کشمکش شروع ہوئی تھی وہ حقیقت میں ندوہ کے اصلی مقاصد کے خلاف تصوف، تقلید جامد اور اعتقادی وفکری اور عملی بدعات اور اقتدار وقت کے سامنے تملق کا رد عمل تھا سید احمد رائے بریلوی، شاہ اسماعیل، میاں نذیر حسین محدث دہلوی، نواب صدیق حسن اور شیخ حسین بن محسن انصاری وغیرہم کی مساعی سے توحید خالص اور اتباع سنت کی جو روح سرزمین ہند میں پیدا ہوئی تھی اور جس نے وحدت الوجود، وحدت الشہود اور تصوف کی ضلالتوں، تقلید شخصی کی ظلمتوں اور بدعات وخرافات کی غلاظتوں کے پردے چاک کر دیئے تھے۔ اور جس کے اثرات علامہ شبلی رحمہ اللہ پر ان کے آخری دور میں اور سید سلیمان ندوی پر ان کے ابتدائی دور میں پڑے تھے اور ابراہیم آروی، محمد حسین بٹالوی، محمد بشیر سہسوانی، عبداللہ غازی پوری عبدالعزیز رحیم آبادی، عبدالمنان وزیر آبادی، عبدالجبار غزنوی، سلیمان منصور پوری، عین الحق پھلواری، شمس الحق عظیم آبادی، ثناء اللہ امرتسری، ابوالکلام آزاد، سید علی حسن وغیرہم کی کوششوں نے جسے جلا بخشا تھا، اسے تصوف اور تقلید جامد کے دو کا ندار برداشت نہ کر سکے اور دار العلوم ندوۃ العلماء کو پھر اسی تاریکی کی راہ پر لے گئے جس سے ملت کو بچانے کے لئے اس کا قیام عمل میں آیا تھا اور ابراہیم آروی، محمد حسین بٹالوی اور ثناء اللہ امرتسری وغیرھم کی شب وروز کی مساعی صدیق حسن خاں کے خاندان کی علمی مساعی اور روحانی قربانیاں، صدیق حسن خاں کا کتب خانہ، یونس دتاؤلی کی دولت عبدالعزیز میمن کا ترکہ، حفیظ اللہ خاں بندوی اور علی حسن خاں کے اہتمام وانتظام کے تجربے، تقی الدین ہلالی، خلیل عرب، امیر علی محدث، حفیظ اللہ اعظمی، حلیم عطاء اور محمد العرب وغیرہ کی تدریسی جدوجہد اور عربی زبان وادب کی تعلیم میں ان کی مجتہدانہ صلاحتیں تقریباً سب کی سب بیکار ہو گئیں اور اب ندوہ کے نمائندے کانفرنسوں اور سیمیناروں میں ایک طرف تقلید شخصی کے وجود اور دوسری جانب تصوف کی ضلالتوں اور تیسری جانب قرآنی آیات ونصوص کی بعید از کار تاویل بلکہ تحریف تک کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا عقیدہ ومنہج سلف کے مدعی سلفی حضرات اپنے اسلاف کی ان قربانیوں کے ضیاع اور اس کے اسباب پر غور کرنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔ (التبیان ص ۲۵۔۲۶ / اکتوبر ۲۰۱۱ء حیات ثنائی کے چند اہم گوشے قسط (۲)

(۲) تاریخ اہل حدیث میں مہارت اور گہری واقفیت:

رحمانی صاحب کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ تعلیم وتدریس، صحافت وخطابت اور دیگر میدان عمل کے شہسوار ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام، تاریخ عرب بالخصوص، برصغیر ہندوپاک اور پورے عالم عرب وعجم میں سلفی تحریک وہابی مومنٹ اور مسلک

اہل حدیث کی تاریخ میں گہری واقفیت رکھتے تھے۔ ہندوستان میں آزادی سے پہلے علماء صادقپور ہوں یا دیگر علمائے اہل حدیث کی قربانیاں، میاں صاحب کے حوالے سے ہندوستان میں علم حدیث کی نشرواشاعت ہو یا آپ کے شاگردان باوقار کا سلسلہ طویل، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اوران کی خدمات جلیلہ ہوں یا اس طرح ہندوستان میں اہل حدیثوں کا علمی وقاران کی پہچان جامعہ رحمانیہ دہلی اوراس سے متعلق جماعتی اوردعوتی تاریخ، مولانا ابوالکلام آزاد کی سیاسی بصیرت اورآزادی وطن کے تعلق سے ان کا گہرا شعور ہو یا انکی پوری تحریر کردہ کتابوں کے حوالہ سے ان کی جماعتی فکراور منہجی سوچ ہو یا تحریک شہدین اور شیخ محمد بن عبدالوہاب وآل سعود کی عظیم تاریخی اور سلفی خدمات ہوں جس کی وجہ سے آج پوری دنیا میں توحید کا غلغلہ ہے یا پوری دنیا میں سلفیت سے وابستہ جماعتیں، شخصیات، علماء واکابرین سب کی خدمات، قربانیاں، جہود، کارنامے اورنشیب وفراز سے وابستہ داستانیں، اقبال وادبار کے اسباب وعلل اوران سب کی دعوتی، مسلکی، سلفی، تاریخ کے سلسلے میں مہارت اور گہری واقفیت رکھتے تھے تاریخ اہل حدیث اور علماء اہل حدیث کے تعلق سے سلسلہ انساب، تاریخ وفیات اورمختلف سنین کے اعتبار سے علاقے کی تواریخ تو آپ کوایسے ازبر تھیں جیسے کہ کوئی مشین ہم کلام ہو۔قدرت نے آپ کوتاریخ اہل حدیث پر مکمل کمانڈ عطا کیا تھا اور یہ اللہ کا آپ پر فضل تھا ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اورصرف تاریخ اہل حدیث ہی نہیں بلکہ برصغیر ہندو پاک میں مسلکی تعصب، تقلید جامد بزرگان دین سے اندھی عقیدت کے نتیجے میں اہل حدیثان ہندو پاک پر جہاں بھی ستم ڈھایا گیا، اور ہماری صاف ستھری تاریخ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ یا کتر بیونت کیا گیا، خرد برد کی کوششیں ہوئیں اورجن جماعتوں اوران کے ملی سربراہان نے علماء اہل حدیث کے خلاف گہری اورخفیہ سازشیں کیں اور کرتے رہے رحمانی صاحب اس طرح کی داستانوں سے بھی گہری واقفیت رکھتے تھے۔اور جب بھی کہیں موقع ملتا تو ان مسائل کو بھی آپ اپنی علم اور گہرے بصیرت کی بنیاد پر برملا اجاگر کرتے تھے اور بلاخوف لومۃ لائم ان سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے تاروپود بکھیر تے تھے، جو ماضی بعیداورقریب میں ہمارے اسلاف اور ہماری جماعتی تاریخ کے ساتھ کیا گیا۔

حق تو یہ تھا کہ اس میدان میں رحمانی صاحب کوقائداور رہبر تسلیم کیا جاتا اورآپ کی منہجی غیرت اورتاریخ سے گہری واقفیت کو بنیاد بنا کر ہندوستان میں دعوتی کام کوانجام دینے کی تدبیریں ہوئیں اور جماعت اہل حدیث کے تمام ادارے انجمنیں مراکز اور جمعیات رحمانی صاحب کے اس عظیم عمل اور کاوش کواپنے لئے مشعل راہ بناتے تو آج ہمارا معاملہ کرداراور ہماری پہچان کچھ اور ہی ہوتی۔

برصغیر ہندوپاک میں انکارسنت کے حوالہ سے کتنے چوردروازے کھولے گئے اورسنت کے رخ زیبا کوداغ دار کرنے کی کتنی سازشیں ہوئیں، کہاں کہاں سے منکریں سنت اوران کے فتنے اٹھے، ان کا حسب ونسب کیا تھا، ان کے رہنما اور رہبر کون تھے شازشیں کہاں سے ہوئیں تھیں ان کا علمی رتبہ کیا تھا، ان کی تحقیقات اوردعوؤں کی حقیقت کیا تھی۔عظمت سنت میں سرشار رحمانی صاحب کو یہ سب کچھ پتہ تھا اورقدرت نے آپ کواتنا بیدار مغز پختہ ذہن اورفکر ثاقب دیا تھا کہ منٹوں میں آپ ان کی پوری تاریخ اوران کا پورا شجرہ، حلیہ اور گھناؤنا چہرہ کھول کرلوگوں کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ سننے والے آپ کی زبان سے تاریخی حوالوں پر مشتمل برجستہ جب آپ کے تبصرے سنتے توعش عش کراٹھتے اوریہی علم اور بصیرت آپ کی محبوبیت اورلوگوں کے دلوں میں بے پناہ اپنائیت اورعقیدت کا

بھی سبب تھی۔ معہد التعلیم الاسلامی جوگابائی میں دوران تعلیم بعض عجم اور عرب مشائخ کی آمد اور اس سلسلے میں منعقد تعارفی پروگرام میں مجھے رحمانی صاحب کی تاریخی برجستگی اور اس سلسلے میں گہری مہارت یاد ہے۔ ایک عرب مہمان کی آمد پر آپ نے شاہ فیصل مرحوم اور آل سعود کی جو تاریخ اور قربانی کی داستانیں عربی زبان میں ذکر کیں کہ وہ عرب مہمان بھی کہنے پر مجبور ہوگیا کہ مجھے اپنے آباء واجداد اور بزرگوں کے بارے میں اتنا پتہ نہیں جتنا کہ رحمانی صاحب کو علم ہے بے ساختہ وہ رحمانی صاحب کی پیشانی پر بوسے دیکر آپ کی علمی عظمت اور تاریخ عرب بالخصوص شیخ محمد بن عبدالوہاب اور آل سعود شاہ فیصل کے سلسلے میں گہری واقفیت کی گواہی دینے لگا۔

آپ کی تاریخی مہارت تو اس وقت دیکھنے اور سننے میں آتی تھی جب آپ رو میں آجاتے ایک ایک حادثہ اس کی تاریخ، دن پتہ ایسے بتاتے اور ذکر فرماتے جیسے کہ آپ وہاں خود حاضر رہے ہوں بیسوی صدی کے اواخر میں میری نگاہوں نے تاریخ اہل حدیث کا اتنا بڑا حافظ اور ناقد، واقف اور ماہر اب تک نہ دیکھا ہے، ہوسکتا ہے تاریخ سے شغف رکھنے والے دیگر اہل علم بھی ہماری جماعت میں موجود ہوں لیکن جو برجستگی حاضر دماغی اور بروقت تاریخ کے سلسلے میں ٹھوس صلاحیت ومعرفت رحمانی صاحب کو قدرت نے عطا کی تھی اور جو کمانڈ اور استحکام آپ کے خاصہ میں تھی وہ کہیں دیکھنے کو نہ ملی اسے کاش کہ آپ کی تقریریں، تحریریں جو جماعتی تاریخ کے سلسلے میں آپ کے اولاد یا دیگر احباب جماعت کے پاس کہیں بھی موجود ہوں ریکارڈ میں آجائیں، زیب قرطاس بن جائیں اور طباعتی زیور سے آراستہ ہوجائیں تو جماعت کی تاریخ کا ایک عظیم اور سنہرا باب رقم ہوجاتا اور اہل علم کے لئے ایک نایاب تحفہ ہوتا۔

مجلہ التوعیہ اور مجلہ التبیان کے مختلف شماروں میں آپ کے قلم سے اس بابت بکثرت تحریریں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ خصوصاً التبیان کے ادھر دو تین سال کے شمارے میں جس میں برادر گرامی محمد رحمانی صاحب اور ان کے رفقاء نے (حجاز ونجد سے متعلق رحمانی صاحب کی یادداشتیں) کے عنوان سے ایک اچھا کالم شروع کیا تھا جو تقریباً ۱۴ قسطوں پر مشتمل ہے جس میں رحمانی صاحب کے علمی مشائخ اور بعض عرب وعجم کی مشہور شخصیات کے سلسلے میں اپنی یادداشت کے حوالے سے بڑی انوکھی اور تاریخی باتیں تحریر کی ہیں بالخصوص محدث مدینہ، شیخ عبدالمحسن بدر العباد، شیخ حماد الانصاری، علامہ ناصر الدین البانی، عالمی ادیب ڈاکٹر تقی الدین ہلالی، شیخ الحدیث احمد اللہ پرتاب گڑھی اور ان کے علاوہ دیگر اساتذہ اور شخصیات پر آپ کی یہ تحریر تاریخی، تحقیقی، علمی، ادبی، اور سماجی ہر اعتبار سے شاہکار اور یادگار کا درجہ رکھتی ہے۔

تاریخ اہل حدیث اور علمائے اہل حدیث کے سلسلے میں رحمانی صاحب کی گہری مہارت اور واقفیت کی مثال:

علامہ ابومحمد ابراہیم آروی کے تذکرہ میں رحمانی صاحب کا جس طرح قلم جنبش میں آیا وہ آپ کی تاریخی مہارت وواقفیت کی بین دلیل ہے۔ لکھتے ہیں: امام علامہ ابومحمد ابراہیم آروی (المتوفی ۱۳۱۹ھ) کی شخصیت انیسویں صدی کے نصف اخیر کی ان نادرۂ روزگار شخصیات میں سے ہے جن کی اصلاحی اور تجدیدی اثرات برصغیر ہندوپاک سے متجاوز ہوکر جزیرۂ عرب تک اور ایک صدی کی مدت سے گزر کر دوسری صدی تک آپہنچے ہیں۔ والحمدللہ علی ذالک۔ امام المجدد المصلح شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ (۱۲۲۰ھ ۱۳۲۰ھ) کے سیکڑوں تلامذہ میں دو درجن سے زائد شخصیتیں تو ایسی عظیم ہوئی ہیں جن میں سے ہر ایک کی حیثیت مستقل امام، مصلح اور داعی اور مجتہد کی تھی، ۔ علامہ ابومحمد ابراہیم آروی، علامہ ابوسعید محمد حسین بٹالوی، علامہ محمد بشیر شہسوانی، امام عبداللہ غزنوی

استاذ الاساتذہ امام عبداللہ غازی پوری، امام المجاہدین، رئیس المناظرین علامہ عبدالعزیز رحیم آباد، علامہ شمس الحق محدث عظیم آبادی، شاہ عین الحق پھلواری، علامہ حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی، امام سعد بن عتیق، امام اسحق بن عبدالرحیم آل الشیخ، شیخ علی بن وادی، مولانا غلام رسول قلعہ میاں سنگھ، مولانا سید احمد حسن صاحب مؤلف احسن التفاسیر، مولانا عبداللہ صاحب تحفہ الہند۔ علامہ عبدالرحمن مبارکپوری، مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا محمد سعید محدث بنارسی، مولانا عبدالسلام محدث مبارکپوری مولانا حفیظ اللہ اعظمی، شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالجبار عمرپوری، حجۃ الاسلام مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا عبدالوہاب صدری دہلی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، اور میاں صاحبؒ کے تلامذہ کے حلقہ سے باہر مجدد عصر نواب صدیق حسن خاں، مولانا محمد بشیر الدین قنوجی، نواب وحید الزماں، علامہ قاضی سلیمان منصور پوری، مولانا ابوالمکارم محمد علی رحمہم اللہ وغیرہم کی شخصیات اپنی جامعیت علم وعمل اور مرتبۂ اجتہاد واستنباط میں بے نظیر حیثیت کی حامل تھیں۔ بالخصوص نواب سید صدیق حسن خاں رحمہ اللہ اپنی عظیم الشان اصلاحی تجدیدی، تصنیفی اور اشاعتی خدمات کے لحاظ سے حضرت الامام نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بعد صدی کی سب سے اہم شخصیت رہے ہیں، اگر جماعت اہل حدیث کو اپنا رشتہ اپنے شاندار ماضی سے جوڑے رکھنا ہے اور آنے والی نسل کو تحریک احیاء کتاب وسنت کے تاریخی تسلسل کی سنہری کڑی بنانا ہے تو انہیں کم از کم بالا عباقرہ وائمہ کے سوانح وخدمات کو مرتب کر کے موجودہ اور آئندہ نسل کے سامنے رکھ دینا چاہیے ورنہ ہماری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں کی مثال تو ہمارے اوپر اپنی تمام وسعتوں اور گہرائیوں کے ساتھ منطبق ہو رہی ہے۔'' (التبیان: ص ۱۵۔۱۶۔ ماہ اکتوبر ۲۰۱۰ء حیات ثنائی کے چند اہم گوشے قسط ۲)

☆ عالم عرب وعجم میں دعوت اہل حدیث کے اثرات کے تعلق سے رحمانی صاحب کی معلومات بے حد گہری اور وسیع ہیں

اور آپ کی تحقیق کے مطابق تو اس کا ایک سرا چودھویں صدی ہجری کے مجدد شیخ محمد نذیر حسین دہلوی (۱۲۲۰۔۱۳۲۰ھ) سے جڑا ہوا نظر آتا ہے تو دوسرا سرا آپ کے شاگردان باوقار سے مربوط دکھائی دیتا ہے۔ ایشیاء، افریقہ یورپ سبھی ممالک تک میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا اور ہر طرف ان کی دعوتی مساعی اور جہود کے اثرات دکھائی دے رہے تھے رحمانی صاحب رقمطراز ہیں کہ۔

''چودھویں صدی ہجری کے مجدد شیخ محمد نذیر حسین محدث دہلوی (۱۲۲۰۔۱۳۲۰ھ) کے اپنے ساٹھ سالہ دور تدریس وتحدیث میں چار پشتوں کو اپنے تجدیدی واصلاحی اثرات سے متاثر کیا۔ اور ان کے تجدیدی اثرات تقریباً تمام ایشین وافریقن ممالک اور بعض یوروپین ممالک تک پہونچے اگر ایک طرف ان کے تلامذہ سعد بن عتیق، اسحاق بن عبدالرحمن آل الشیخ، علی بن وادی نے جزیرۂ عربی کو بھرپور انداز میں متاثر کیا، اور علی بن وادی کے ذریعہ عبدالرحمن سعدی اور ان کے شاگرد رشید محمد صالح العثیمین اور سعد بن عتیق اور اسحاق بن عبدالرحمن کے ذریعہ محمد بن ابراہیم اور عبدالعزیز بن باز اور ان کے تلامذہ کو بالواسطہ متاثر کیا تو دوسری جانب میاں صاحب کے تلامذہ ابو محمد ابراہیم آروی اور عبدالحق بہاول پوری وغیرہم نے حرمین کے علماء کو مستفید کر کے یہ تجدیدی اثرات حجاز میں پھیلائے، تیسری جانب آپ کے شاگردان عبدالسلام مبارکپوری اور عبدالرحمن محدث مبارکپوری کے ذریعہ عبدالعزیز بن راشد نجدی اور عبداللہ بن یابس

ابھرے جنہوں نے مصر کی سرزمین پر پہنچ کر اپنے اثرات وہاں سے افریقہ تک پھیلائے شیخ الاسلام مجدد قرن رابع عشر میاں سید محمد نذیر حسین محدث رحمہ اللہ کے تلامذہ کے پہلے اور سب سے اونچے طبقہ کے علماء ابو محمد ابراہیم آروی، عبداللہ غزنوی غلام رسول قلعہ میاں سنگھ، علامہ غلام حسن سیالکوٹی، سید احمد حسن دہلوی عبدالمنان وزیر آبادی، عبداللہ غازی پوری، محمد حسین بٹالوی، عبدالعزیز رحیم آبادی، شمس الحق ڈیانوی، عین الحق پھلواری وغیرہم نے تو برصغیر ہند موجودہ پاکستان و بنگلہ دیش اور ماوراء النہر اور برما وغیرہم بشمول نیپال کو میاں صاحب کے تجدیدی اثرات سے بہرہ ور رکھا، اور میاں صاحب کے تلامذہ کے دوسرے طبقہ کے ایک ممتاز عالم و مردم گر مربی احمد اللہ خاں پرتاب گڑھی نے دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں بیٹھ کر برصغیر ہندو پاک کے لئے نذیر احمد رحمانی اور عبیداللہ رحمانی جیسے عباقرہ علم وفن دیئے اور عبداللہ محمد قرعاوی جیسے امام تدریس و تعلیم اور مصلح و مجدد کو جنوب سعودی عرب تہامہ و یمن کے لئے تیار کیا۔

مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی کے خاص شاگرد شیخ عبداللہ بن محمد بن احمد القرعاوی نے دو مرتبہ سفر کر کے دار الحدیث رحمانیہ کے سارے اساتذہ بالخصوص مولانا احمد اللہ بن امیر خاں پرتاب گڑھی سے سارے علوم وفنون میں مستفید ہو کر اور سند اجازہ لے کر سعودی عرب کے اس علاقہ میں جو تہامہ کے نام سے مشہور ہے اور جو سعودی عرب کے جنوب میں یمن کے حدود پر واقع ہے جہاں کفر والحاد، شرک و بددینی، جہالت و باطنیت اور مکرمیوں کا اڈہ تھا۔ پہنچ کر شب و روز محنت کر کے تقریباً پچاس سال کی مدت میں اپنے صالح شاگردوں کی ایک ٹیم تیار کی جس سے آنے والی نسلوں کو ان تجدیدی اثرات سے مستفیض کیا، اور سینکڑوں مدارس، و مکاتب اور مساجد قائم کر کے علم کی روشنی پھیلائی جو آج بھی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں لگے ہوئے ہیں اسی سرزمین سے عبداللہ قرعاوی کے شاگردوں کا وہ طبقہ نمودار ہوا جس میں حافظ حکمی، موسیٰ بن حاسر سہلی، عمر جردی مدخلی، محدث و ناقد دوراں ربیع بن ہادی مدخلی، علی بن ناصر فقیہی، ہادی مدخلی وغیرہ ابھرے۔ (التبیان۔ مئی ۲۰۱۰ء، ص:۹۔۱۰ حجاز و نجد قسط نمبر ۱۰)

☆ عالم عرب میں سلفیت اور اس کی تبلیغ و اشاعت نیز یورپ و امریکہ میں سلفیت کے فروغ کے سلسلے میں اپنے استاد علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کی خدمات کو سراہتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: ''جامعہ (مدینہ یونیورسٹی) کے ذمہ داران شیخ ابن باز، شیخ محمد ناصر العبودی اور شیخ عمر فلاتہ کی طرف سے ان کا احترام اور ان کی طرف سے حق گوئی اور توحید و سنت کی نشر و اشاعت میں غیرت و جراءت کا کوئی جواب نہیں تھا استاد محترم شیخ حماد انصاری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ ڈاکٹر ہلالی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ صحیح حدیث سے ثابت ہو جاتا ہے خواہ وہ ان کے اساتذہ کی رائے کے خلاف ہو وہ فوراً حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کسی لیت و لعل اور تاویل کو وہ دراندازنہیں ہونے دیتے ان کی اس حق گوئی، جرأت اور سلفیت کے لئے غیرت کا یہ بہترین نتیجہ تھا کہ مصر، عراق ہندوستان، مغرب الجزائر، تونس، موریتانیا، اور جرمنی وغیرہ میں کافی بڑی تعداد سلفی بزرگوں اور جوانوں کی ہے ان کی غیرت اور جد و جہد اور امام محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تصنیفات اور دعوت و تبلیغ نے امریکہ اور یورپ کے مسلمانوں کی کایہ پلٹ کر رکھ دی اور آج یورپ اور امریکہ میں سب سے زیادہ پرجوش باعمل اور متحرک سلفی حضرات ہی ہیں، کثر اللہ سوادھم۔

(التبیان: ص ۸ جنوری ۲۰۱۰ء حجاز و نجد سے متعلق یادداشتیں قسط ۷)

فتاوی شیخ الحدیث جلد اول کے مقدمہ پر رحمانی صاحب کی ایک بلیغ تنبیہ اور نشاندہی:

شیخ الحدیث احمد اللہ پرتاب گڑھی کا شمار شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری کے بڑے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت بھی ہے۔ مگر ہماری بدقسمتی کہیے یا اپنی تاریخ سے ناوابستگی اور عدم واقفیت کہیے فتاوی شیخ الحدیث مطبوعہ مکتبہ ترجمان دہلی کی جلد اول کے مقدمہ میں جہاں شیخ الحدیث عبیداللہ صاحب کے اساتذہ کا تذکرہ ہے وہاں ان کے بڑے استاد شیخ احمد اللہ پرتاب گڑھی کا نام موجود نہیں ہے، اس عظیم بھول پر افسوس کرتے ہوئے اور نوٹس لیتے ہوئے رحمانی صاحب نے لکھا ہے کہ ''اس موقع پر شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ مبارکپوریؒ کے فتاوی کی جلد اول کے مقدمہ میں شیخ الحدیث احمد اللہ کے اساتذہ کا تذکرہ پڑھتے ہوئے انتہائی دکھ ہوا کہ اس میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے سب سے بڑے استاد شیخ الحدیث علامہ احمد اللہ خان پرتاب گڑھی رحمہ اللہ علیہ جن کا تذکرہ استاد محترم مولانا عبدالرحمن رحمانی مبارکپوری نے مقدمہ مرعاۃ المفاتیح میں کیا ہے ان کا تذکرہ شیخ الحدیث صاحب کے فتاوی کی اشاعت میں نہ تو مرتب فتاویٰ نے کیا نہ مقدمہ نگار نے کیا اور نہ نظر ثانی کے وقت عزیزم ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب زادہ گرامی شیخ الحدیث ہی نے کیا کاش فتاویٰ کی ان دونوں جلدوں پر نظر ثانی استاد محترم مولانا عبدالرحمن رحمانی مدنی مبارکپوری خلف کبیر اور نائب شیخ الحدیث نے کرلیا ہوتا تو ان شاء اللہ اتنی بڑی کوتاہی نہ رہ جاتی۔ (التبیان: ص ۱۲ دسمبر ۲۰۱۰ء حجاز ونجد سے متعلق یادداشتیں قسط ۱۲) یہ تنبیہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ رحمانی صاحب کی نظر معاصرین علماء اہل حدیث اور ان کی تاریخ وسیرت اور سوانح پر کتنی گہری اور دقیق تھی۔ (والفضل من اللہ)

(۳) اردو عربی زبان وادب میں بیک وقت مہارت روانی اور طلاقت:

رب العالمین نے رحمانی صاحب کو اردو عربی زبان وادب پر بیک وقت قدرت طلاقت اور روانی کی بھرپور صلاحیت عطا کی تھی۔ آپ کی تحریریں آپ کی تقریریں اور علم واہل علم کی مجلسوں میں آپ کی گفتگو بڑی عالمانہ اور دلبرانہ ہوتی تھی۔ جب الفاظ کے معانی اور اس کی گہرائی میں اترتے تو اس لفظ کی حقیقت، اشتقاق، وزن، اس کے استعمالات اور مختلف اعتبارات سے اس کی زبانی ولسانی حیثیت سے مکمل پردہ اٹھادیتے تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں حسن اتفاق سے ہمیں بھی آپ کی شاگردی کا موقع نصیب ہوا معلم الانشاء کی گھنٹی میں آپ سے عربی زبان وادب اور انشاء پردازی کا ہنر سیکھنے کو ملا کاش کہ یہ عرصہ دراز ہوتا ایک بار حیث کی بحث چھڑ گئی مسلسل تین یا چار دنوں تک رحمانی صاحب لفظ حیث کی لغوی وصرفی تحقیق اور اس کے استعمالات پر گفتگو کرتے رہے اور پوری گھنٹی کی پوری مسلسل تین دنوں تک ایسا لگا کہ لمحے میں گزر گئی، اردو زبان وادب پر قدرت کی وجہ سے برصغیر ہندوپاک ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں آپ کی بے حد پذیرائی تھی، عالم عرب سے لے کر یورپ اور امریکہ تک چوٹی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں آپ صف اول کے مقررین اور قلمکاران کی فہرست میں شمار کئے جاتے تھے اور آپ کی باتیں آپ کے افکار، آپ کے منہج اور قوت استدلال سے علماء طلباء اور عوام سبھی فیضیاب ہوتے تھے زبان وادب پر قدرت اور مطالعہ کی وسعت

اور بحث وتحقیق میں اجتہادی صلاحیت کی وجہ سے آپ نے مختلف سلگتے ہوئے مسائل کو اپنا موضوع بنایا بالخصوص تاریخ اسلام، تاریخ اہل حدیث، حجیت حدیث وفتنہ انکار حدیث اور اس کی تاریخ پر تو آپ کا کوئی ثانی اور مقابل نہ تھا نواب صدیق حسن خاں کی خدمات پر آپ کا عربی مقالہ بے حد علمی اور وقیع ہے۔ زوابع فی وجہ السنہ کا مقدمہ، ہندوستان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی دعوت کے اثرات بزبان عربی پر آپ کی تقریظ علمی تاریخی ہونے کے ساتھ ایک ادبی شاہکار ہے جریدہ ترجمان دہلی سے لے کر صوت الجامعہ بنارس تک اور التوعیہ دہلی سے لے کر التبیان کے صفحات پر آپ کی تحریریں مجمع البحوث الاسلامیہ دہلی سے شائع شدہ عربی اردو کتابوں پر آپ کے مقدمے اس کی بہترین مثال ہیں۔

ہندوستان اور بیرون ہند آپ کے علمی محاضرات اور مختلف موضوعات پر دروس وخطابات اور عالمی کانفرنسوں میں آپ کی تقریروں کو دیکھا اور سنا جائے تو یہ حقیقت اور بھی آشکار ہو جائے گی، ذیل میں کچھ اہم خطبات، محاضرات اور لیکچرز کی فہرست دی جا رہی ہے جس سے قارئین کو یہ فیصلہ لینے میں آسانی ہوگی کہ رحمانی صاحب کی علمی وادبی شخصیت صرف ہندوستان پر ہی مسلم نہیں تھی بلکہ بیرون ہند اس سے کہیں زیادہ آپ کی سراہنا کی جا رہی تھی اور آپ کے محاضرات اور خطابات کو علم وادب اور تحقیق وتدقیق کا ایک شاہکار مانا جاتا تھا۔ آپ نے جن عناوین پر خطاب ومحاضرات دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) اسلام میں تعلیم نسواں۔ بمقام ایس آئی ای کالج مدراس یونیورسٹی چنئی

(۲) رسول اللہ کی مدنی زندگی۔ نیو کالج مدراس یونیورسٹی چنئی۔

(۳) عصری تعلیم اور اسلام۔ اسلامک کالج سرینگر کشمیر۔

(۴) سائنس اور اسلام۔ سائن کالج سری نگر کشمیر

(۵) اسلام میں نظام تعلیم وتربیت۔ ٹیچرز ٹرینگ کالج

(۶) سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

(۷) اسلام میں اور دیگر مذاہب کا تقابلی مطالعہ

(۸) اسلام میں سیرت کی حیثیت

(۹) امت مسلمہ کی حیثیت اور دیگر امتوں کے تئیں اس کی ذمہ داریاں۔ جو سعودی عرب، کویت، قطر، بحرین، مصر، امریکہ، برطانیہ، ترکی، ملیشیا، سنگاپور، بنگلہ دیش، نیپال

(۱۰) ملک عبدالعزیز آل سعود رحمہ اللہ کی زندگی۔ ریاض ۱۹۸۵ء عالمی کانفرنس

(۱۱) حرمین شریفین کی عظمت۔ استانبول ترکی ۱۹۸۸ء بین الاقوامی کانفرنس

(۱۲) اسلامی مقدسات پر بین الاقوامی کانفرنس لندن ۱۹۸۸ء

(۱۳) خلیجی بحران رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ ۱۹۹۰ء

(۱۴)دعوۃ الکتاب والسنۃ کانفرنس مشن گن سٹی امریکہ ۱۹۹۰ء

(۱۵)جنوبی ایشیاء کے مسلمان، سیلون سری لنکا اگست ۱۹۹۳ء

(۱۶)یورپی مسلمانوں کے مسائل لندن ستمبر ۱۹۹۳ء

(۱۷)وسط ایشیاء کے مسلمان قاہرہ مصر ستمبر ۱۹۹۳ء

(۱۸)اسی طرح رابطہ الجامعات الاسلامیہ کی چھٹی کانفرنس اردن نومبر ۱۹۹۹ء اور اجتماع برائے فارغین سعودی جامعات جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ مئی ۱۹۹۹ء، جمعیت اہل حدیث ڈھاکہ بنگلہ دیش کی ساتویں عالمی کانفرنس ۱۹۹۹ء موسسۃ الملک فیصل الخیر یۃ ریاض کا بیس سالہ جشن مئی ۱۹۹۶ء اور اس کے علاوہ ہندو بیرون کی بیشتر کانفرنسوں اور سیمیناروں کو آپ نے زینت بخشی اور اپنی زبان وادب کے جوہر دکھائے۔

بین الاقوامی سطح پر آپ کی شخصیت ایک علمی وادبی شخصیت مانی جاتی تھی اور عقیدہ سلف کی بے باک اور صاف وشائستہ ترجمانی میں آپ کے بے پناہ صلاحیتوں سے قدرت نے نوازا تھا، اہل عرب آپ کی علمی اور تاریخی تحقیقات اور معرفتوں سے فیضیاب ہونے کے لئے بے تاب رہا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ عرب کے مشہور ومعروف اور کثیر الاشاعت اخبارات کے مدیران ایڈیٹرس ومسئولین نے آپ سے عربی زبان میں متعدد بار انٹرویوز لئے اور اس کی تفصیل اپنے روزناموں اور جرائد میں شائع کئے ۱۴۰۳ھ روزنامہ الجزیرہ کے دوشماروں میں آپ کا وہ انٹرویوز جو ڈاکٹر محمد سعد الشویعر نے آپ سے ریاض میں لیا تھا بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع ہوا اور اپنی افادیت کے پیش نظر منظور خاص وعام ہوا۔

جریدہ عقیدتی کے مدیر نے قاہرہ میں آپ سے گفتگو کی اور انٹرویو کی شکل میں آپ سے کچھ سوالات پوچھے اور اسے بڑے پیمانے پر اپنے جریدہ کے صفحات کی زینت بنایا انٹرنیشنل جریدہ المسلمون کے ایڈیٹر کا لیا ہوا انٹرویو بے حد عمدہ اور قابل مطالعہ تھا اور روزنامہ الشرق الاوسط میں آپ کا انٹرویو ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ مصر کے مشہور سلفی جریدہ مجلہ التوحید کے صفحات میں آپ کے خیالات اور منہجی وعقدی افکار وآراء اس کے شمارنمبر ۷۔۸ میں ۱۴۱۴ھ میں بڑی آن بان سے شائع کئے گئے۔ ۱۹۹۴ء میں امارات عرب سے شائع ہونے والے مجلہ الاقتصاد الاسلامی نے آپ سے انٹرویو لیا اور فروری مارچ کے شماروں میں اسے شائع کر کے عوام اور خواص کی پذیرائی لوٹی اور یہ طلاقت روانی بلاغت، شگفتگی الفاظ اور شوکت کلام آپ کی زبان وتحریر میں کیوں نہ پائی جائے جب کہ ہندوستان کے ابن تیمیہ مولانا آزاد علیہ الرحمہ کی تحریریں، مقالات اور کتابیں آپ کا اوڑھنا بچھونا تھیں اور مولانا نذیر احمد رحمانی، مولانا شمس الحق سلفی اور عبدالمعید بنارسی جیسے اساطین علم وفن سے آپ کی شخصیت نے فیض پایا تھا۔ اسی طرح عربی زبان وادب کے مشہور ومعروف ناقد، صاحب طرز انشاء وادیب علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کی شاگردی اور آپ کی رفاقت، سفر وحضر میں علمی صحبت کا فیضان ملا تھا۔

☆ **اردو زبان ادب میں رحمانی صاحب کی طلاقت وروانی کی ایک مثال:** مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ پر ایک مفصل

مضمون بعنوان ''حیات ثنائی کے چند اہم گوشے'' میں رحمانی صاحب کا قلم جس طرح موتیاں بکھیرتے اور ایک لمبی تاریخ اور طویل داستان کو کوزہ میں بند کرتے ہوئے نظر آتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے شیر پنجاب فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری کے سلسلے میں آپ بایں الفاظ رقم طراز ہیں: شیخ الاسلام ابوالوفاء امرتسری رحمہ اللہ ہندوستان میں اسلام کا ایک عظیم معجزہ تھے اس مرد مجاہد نے الحاد واباحیت، شرک وکفر، بدعات وخرافات، آریت وسناتن دھرم، شدھی سنگھٹن عیسائیت، قادیانیت، بہائیت، بابیت تشیع ورفض خاکسار، اسماعیلیہ، بوہرہ، قبوری شریعت، تصوف وجوگ، انکار سنت اور چکڑالویت وغیرہ سیکڑوں فتنوں کا مقابلہ تن تنہا کیا، سن شعور سے لے کر اپنی زندگی کے آخری سانس تک یہ عظیم مجاہد اسلام اور اس کی تعلیمات کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ سے نبرد آزما ہوتا رہا اور اسی راہ میں پوری مجاہدانہ شان سے اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی''۔

(التبیان: ص۸ ستمبر ۲۰۱۱ء/حیات ثنائی کے چند اہم گوشے قسط ۱)

☆ **علامہ اقبال کے سلسلے میں رحمانی صاحب کا حقیقت پسندانہ تبصرہ:** شاعر مشرق علامہ اقبال کی تربیت وتعلیم جس ماحول میں ہوئی اس کی وجہ سے وہ سنت کے چشمۂ صافی سے دور ہوتے چلے گئے اور شاعری میں عظمتوں کی چوٹی تک پہنچنے کے باوجود بھی بھٹکنے اور ٹھوکر کھانے سے نہیں بچ سکے اس سلسلے میں رحمانی صاحب کی برجستہ صراحت اور جچے تلے الفاظ میں شائستہ تنقید اور تجزیہ ملاحظہ کریں لکھتے ہیں۔''ڈاکٹر اقبال رحمہ اللہ کا واقعہ بھی کچھ اسی سے ملتا جلتا ہے انہیں مولانا غلام حسن سیالکوٹی جیسے مخلص سلفی موحد اور متبع سنت امام کی بارگاہ میں بھیجا گیا لیکن وہ سید میر حسن کی غزل گاہ کا شکار ہو گئے اور سنت صحیحہ توحید خالص اور اتباع سنت کے چشمہ صافی سے محرومی انکا مقدر بن گئی مابعد الطبعی مسائل اور مسئلہ اقتصاد کے حل کے سلسلے میں انہیں جو ٹھوکریں لگیں اور سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم، بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے، جیسے گستاخانہ اور نظام الدین اولیاء کی بابت ''موسی وخضر سے اونچا ہے مقام تیرا'' جیسے اہانت انبیاء اور نظام الدین اولیاء سے استغاثہ وغیرہ تک پر مشتمل اشعار اور جرمنی کی ان کی غیر اسلامی اور رنگین زندگی، شراب نوشی تک کی جرأتیں نہ ہوتیں اگر وہ مولانا غلام حسن سیالکوٹی رحمہ اللہ کی تربیت گاہ کے فیوض سے اپنی زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں مشرف رہے ہوتے لیکن اس کے سوا ہم کیا کہیں کہ: ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن (التبیان: ص ۷ استمبر ۲۰۱۱ء حیات ثنائی)

☆ فضا ابن فیضی کا مجموعہ کلام 'سبزہ معنیٰ بے گانہ' کا مقدمہ رحمانی صاحب کی اردو زبان وادب پر تاریخی اور ادبی دسترس کی ایک بے مثال اور لاجواب تحریر ہے پورا مقدمہ از ابتداء تا آخر پڑھنے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں کہ: ''فضا کی شاعری میں ابتذال نہیں ہے ان کی شاعری علو تخیل، شوکت الفاظ، شگفتگی بیان، پاکیزگی فکر اور کمال فن سے عبارت ہے فضا کی فکر اور اسلوب پر عربی اور فارسی ادب عالیہ کی گہری چھاپ ہے، اور اسی سے انکا اپنا اسلوب بھی اعلیٰ اور کلاسیکی ہے جس کی وجہ سے کچھ لوگ ان پر مشکل پسندی کا الزام عائد کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ (التبیان ستمبر ۲۰۱۱ء ص ۲۳، بعنوان لہو کی شاخ پہ ہنستا گلاب)

❑❑❑

باب چہارم

مرحومین علمائے اہل حدیث ۲۰۱۶ء

مولانا عبدالقیوم مکی رحمہ اللہ بنارس

(ولادت: ۱۳۹۵ھ = ۱۹۷۴ء، وفات: ۱۴۳۷ھ = ۲۰۱۶ء)

مولانا محمد یونس مدنی

حسب ونسب: آپ کا نام عبدالقیوم اور کنیت ابوحمدان ہے۔ آپ کا نسب نامہ ذیل میں درج ہے:

مولانا عبدالقیوم بن عبدالرحمن بن عبدالجبار بن منشی اسحاق بن وزیر۔

آپ بجرڈیہہ بنارس کے محلہ نئی بستی میں ایک متوسط گھرانہ میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مدرسہ احیاء السنۃ بجرڈیہہ میں ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) میں داخلہ لیا اور ثانویہ ثانیہ کا چار سالہ کورس ۱۴۰۸ھ میں مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے آپ نے مرحلہ عالمیت کی تکمیل کی اور ۱۴۱۲ھ میں عالمیت کی سند حاصل کی۔ (ریکارڈ جامعہ سلفیہ)

فراغت کے بعد مشغلہ: مولانا عبدالقیوم بنارسی رحمہ اللہ کا آبائی پیشہ بنارسی ساڑی کا تھا، لیکن فراغت کے بعد درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ سے وابستہ ہوگئے اور یکم اپریل ۱۹۹۴ء سے مدرسہ احیاء السنۃ بجرڈیہہ میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، تقریباً تین سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا، دریں اثناء مکہ مکرمہ جامعہ ام القری میں آپ کا داخلہ ہوگیا اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ۱۰ جنوری ۱۹۹۷ء سے ۳۰؍جون ۲۰۰۳ء تک مدرسہ سے رخصت حاصل کی، اور اس دوران اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ''لیسانس'' کی ڈگری حاصل کرلی، بعدہ اپنے وطن مالوف بنارس واپس آگئے اور یکم جولائی ۲۰۰۳ء سے دوبارہ مدرسہ احیاء السنۃ بجرڈیہہ بنارس میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، چونکہ حدیث سے آپ کو شغف تھا اس لئے مدرسہ احیاء السنۃ میں دوسرے علوم وفنون کے ساتھ حدیث کا بھی درس دیتے تھے، مدرسہ احیاء السنۃ کے ریکارڈ کے مطابق آپ نے ۶ جنوری ۲۰۱۶ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

دعوت وتبلیغ سے دلچسپی: مولانا موصوف رحمہ اللہ کو درس وتدریس کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ سے بھی دلچسپی تھی، خطبہ جمعہ بڑے اہتمام سے دیا کرتے تھے، کسی نہ کسی مسجد میں نماز کے بعد آپ کا درس بھی ہوا کرتا تھا۔ مسجد اہل حدیث نئی بستی میں آپ بعد نماز عصر برابر درس دیا کرتے تھے، جب بھی مجھے وہاں عصر کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تو میں نے آپ کو درس دیتے ہوئے پایا، آج مدارس کے اساتذہ کرام میں یہ کمی ہے کہ جمعہ وجماعت پڑھانے سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں جب کہ ان کا دینی اور اخلاقی فرض ہے کہ درس قرآن وحدیث اور خطبہ جمعہ دیا کریں اور اہتمام کے ساتھ فریضہ کی انجام دہی کی کوشش کریں تاکہ لوگوں کو فائدہ پہنچے اور اپنے اوپر عائد ذمہ داری پوری کرسکیں، وفق اللہ الجمیع۔

دعوت وتبلیغ سے شغف: آپ اہل حدیث نوجوانان بنارس کی دعوتی واصلاحی تنظیم جمعیۃ الشبان المسلمین کے ریکٹر تھے، اس کے اصلاحی پروگراموں کو ترتیب دیتے اور جمعیت کے دعوتی کاز کو آگے بڑھانے میں بڑی دلچسپی لیتے تھے، مختلف مقامات میں آپ وعظ وارشاد کے لئے بھی جاتے، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ بجرڈیہہ میں منعقد ہونے والے اجلاس میں مولانا کے ساتھ میری بھی تقریر ہوئی ،مولانا باآواز بلند تقریر کرتے اور عقیدہ کے معاملہ میں بڑے سخت تھے، اس کا اظہار آپ کی تقریروں میں بھی ہوتا تھا۔

مولانا عبدالقیومؒ رفاہی کاموں میں بھی دلچسپی لیتے، لوگوں کے کام آتے اور غریبوں اور محتاجوں کا تعاون بھی کرتے تھے۔ لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا اور مہمانوں کی ضیافت کرنا آپ کی زندگی کا معمول تھا۔ تقبل اللہ حسناتہ وغفر لہ۔

مرض: مولانا عبدالقیوم رحمہ اللہ تقریباً تین ماہ سے صاحب فراش تھے، علاج ومعالجہ جاری تھا مگر کوئی خاص افاقہ نہیں ہوا، میں ایک دن بعد نماز عشاء ان کی عیادت کے لئے گیا، ان سے حال پوچھا تو بتلایا کہ آرام ہے لیکن بظاہر مرض میں کوئی خاص کمی محسوس نہیں ہورہی تھی، کچھ دیر بیٹھا، ان کے لئے صحت وعافیت کی دعا کی، آنے لگا تو فرمایا رک جاؤ اتنے میں ان کے صاحبزادے ضیافت کرنے لگے اور ضیافت میں بڑا اہتمام کیا، جزاھم اللہ خیرا۔

کینسر جیسے مہلک مرض کے باوجود شکر وسپاس کے کلمات زبان پر تھے، بالآخر مالک ارض وسماء نے آپ کو اپنے پاس بلالیا، ۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ مطابق ۷ رجنوری ۲۰۱۶ء بروز جمعرات صبح ۶ بجے اپنی جان، جان آفریں کے حوالہ کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نماز جنازہ بعد نماز ظہر ڈھائی بجے جمعیت الشبان المسلمین کے ڈائرکٹر مولانا محمد جنید مکی حفظہ اللہ نے پڑھائی، جنازہ میں کافی لوگ تھے، بنارس کے علاوہ آس پاس کے افراد بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔

مولانا عبدالقیوم رحمہ اللہ کو ان کے آبائی قبرستان بجرڈیہہ واقع جکھا پر سپرد خاک کردیا گیا۔

آپ نے پسماندگان میں اپنی اہلیہ، دو بیٹے، تین بیٹیاں، اور والد محترم کو چھوڑا۔ آپ کا بڑا لڑکا حمدان عدیل جامعہ سلفیہ کے ثانویہ ثانیہ میں زیر تعلیم ہے، اللہ کرے یہ عالم دین بنے اور اپنی والد کا صحیح اور سچا جانشین ثابت ہو۔

مراجع

(۱) ریکارڈ جامعہ سلفیہ بنارس،

(۲) ریکارڈ احیاء السنۃ بنارس

(۳) ''التبیان'' دہلی مجریہ جنوری ۲۰۱۶ء

(۴) انقلاب روزنامہ بنارس

(ماخوذ از تراجم علمائے اہل حدیث بنارس از مولانا محمد یونس مدنی ص ۱۸۷۔۱۹۰)

❑❑❑

مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی رحمہ اللہ

مولانا عاشق علی اثری، دہلی

مورخہ ۲۹ جنوری ۲۰۱۶ء بروز جمعہ صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر خاندان صادق پور کے گل سرسبد مولانا سید عبدالسمیع جعفری مدنی صادقپوری (م ۱۴ اکتوبر ۲۰۱۵ء) رحمہ اللہ ابن مولانا حکیم عبدالخبیر صادقپوری (م ۱۹۷۳ء) رحمہ کے حالات زندگی پر مضمون کی تسوید میں مشغول تھا، اہل خانہ اور بچے بھی ناشتہ سے فارغ ہوکر میرے پاس بیٹھ گئے، دوران گفتگو تقریباً ۱۱:۳۰ بجے دن اہلیہ محترمہ سلمھا اللہ تعالیٰ وشفاھا شفاء کاملاً وعاجلاً نے رات میں اپنے ایک خواب دیکھنے کا ذکر کیا کہ سب لوگ میرے چچازاد بھائی کے گھر (میرے وطن موضع تلسرڑی) شادی کی ایک تقریب میں گئے ہوئے ہیں (شادی کی یہ تقریب ان شاءاللہ تعالیٰ مئی ۲۰۱۶ء میں منعقد ہوگی) اور اس موقع پر بھیانک آگ لگ گئی اور بڑی مشکل سے اس پر کنٹرول ہوا۔

اتفاق سے اسی رات میں نے بھی ایک خواب دیکھا تھا کہ میرے گھر میری بڑی پھوپھی (جن کی وفات بہت پہلے ہوچکی ہے) رحمہا اللہ وغفرلہا تشریف لائی ہیں، ان کے ساتھ دیر تک گفتگو ہوئی ہے اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ اہلیہ کے خواب کا ذکر کرنے پر مجھے بھی اپنا یہ خواب یاد آ گیا اور سب کے سامنے میں نے اس کا ذکر کرکے کہا کہ میرے تجربہ کی روشنی میں ایسے خواب کسی عزیز اور محبوب شخصیت کی وفات کی علامت ہوتے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد میں حسب سابق اپنا مقالہ لکھنے میں لگ گیا۔ اس کے تھوڑی دیر کے بعد عزیز گرامی جناب مولانا عبدالبر سنابلی، مدنی سلمہ اللہ تعالیٰ ووفقنی وایاہ لکل ما یحبہ ویرضاہ۔ کے موبائل سے میرے موبائل پر فون آیا۔ اس وقت فون غیر متوقع تھا۔ فون اٹھاتے ہی مولانا نے میرے مشفق استاذ، کامیاب مدرس وداعی، شاعر وادیب مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی کی وفات حسرت آیات کی اندوہناک خبر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تعلیمی سال ۶۶۔۱۹۶۵ء میں راقم سطور اپنی مادر علمی مدرسہ شمس الہدیٰ، مہدیوا ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) سے درجہ پنجم امتیازی نمبرات سے پاس کرکے استاذ گرامی مناظر اسلام، مؤلف ''پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم'' مولانا عبدالمبین منظر (م ۲۷ راکتوبر ۱۹۸۹ء) رحمہ اللہ کے تعلیمی وتربیتی ادارہ جامعہ شمس العلوم سمرا، ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) یوپی، میں عربی واسلامی تعلیم کے لئے گیا۔ اس وقت وہاں جماعت رابعہ تک بڑی ٹھوس تعلیم ہو رہی تھی اور عربی درجات میں صرف دو مدرسین تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ ایک استاذ گرامی جناب مولانا عبدالمبین منظر رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے استاذ مشفق ومکرم جناب مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

جامعہ شمس العلوم سمرا میں استاذ گرامی نے چار سال تک (تعلیمی سال ۶۶۔۱۹۶۵ء سے ۶۹۔۱۹۶۸ء) تدریسی فریضہ انجام

دیا۔ اور راقم سطور نے مذکورہ بالا دونوں مشفق اساتذہ گرامی کے زیر سایۂ شفقت پہلی جماعت سے چوتھی جماعت تک کی تعلیم حاصل کی۔ الحمد للہ شمس العلوم سمرا سے نکلنے کے بعد سے حصول تعلیم کے دوران اور جامعہ اثریہ دار الحدیث سے ستمبر ۱۹۷۲ء میں فراغت کے بعد سے تا حیات استاذ گرامی سے برابر خط وکتابت اور فون کے ذریعہ روابط برقرار رہے۔ ابھی آپ کی وفات سے تقریباً ہفتہ عشرہ پہلے میں نے مولانا کے موبائل پر فون کیا، مولانا نے فوراً فون اٹھایا۔ سلام ودعا کے بعد مولانا نے بتایا کہ اس وقت میں ممبئی میں ہوں۔ ٹھنڈی سے بچنے کے لئے بیٹیوں نے مجھے ممبئی بلا لیا تھا۔ وطن واپسی کا ٹکٹ ۴ فروری ۲۰۱۶ء کا بنا ہوا ہے۔ ان شاء اللہ ۴ فروری کو ممبئی سے وطن کے لئے روانہ ہو جاؤں گا، مگر کسی کو کیا معلوم تھا کہ ۴ فروری آنے سے پہلے ہی استاذ گرامی کا اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف سفر کا ریز رو ہو چکا ہے۔ سچ فرمایا رب کائنات نے: {فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ} (النحل:۱۶:۶۱) ''جب ان کی موت کا وقت آجائے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔''

اور شاعر نے کہا ہے ؎

سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

{إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ} (لقمان: ۳۱:۳۴)

''بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے جانتا ہے۔ کوئی (بھی) نہیں جانتا کہ کل کیا (کچھ) کرے گا؟ نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا؟ (یاد رکھو!) اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے''۔

راقم سطور کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ شمس العلوم سمرا میں چار سالہ حصول تعلیم کے زمانہ میں استاذ گرامی کے کپڑے میں خود دھوتا۔ اس دور میں کپڑوں پر پریس (آئرن) کرنے کا رواج نہیں تھا تو اپنے اور استاذ گرامی کے کپڑے دھو کر اور تہہ کر کے اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیتا اور وہی اس وقت کا پریس مانا جاتا۔ استاذ گرامی کو جب کپڑا پہننا ہوتا تو مدرسہ پر تشریف لاتے اور پوچھتے کہ عاشق علی کیا کوئی کپڑا صاف ہے؟ فوراً تکیہ کے نیچے رکھ کر پریس کیا ہوا کپڑا حاضر خدمت کر دیتا۔ استاذ محترم مولانا منظر صاحب رحمہ اللہ تو کبھی کبھار اس خدمت کا شرف حاصل کرنے کا موقع دیتے لیکن مولانا ماہر صاحب رحمہ اللہ نے تو شمس العلوم سمرا کے پورے دور طالب علمی میں اس خدمت کا موقع عطا فرمایا۔ فللہ الحمد۔

استاذ گرامی مولانا ماہر صاحب رحمہ اللہ کی بعض اہم اور قیمتی نصیحتیں دوران طالب علمی اور زمانہ تدریس میں بھی میرے شامل حال رہیں جواب تک یاد ہیں اور وہ مجھ طالب علم کے لئے مشعل راہ ہیں، جن کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ شاید کہ وہ دوسرے علماء، طلبہ اور میدان دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس میں جادہ پیمائی کرنے والوں کے لئے بھی مفید وکارآمد ہوں:

☆ جامعہ شمس العلوم سمرا میں پڑھنے کے زمانہ میں ایک روز سخت گرمی کے موسم میں صلاۃ عشاء میں ہم سب طلبہ لنگی اور بنیان میں صلاۃ پڑھنے گئے، اس وقت وہاں کوئی مدرس نہیں تھا۔ اتفاق سے استاذ محترم جناب مولانا ماہر صاحب تشریف لے آئے تو سب کو اس کیفیت میں دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور صلاۃ کی اہمیت وغیرہ سمجھا کر مجھ سے خصوصی طور پر فرمایا کہ عاشق علی تم سے ایسی امید نہیں تھی۔ بحمداللہ مولانا کی اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ اس کے بعد کبھی اس طرح صلاۃ نہیں پڑھی۔

☆ سمرا سے جماعت رابعہ کی تعلیم مکمل کر کے جماعت خامسہ کیلئے جامعہ انوار العلوم پرساعماد میں داخلہ لیا وہاں ایک سال مکمل کر کے دوسرے سال جماعت سادسہ میں پڑھ رہا تھا، نصف سال گزر چکا تھا، ششماہی امتحان کے بعد والے فترہ میں باورچی نے ذمہ داران کی کسی بات پر ناراض ہو کر کام کرنا بند کر دیا۔ ذمہ داران نے اس پر طلبہ کو مورد الزام ٹھہرایا جب کہ طلبہ کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس پر بڑے طلبہ نے کلاس جانا بند کر دیا اور ایک اسٹرائک کی کیفیت پیدا کر دی۔ اتفاق سے اسی روز استاذ گرامی جناب مولانا ماہر صاحب جامعہ انوار العلوم تشریف لے آئے۔ رات وہاں گزارنے کے بعد دوسرے روز صبح مولانا ریواں جانے لگے۔ اسی روز طلبہ نے مدرسہ سے نکلنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ والد رحمہ اللہ اس معاملہ میں اتنے سخت تھے کہ جب میں چھٹیوں میں گھر جاتا تو ملاقات ہوتے ہی فوراً سوال کرتے کہ بھاگ کر تو نہیں آیا ہے؟ جب میں نفی میں جواب دیتا تو ان کو اطمینان ہوتا پھر اتنا ضرور فرماتے کہ خبردار! کبھی لڑائی جھگڑا کر کے یا بھاگ کر نہیں آنا۔ بنابریں میں استاذ محترم کا بیگ لے کر ان کے ہمراہ ریواں چلا گیا۔ راستہ میں میں نے طلبہ کی ہنگامہ آرائی اور ان کے پلان سے استاذ محترم کو آگاہ کیا تو موصوف نے اس قسم کے ہنگاموں سے دور رہنے کی نصیحت فرمائی۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ میں خود ان باتوں سے نفرت کرتا ہوں اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ چلا آیا ہوں۔ ریواں سے ہم لوگوں کی واپسی شام کو ہوئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ طلبہ برادری کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا ہوگا اور معاملہ رفع دفع ہو کر معمول پر آچکا ہوگا۔ استاذ محترم سے الگ ہو کر جیسے ہی میں اپنے کمرہ میں داخل ہوا تو طلبہ بھائیوں نے مجھے گھیر لیا اور لعن طعن کرنے لگے۔ اس وقت تو میں نے خاموشی اختیار کی اور استاذ گرامی کی رہنمائی کے لئے ریواں جانے کا عذر کیا اور کہا کہ کل چلیں گے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں کسی قیمت پر جانا نہیں چاہتا تھا اور یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ طلبہ برادری اسٹرائک کر کے ادارہ چھوڑے۔ اس لئے رات میں میں نے اپنے رفقاء درس کے ساتھ دیگر کلاس کے سنجیدہ بھائیوں کو اس اسٹرائک اور یونین بازی سے الگ رہنے پر ابھارا۔ بحمدللہ محنت رنگ لائی اور طلبہ کی اکثریت نے اس غلط حرکت سے الگ تھلگ اور دور رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ جس کی وجہ سے بعض طلبہ جو اس میں پیش پیش اور نمایاں تھے انہوں نے بھی سپر ڈال دیا۔ اس طرح اس موقع پر استاذ گرامی کی تشریف آوری اور ان کی گرانقدر نصیحت کی روشنی میں احقر کی حقیر کوشش سے یہ بلا ٹلی اور دوسرے دن سے تعلیم و تعلم کا سلسلہ باضابطہ شروع ہو گیا۔ فللہ الحمد والشکر۔

☆ استاذ محترم جب دلی تشریف لاتے اور ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے بانی وصدر محترم جناب مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ موجود ہوتے تو ان سے ملاقات کرنے اور اس خادم کو مستفید فرمانے کے لئے سنٹر میں کبھی احقر کے غریب خانہ پر تشریف لاتے۔

ایک مرتبہ اپنی دہلی آمد پر مرکز میں تشریف لائے،اس وقت مرکز چار کمروں سے بڑھ کر آٹھ کمروں پر پھیل چکا تھا۔کیونکہ پرانی بلڈنگ کے بغل میں چار کمروں پر مشتمل ایک دوسری بلڈنگ بھی خریدی جا چکی تھی اور میری رہائش ان میں سے ایک کمرہ میں تھی۔اس وقت کمروں کی کمی کی وجہ سے کوئی مہمان خانہ نہیں تھا اس لئے میں نے استاذ گرامی کو اپنے کمرہ میں مہمان رکھا۔رات کو صلاۃ عشاء اور کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد بانی مرکز مولانا رحمانی رحمہ اللہ اور مرکز کے پہلے تعلیمی وتربیتی ادارہ ''معہد التعلیم الاسلامی'' کا ذکر ہوا تو استاذ محترم نے فرمایا کہ بہ فضل الٰہی یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ مولانا رحمانی کی سرپرستی میں ان کے معروف ادارے سے جڑے ہوئے ہیں۔ان دنوں میرے ناتواں کندھوں پر اصولاً معہد کے نائب مہتمم اور عملاً مہتمم کا بارگراں ڈالا جا چکا تھا کیوں مہتمم صاحب یہاں سے مستعفی ہو چکے تھے اور میں اپنے سابق عہدہ 'نائب مہتمم' پر کام کر رہا تھا۔جس کی وجہ سے درس وتدریس سے زیادہ انتظام وانصرام میں سرکھپانا اور مغزماری کرنا پڑ رہا تھا۔میں نے استاذ محترم کے جواب میں عرض کیا کہ میں تو یہاں اس مقصد کے تحت آیا تھا کہ دلی میں بڑی بڑی لائبریریاں ہیں ان سے استفادہ کر کے معہد میں پڑھنے اور لکھنے کے مواقع زیادہ ملیں گے مگر یہاں تو انتظام وانصرام کے جھمیلوں میں پھنس کر رہ گیا ہوں۔پڑھنے لکھنے کے لئے بہت مشکل سے وقت نکلتا ہے۔اس پر استاذ گرامی نے فرمایا کہ یہاں پورے ملک بلکہ نیپال تک کے طلبہ زیر تعلیم رہتے ہیں جن میں بہت سے عقائد فاسدہ اور خیالات باطلہ اور دیگر بدعات وخرافات کے حامل ہوتے ہیں،آپ لوگوں کی محنت اور کوشش سے ان کے عقائد کی اصلاح ہوگی اور آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے مستحق ہوں گے جو آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو دی تھی۔یا علی !واللہ لأن یھدی اللہ بك رجلا واحدا خیرلك من حمر النعم (صحیح مسلم:فضائل الصحابة،باب من فضائل علی بن ابی طالب رقم ۲۴۰۶)۔

''اللہ کی قسم اے علی!اگر اللہ تعالیٰ تمہاری ذات سے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے''

استاذ گرامی کی اس گرانقدر نصیحت سے میرے دل کو بڑا سکون ملا اور بے اطمینانی کی کیفیت دور ہوگئی اور آج بھی یہ میرے لئے مشعل راہ ہے۔فللہ الحمد والمنة وبنعمته تتم الصالحات۔

استاذ محترم کی بیماری:

یوں تو استاذ محترم مولانا ماہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں آخری دور کی تدریس کے زمانہ ہی سے بیمار چل رہے تھے لیکن علاج ومعالجہ کے بعد بحمد اللہ طبیعت اطمینان بخش ہوگئی تھی اور آپ دوبارہ تعلیم وتربیت سے جڑ گئے اور کلیہ عائشہ للبنات پیرا مرغہوا،متصل اٹوا بازار،ضلع سدھارتھ نگر میں بنات حوا کو زیور علم دین سے آراستہ وپیراستہ کرنے میں مشغول ہو گئے مگر صحت کی ناہمواری اور اس کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے زیادہ دن تک یہ خدمت انجام نہیں دے سکے،بالآخر مجبور ہو کر آپ وہاں سے چھوڑ کر گھر رہنے لگے مگر بحمد اللہ صاحب فراش نہیں ہوئے بلکہ چلتے پھرتے رہے۔

موجودہ موسم سرما میں جب دیہات کی سردی نے لوگوں کو ستانا شروع کیا تو آپ کی بیٹیوں نے آپ کو ممبئی بلالیا کیوں کہ وہاں کی آب وہوا معتدل رہتی ہے۔ ماشاءاللہ مولانا کی پانچ بیٹیاں اپنے شوہروں اور بچوں کے ساتھ ممبئی میں رہتی ہیں۔

آپ کے بھتیجے اور داماد برادر عزیز جناب نثار احمد بن عبدالرب صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مرض الموت کی کچھ تفصیل یوں بتائی کہ مولانا کی طبیعت ٹھیک تھی، کھانا پینا، چلنا پھرنا حسب معمول تھا۔ ۲۸ رجنوری ۲۰۱۶ء بروز جمعرات رات کو تقریباً گیارہ بجے مولانا کے پیٹ میں درد شروع ہوا اور دھیرے دھیرے درد میں اضافہ ہونے لگا اس پر مولانا نے فرمایا کہ سب اعزہ واقرباء کو جمع کرو، جب تک لوگ جمع ہوں جسم سوجنے لگا اس لئے فوراً اسپتال لے گئے اور کلوا علاقہ کے سرکاری اسپتال میں داخل کیا۔ چیک آپ وغیرہ سے پتہ چلا کہ جسم میں خون کی کافی کمی ہے، کسی صورت سے رات گزری۔ دن میں مولانا نے اسپتال سے نکال کر گھر لے جانے کے لئے اصرار کیا، وقت گزرنے کے ساتھ آپ کا اصرار بڑھتا گیا بالآخر مجبور ہو کر تقریباً گیارہ بجے دن آپ کو اسپتال سے ڈس چارج کرایا گیا۔

وفات: بتاریخ ۲۸ جنوری ۲۰۱۶ء بروز جمعہ اسپتال سے ڈس چارج ہونے کے بعد آپ کے اعزہ اسپتال سے باہر مین گیٹ پر لائے اور گھر لے جانے کیلئے رکشہ پر بٹھایا تو اچانک مولانا کا جسم ڈھیلا ہونے لگا اور ۱۱:۱۵ بجے قبل صلاۃ جمعہ ۷۲ سال کی عمر میں روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون، قدر اللہ وماشاء فعل، ولا نقول الا ما یرضی ربنا۔**

صلاۃ جنازہ اور تجہیز وتکفین:

استاذ گرامی کی صلاۃ جنازہ اسی روز صلاۃ عشاء کے بعد مولانا کے بھتیجے برادر عزیز مولانا سرفراز احمد فیضی سلمہ اللہ نے پڑھائی اور اعزہ اقرباء کے علاوہ علماء، فضلاء، صلحا، طلبہ اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے مولانا کی صلاۃ جنازہ میں شرکت کی۔ مرکزی مساجد میں بھی مولانا کیلئے دعاء مغفرت کی گئی۔ مولانا کو ممبئی کے باندرہ علاقہ کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

پسماندگان: استاذ محترم کے پسماندگان میں آپ کی اہلیہ کے علاوہ ایک بھائی، برادرم عبدالرب، ایک بیٹا مبشر کریم اور ایک درجن بیٹیاں، ایک پوتی اور اڑتالیس (۴۸) نواسے اور نواسیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی تمام اولاد احفاد کو مولانا کے نقش قدم پر چل کر دین وملت کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی بیوہ **حفظھا اللہ ورعاھا** کو صحت وعافیت سے نوازتے ہوئے مولانا رحمہ اللہ کی اولاد واحفاد کی سرپرستی کی توفیق دے۔ آمین۔

استاذ محترم کے سلسلہ میں کوئی تفصیلی مقالہ لکھنا مقصود نہیں ہے۔ موصوف کی خودنوشت سوانح حیات جو مولانا کے بھتیجوں نے مرکز میں بھیجی تھی اس کو ماہنامہ التبیان، نئی دہلی کے مدیر مولانا شکیل احمد صاحب سنابلی نے التبیان میں شائع کرنے کیلئے احقر کو نوٹ لگانے کیلئے دیا تو کچھ باتیں نوک قلم پر آگئیں اور وہ حوالہ قرطاس کردیں۔ شاید کہ کسی کو ان باتوں سے فائدہ پہنچ جائے۔ وباللہ التوفیق۔

مولانا نے یہ خودنوشت سوانح اپنے ایک شاگرد مولانا شمشیر احمد سراجی مدنی کو ۲۰۰۴ میں املا کرایا تھا جو اس وقت جامعہ سراج

العلوم بونڈیہار میں زیر تعلیم تھے اور مولانا وہاں پر تدریسی فریضہ انجام دے رہے تھے۔ انہیں کی خوشخط تحریر مولانا کے عزیزوں نے بھیجی تھی وہ افادہ عام کے لئے ماہنامہ التبیان میں شائع کی جارہی ہے۔ اس میں مولانا کے حالات زندگی سے جو پندرہ روزہ ترجمان ،دہلی ۱تا۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئے تھے کچھ اضافہ کردیا گیا ہے جسے اس ☆ نشان سے ممتاز کردیا گیا ہے اور بعض مقامات پر راقم سطور کی طرف سے نوٹ لگایا گیا ہے اسے بھی * سے نمایاں کیا گیا ہے اور آخر میں ''اثری'' لکھ دیا گیا ہے۔

اخیر میں ہم دست بدعا ہیں کہ رب قدیر استاذ گرامی کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور انکے تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔ **اللھم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ واکرم نزلہ ۔آمین یارب العالمین۔** (عاشق علی اثری)



نام ونسب: والدین نے میرا نام عبدالعلیم رکھا اور ماہر میرا تخلص ہے، تاریخ نام تفضّل احمد ہے اور کنیت ابوسلیم ہے، میرے والد صاحب کا نام حافظ کتاب اللہ ولد محمد اقبال ولد محمد امیر ہے۔

خاندانی پس منظر:

☆ میرے آباء واجداد گھینسڑی بازار ضلع بلرام پور کے باشندہ تھے لیکن میرے والد صاحب بچپن ہی میں سمرا سے متصل ایک گاؤں بشنپور کلاں لائے گئے، ان کے رشتہ کی ایک دادی نے ان کی پرورش کی اور ان کی تعلیم کا انتظام کیا، اور وہ یہیں رہ گئے۔ اور لکھنو مدرسہ فرقانیہ میں حفظ قرآن کی تکمیل کی پھر دہلی میں مسجد اہل حدیث، کشن گنج میں حفظ کا دور کیا۔

آباء واجداد حنفی مسلک سے وابستہ تھے لیکن میرے والد صاحب نے اپنے علم ومطالعہ سے مسلک اہل حدیث اختیار کرلیا اور تاحیات نہ صرف اسی مسلک حقہ سے وابستگی باقی رکھی بلکہ اپنے والد اور دیگر متعلقین کو بھی اسی مسلک پر لگادیا۔ میرے ایک اخیافی بڑے بھائی مولانا عبدالحلیم صاحب ہیں جو محترم مولانا عبدالمبین صاحب منظر کے سگے بھتیجہ ہیں۔ اس اعتبار سے مولانا منظر صاحب رحمہ اللہ میرے بھی چچا ہوتے ہیں۔ اور انہیں کے زیر سایہ اور حسب مشورہ میری ابتدائی تعلیم شروع ہوئی، گویا اس علمی خاندان سے میرا گہرا رشتہ ہے۔

*** مولانا عبدالحلیم صاحب کئی سال پہلے انتقال فرماگئے۔ رحمہ اللہ وغفرلہ (اثری)**

تاریخ پیدائش: اسی سمرا میں ۲۵ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۴۴ء بروز شنبہ میری ولادت ہوئی۔

مستقل پتہ: موضع سمرا، پوسٹ خانکوٹ، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔

حصول علم کے مراحل: میرے والد صاحب سمرا ہی سے متصل موضع کمہریا میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے، غالباً ۱۹۴۸ء میں میں نے ان کے پاس قاعدہ بغدادی سے تعلیم شروع کی اور ۱۹۵۴ء تک انہیں کے پاس رہ کر قرآن مجید ناظرہ اور کچھ اردو اور ابتدائی فارسی کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ۱۹۵۴ء میں مشہور ومعروف مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں مزید تعلیم کیلئے حاضر ہوا، یہاں میں نے

گلستان، بوستان اور میزان ومنشعب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد دوسال میں نے سراج العلوم جھنڈانگر، نیپال میں گزارے اور اساتذہ سے نحو وصرف، ترجمہ قرآن، اور حدیث وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، یہ ۵۶۔۱۹۵۵ء اور ۵۷۔۱۹۵۶ء کا تعلیمی سال تھا، اس دور میں مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری نظامت سے الگ تھے، پہلے سال جناب عبدالمنان خاں صاحب ناظم تھے اور دوسرے سال جناب نصراللہ خاں صاحب ملگہیا ناظم تھے، اس کے بعد میں مظاہر العلوم سہارنپور حصول تعلیم کے لئے گیا، وہاں میں نے ہدایۃ النحو، کافیہ اور شرح جامی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، یہاں بھی میں نے دوسال گزارے، اس کے بعد میں دارالعلوم دیوبند گیا، وہاں عالمیت اور فضیلت کی تعلیم حاصل کی اور شعبان ۱۳۸۲ھ مطابق جنوری ۱۹۶۳ء میں فراغت حاصل کی، دیوبند سے فراغت کے بعد چند دنوں کے لئے جامعہ رحمانیہ بنارس حاضر ہوا لیکن بہت جلدی واپس چلا آیا۔

☆ علاوہ ازیں استاذ محترم نے ۱۹۷۰ء میں الہ آباد بورڈ عربی وفارسی سے عالم کا امتحان دیا اور سیکنڈ ڈویزن سے پاس ہوئے۔ پھر ۱۹۷۸ء میں فاضل ادب کا امتحان اسی بورڈ سے سیکنڈ ڈویزن سے پاس کیا۔ پھر ۱۹۸۴ء میں فاضل دینیات کا امتحان اسی بورڈ سے پاس کیا۔

☆ اساتذۂ کرام:

میرے کل اساتذہ کی تعداد تقریباً بیالیس (۴۲) ہے لیکن ان میں سے کچھ خاص اساتذہ کے نام یہ ہیں:

والد صاحب حافظ کتاب اللہ، مولانا محمد خلیل رحمانی، مولانا اقبال رحمانی، مولانا محمد یامین صاحب سہارنپوری، مولانا محمد صدیق صاحب کشمیری، مولانا اسداللہ صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی دیوبند، مولانا معراج الحق صاحب دیوبند، مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی بنارس، مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی پاکستان۔

* استاذ محترم رحمہ اللہ نے بھوجیانی رحمہ اللہ سے کہاں اور کب تعلیم حاصل کی اس کی وضاحت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ استاذ گرامی نے موصوف سے باضابطہ تعلیم حاصل کرنے کے بجائے ان سے استفادہ کیا ہوگا کیونکہ اپریل ۱۹۸۱ء مطابق جمادی الآخرہ ۱۴۰۱ھ میں علامہ بھوجیانی رحمہ اللہ پاکستان سے دلی تشریف لائے تھے۔ اس وقت راقم سطور معہد التعلیم الاسلامی، نئی دہلی میں ایک ادنی مدرس تھا اور استاذ گرامی مدرسہ ریاض العلوم، دہلی میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اس موقع پر راقم سطور کو بھی علامہ بھوجیانی رحمہ اللہ سے استفادہ کا موقع ملا تھا۔ اس موقع پر میں نے اپنی پہلی حقیر تالیف ''حقوق والدین قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں'' موصوف کو پیش کرکے اس کے مطالعہ کرنے اور اس پر تاثرات لکھنے کی درخواست کی تھی۔ موصوف نے ذرہ نوازی کرتے ہوئے جستہ جستہ کتاب کا مطالعہ کرکے اپنے قیمتی تاثرات تحریر فرمائے تھے اور اپنے دستخط کے نیچے ۹ رجمادی الاخری ۱۴۰۱ھ کی تاریخ درج کی تھی، یہ تاثرات مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۲ و ۱۳ طبع دوم میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ (اثری)

قابل ذکر تلامذہ: پینتالیس (۴۵) سالہ دور تدریس میں شاگردوں کی تعداد تقریباً دوہزار ہے لیکن ان میں کچھ مشہور اور قابل ذکر تلامذہ یہ ہیں: ڈاکٹر ابواللیث صدیقی بیت ناری الہ آباد، مولانا رفیق احمد سلفی المعہد العالی دہلی، مولانا عبدالرشید مدنی سراج العلوم جھنڈانگر،

مولانا عاشق علی اثری جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی، مولانا صلاح الدین مقبول احمد مدنی کویت، مولانا ابوطلحہ سلفی ناظم دارالتوحید میناعیدگاہ، مولانا محمد شبیر مدنی ندوۃ السنہ اٹوابازار، مولانا محمد ابراہیم مدنی ندوۃ السنہ اٹوابازار، مولانا محمد سرور مدنی شارجہ، مولانا محمد علی سلفی لہرسن بازار، مولانا عبدالاحد مدنی ریاض العلوم دہلی، مولانا عبدالرحمن مدنی سراج العلوم بونڈیہار، مولانا رفیق رئیس سلفی علی گڑھ، مولانا محمد شعیب میمن جوناگڑھی، مولانا خالد جمیل مکی جامعہ اسلامیہ ممبرا، مولانا محمد شمیم مدنی سراج العلوم بونڈیہار، سرفراز فیضی اسلامک انفارمیشن سنٹر اندھیری ممبئی، مولانا شمشیر احمد سراجی، مولانا علی اختر ندوی ریاض العلوم دہلی۔

تدریسی خدمات:

۱۹۶۳ء میں میں سب سے پہلے دارالعلوم یوسفیہ ناگپور بلایا گیا اور وہیں سے تدریس کے دور کا آغاز ہوا، اس کے بعد ۶۵۔۱۹۶۴ء میں سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریس کا کام کیا، اب مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری اپنے عہدۂ نظامت پر واپس آچکے تھے۔ ۱۹۶۶ء - ۱۹۶۹ء تک شمس العلوم سمرا میں تدریسی فریضہ انجام دیا۔ ۷۱۔۱۹۷۰ء میں دارالتوحید میناعیدگاہ میں رہا پھر ۱۹۷۲ء کے آخر سے ۱۹۷۶ء تک سراج العلوم بونڈیہار میں تدریسی فریضہ انجام دیا پھر ۱۹۷۸ء میں دوبارہ سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریسی خدمت انجام دی پھر میں نے دارالعلوم محمدیہ سورت، گجرات میں امامت وخطابت کے ساتھ تدریسی فریضہ انجام دیا، ۱۹۸۱ء میں ریاض العلوم دہلی میں تدریسی مشغلہ اختیار کیا اس کے بعد ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۴ء تک پھر دوبارہ شمس العلوم سمرا میں رہا، ۱۹۸۵ء میں تدریس کے ساتھ امامت وخطابت کا فریضہ شولاپور مہاراشٹر میں انجام دیا، اس کے بعد ۸۶۔۱۹۹۰ء تک پھر دوبارہ دارالتوحید میناعیدگاہ میں رہا، ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۱ء تک تدریس کے ساتھ ساتھ شمس العلوم سمرا کی نظامت بھی سنبھالی پھر ۲۰۰۲ء سے اس وقت تک دوبارہ سراج العلوم بونڈیہار میں تدریسی فریضہ انجام دے رہا ہوں۔

*استاذ گرامی کی یہ خودنوشت سوانح ۲۰۰۴ء کی ہے۔ بونڈیہار کے زمانہ تدریس میں آپ سخت بیمار ہوگئے تھے اور کافی دنوں کے علاج کے بعد طبیعت بحال ہوئی تو غالباً ۱۴۔۲۰۱۳ء میں آپ نے کلیہ عائشہ للبنات پیرامرغھوا میں تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیا۔(اثری)

نیپال میں دعوتی وتدریسی خدمات:

سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں میری دعوتی وتدریسی خدمات ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۵ء میں ہوئی اس کے بعد ۱۹۷۸ء میں دوبارہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں، تدریس کی کل مدت تقریباً چالیس سال ہے اس چالیس سالہ دورِ تدریس میں جو اہم کتابیں زیر تدریس رہیں وہ درج ذیل ہیں:

زیر تدریس کتابیں:

(۱) ترجمۂ معانی قرآن، سورۂ کہف سے سورہ ناس تک، تفسیر فتح القدیر للشوکانی (۲) صحیح مسلم، جلد ۱۔۲ بلوغ المرام، مشکوۃ المصابیح، جلد ۱۔۲، السنن لابی داؤد، جامع الترمذی (۳) المختصر للقدوری، شرح وقایہ جلد ۱۔۲، (۴) تقویۃ الایمان، اصلاح عقیدہ،

شرح العقيدة الواسطيه (۵) تيسير المنطق، مرقات (۶) شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ (۷) علم الصیغہ ،فصول اکبری (۸) القراءۃ الرشیدۃ، معلم الانشاء (۹) تعلیم الفرائض (۱۰) اصول الشاشی، نورالانوار، (۱۱) دروس البلاغۃ، تلخیص المفتاح۔

دعوتی خدمات: میری دعوتی خدمات دوطرح کی ہیں: (۱) ایک وہ ہیں جو جمعیت اہل حدیث سے متعلق رہ کر میں نے کی ہیں (۲) دوسری وہ ہیں جو جمعیت سے متعلق رہے بغیر انفرادی طور پر انجام دی ہیں َ

پہلی قسم کی تفصیل اس طرح ہے:

میں ۱۹۷۰ء میں جمعیت اہل حدیث ضلع بستی میں بحیثیت رکن شامل ہوا اور ۱۹۹۵ء تک جمعیت سے متعلق رہا، اسی سال میں نے ضلع کے پانچ حلقوں میں سے ایک حلقہ میں جمعیت اہل حدیث حلقہ اٹوا کی بنیاد ڈالی اور علاقہ کے تقریباً بیس پچیس علمائے کرام کو شامل کرکے تقریباً پچاس مقامات کا تبلیغی دورہ کیا، یہ سلسلہ لگ بھگ دوسال تک جاری رہا پھر ۱۹۷۱ء میں مجھے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب ناظم کے طور پر منتخب کیا گیا جس سے میں ایک سال تک جمعیت سے متعلق رہا اور اس دوران راجستھان اور مہاراشٹر کے علاقوں کا تبلیغی دورہ کیا، جس میں جے پور، کوٹہ، بیگود، سرواڑ، کیکٹری، سوائی مادھوپور اور جودھ پور وغیرہ مقامات خاص طور پر شامل ہیں اور مہاراشٹر میں مالیگاؤں، احمد نگر، اورنگ آباد اور ممبئی وغیرہ مقامات شامل ہیں، اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی کا نائب صدر منتخب کیا گیا اور اس دوران ضلع کے مختلف مقامات کے دورے کئے۔ ۱۹۷۷ء میں پھر دوبارہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا نائب ناظم منتخب کیا گیا نیز پندرہ روزہ ترجمان کا نائب مدیر مقرر کیا گیا، اس دوران صحافتی ذمہ داریوں کے ساتھ تبلیغی اور تنظیمی دورے ہوئے خاص طور پر صوبۂ گجرات کا مکمل تنظیمی دورہ ہوا، تقریباً ایک ماہ تک مسلسل پورے صوبہ میں قابل ذکر جماعتی مقامات کا تبلیغی وتنظیمی دورہ کیا، ان میں سے درج ذیل مقامات قابل ذکر ہیں:

احمد آباد، راجکوٹ، جوناگڈھ، بھوج، سمی، نڑیاد، بھڑوچ، سورت، جمبوسر اور سامرود وغیرہ، ان سب مقامات کے نمائندگان کو احمد آباد میں اکٹھا کیا اور صوبائی جمعیت اہل حدیث گجرات کی تشکیل عمل میں آئی، یہ بات قابل ذکر ہے کہ گجرات میں پہلی دفعہ اس طرح سے جماعت کے لوگ اکٹھا ہوئے اور باہم جماعتی رشتے مضبوط ہوئے، اس کے بعد سے اب تک ماشاءاللہ گجرات کی جمعیت سرگرم عمل ہے۔ ۱۹۸۳ء میں جمعیت اہل حدیث حلقہ اٹوا کا امیر منتخب کیا گیا اور اس عہدہ پر ۱۹۹۵ء تک قائم رہا اور علاقہ کے مختلف مواضعات کا تبلیغی وتنظیمی دورہ ہوا پھر ۱۹۹۰ء میں ریاستی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کا نائب امیر اور ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کا امیر منتخب ہوا اور اس حیثیت سے بھی صوبہ کے مختلف مقامات کے دورے ہوئے، یہ سلسلہ بھی ۱۹۹۵ء تک جاری رہا، اس کے بعد جمعیت سے میرا تعلق نہیں رہ سکا۔

دوسری قسم کی دعوتی خدمات کی تفصیل یہ ہے:

مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ مختلف مقامات پر جمعہ کے خطبے دیئے، اہم مواضعات کے نام یہ ہیں:

سمرا، بشنپور کلاں، کمہریا، جھکہیاں، پہاڑہ پور، دوپھڑیا، فریندہ، ریواں، بونڈیہار، اونرہوا، اوسانکوئیاں، ششہنیاں، اٹوا۔

مختلف شہروں میں بھی خطبہ دینے کا موقع ملا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: (یوپی میں) سکندرآباد، علی گڑھ، قنوج، بھدوہی، بنارس۔

(گجرات) میں سورت کے علاوہ احمد آباد، سمی، سامرود، بھڑوچ، واپی، (راجستھان میں) کھنڈیلہ، بیگود، جودھ پور۔ (مہاراشٹر میں) ناگپور، شولاپور، تھانہ۔ (مدھیہ پردیش میں) بھوپال۔ (آندھرا پردیش میں) وشاکھاپٹنم، وزیانگرم اور وجے پاڑہ۔ (کرناٹک میں) گلبرگہ، سگرا اور ممبئی اور دہلی کی مختلف مساجد میں۔

مختلف اجتماعات اور جلسوں میں بھی وعظ وتقریر کا موقع ملا۔ ان کے نام یہ ہیں: کمہریا، جھکھیاں، پہاڑہ پور، دوپھڑیا، پرسا، بشنپور، بیراڈیہہ، مرغھوا، سمی، نڑیاد، شولاپور، ممبئی، برگدوا، جموہنا، پرسپور، پٹنہ۔

تصنیفی خدمات:

۱۔ تصنیفی میدان میں میں نے ایک کتاب مرتب کی ہے جس کا نام ہے "تذکرۃ المشاہیر" اس میں جماعت اہل حدیث کے پچیس اخص الخواص علماء کرام کی سوانح حیات ہیں۔ ان میں خاص طور پر میاں نذیر حسین صاحب، نواب صدیق حسن خاں صاحب، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا سلیمان منصور پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور مولانا شمس الحق ڈیانوی وغیرہم کے تذکرے ہیں۔

۲۔ ایک کتاب میں نے شعروادب کے موضوع پر ترتیب دی ہے جس کا نام ہے "گلہائے رنگ رنگ" اس میں میں نے تقریباً دوسو قدیم وجدید شعراء کے منتخب اشعار حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کئے ہیں۔ ہر شعر کے ساتھ شاعر کا نام مذکورہ اور ہر شاعر کا اجمالی تذکرہ اس طرح سے ہے کہ جس میں شاعر کا اصلی نام، سال ولادت، سال وفات اور اگر اس کا کوئی استاذ ہے تو استاذ کا بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح سے شعراء کے دو شجرے بھی مرتب کئے ہیں۔ ایک کا تعلق دہلی سے ہے اور دوسرے کا تعلق لکھنؤ سے ہے، یہ دونوں کتابیں غیر مطبوع ہیں۔

* کاش کہ صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی یا مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اس قسم کے اساطین اہل حدیث کی گرانقدر تصنیفات وتالیفات کو چھپوا کر ان کو محفوظ کرنے کی کوشش کرے اور اگر مولانا کے بھتیجے اور ان کے داماد باہمی تعاون سے مولانا کی علمی وراثت کی حفاظت کا بندوبست کرسکیں تو اور بہتر ہے۔ وباللہ التوفیق (اثری)

۳۔ سنہ ۲۰۰۲ء میں جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت کی طرف سے نواب صدیق حسن خاں کی ایک کتاب "دعوۃ الحق" اس مقصد کے لئے میرے پاس بھیجی گئی تھی کہ یہ کتاب سوسال پہلے کی ہے جو موجودہ دور کی زبان کے مناسب نہیں ہے لہٰذا اس کو جدید زبان میں منتقل کردیا جائے علاوہ ازیں اس میں جو آیات اور احادیث ہیں ان کے ترجمہ وتشریح کے ساتھ ان کی تخریج بھی کی جائے، یہ کتاب لگ بھگ ایک سو صفحات پر مشتمل ہے۔ میں نے اس پر مذکورہ کام کئے ہیں اور کتاب مرتب کرکے جمعیت مذکورہ کے پاس بھیج دی ہے۔

۴۔ میری ایک کتاب جو اسلامی نظموں پر مشتمل ہے، پانچ دفعہ شائع ہوچکی ہے جس کا نام "نغمات اسلام" ہے۔ ان کے علاوہ کچھ ناقص مسودات ہیں جو پورے نہیں ہوئے ہیں اس لئے ذکر نہیں کررہا ہوں۔

مقالہ نگاری: مختلف کانفرنسوں اور سیمیناروں کے موقع پر مقالہ لکھنے کی بھی نوبت آئی ہے۔ مثال کے طور پر جامعہ سلفیہ میں تین

مرتبہ مقالہ پیش کیا ہے جس میں خاص طور پر ایک مقالہ علامہ ابن تیمیہ کی شخصیت پر تھا، اسی طرح سراج العلوم بونڈیہار، دارالہدیٰ یوسف پور، انجمن محمدیہ تلسی پور، جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی، ضلعی جمعیت اہل حدیث علی گڑھ، دارالدعوۃ لال گوپال گنج، ضلع پرتاپ گڑھ، ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی طرف سے منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں بھی مختلف موضوعات پر مقالے پیش کئے ہیں۔

۲۸* فروری و یکم مارچ ۲۰۱۴ء میں جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی میں ''مولانا عبدالحمید رحمانی۔ رحمہ اللہ کی حیات وخدمات اور برصغیر میں اسلامی دعوت کی تاریخ'' پر عالمی سیمینار میں استاذ محترم نے ''مولانا عبدالحمید رحمانی۔ کچھ یادیں اور کچھ باتیں'' کے موضوع پر اپنا تفصیلی مقالہ پیش فرمایا تھا اور کانفرنس میں شرکت فرما کر اسے خود پڑھا تھا۔ (اثری)

رفاہی خدمات: مسجد کی تعمیر:

تین نئی مساجد کی میں نے بنیاد رکھی ہے:

۱۔ رسول پور۔ ۲۔ ڈیبیہ پور۔

۳۔ پٹنہ اور شمس العلوم سمرا کے زمانہ نظامت میں وہاں کی مسجد کی ازسرنو تعمیر کرائی ہے۔

دیگر خدمات: فسادات یا سماوی آفات کے موقع پر میں نے مختلف مقامات پر ریلیف کی تقسیم میں حصہ لیا۔ مثلاً ضلع گونڈہ کے کرنیل گنج میں جب فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور لوگ اس سے متاثر ہوئے تو ریاستی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کی طرف سے ناظم جمعیت مولانا انور اور مولانا ابوالعاص صاحب کے ساتھ میں نے کئی بار اس علاقہ کا دورہ کیا اور متاثرین کو نقد، کپڑے اور برتن تقسیم کرائے، اس کے علاوہ ضلع سدھارتھ نگر میں غالباً ۱۹۹۳ء میں بہت زبردست سیلاب آیا تھا جس میں ضلع کے مختلف علاقوں کے لوگ بہت زیادہ تکلیفوں میں مبتلا تھے تو اس موقع پر بھی پہلے حلقہ اٹوا کی جمعیت کی طرف سے کٹھیلا کے علاقہ میں غلے اور نقد روپئے مختلف مواضعات میں تقسیم کرائے اس کے بعد ریاستی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کی طرف سے شہرت گڑھ اور بانسی کے علاقوں میں نقد روپئے تقسیم کرائے۔

☆ اللہ تعالی استاذ گرامی کی ان گرانقدر علمی، دعوتی، تصنیفی، تدریسی اور رفاہی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور استاد محترم کو درج ذیل حدیث کا مصداق و مستحق بنائے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة: الا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، او ولد صالح يدعو له. (صحیح مسلم: الوصیۃ ۲۵، باب ۳ رقم ۱۶۳۱)

''جب انسان انتقال کرجاتا ہے تو اس سے اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، مگر تین چیزوں کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے (۳) صالح اولاد جو والدین کے لئے دعا کرتی رہے'' (اثری)

(ماہنامہ التبیان دہلی فروری ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

خودنوشت سوانح حیات: (مولانا) عبدالعلیم ماہر رحمہ اللہ

تعلیق وتکمیل: مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

۲۹ر جنوری ۲۰۱۶ء کا مبارک دن تھا، دن کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے، میں خطبہ جمعہ دینے کاندیولی سے کرلا کالینہ کی مسجد اہل حدیث (مسجد التوحید) کے دروازے پر پہنچا تھا اچانک موبائل کی گھنٹی بجی اور کاندیولی سے ہمارے ایک عزیز مولانا منصور احمد سمراوی نے فون پر اطلاع دی کہ ماہر صاحب کا انتقال ہو چکا ہے، بڑا عجیب جھٹکا لگا، میں مسجد میں بیٹھ گیا تفصیل دریافت کی تو معلوم ہوا کہ چند دنوں پہلے علاج کے لئے ممبئی آئے تھے، اور یہیں کلوا ممبرا ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھے، قضاء گاؤں سے ممبئی لے آئی اور اللہ کو پیارے ہو گئے، کہتے ہیں کہ حیلے روزی بہانے موت، عمر کی قیمتی بہاریں وطن میں کٹ گئیں اور آخری ٹھکانہ ممبئی کی خاک ٹھہری، سچ فرمایا رب العالمین نے {وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ} (سورہ لقمان: ۳۴) میں احباب کو فون کرنے لگا، واٹس ایپ پر میسیج فائل کیا اور پھر چاروں طرف سے فون آنے لگے نماز جنازہ کا اعلان بعد نماز عشاء باندرہ نو پاڑہ قبرستان کے لئے ہوا، الحمدللہ جامعہ رحمانیہ کاندیولی کا بھی ایک وفد خاکسار کے ساتھ شیخ عبدالجبار سلفی، شیخ عبدالستار سراجی، شیخ ضمیر احمد مدنی، مولانا محمود الحسن فیضی پر مشتمل باندرہ روانہ ہوا، عشاء کی نماز کے بعد آپ کی تدفین ہوئی، نماز جنازہ آپ کے بھتیجے اور داماد مولانا سرفراز فیضی نے پڑھائی، اور ہزاروں سوگواروں کی پرنم آنکھوں کے ساتھ علم وادب کا یہ آفتاب غروب ہو گیا، ماہر صاحب دراصل ایک کہنہ مشق مدرس، مربی اور معلم تھے پایہ کے ادیب اور شاعر تھے اور میدان صحافت کے عظیم شہسوار تھے آپ کی وفات فی الحقیقت صرف جماعت وجمعیت اور مراکز علم وادب ہی نہیں بلکہ ملک وملت کے لئے عظیم خسارہ کا باعث ہے اللہ اس خلاء کو پر فرمائے آمین۔

ذیل کا مضمون دراصل آپ کی خودنوشت سوانح ہے، جو بعض احباب کے واسطے سے دستیاب ہوئی ہے جسے آپ نے اپنے ایک شاگرد مولانا شمشیر عالم مدنی کو املا کروایا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لکھنے کے بجائے آپ کی تحریر کردہ اسی خودنوشت سوانح کو شائع کر دیا جائے، لیکن مضمون پڑھنے کے بعد محسوس ہوا کہ اس میں کچھ گوشے تشنہ ہیں، بالخصوص آپ کے اساتذہ اور تلامذہ کا ذکر نہیں، اسی طرح ۲۰۰۲ء کے بعد کے حالات اور خدمات کا تذکرہ نہیں، میں نے کوشش کی ہے کہ ماہر صاحب کی زندگی کے بقیہ گوشے بھی قارئین کے سامنے آجائیں چنانچہ میں نے اپنی معلومات اور آپ کے بعض متعلقین بالخصوص آپ کے بھتیجے اور داماد مولانا سرفراز فیضی کے بعض افادات کی روشنی میں کچھ تعلیق اور حاشیہ نگاری کے ذریعہ اسے مکمل کرنے کی سعادت حاصل کی ہے امید کہ قارئین اور اہل علم کے لئے افادہ کا باعث ہوگی، رب العالمین سے دعا ہے کہ آپ کو مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

آمین۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ الفردوس۔ (عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی)

(۱) نام ونسب: والدین نے میرا نام عبدالعلیم رکھا اور ماہر میرا تخلص ہے تاریخی نام تفضّل احمد ہے اور کنیت ابوسلیم ہے، میرے والد صاحب کا نام حافظ کتاب اللہ ولد محمد اقبال ولد محمد امیر ہے، میرے آباء واجداد گینسڑی بازار ضلع بلرام پور کے باشندہ تھے لیکن والد صاحب بچپن ہی میں بشنپور کلاں متصل سمرا ضلع سدھارتھ نگر میں منتقل ہو گئے تھے جہاں ان کی رشتے کی دادا نے ان کی پرورش کی اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا والد صاحب یہیں پر رہ گئے اور سمرا میں ان کی شادی ہوئی۔

(۲) تاریخ پیدائش: اسی سمرا میں ۲۵ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۴۴ء بروز سنیچر میری ولادت ہوئی۔

(۳) مستقل پتہ: موضع سمرا، پوسٹ سمری خانکوٹ، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی پن کوڈ: ۲۷۳۲۹۲۔

(۴) حصول علم کے مراحل: میرے والد صاحب سمرا ہی سے متصل موضع کمہریا میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے تھے غالباً ۱۹۴۸ء میں میں نے ان کے پاس قاعدہ بغدادی سے تعلیم شروع کی اور ۱۹۵۴ء تک انہیں کے پاس رہ کر قرآن ناظرہ اور کچھ اردو وابتدائی فارسی کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد ۱۹۵۴ء میں مشہور معروف مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں مزید تعلیم کے لئے حاضر ہوا یہاں میں نے گلستاں، بوستاں اور میزان منشعب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد دوسال میں نے سراج العلوم جھنڈانگر میں گزارے اور اساتذہ سے نحو وصرف، ترجمہ قرآن اور حدیث وغیرہ کی تعلیم حاصل کی یہ ۵۶۔۱۹۵۵ء اور ۵۷۔۱۹۵۶ء کا تعلیمی سال تھا۔

(اس دور میں مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری نظامت سے الگ تھے پہلے سال جناب عبدالمنان خاں صاحب ناظم تھے اور دوسرے سال جناب نصراللہ خاں صاحب ملگھیا ناظم تھے۔عبدالحکیم المدنی)

اس کے بعد میں مظاہر العلوم سہارنپور حصول تعلیم کے لئے گیا وہاں میں نے ہدایۃ النحو، علم الصیغہ قدوری نورالایضاح، مرقات، فصول اکبری، کافیہ اور شرح جامی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی یہاں بھی میں نے دوسال گذارے اس کے بعد میں دارالعلوم دیوبند گیا، وہاں عالمیت اور فضیلت کی تعلیم حاصل کی اور شعبان ۱۳۸۲ھ مطابق جنوری ۱۹۶۳ء میں فراغت حاصل کی دیوبند سے فراغت کے بعد چند دنوں کے لئے جامعہ رحمانیہ بنارس حاضر ہوا لیکن بہت جلد ہی واپس چلا آیا۔

(**آپ کے مشہور اساتذہ:** ماہر صاحب نے شاید تواضعاً اپنے اساتذہ کا ذکر نہیں کیا ہے جو آپ کی للّٰہیت اور اخلاص کی دلیل ہے لیکن بعض تاریخی حوالوں سے دستیاب معلومات کی بنیاد پر آپ کے متعدد اساتذہ کا نام درج ذیل ہیں: (۱) آپ کے والد حافظ کتاب اللہ (۲) مولانا محمد اقبال رحمانی بونڈیہار (۳) مولانا خلیل رحمانی (۴) مولانا اسداللہ سہارنپوری (۵) مولانا محمد یامین سہارنپور (۶) مولانا محمد صدیق کشمیری سہارنپور (۷) مولانا معراج الحق دیوبندی (۸) مولانا محمد ابراہیم بلیاوی دیوبندی (۹) مولانا قاری محمد طیب دیوبند (۱۰) مولانا نذیر احمد رحمانی بنارس (۱۱) مولانا عطاءاللہ حنیف بھوجیانی (ماخوذ از: علوم الحدیث مطالعہ وتعارف علی گڑھ ودیگر۔ از عبدالحکیم مدنی)

(۶) تدریسی خدمات: ۱۹۶۳ء میں میں سب سے پہلے دارالعلوم یوسفیہ ناگپور بلایا گیا اور وہیں سے تدریس کے دور کا آغاز ہوا اس کے بعد ۶۵۔۱۹۶۴ء میں سراج العلوم جھنڈانگر میں تدریس کا کام کیا اب مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری اپنے عہدہ نظامت پر

واپس آ چکے تھے۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۹ء تک شمس العلوم سمرا میں تدریسی فریضہ انجام دیا، ۱۹۷۰۔۱۹۷۱ء میں دارالتوحید مینا عیدگاہ میں رہا، پھر ۱۹۷۲ء کے آخر سے ۱۹۷۶ء تک سراج العلوم بونڈیہار میں تدریسی فریضہ انجام دیا پھر ۱۹۷۸ء میں دوبارہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں تدریسی مشغلہ اختیار کیا، اس کے بعد ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۴ء تک پھر دوبارہ شمس العلوم سمرا میں رہا، ۱۹۸۵ء میں تدریس کے ساتھ امامت وخطابت کا فریضہ شولا پور مہاراشٹر میں انجام دیا اس کے بعد ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۰ء تک پھر دوبارہ دارالتوحید مینا عیدگاہ میں رہا ۱۹۹۰ سے ۲۰۰۱ء تک تدریس کے ساتھ ساتھ شمس العلوم سمرا کی نظامت سنبھالی، پھر ۲۰۰۲ء سے اس وقت تک دوبارہ سراج العلوم بونڈیہار میں تدریسی فریضہ انجام دے رہا ہوں۔

(۷) نیپال میں دعوتی وتدریسی خدمات: ۔سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں میری دعوتی وتدریسی خدمات ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۵ء میں ہوئی ہیں، اس کے بعد ۱۹۷۸ء میں دوبارہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں تدریس کی کل مدت تقریباً چالیس سال ہے۔

(یہ مدت صرف ۲۰۰۲ء تک کے اعتبار سے ہے بعد کی تدریسی خدمات کا حساب لگایا جائے تو کم وبیش پچاس سالہ خدمات پر مشتمل ایک طویل زندگی ہے جو آپ نے دینی تعلیم میں لگا دی ہے۔ از عبدالحکیم مدنی)

اس چالیس سالہ دور تدریس میں جو اہم کتابیں زیر تدریس رہی ہیں وہ درج ذیل ہیں: زیر تدریس کتابیں: (۱) ترجمہ قرآن، سورہ کہف سے سورہ ناس تک، تفسیر فتح القدیر للشوکانی (۲) بلوغ المرام، مشکوۃ المصابیح جلد ۱، ۲، السنن لابی داؤد، جامع الترمذی، صحیح مسلم جلد ۱/ ۲ (۳) قدوری، شرح وقایۃ جلد ۱/ ۲ (۴) تقویۃ الایمان، اصلاح عقیدہ، شرح العقیدۃ الواسطیۃ (۵) تیسیر المنطق، مرقات، (۶) شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ (۷) علم الصیغہ، فصول اکبری، (۸) القراۃ الرشیدہ، معلم الانشاء (۹) تعلیم الفرائض (۱۰) اصول الشاشی، نورالانوار (۱۱) دروس البلاغہ، تلخیص المفتاح۔

(آپ کے بعض تلامذہ: مختلف جہتوں سے معلومات کی بنیاد پر یہ بات طے ہے کہ کم وبیش پچاس سالہ تدریسی خدمات انجام دینے کی وجہ سے ماہر صاحب کے تلامذہ اور مستفیدین کی ایک بڑی تعداد ہوگی سردست جو نام مل سکے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا عاشق علی اثری دہلی، (۲) شیخ صلاح الدین مقبول (اونرہوا) (۳) عبیدالرحمن محمد حنیف (ممبئی) (۴) مولانا سراج الدین سلفی (ہرہٹہ) مقیم حال بھساول (۵) مولانا سرفراز فیضی (ممبئی) آپ کے بھتیجے اور داماد (۶) مولانا شمشیر عالم مدنی (۷) ڈاکٹر ابواللیث صدیقی بیت نار (۸) مولانا رفیق احمد سلفی، دہلی (۹) مولانا عبدالرشید مدنی جھنڈا نگر (۱۰) مولانا ابوطلحہ سلفی مینا عیدگاہ (۱۱) مولانا شبیر احمد مدنی ندوۃ السنۃ اٹوا بازار (۱۲) مولانا محمد ابراہیم مدنی خیر العلوم ڈومریا گنج (۱۳) مولانا سرور مدنی شارجہ (۱۴) مولانا محمد علی سلفی لہرسن بازار (۱۵) مولانا عبدالاحد مدنی ریاض العلوم دہلی (۱۶) مولانا عبدالرحمن مدنی بونڈیہار (۱۷) مولانا رفیق احمد رئیس سلفی علی گڑھ (۱۸) مولانا محمد شعیب میمن جونا گڑھی (۱۹) مولانا خالد جمیل مکی بھیونڈی (۲۰) مولانا محمد شمیم مدنی سراج العلوم بونڈیہار (۲۱) مولانا علی اختر ندوی ریاض العلوم دہلی۔ عبدالحکیم المدنی)

(۸) دعوتی خدمات: میری دعوتی خدمات دوطرح کی ہیں ایک وہ جو جمعیت سے متعلق رہ کر میں نے کی ہیں، اوردوسرے وہ ہیں جو جمعیت سے متعلق رہے بغیر انفرادی طور پر انجام دی ہیں:

(الف) پہلی قسم کی تفصیل اس طرح ہے کہ میں ۱۹۷۰ء میں جمعیت اہل حدیث ضلع بستی میں بحیثیت رکن شامل ہوا اور ۱۹۹۵ء تک جمعیت سے متعلق رہا اسی سال میں نے ضلع کے پانچ حلقوں میں سے ایک حلقے میں جمعیت اہل حدیث حلقہ اٹوا کی بنیاد ڈالی اور علاقے کے تقریباً ۲۰/۲۵ علمائے کرام کو شامل کر کے تقریبا پچاس مقامات کا تبلیغی دورہ کیا یہ سلسلہ لگ بھگ ۲ سال تک جاری رہا پھر ۱۹۷۱ء میں مجھے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب ناظم کے طور پر منتخب کیا گیا جس سے میں ایک سال تک جمعیت سے متعلق رہا اور اس دوران راجستھان اور مہاراشٹر کے علاقوں کا تبلیغی دورہ کیا جس میں، جے پور، کوٹہ، بیگود، رواڑ، کیکڑی، سوائی مادھو پور، اور جودھ پور، وغیرہ مقامات خاص طور پر شامل ہیں اور مہاراشٹر میں مالیگاؤں، احمد نگر، اورنگ آباد اور ممبئی وغیرہ مقامات شامل ہیں اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی کا نائب صدر منتخب کیا گیا اور اس دوران ضلع کے منتخب مقامات کے دورے کئے ۱۹۷۷ء میں پھر دوبارہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا نائب ناظم منتخب کیا گیا نیز پندرہ روزہ اخبار ترجمان کا نائب مدیر مقرر کیا گیا اس دوران صحافتی ذمے داریوں کے ساتھ تبلیغی اور تنظیمی دورے ہوئے خاص طور پر صوبہ گجرات کا مکمل تنظیمی دورہ ہوا تقریباً ایک ماہ تک مسلسل پورے صوبے میں قابل ذکر جماعتی مقامات کا تبلیغی و تنظیمی دورہ کیا خاص طور پر درج ذیل مقامات قابل ذکر ہیں، احمد آباد، راجکوٹ، جوناگڈھ، بھوج، سمی، نڑیاد بھڑوچ، سورت، جموسر اور سامرود، وغیرہ وغیرہ ان سب مقامات کے نمائندگان کو احمد آباد میں اکٹھا کیا اور صوبائی جمعیت گجرات کی تشکیل عمل میں آئی یہ بات قابل ذکر ہے کہ گجرات میں پہلی دفعہ اس طرح سے جماعت کے لوگ اکٹھا ہوئے باہم جماعتی رشتے مضبوط ہوئے اس کے بعد سے اب تک ماشاء اللہ گجرات کی جمعیت سرگرم عمل ہے، ۱۹۸۳ء میں جمعیت اہل حدیث حلقہ اٹوا کا امیر منتخب کیا گیا اور اس عہدے پر ۱۹۹۵ء تک قائم رہا اور علاقے کے منتخب مواضعات کا تبلیغی و تنظیمی دورہ ہوا پھر ۱۹۹۰ء میں ریاستی جمعیت اہلحدیث مشرقی یوپی کا نائب امیر اور ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کا امیر منتخب ہوا اور اس حیثیت سے بھی صوبہ کے مختلف مقامات کے دورے ہوئے یہ سلسلہ بھی ۱۹۹۵ء تک جاری رہا اس کے بعد جمعیت سے میرا تعلق نہیں رہ سکا۔

(ب) دوسری قسم کی دعوتی خدمات کی تفصیل یہ ہے: مذکورہ مقامات کے علاوہ مختلف مقامات پر جمعہ کا خطبہ دیا ہے اہم مواضعات کے نام یہ ہیں سمرا، بشنپور کلاں، کمہریا، جھکہیاں، پہاڑہ پور، دوپھڑیا، فرینده، ریواں، بونڈیہار، اونرہوا، اوسان کوئیاں، ششہنیاں اور مختلف شہروں میں بھی خطبہ دینے کا موقع ملا ہے ان کے نام یہ ہیں (یوپی میں) سکندرآباد، علی گڑھ، قنوج، بھدوہی، بنارس (گجرات میں) سورت کے علاوہ احمد آباد، سمی سامرود، بھڑوچ، واپی، (راجستھان میں) کھنڈیلہ، بیگود، جودھ پور، (مہاراشٹر میں) ناگپور، شولاپور، تھانہ (مدھیہ پردیش میں) بھوپال (آندھرا پردیش میں) وشاکھاپٹنم، وزیانگرم، اوروجے واڑہ (کرناٹک میں) گلبرگہ، سگرا اور بمبئی اور دہلی کی مختلف مساجد میں۔

مختلف اجتماعات اور جلسوں میں بھی وعظ وتقریر کا موقع ملا ہے ان کے نام یہ ہیں، کمہریا، جھکہیاں، پہاڑہ پور، پرسا، بشنپور مہدانی، چندن جوت، حسین نگر، برم پورہ، راما پور، بشنپور بیراڈیہہ اور مرغہوا، سمی، نڑیاد، شولا پور، ممبئی، برگدوا، جمہونا، پرسپور، پٹنہ۔

(۹) تصنیفی خدمات:

(۱) تصنیفی میدان میں میں نے ایک کتاب مرتب کی ہے جس کا نام ''تذکرۃ المشاہیر'' اس میں جماعت اہل حدیث کے پچیس اخص الخواص علماء کی سوانح حیات ہے ان میں خاص طور پر حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب، نواب صدیق حسن صاحب، مولانا محمد حسین بٹالویؒ، مولانا سلیمان منصور پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور مولانا شمس الحق ڈیانویؒ وغیرہم کے تذکرے ہیں۔

(۲) ایک کتاب میں نے شعروادب کے موضوع پر ترتیب دی ہے جس کا نام ہے ''گلہائے رنگ رنگ'' اس میں میں نے تقریباً دوسو قدیم وجدید شعراء کے منتخب اشعار حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کی ہے، ہر شعر کے ساتھ شاعر کا نام مذکور ہے اور ہر شاعر کا اجمالی تذکرہ اس طرح سے ہے کہ جس میں شاعر کا اصلی نام، سال ولادت، سال وفات اور اگر اس کا کوئی استاذ ہے تو استاذ کا بھی ذکر کیا ہے اسی طرح سے شعراء کا دوشجرہ بھی مرتب کیا ہے، ایک کا تعلق دہلی سے ہے اور دوسرے کا تعلق لکھنؤ سے ہے یہ دونوں کتابیں غیر مطبوع ہیں۔

(۳) ۲۰۰۲ء جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت کی طرف سے نواب صدیق حسن کی ایک کتاب ''دعوۃ الحق'' اس مقصد کے لئے بھیجی گئی کہ یہ کتاب سو سال پہلے کی ہے جو موجودہ دور کی زبان سے مناسب نہیں ہے لہٰذا اس کو جدید زبان میں منتقل کر دیا جائے علاوہ ازیں اس میں جو آیات اور احادیث ہیں ان کے ترجمہ وتشریح کے ساتھ ان کی تخریج بھی کی جائے یہ کتاب لگ بھگ سو صفحہ پر مشتمل ہے میں نے اس پر مذکورہ کام کیا ہے اور کتاب مرتب کر کے جمعیت مذکورہ کے پاس بھیج دی ہے۔

(۴) میری ایک کتاب جو اسلامی نظموں پر مشتمل ہے پانچ دفعہ شائع ہو چکی ہے جس کا نام ''نغمات اسلام'' ہے، ان کے علاوہ چھ ناقص مسودات ہیں، پورے نہیں ہوئے ہیں اس لئے ذکر نہیں کر رہا ہوں۔

مقالہ نگاری: مختلف کانفرنسوں اور سیمیناروں کے موقع پر مقالہ لکھنے کی نوبت آئی ہے مثال کے طور پر جامعہ سلفیہ میں تین مرتبہ مقالہ پیش کیا ہے جس میں خاص طور پر ایک مقالہ علامہ ابن تیمیہ کی شخصیت پر تھا اسی طرح سراج العلوم بونڈیہار، دارالہدیٰ یوسف پور، انجمن محمدیہ تلسی پور، جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی، ضلعی جمعیت اہل حدیث علی گڑھ، دارالدعوۃ لال گوپال گنج ضلع پرتاپ گڈھ، ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی، اور مرکزی جمعیت اہل حدیث دہلی کی طرف سے منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں بھی مختلف موضوعات پر مقالے پیش کئے ہیں۔

(آپ کے مقالات ومضامین بے حد عمدہ، وقیع اور مدلل ہوا کرتے تھے سر دست میرے سامنے آپ کے کئی مضامین ہیں جو درج ذیل ہیں: (۱) مرعاۃ المفاتیح اور اس کے مؤلف، یہ مقالہ آپ نے علی گڑھ میں منعقدہ علمی سیمینار میں پڑھا تھا جو بعد میں علوم الحدیث مطالعہ وتعارف

نامی کتاب میں شامل اشاعت ہوا شیخ عبدالمعید مدنی اور رفیق رئیس سلفی علی گڑھ کی نگرانی اور ترتیب میں۔ (۲) تقریظ بر کتاب مسدس شاہراہ دعوت شیخ صلاح الدین مقبول کی، ماہر صاحب نے جس میں بڑا عمدہ مقدمہ لکھا ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔ (۳) فتنہ انکار حدیث کی سرکوبی میں علماء اہل حدیث کی مساعی جمیلہ مجلہ اہل السنہ ممبئی میں اس کی پہلی قسط ماہ جنوری ۲۰۱۶ء میں شامل اشاعت ہے۔ (۴) عالمی سیمینار بعنوان علامہ عبدالحمید رحمانی حیات وخدمات منعقدہ ۲۸ فروری ۲۰۱۴ء میں ایک گرانقدر مقالہ بعنوان ''مولانا عبدالحمید رحمانی کچھ یادیں کچھ باتیں'' کے موضوع پر پیش کیا تھا۔ (۵) قدامت اہل حدیث کا تاریخی تسلسل کے عنوان پر آپ کا قسط وار مضمون مجلہ اہل السنہ ممبئی میں نگاہوں سے گزرا جو بے حد علمی اور تاریخی ہے۔ از عبدالحکیم المدنی۔)

رفاہی خدمات:

(۱) **مسجد کی تعمیر:** تین نئی مساجد کی میں نے بنیاد رکھی ہے (۱) رسول پور (۲) ڈیبیہ پور (۳) شمس العلوم سمرا کے زمانہ نظامت میں وہاں کی مسجد کی از سرنو تعمیر کرائی ہے۔

(۲) **دیگر خدمات:** فسادات یا سماوی آفات کے موقع پر میں نے مختلف ریلیف کی تقسیم میں حصہ لیا ہے، مثلاً گونڈہ کے کرنیل گنج میں جب فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور لوگ اس سے متاثر ہوئے تو ریاسی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کی طرف سے ناظم جمعیت مولانا انور اور مولانا ابوالعاص صاحب کے ساتھ میں نے کئی بار اس علاقے کا دورہ کیا اور متاثرین کو نقد، کپڑے اور برتن تقسیم کرائے اس کے علاوہ ضلع سدھارتھ نگر میں غالباً ۱۹۹۳ء میں بہت زبردست سیلاب آیا تھا جس میں ضلع کے مختلف علاقے کے لوگ بہت زیادہ تکلیفوں میں مبتلا تھے تو اس موقع پر بھی پہلے حلقہ اٹوا کی جمعیت کی طرف سے کٹھیلا کے علاقے میں غلے اور نقد پیسے مختلف مواضعات میں تقسیم کرائے اس کے بعد ریاستی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کی طرف سے شہرت گڑھ اور بانسی کے علاقوں میں نقد پیسے تقسیم کرائے۔

بیماری اور وفات: ماہر صاحب ذیابطیس کے مریض تھے ادھر کئی سالوں سے شدید بیمار رہا کرتے تھے ۲ سال قبل ممبئی میں ایک عرصہ تک علاج ہوا تھا الحمدللہ افاقہ ہو گیا تھا اس کے بعد کئی جلسوں میں ملاقات رہی بالآخر جنوری ۲۰۱۶ء کے آخری حصہ میں قضاء پھر ایک بار آپ کو ممبئی کھینچ لائی علاج ومعالجہ جاری تھا کلوا ممبرا ہاسپٹل میں ایڈمیٹ تھے ۲۹ جنوری ۲۰۱۶، بروز جمعۃ المبارک صبح ۱۱:۳۰ بجے مالک حقیقی کا بلاوا آ گیا اور یہیں جان جان آفریں کے حوالہ کر دی، ان للہ وانا الیہ راجعون، اور اس شام کو باندرہ نوپاڑہ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

اولاد واحفاد: ماہر صاحب کثیر العیال عالم دین تھے آپ نے اپنے پیچھے ایک بیوہ، ایک لڑکا اور ۱۲ لڑکیاں ایک پوتی اور اڑتالیس نواسے اور نواسیاں چھوڑی ہیں اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی مارچ ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی رحمہ اللہ

عبدالمنان سلفی جھنڈانگر

جماعت کے معروف عالم دین کہنہ مشق مدرس، مشفق مربی، منجھے ہوئے صحافی وانشاء پرداز اور قادر الکلام اسلامی شاعر مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی بھی قدرے طویل علالت کے بعد اپنے وطن سے دور عروس البلاد ممبئی میں ۲۹ر جنوری ۲۰۱۶ء کو انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ماہر صاحب کی شخصیت بڑی ہمہ گیر اور گوناگوں خوبیوں اور صلاحیتوں کا مجموعہ تھی، وہ ایک غیور سلفی عالم دین ہونے کے ساتھ نہایت کہنہ مشق مدرس اور مشفق مربی تھے، ان کی زندگی کا بیشتر حصہ جماعت کے بڑے بڑے مدارس وجامعات میں اونچے درجات کے طلبہ کو پڑھاتے ہوئے گذرا، موصوف نے دو مرحلوں میں کئی برسوں تک جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے علاوہ جامعہ سراج العلوم کنڈو بونڈیہار، مدرسہ دارالتوحید مینا عیدگاہ، مدرسہ شمس العلوم سمرا جامعہ ریاض العلوم دہلی، اور جامعہ سلفیہ ناگپور سمیت متعدد علمی اداروں کے مسند تدریس کو رونق بخشا، ان کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ملک وبیرون ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔

عملی میدان میں قدم رکھنے کے بعد بحث وتحقیق اور قلم وقرطاس سے بھی ان کا رشتہ مضبوطی سے قائم رہا، مجلات وجرائد میں ان کے قیمتی مقالات اور گراں قدر مضامین شائع ہوتے رہے، ماہنامہ ''السراج'' میں بھی ان کے متعدد گراں قدر علمی مقالات قسط وار شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں، اہم علمی سیمیناروں میں وہ اپنے مقالات پڑھتے بھی تھے، ان ایام میں جب مولانا ماہر بستوی رحمہ اللہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب ناظم کے باوقار منصب پر فائز تھے تو انتظامی امور کی نگرانی کے ساتھ موصوف جمعیت کے پندرہ روزہ ''ترجمان'' کی کامیاب ادارت بھی فرماتے تھے۔

جمعیت وجماعت سے بھی طویل مدت تک وابستگی رہی، مقامی سطح سے مرکزی سطح تک انہیں جماعت کی تنظیمی خدمت کی سعادت بھی حاصل ہوئی، ان تمام خوبیوں کے ساتھ ماہر صاحب خوش فکر اور اسلامی ادب کا نمائندہ قادر الکلام شاعر بھی تھے، ''نغمات اسلام'' ان کے اسلامی اشعار کا مجموعہ تقریباً ۴۵ برس پہلے سے شائع ہوتا رہا ہے، ''تذکرۃ المشاہیر'' اور گلہائے رنگارنگ'' ان کے علمی باقیات ہیں، ''گلہائے رنگارنگ'' میں دبستانِ دلی اور دبستان لکھنو کے منتخب شعراء کے اشعار کا انتخاب ان کے مختصر تعارف کے ساتھ ہے، جو مولانا کے ادبی ذوق کا غماز ہے، ماہر صاحب کے رخصت ہو جانے سے علم وادب، تحقیق وتدریس اور تصنیف وصحافت کی مجلسیں سونی ہوگئیں اور ان کے اٹھ جانے سے ملت وجماعت کو ناقابل تلافی خسارہ سے دوچار ہونا پڑا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور خدمات قبول کرے۔ آمین۔ (ماہنامہ السراج فروری مارچ ۲۰۱۶ء) □□

مولانا عبدالحمید شفیقی رحمہ اللہ

وفات: ۱۴ فروری ۲۰۱۶ء

عبدالمنان سلفی جھنڈانگر

میرے محسن استاد اور مشفق مربی مولانا عبدالحمید شفیقی رحمہ اللہ بھی علم وعمل سے بھرپور تقریباً ۷۶ برس کی طویل اور قابل رشک زندگی گزار کر ۱۴ فروری ۲۰۱۶ء کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شفیقی صاحب باعمل، خوددار اور باوقار عالم دین تھے، موصوف کا تعلق میرے گاؤں انتری بازار سے تھا اسلئے انہیں بچپن سے دیکھا اور متاثر ہوا۔ مجھے ان کے ہر عمل میں بانکپن دکھائی دیا، خوبیاں تو بہت تھیں مگر جس وصف نے انہیں ممتاز بنایا وہ ان کا طریقہ تدریس اور انداز تربیت تھا، استاذ محترم کی پوری زندگی پڑھتے پڑھاتے گذری، آبائی گاؤں کے مدرسہ بحرالعلوم سے تعلیمی سفر کا آغاز کیا اور مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر، دارالعلوم ششہنیاں، جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور ہوتے ہوئے کنزالعلوم ٹانڈہ تک کا سفر طے کر کے درس نظامیہ کی اکثر کتابیں پڑھ لیں، مگر بدقسمتی سے اپنی گھریلو مجبوریوں کے سبب انہیں تعلیمی سفر کی تکمیل سے کچھ ہی پہلے عملی زندگی میں داخل ہونا پڑا، جہاں سے تعلیمی سفر شروع کیا تھا تدریسی اور عملی سفر کا آغاز بھی اسی بحرالعلوم سے ہوا، جھنڈانگر بھی تشریف لائے اور انتظام وانصرام کی کچھ ذمہ داریوں کے ساتھ تدریسی فریضہ انجام دیا، پھر ۱۹۶۰ء سے ۱۰۸۹ء تک ۳۲/سال کا طویل عرصہ المعہد الاسلامی اکرہرا، سدھارتھنگر کی خدمت کی نذر کر دیا، موصوف ایک زمانہ تک اس درسگاہ کے صدر مدرس رہے، آپ کا........ درس گاہ کی تاریخ کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں اکرہرا کی تعلیم وتربیت کا چرچا دور دور تک تھا،........ ۱۹۷۲ء کے تعلیمی سال میں راقم نے بھی ایک سال مادر علمی میں گذارے ہیں اور استاذ محترم سے ترجمہ قرآن اور ہدایۃ النحو پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

اکرہرا چھوڑنے کے بعد المعہد الاسلامی دہلی، جامعۃ التوحید بجوا، نیپال، کلیۃ البنات المسلمات انتری بازار میں بھی آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، مگر اکرہرا کا دور آپ کی زندگی کا یادگار دور رہا ہے۔ استاذ محترم کو اللہ تعالیٰ نے تدریس کی بھرپور صلاحیتوں سے نوازا تھا، بڑی مہارت سے مضامین کو ذہن میں اتارنے کا ہنر نہیں خوب آتا تھا، تدریسی خوبی کے ساتھ تربیت کا انداز بھی نرالا تھا، شفیقی نسبت کا پورا اثر ان کی شخصیت میں تھا، بڑی شفقت سے وہ تربیت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

آواز بھی اچھی تھی اس لئے وعظ بھی بڑا دلنشیں ہوتا تھا، ہمارے گاؤں میں میرے دادا مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ کے بعد کافی دنوں تک وہ عیدین کا خطبہ ارشاد فرماتے رہے، جمعیت وجماعت کی سرگرمیوں میں بھی وہ شریک رہتے تھے، ضلعی جمعیت اہل حدیث بستی کے وہ نائب ناظم اور ناظم بھی رہ چکے تھے، ان کے انتقال سے تدریس ودعوت کے میدان میں بڑا خلا پیدا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

(ماہنامہ السراج فروری، مارچ ۲۰۱۶ء)



مولانا عبدالحمید شفیقی جوار رحمت میں

ضلع سدھارتھ نگر کے ایک مشفق اور مربی عالم دین مولانا عبدالحمید شفیقی تقریبا ۸ دہائیاں گذار کر ۱۳؍فروری کو رحلت فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم اسلاف کے طرز زندگی کے اچھے نمونہ تھے۔ ان کی اصلاحی خدمات ان کی تدریسی خدمات کے دوش بدوش رہیں۔ وہ ایک عمدہ مربی اور طلباء میں نہایت مقبول شفیق استاذ تھے۔ مرحوم کی وفات حسرت آیات سے علاقہ ایک بڑے ملنسار اور غمگسار شخصیت سے محروم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی لغزشوں کو معاف کرکے انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

(ادارہ نوائے اسلام)



مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی رحمہ اللہ: حیات وخدمات

عبدالحمید بن القاسم (جامعہ سراج العلوم بونڈیہار)

قارئین کرام! اس دنیائے فانی کے اندر جب جب برائیاں عام ہوئیں، کفروشرک کا زور ہوا، ظلم وجور کی آندھی چلی تب تب اللہ رب العالمین نے اس دنیا کے اندر انبیاء ورسل کی شکل میں مصلحین اور داعی مبعوث فرمایا، جنہوں نے ان برائیوں سے لوہا لیا اور اللہ رب العالمین کے پیغام کو اللہ کے بندوں تک من وعن پہنچایا، جب اللہ رب العالمین نے سلسلہ رسالت ونبوت کو سیدالمرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا تو اللہ کے پیغام کو عام کرنے اور دعوتی کاز کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری علماء دین کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی گئی، چنانچہ ہر زمانے کے علماء کو اللہ رب العزت نے توفیق بخشی کہ انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھا اور نبیوں کے مشن کو اپنے اپنے بساط اور صلاحیتوں کے مطابق مزید آگے بڑھایا اور اپنا تن من دھن سب کچھ داؤں پر لگا کر بھی اللہ کے بندوں کو دین کی جانب بلاتے رہے انہیں دعاۃ ومبلغین میں سے اس صدی کے ایک عظیم داعی ومبلغ شیخ عبدالرحیم امجدؔ نیپالی رحمہ اللہ بھی تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دین اسلام کی نشر واشاعت میں صرف کر دیا۔ ذیل میں ان کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی عبدالرحیم امجد بن واجد علی بن تفضّل بن باقر حسین۔

یوں تو آپ کے آباء واجداد موضع: جموتیا، حلقہ ڈومریا گنج کے باشندے تھے لیکن انگریزوں کے ظلم وجبر سے پریشان ہو کر موضع ''جموتیا'' کو خیرآباد کہہ کر ملک نیپال کے موضع مگلہاں میں آکر آباد ہو گئے کچھ دنوں تک وہاں قیام پذیر رہے پھر آپ کے دادا محترم میاں تفضّل حسین رحمہ اللہ موضع: مگلہاں سے موضع: پڑریا منتقل ہو گئے اور یہیں گاؤں آپ کا مسکن تھا۔

ولادت باسعادت: آپ کی پیدائش ۴ ستمبر ۱۹۳۴ء بروز ہفتہ، موضع، پڑریا، ضلع روپندیہی، نیپال میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے ہی مکتب میں عبداللہ اور میاں یوسف رحمہما اللہ سے حاصل کی، آپ ابھی اپنے گاؤں میں ہی زیر تعلیم تھے کہ خطیب الہند علامہ عبدالرؤف رحمانی رحمۃ اللہ چندے کی غرض سے وہاں تشریف لے گئے آپ کی تشریف آوری پر ایک دینی مجلس منعقد کی گئی، شیخ موصوف کا کہنا تھا کہ میں نے اس مجلس میں ایک ''نظم'' پیش کی جس سے رحمانی رحمہ اللہ بہت متاثر ہوئے، والد سے کہا کہ بچہ بڑا ہونہار ہے اس کا داخلہ ہمارے یہاں ''جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال'' میں کرا دیجئے، شیخ کا بیان تھا کہ میرا داخلہ اگلے سال ۱۹۵۱ء میں جامعہ سراج العلوم السّلفیہ میں ہو گیا، جہاں میں نے جماعت اولی وثانیہ کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد آپ حصول علم کی غرض سے ایک اور معروف دینی دارالہ ''دارالہدیٰ یوسف پور'' تشریف لے گئے اور آپ نے وہاں جماعت ثالثہ، رابعہ وخامسہ تک کی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ۱۹۵۷ء میں دہلی کا رخ کیا اور ''جامعہ ریاض العلوم'' میں داخلہ لے کر ۷ فروری ۱۹۶۰ء

میں سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ: یوں تو آپ نے بہت سے ممتاز و معروف علماء و مشائخ سے کسب فیض کیا مگر ان میں مشہور اساتذہ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں: شیخ محمد زماں صاحب رحمہ اللہ، شیخ عبدالغفور صاحب بسکوہری رحمہ اللہ، شیخ محبت اللہ صاحب دودھونیاں، شیخ عبدالرحیم رحمانی گلہریا، شیخ عبدالسلام صاحب بستوی، شیخ تقریظ احمد شہسوانی، شیخ محمد ابراہیم میواتی، شیخ محمد اسحاق میواتی۔

شادی واولاد: فراغت سے ایک سال پہلے مارچ ۱۹۵۹ء میں آپ کا نکاح حکیم سید لیاقت حسین کی دختر نیک اختر ام ہانی خاتون سے ہوا، اس کے بطن سے اللہ رب العالمین نے آپ کو تین بیٹے اور تین بیٹیوں سے نوازا، بیٹے: محمد شمیم، محمد کلیم، محمد نسیم، بیٹیاں: ام سلمیٰ، زاہدہ،، خالدہ'' ان کے وارث ہیں۔

تدریسی ودعوتی خدمات: آپ ۷ رفروری ۱۹۶۰ء میں فراغت کے بعد ضلع کپل وستو کے موضع بھرولیا، میں تین سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ساتھ ہی دعوت وتبلیغ بھی کرتے رہے، آپ کے اندر ایک ماہر اور کامیاب خطیب کی تمام صفات بدرجہ اتم موجود تھیں اور آپ کا انداز اتنا نرالا اور آسان فہم تھا کہ بہت جلد ہی آپ عوام وخواص میں مقبول ہو گئے، پھر آپ کو تمام دینی واصلاحی کانفرنسوں اور جلسوں میں شرکت کی دعوت دی جانے لگی اور تمام جلسوں میں آپ کی شرکت ہونے لگی، آپ جلسوں میں شرکت کرتے اور ساتھ ہی ساتھ تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے، پھر آپ کو محسوس ہوا کہ دعوت اور تدریس دونوں الگ الگ ذمہ داریاں ہیں جن کی ادائیگی بیک وقت صحیح انداز میں نہیں کی جاسکتی ہے لہٰذا آپ نے تدریسی میدان کو خیر آباد کہہ دیا اور پھر کبھی کسی مدرسے کا رخ تدریس کی غرض سے نہیں کیا اور دعوت وتبلیغ سے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے منسلک کرلیا، اپنی پوری زندگی دعوت وتبلیغ کے لئے وقف کردی تھی، آپ نے دل میں دعوت دین کے حوالے سے اتنی جوش تھا کہ تمام تر معاشی ومادی مشکلات کے باوجود آپ اس عظیم مشن سے وابستہ رہے اور ہند ونیپال کے گوشے گوشے میں پہنچ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو خالص کتاب اللہ وسنت رسول کی روشنی میں پہنچاتے رہے اور بدعات وخرافات کا قلع قمع کرتے رہے، آپ کا بیان تھا کہ ایک ہی رات میں کئی کئی جلسوں اور دینی مجلسوں میں شریک ہو کر خطاب فرمایا، آپ کی سادہ لوحی، خودداری عدیم المثال تھی، آپ نے معاشی مشکلات ومسائل کے حل کے لئے کوئی خاص وسیلہ وذریعہ تلاش نہ کیا، کثیر العیال اور ضرورت مند ہونے کے باوجود کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا، نہایت ہی صبر وضبط سے کام لیتے رہے، قناعت پسندی کا دامن ہاتھ سے تھامے رکھا اور ہر حال میں رب ذوالجلال کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نہایت صبر وضبط کے ساتھ زندگی گزارتے رہے۔

حج: ۱۹۹۳ء میں حج کا فریضہ انجام دیا تھا، سفر حج سے واپسی کے بعد اللہ رب العالمین نے آپ کے حالت زار پر رحم فرمایا اور شیخ عبداللہ مدنی رحمہ اللہ اور شیخ عبدالمنان سلفی کی کوشش سے مالی مشکلات کا معاملہ آسان ہوا چنانچہ اخیر عمر تک آپ جمعیت وجماعت سے جڑے رہے اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

تصنیف وتالیف: شیخ موصوف کے بقول آپ نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں بہت سے علمی مقالے، مضامین تحریر کئے تھے جو اس وقت کے معروف اخبار ورسائل اور جرائد مثلاً اخبار اہلحدیث دہلی، ترجمان دہلی، زعیم دہلی، الہدی پاکستان، الاسلام دہلی

وغیرہ میں شائع ہوئے تھے۔ ۱۹۹۳ء میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے درمیان ہی ''تحفة الحرمین'' کے نام سے ایک کتاب تحریر کی تھی جس میں انہوں نے اپنے سفر کے احوال اور حج کے اہم مسائل کو نہایت ہی مدلل اور عام فہم انداز میں بیان کیا تھا، لیکن افسوس کی یہ کتاب ابھی تک معاشی و مادی تنگی کے سبب منظر عام پر نہیں آسکی۔

اخلاق وعادات: آپ نیک اور خاکسار تھے، نرمی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے، لوگوں کے ساتھ آپ کا اٹھنا بیٹھنا نہایت بہتر تھا، غیروں سے بھی اچھے لہجے میں بات کرتے تھے، چھوٹے بڑے سب سے ملتے تھے، آپ کا طرز تکلم بڑا نرالا تھا، جب آپ گفتگو کرتے تو سننے والا بہت خوش ہوتا تھا، جب آپ کسی بھی مجلس میں قرآن وحدیث کی روشنی ڈالتے تھے تو عوام کو آپ کی بات بہت جلد ذہن نشین ہو جاتی تھی، آپ اخلاق وکردار کا اعلیٰ نمونہ تھے، چھوٹوں کے ساتھ شفقت اور بڑوں کے ساتھ توقیر سے پیش آتے تھے، معاملات میں سلجھا ہوا انداز اختیار کرتے تھے۔

بلبل نیپال کا خطاب کیوں اور کیسے ملا؟ علی گڑھوا کے قریب موضع پرہواں میں الیکشن کا اعلان ہوا جس میں ''پرہواں'' کے سعید پردھان اور ''گورا'' کے جاگیشور پانڈے'' دونوں اپنی کوشش کے مطابق لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا جب ''ووٹ'' کو تقسیم کیا گیا تو پتہ چلا کہ فتح جاگیشور پانڈے کی ہوئی ہے، اسی جیت کی خوشی میں جاگشیور پانڈے نے ایک دینی اجلاس منعقد کیا جس میں مشہور مشہور خطباء و شعراء کو دعوت دی انہیں خطباء میں سے ایک خطیب شیخ عبدالرحیم امجد نیپالی بھی تھے، شیخ کا بیان ہے کہ جب آئے ہوئے خطیب اپنی اپنی باتیں لوگوں کے سامنے پیش کر چکے تو میری باری آئی اور میں نے بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی بات لوگوں کے سامنے پیش کی دوران خطابت ایک شعر پڑھا جو لوگوں کو بہت اچھا لگا شیخ کہتے تھے کہ لوگوں نے اس شعر کو مجھ سے کئی بار پڑھایا وہ شعر یہ ہے:

ایمان جو ہے تو سب کچھ ہے ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
اصحاب نبی پہ مٹنے کا ارمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

(ماہر القادری)

شیخ کا بیان تھا کہ یہ مجلس ''مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم، ماہنامہ ترجمان کے ایڈیٹر شیخ عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کے زیر سرپرستی منعقد ہوئی تھی'' جلسہ ختم ہونے کے بعد ''ترجمان'' میں کچھ دنوں بعد رحمانی صاحب نے بلبل نیپال کے خطاب سے نوازا۔

وفات: علم وعمل کا یہ آفتاب ۱۶ر فروری ۲۰۱۶ء بروز منگل وار صبح صادق قبل صلوۃ فجر، ہمیشہ ہمیش کے لئے غروب ہو گیا (انا للہ انا الیہ راجعون)

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی　　اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

تجہیز وتکفین: شیخ عبدالمنان سلفی حفظہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی، مشارکین کی تعداد کم وبیش پانچ ہزار تھی، آپ موضع: ''پڑریا'' ہی کی سرزمین میں دفنائے گئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور انہیں دنیا وآخرت میں اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے آمین۔ ☐☐

بلبل نیپال مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی رحمہ اللہ

عبدالمنان سلفی جھنڈانگر

جماعت کے قابل احترام اور بزرگ عالم دین، شہرہ آفاق خطیب اور بے لوث داعی بلبل نیپال مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی بھی عمر طبعی کو پہنچ کر مختصر ترین علالت کے بعد ۱۶ر فروری ۲۰۱۶ء کو قبیل فجر داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پچاس سال سے زائد عرصہ تک خطابت کے افق پر چھائے رہنے والے اس داعی، مبلغ اور مصلح کی وفات کا صدمہ عوام وخواص سبھی کو ہوا، راقم نے جب سے ہوش سنبھالا بلبل نیپال کو ہمہ وقت نغمہ سرا دیکھا، اس درویش خدامست نے اپنی راتوں کی نینداور دن کا آرام تج کر کے دعوت کا فریضہ انجام دیا، ہفتوں اور مہینوں دعوتی اسفار میں گذر جاتے، دن بھر سائیکل، ٹرین، بس اور جیپ کا سفر کرتے، رات میں دو دو تین تین گھنٹے وعظ فرماتے، سدھارتھ نگر، بستی، مہراج گنج، بلرام پور، روپندیہی اور کپل وستو وغیرہ کے دعوتی جلسوں میں بالعموم کچھ دنوں پہلے تک وہ سائیکل سے جاتے، جوانی میں سائیکل خود چلاتے اور بعد میں اپنے لڑکوں میں سے کسی کے ردیف ہوتے، گھنٹوں کا سفر وہ بے آرامی کے ساتھ کرتے، مگر قربان جایئے اخلاص پر ماتھے پر بل نہ آتا، ہمیشہ تروتازہ دکھائی دیتے، میرے عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد جب ان سے راہ ورسم بڑھی اور بعد میں یہ قربت وعقیدت میں تبدیل ہوگئی تو میں انہیں ازراہ احترام ''بابا'' سے مخاطب کرتا تھا، کبھی پوچھتا ''بابا'' ہم لوگ اگر کسی جلسہ میں ایک رات جاگ لیتے ہیں تو اگلے کئی دن اور راتیں متاثر ہوجاتی ہیں، آپ روزانہ رات رات بھر کیسے جاگتے ہیں اور دن بھر سفر بھی کرتے ہیں؟ فرماتے کہ بابو عادت بن گئی ہے، ٹرین یا بس کی سواری میں بیٹھ کر آنکھ جھپک جاتی ہے تو کام چل جاتا ہے۔ مولانا امجد نیپالی اپنوں اور غیروں سب میں قابل احترام تھے، دیوبندی حضرات تو انہیں اپنے جلسوں میں بلاتے ہی تھے، بریلوی لوگ بھی ان کے شیدائی تھے اور بسا اوقات ان کی دلپذیر تقریر سننے کے لئے اپنے جلسوں میں مدعو کرتے تھے، مولانا کی خطابت کا ایک خاص انداز تھا، وہ اپنی تقریر میں بکثرت قرآن کریم کی آیتیں مخصوص انداز میں پڑھتے کہ سننے والوں پر سماں بندھ جاتا تھا، ان کو قرآنی آیتیں ایسی ازبر تھیں کہ کبھی نہ اٹکتے نہ اشتباہ ہوتا اور ایک موضوع پر دسیوں آیتیں پڑھ جاتے، کسی جلسہ میں ان کی شرکت یا اشتہار میں ان کا نام ہی جلسہ کی کامیابی کی ضمانت ہوتا تھا، ضلع روپندیہی اور کپل وستو کے علاوہ بھارت کے اضلاع سدھارتھ نگر، بستی، مہراج گنج، گورکھپور، دیوریا، بلرام پور، گونڈہ، بہرائچ، مئو، پرتاپ گڑھ، الہ آباد وغیرہ کا شاید ہی کوئی ایسا دعوتی پروگرام ہوتا جس میں آپ کا نام نامی زینت اشتہار نہ ہوتا، مہاراشٹر، گجرات، بہار، جھارکھنڈ اور بنگال تک آپ کی دعوتی سرگرمیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا، آپ کی دعوتی خدمات کے لئے یہ چند جملے ناکافی ہیں، سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے۔

بہرحال اپنی جماعت کا یہ بے لوث داعی اپنی زندگی دعوت کتاب وسنت کی نذر کر کے رخصت ہوگیا، ان کے گاؤں پڑریا ضلع روپندیہی میں بعد نماز عصر کھلے میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی، وصیت کے مطابق راقم آثم نے امامت کا فریضہ انجام دیا، ہزاروں علماء، فضلاء حفاظ، قراء، طلبہ اور عامۃ المسلمین نے شرکت کی، اور باچشم نم اپنے محبوب خطیب اور داعی کو سپرد خاک کیا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی خدمات کو رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ (ماہنامہ السراج فروری مارچ ۲۰۱۶ء) ❑❑

مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی جوار رحمت میں

مولانا عزیز عمر سلفی

ہندو نیپال کے معروف اور مقبول عام داعی خطیب مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی کا ۱۶ر فروری ۲۰۱۶ء کو طلوع فجر سے قبل انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ۸۵ سال کی عمر میں پورے طور پر صحت مند تھے۔ سینے میں ہلکا سا درد اٹھا اور اسی حالت میں وہ مالک حقیقی سے جا ملے۔

مولانا عبدالرحیم امجد رحمہ اللہ شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلی کے تربیت کردہ تھے اور ان کی خوابوں کی تعبیر تھے۔ وہ خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی اور مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی، مناظر اہل حدیث مولانا عبدالمبین منظر بستوی، حسان الہند مولانا ڈاکٹر حامد الانصاری انجم رحمہم اللہ جیسے کاروان دعوت وعظیمت کے رکن رکین تھے۔

ان کا مترنم خطاب جہاں دلوں کو گدگداتا تھا وہیں وہ روحوں کو بھی تڑپاتا تھا۔ ان کے خطاب میں جذب سوز دروں اس قدر تھا کہ سامعین ہچکیاں لے کر روتے تھے۔ ان کا خطاب ایک فریاد ہوتا تھا۔ وہ عموماً خطبہ مسنونہ کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

انداز بیاں گرچہ میرا شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اور اسی طرح یہ شعر بھی دوہراتے تھے:

اثر کرے نہ کرے سن تو لے میری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندہ آزاد

امجد صاحب جیسی شخصیت آج چراغ رخ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی۔ وہ جس قدر سادہ تھے وہ اسی قدر پرکشش تھے۔ ہزاروں لوگ ان کے کردار کے قائل تھے اور بے شمار لوگ ان کے اوصاف کو دیکھ کر ہدایت یاب ہوئے۔ وہ لاکھوں لوگوں کے دلوں میں عزت واحترام کے ساتھ گھر بنائے ہوئے تھے۔ تشکر وامتنان ان کی گھٹی میں تھی۔ وہ ایک اچھے مناظر توحید تھے۔ ان کے مناظرے بھی زلف عارض کی طرح ہوتے تھے۔ بدعتی اور جہال بھی ان سے محبت کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ان کے کشکول میں صرف محبت ہی محبت تھی۔ دعوتی پروگراموں میں شرکت کے لئے عموماً وہ سائیکل استعمال کرتے تھے۔ دور دراز کا سفر کر کے بھی نہیں تھکتے تھے۔ ان کے دو دو تین تین گھنٹے خطاب سے کبھی سامعین نہیں گھبراتے تھے۔

امجد صاحب عام فہم انداز میں سامعین کو سمجھانے میں مہارت رکھتے تھے۔ وہ مقامی زبان کی رائج اصطلاحات اور امثال کو

اپنے خطاب میں برابر استعمال کرتے تھے۔اس کی وجہ سے ان کے خطاب کا مقصد اور اس کا کوئی بھی حصہ ضائع نہیں ہوتا تھا۔

امجد صاحب خوددار عالم تھے۔انہوں نے کبھی اپنی حاجت روائی کسی سے نہیں چاہی۔اسی وجہ سے ان کا شعری مجموعہ تاہنوز زیر طبع سے آراستہ نہیں ہوسکا۔وہ دنیاوی حرص وہوس سے بہت پاک تھے۔ان کا دل بہت غنی تھا۔ہدایا وتحائف جس قدر ملتے وہ اس پر بہت خوش ہوتے اور بہت دعائیں دیتے۔

آج کے دور میں علماء کو عوام نے کافی حد تک نظرانداز کردیا ہے۔اس کے اسباب جگ ظاہر ہیں۔ہمیں اپنے بزرگوں کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے اپنے علم وعمل کے ذریعہ شائستہ ماحول دیا جس میں دعوت وعمل کے کاز کو آگے بڑھانے کی بہرنوع آسانیاں فراہم ہوگئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی حسنات کو شرف قبولیت بخشے۔ان کی لغزشوں کو معاف فرماکر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔(آمین) ادارہ مرحوم کے تمام پسماندگان اور ان کے تمام محبین سے اظہار تعزیت کرتا ہے اور ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(نوائے اسلام دہلی مارچ ۲۰۱۶ء)



مولانا عبدالقادر انور بستوی جوار رحمت میں

عبدالجبار انعام اللہ سلفی

دوروزہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (منعقدہ ۱۲/ ۱۳/ مارچ ۲۰۱۶ء بروز سنیچر، اتوار رام لیلا میدان دہلی) کی دوسری صبح تھی، نماز فجر کی ادائیگی کے بعد ہوٹل الحرم سے نکل کر اخبار لینے کی غرض سے جامع مسجد دہلی گیٹ نمبر ایک کے سامنے گیا ہوا تھا۔ روزنامہ انقلاب خرید ہی رہا تھا کہ جماعت کی عظیم شخصیتوں (شیخ عبدالوہاب حجازی، شیخ محمد ابراہیم مدنی، ڈاکٹر لیث محمد مکی، مولانا عبدالمنان مفتاحی، ودیگر علماء حفظہم اللہ) پر مشتمل ایک وفد بھی آپہنچا، سلام ودعاء کے بعد چائے نوشی کی غرض سے ایک ہوٹل میں گئے ابھی بیٹھے ہی تھے کہ شیخ محمد ابراہیم مدنی رحفظہ اللہ ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے فون کی گھنٹی بجی، گفتگو کرنے کے بعد بڑے ہی درد بھرے انداز میں اہل مجلس کو خبر دیتے ہوئے بولے کہ جماعت کی ایک ہستی کی وفات ہوگئی ہے، اور وہ ہستی تھی مولانا عبدالقادر انور بستوی کی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سننے کے بعد یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ ایسا ہوا ہے لیکن اجل آپہنچی تھی یقین کرنا ہی تھا۔ کانفرنس کے دوران زیادہ کچھ سوچنے کا موقع تو نہ ملا لیکن واپس ہونے کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ مولانا کے بارے میں کچھ باتیں تحریر کی جائیں۔

مولانا رحمہ اللہ سمرا کمہریا کے باشندہ تھے، نام عبدالقادر اور انور تخلص تھا، ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مدرسہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد مزید حصول علم کی خاطر جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال تشریف لے گئے، اور وہیں سے عالمیت کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد میدان عمل میں قدم رکھا۔ سب سے پہلے اپنے گاؤں کے قریب ایک بستی کمہریا میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، وہاں تقریباً ۴ سال رہے، اس کے بعد راقم کے گاؤں سمرا مڑلا بحیثیت معلم تقرر ہوا، اور یہاں پر تقریباً ۲۲/ سال تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے، ہمارے گاؤں میں ان کی بڑی عزت تھی، طلبہ کو پڑھانا اور ان کی تربیت کرنا مولانا کے معمول میں داخل تھا۔ نماز پنجگانہ باجماعت گاؤں کی مسجد میں ادا کرتے تھے، خصوصاً نماز فجر میں ضرور حاضر ہوتے، مدرسہ گاؤں کے پچھم طرف ہے وہاں سے نکلتے تو بڑے بوڑھوں کا نام لے کر نماز کے لئے آنے کی تلقین کرتے اور لوگ ان کی آواز پر لبیک بھی کہتے تھے۔ طلبہ اور طالبات کے دلوں میں ان کا اتنا وقار تھا کہ اگر سنتے مولانا آرہے ہیں تو ہر طرح کا کھیل بند کرکے یا تو چھپ جاتے یا نہایت سادگی سے کھڑے ہوجاتے اور مولانا مسکرا کر آگے نکل جاتے، مولانا کے زمانہ تدریس میں ملک میں شائع ہونے والے اکثر مجلّات مدرسہ پر آتے تھے۔ خصوصاً مرکزی جمعیت اہل حدیث دہلی کا آرگن پندرہ روزہ

جریدہ ترجمان بڑی پابندی کے ساتھ آتا تھا۔ راقم کو بھی ان کی فائلوں سے عالمیت کا مقالہ لکھتے وقت فائدہ اٹھانے کا موقع ملا ہے۔ لیکن وہ سب فائلیں اب کہاں چلی گئیں کچھ بھی خبر نہیں ہے، ہمارے گاؤں سے مستعفی ہونے کے بعد جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی سے جڑ گئے، اس وقت مولانا منظر رحمہ اللہ مشرقی یوپی کے ناظم عمومی تھے، آپ کو نائب ناظم متعین کیا گیا، اور ۴ سال تک اس عہدہ پر برقرار رہے، مولانا منظر رحمہ اللہ کی وفات کے بعد نظامت علیا کی ذمہ داری آپ کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی گئی۔ اور ۷-۳ سال تک اس عہدے پر فائز رہے، اپنے دور نظامت میں انہوں نے صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کو بڑی مضبوطی عطا کی۔ وہ انتہائی سرگرمی سے جماعت کے لئے کام کرتے تھے، نظامت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد متعدد مواضعات خصوصاً بنارس اور اس کے اطراف کے گاؤں کا دورہ کر کے جماعت کے افراد کو منظم کرنے کی بڑی سعی کی اور ایک حد تک اس میں کامیاب رہے، ستر سالہ زندگی درس و تدریس اور جمعیت و جماعت کی خدمت میں گذار دی، جماعت کے لئے انہوں نے کافی محنت و جانفشانی کی مشرقی یوپی کا دفتر پہلے دال منڈی بنارس کی ایک بلڈنگ میں تھا، بڑی تگ و دو اور محنت کے بعد لکھنؤ کے اندر زمین خریدی، اور بلڈنگ کی تعمیر کروائی۔ مولانا کی محنت ہی کی بنیاد پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے انہیں ایوارڈ سے بھی نوازا تھا۔ وہ جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس عاملہ وشوریٰ کے رکن بھی تھے۔ ہر کانفرنس و اجلاس میں شریک ہونے کی کوشش کرتے، مولانا شاعر بھی تھے، ہر اجلاس جہاں ان کی موجودگی ہوتی ضرور ان سے نظم خوانی کا مطالبہ کیا جاتا اور مولانا بڑے اچھے انداز میں سناتے اور داد تحسین حاصل کرتے۔

مولانا مرحوم راجدھانی دہلی ۱۲۔ ۱۳ مارچ ۲۰۱۶ء کو ہونے والی دوروزہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرس میں شرکت کرنے والے تھے، لیکن اس دوران پھسل کر گرنے کی وجہ سے سر میں شدید چوٹ آگئی، علاج کی غرض سے یوپی کی راجدھانی لکھنؤ لے جایا جارہا تھا، زخموں کی وجہ سے جانبر نہ ہوسکے اور راستے میں ہی ۱۳ مارچ ۲۰۱۶ء ۲ بجے شب مالک حقیقی سے جا ملے۔ اور اسی دن بعد نماز عصر نماز جنازہ ادا کی گئی اور آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ پسماندگان میں اہلیہ سمیت ایک بیٹا محبوب عالم اور چار بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔ مولانا کی لغزشوں کو درگذر فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

(ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی اپریل ۲۰۱۶ء)

❏❏❏

مولانا اُسید رحمانی رحمہ اللہ: حیات وخدمات

مولانا افضل حسین ندوی

مولانا اُسید رحمانی رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات سے دینی وعلمی حلقوں میں غم وافسردگی ہے۔ان کی وفات ۲۶/اپریل ۲۰۱۶ء کوان کے آبائی گاؤں خرماں دربھنگہ بہار میں ہوئی اور تدفین اسی روز بعد نماز عصر ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم کی ولادت دربھنگہ ضلع کے ایک مردم خیز وخوشحال گاؤں خرماں میں جناب محمد یٰسین مرحوم کے گھر ۱۹۰۸ء کو ہوئی تھی۔ گاؤں میں ہی ابتدائی تعلیم حاصل کی اس کے بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں داخل ہوئے جہاں جماعت رابعہ تک کی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس تشریف لے گئے جہاں شیخ الکل فی الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے متعدد فاضل شاگردوں سے استفادہ کیا۔خاص کر مولانا سعید بنارسی رحمہ اللہ سے صحیح بخاری ومسلم پڑھی۔مولانا مرحوم کے اہم اساتذہ کرام کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی
(۲) مولانا عبدالمعید بنارسی
(۳) مولانا ابوالقاسم مدنپورہ
(۴) مولانا عبدالمجید حریری
(۵) مولانا شمس الحق
(۶) مولانا منیر خانصاحب
(۷) مولانا عفان صاحب بنگالی
(۸) مولانا عثمان
(۹) مولانا عبدالحکیم پنجابی
(۱۰) مولانا عین الحق سلفی رحمہم اللہ تعالیٰ

جیسے اساطین علم وفن سے فیض حاصل کیا اور ۱۹۳۴ء میں سند فراغت حاصل کی ان کے اہم ساتھیوں میں مولانا عبدالوحید بنارسی اور مولانا عبدالمبین منظر یوپی رحمہما اللہ تعالیٰ خاص ہیں۔

مولانا مرحوم تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے آبائی گاؤں خرماں میں ہی دو سال تک درس وتدریس اور دعوت وارشاد میں مشغول رہے، پھر اُس کے بعد ہند ونیپال کے شمال مشرق میں آباد مسلم بستیوں میں دعوت دین کا فریضہ انجام دینے لگے اور اس کے لئے نیپال میں واقع ضلع سرہا، رمول نیپال کے مقام پر ایک مدرسہ مخزن العلوم کی بنیاد ڈالی اور وہاں ۲۷ سال تک حدیث کی مشہور کتاب مشکوۃ المصابیح اور فن نحو میں شذور الذہب اور ادب میں دیوان المتنبی اور فقہ میں شرح وقایہ پڑھاتے رہے، جس سے طلبہ کی ایک بڑی تعداد آپ سے مستفید ہوئی۔آپ کے دعوتی کام کا اثر دربھنگہ اور اس کے قرب وجوار میں واقع متعدد مقامات پر اظہر من الشمس ہے۔اسی

طرح رمول سرہا کے علاقہ میں شرک وبدعت میں لت پت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد آپ کے ہاتھ پر تائب ہوئی اور کتاب وسنت کی تعلیم سے آگاہ ہوئی۔

راقم السطور کو اس محترم ترین علمی وروحانی شخصیت کا دو بار زیارت کا شرف حاصل رہا ہے۔ پہلی بار ۱۴ دسمبر ۲۰۱۵ء کو برادر مکرم بدر عالم سلفی کے ہمراہ ان کے دولت خانہ پر ملاقات ہوئی۔ ہم شکر گزار ہیں کہ انہوں نے مولانا مرحوم سے ملاقات کے لئے ہر طرح کی سہولت فراہم کی۔ جزاہ اللہ خیرا۔ اسی طرح مولانا مرحوم کے پوتے جناب حافظ محمد شاہد صاحب (یہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہمہ وقت ان کی خدمت میں دل وجان سے لگے رہتے تھے اور آنے جانے والے مہمانوں کی ضیافت کی ذمہ داری بھی بحسن وخوبی انجام دیتے) نہایت ہی ملنسار اور کم گو انسان ہیں۔ تواضع وخاکساری کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ زاد اللہ شرفہ۔

دوسری بار رواں سال ماہ جنوری ۲۰۱۶ء کی ۹ر۱۰ تاریخ کو سند اجازت کے لئے سعودی عرب سے تشریف لائے ہوئے جید عالم دین ومحقق ڈاکٹر عبداللہ صالح العبید حفظہ اللہ کی معیت میں دو روز تک ایک ہوٹل میں قیام کے دوران ملاقات رہی اور کچھ خدمت کرنے کا موقع بھی میسر ہوا۔ مولانا مرحوم کی سند حدیث بہت عالی تھی۔ میاں صاحب رحمہ اللہ اور ان کے درمیان صرف ایک واسطہ تھا۔ مولانا مرحوم نے زندگی کی ایک سو آٹھ بہاریں دیکھیں۔ آخری دنوں میں کمزوری بڑھ گئی تھی۔ اٹھنا، بیٹھنا مشکل ہوتا تھا۔ اس کے باوجود آنے والے سے خوش اخلاقی سے ملتے تھے۔ سند اجازت کے لئے آنے والے ملک اور بیرون ملک کے علماء وطلباء کی خندہ پیشانی سے استقبال کرتے اور متواتر گھنٹوں سماع حدیث کرتے۔ مزید امریکہ، افریقہ، سعودی عرب اور کویت کے طالبان علوم نبویہ کی سیرابی ٹیلیفون پر سماعت کر کے کرتے۔ اس لمبی عمر میں بھی ضعف اور کمزوری کے باوجود آواز میں گھن گرج باقی تھی۔ احادیث نبویہ کی شرح کرتے ہوئے آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔

مولانا متوسط قد وقامت کے آدمی تھے۔ بارعب چہرہ تھا۔ عابد وزاہد تھے۔ ان کی زندگی تقویٰ وپرہیز گاری کی صفات عالیہ سے عبارت تھی۔ مولانا کی پوری زندگی قال اللہ وقال الرسول کی عطر بیزی سے لبریز تھی اور اس کی خوشبوؤں سے ایک بہت بڑی تعداد مسحور ہوئی اور راہ یاب بھی ہوئی۔

(ماہنامہ نوائے اسلام دہلی، مئی ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

آہ! مولانا محمد یاسین عادل ریاضی رحمہ اللہ

ولادت: ۱۹۳۰ء۔ وفات: ۲۰۱۶ء

مولانا عبدالستار سلفی

صوبہ جھارکھنڈ ضلع جامتاڑا کے ایک مؤقر عالم دین مولانا محمد یاسین عادل ریاضی مورخہ ۱۸رمئی بروز بدھ ساڑھے پانچ بجے شام انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی پیدائش موضع جامتاڑا، جھارکھنڈ (سابق بہار) میں ۱۹۳۰ء میں ہوئی تعلیم کا آغاز مدرسہ دارالفلاح ٹوپاٹانڑ سے ۱۹۴۰ء میں کیا۔ آپ کے مؤقر اساتذہ حافظ ابوالفلاح عابد حسین گنگوہی اور مولانا یوسف شمسی ومولانا عبدالحکیم صاحب بھوڑیہہ تھے ابتدائی تعلیم آپ نے اردو ناظرہ قرآن پاک وغیرہ مدرسہ دارالفلاح ٹوپاٹانڑ میں حاصل کی اس کے بعد آسنسول (مغربی بنگال) میں قائم مدرسہ مصباح السلام میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۷ء تک دوسال تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ شمس الہدیٰ السلفیہ، دلال پور جھارکھنڈ سابق بہار میں ۱۹۴۸ء میں داخلہ لیا اور ایک سال یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دوبارہ آسنسول آگئے اور ۱۹۵۰ء میں آپ نے جامعہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں پہلی جماعت میں داخلہ لیا اور دوسال تک یہاں کسب فیض کرنے کے بعد ۱۹۵۳ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ بہار میں داخلہ لیا مگر طبیعت کی ناسازگی کی بنیاد پر آپ دوبارہ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو چلے آئے اور ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۵ء تک دوسال تعلیم حاصل کی اور ۱۹۵۶ء میں آپ نے ملک کے دارالسلطنت دہلی کا رخ کیا اور جامعہ ریاض العلوم میں داخلہ لیا اور یہیں سے ۱۹۵۸ء میں فراغت اور سند فضیلت حاصل کی (مدارس اہل حدیث دہلی ایک تاریخی دستاویز صفحہ ۲۹) فراغت کے بعد مختلف جگہوں میں دینی ودعوتی اور تعلیمی خدمات سرانجام دیں، جب ہم لوگ بہت چھوٹے تھے اور مکتب میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اس وقت مولانا محمد یاسین عادل ریاضی مدرسہ ندوۃ الاصلاح عبداللہ نگر پھکبندی میں پڑھا رہے تھے یہ مدرسہ بھی اہل حدیثوں نے قائم کیا تھا حضرت مولانا خطیب الاسلام عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگریؒ اس کے بانیان میں سے تھے مگر بعد میں چل کر اس مدرسہ پر دیوبندی قابض ہو گئے، مولانا محمد یاسین عادل ریاضیؒ بہت عرصہ تک یہاں پڑھاتے رہے اس وقت وہ تھوڑی توجہ دیئے ہوتے تو وہ پورا علاقہ اہل حدیث ہوتا، اس علاقے میں جو بھی اجلاس یا کانفرنس ہوا کرتی تھی جناب محمد یاسین عادل ریاضیؒ ہی اجلاس کے اناؤنسر (ناظم اجلاس) ہوا کرتے تھے چاہے جماعت کا اجلاس ہو یا غیر کا (احناف کا) ہمارے علاقے میں مونگیا مارل اجلاس کے بعد جس میں خطیب الاسلام حضرت علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری تشریف لائے تھے، میرے گاؤں اولدھا میں اجلاس عام تھا ہم لوگ چھوٹے چھوٹے بچے تھے مولانا محمد یٰسین عادل ریاضی کی سربراہی میں یہ اجلاس عام منعقد ہوا تھا اس

میں خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری تشریف لائے تھے اس وقت مدھوپور سے دیہات میں آنے کے لئے بس، یا گاڑی وغیرہ کا انتظام نہیں تھا لوگ بیل گاڑیوں میں معزز مہمانوں کو لایا کرتے تھے مدھوپور میرے گاؤں اولدھا تک آنے میں چار چھوٹی چھوٹی پہاڑی ندیاں پڑتی تھیں جس میں پل وغیرہ تعمیر نہیں ہوا تھا۔ حضرت علامہ عبدالرؤف رحمانیؒ کو بھی مدھوپور سے بیل گاڑی میں ہی بٹھا کر لائے تھے مولانا محمد یٰسین عادل کی قیادت میں ہم لوگ استقبال کے لئے گاؤں کے بہت سارے بچے جھنڈا لئے ہوئے رام پور تک گئے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت علامہ عبدالرؤف رحمانیؒ نے فرمایا تھا کہ بیل گاڑی کے سفر نے تھکا تو دیا ہے لیکن اولدھا کے بچوں نے جس شان سے استقبال کیا ہے ساری تھکاوٹ دور ہوگئی ہے ہم لوگ نعرہ لگا رہے تھے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری زندہ باد نعرہ سن کر پڑوس کے بستی والے اکٹھا ہو رہے تھے، اور بھیڑ میں شامل ہوتے جاتے اور اولدھا پہنچتے پہنچتے ایک اچھی خاصی بھیڑ جمع ہوگئی تھی۔ حضرت مولانا محمد یاسین عادل ریاضی بچوں کی نمائندگی کر رہے تھے، مولانا ایک عرصہ تک مدرسہ ندوۃ الاصلاح پھکبندی میں استاذ کی حیثیت سے رہے اس وقت بائیں کھمار (بائیس گاؤں والے) سب متحد اس بائیس کھمار میں اہل حدیث ہی غالب تھے ویسے بائیس کھمار میں حنفی، اہل حدیث، بریلوی تینوں ہی تھے اور ہیں، اس وقت عید اور بقرعید کی نمازیں بائیس کھمار والے ایک ہی جگہ عبداللہ نگر پھکبندی میں پڑھا کرتے اور عیدین کے امام مولانا محمد ہاشم صاحب کرواوالے تھے ان کے بعد ان کا لڑکا عم محترم جناب مولانا محمد ادریس صاحب شمسی امام عیدین تھے، اور دوران طالب علمی ناچیز نے بھی خطبہ دیا ہے لیکن بعد میں کچھ حنفی مسلک کے لڑکے مظاہر العلوم سہارنپور اور دیوبند وغیرہ سے پڑھ کر آئے تو تکبیرات عیدین کے سلسلہ میں اختلاف شروع کر دیا، اس اختلاف کی وجہ سے اہل حدیثوں نے اپنے اپنے گاؤں میں عیدگاہ بنالیا اور اس کے بعد مولانا محمد یاسین عادل ریاضی بھی مدرسہ ندوۃ الاصلاح پھکبندی چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسری جگہ وہ کام کرتے رہے، مولانا کو عالم اسلام اور حالات حاضرہ پر گہری نظر ہوا کرتی تھی مولانا اقبالیات کے بھی ماہر تھے چلتے پھرتے اقبال کے اشعار برمحل پڑھا کرتے تھے دہلی قیام کے دوران انہوں نے مولانا ابوالکلام آزادؒ کے جنازہ اور تدفین میں شرکت فرمائی تھی، مولانا کے گھریلو حالات پہلے بہت اچھے نہیں تھے پریشان حال رہا کرتے تھے لیکن بعد میں ان کے لڑکے عزیزم سلطان احمد سلمہٗ پڑھ کر فارغ ہوئے اور سعودی عرب کے جالیات میں منسلک ہوگئے تو الحمدللہ گھر کے حالات سدھر گئے اور گذشتہ سال انہوں نے اپنے والد محترم کو سعودی عرب بلا کر عمرہ ادا کروایا تھا، فللہ الحمد اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین) اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے (ثم آمین) مولانا کے جنازہ میں جماعتی اور غیر جماعتی افراد کثیر تعداد میں شریک تھے۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ عبدالستار سلفی مدھوپور جھارکھنڈ)

(جریدہ ترجمان دہلی ۱۵۔ ا جولائی ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

ڈاکٹر عبدالعلیم بن عبدالعظیم بستوی رحمہ اللہ

مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ

ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی رحمہ اللہ کی ہمہ گیر شخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''التبیان'' کے سابقہ شمارہ کے اداریہ میں ایک مختصر شذرہ شامل کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے بڑے بھائی مولانا عبدالنور صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادہ اور جامعہ اسلامیہ سنابل کی شاخ معہد علی بن ابی طالب، لکھنو کے سینئر استاذ مولانا ذکی احمد حفظہ اللہ سے میری کئی بار گفتگو ہوئی کہ وہ اپنے چچا رحمہ اللہ پر جامع مقالہ مجلہ ''التبیان'' کو ارسال کریں لیکن وہ اپنی مصروفیت کی بنا پر فی الحال ایسا نہ کر سکے۔

''التبیان'' کے حالیہ شمارہ میں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ پر ان کے دوسرے بھائی مولانا عبدالصبور رحمانی رحمہ اللہ کے بیٹے مولانا سعید اختر مدنی حفظہ اللہ کا ایک مقالہ شائع کیا جا رہا ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی ہمہ گیر شخصیت اور ان کے علمی کارناموں کو مزید اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی کے پیش نظر والد گرامی علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کا ایک ادارتی نوٹ ماہنامہ ''التوعیۃ'' نومبر ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا تھا جسے انہوں نے ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب کے مضمون ''امام ابوداؤد سجستانی۔ حیات اور علمی درجہ ومقام'' پر تحریر فرمایا تھا، اسے بھی شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

اس نوٹ میں ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت پر بھی جامع تبصرہ موجود ہے، اس مختصر نوٹ کو جب والد رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا تھا تو اس میں مذکورہ بہت سی شخصیات باحیات تھیں لیکن اب تو دنیا ہی بدل گئی، ستائس (۲۷) برس پہلے لکھے گئے اس نوٹ سے جماعت اہل حدیث سے متعلق والد رحمہ اللہ کی مسلکی حمیت وغیرت اور موجودہ حالات میں بھی اس حمیت کی ضرورت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس نوٹ کی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں جماعت اہل حدیث کے پایہ کے علمائے کرام سے والد گرامی رحمہ اللہ نے اپنی امیدیں وابستہ رکھی ہیں۔ موجودہ نازک حالات اور آپسی انتشار کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے یقینا اس بات کی ضرورت محسوس کی جانی چاہیے کہ ہمارے بزرگ اور جماعت کے بڑے علمائے کرام سامنے آئیں اور جماعت کی پالیسی اور اس سے متعلق مضبوط لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے قربانی پیش کریں۔ اللہ رب العالمین ہمیں اس کی توفیق سے نوازے۔

والد رحمہ اللہ کا یہ جامع ادارتی نوٹ من وعن ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے، یہ ستائس برس پہلے والد رحمہ اللہ کے ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب سے متعلق تاثرات تھے، یقینا اس کے بعد انہوں نے مزید کارنامے انجام دیئے ہیں اور اپنی پوری زندگی علمی کاموں کے لئے وقف کر دی ہے۔ اللہ رب العالمین ان دونوں شخصیات کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

(محمد رحمانی)

ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم شمالی مشرقی یوپی کے ایک مشہور ضلع بستی کے رہنے والے ہیں، نیپال کی سرحد سے صرف پانچ کلومیٹر اندر ایک گاؤں اکرہرا میں ان کی ولادت ہوئی، ان کے والد مولانا عبدالعظیم ایک بااثر زمیندار گھرانے کے باغیرت اہل حدیث عالم تھے۔ علم، تقویٰ، حق گوئی، توحید خالص اور سنت صحیحہ کی اشاعت اور بدعات وخرافات کے خلاف جہاد میں ان کا ایک نمایاں مقام تھا، رحمہ اللہ وغفر لہ۔

ان کے چار بیٹوں میں دوسرے بیٹے مولانا عبدالصبور رحمانی دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے ممتاز، نمایاں اور ذہین طلباء میں سے تھے۔ علمی گہرائی، تحریر وتقریر پر یکساں قدرت اور نظم ونثر میں اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں میں وہ اپنے تمام معاصرین میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ آج بھی معاملہ فہمی، بصیرت، دور اندیشی اور فکر ونظر کی گہرائی میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، افسوس کہ جماعت اہل حدیث کی ناقدری کا وہ شکار ہوگئے اور علمی زندگی کے بجائے انہیں تجارت کی راہ اپنانی پڑی ورنہ وہ اس وقت برصغیر ہند وپاک کے ایک جامع عالم اور اچھے مفکر ہوتے۔

بڑے صاحبزادہ مولوی عبدالودود بھی پڑھے لکھے آدمی ہیں اور جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ تیسرے صاحب زادہ مولانا عبدالنور صاحب میرے فارسی اور ابتدائی عربی درجات کے ساتھیوں میں سے ہیں، بعد میں انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم کی تکمیل کی، کچھ دن دارالعلوم احمدیہ سلفیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء منتقل ہوگئے، وہیں سے انہیں جامعہ ازہر مصر میں ایم اے کرنے کا چانس ملا۔ ایم اے کرنے کے بعد پھر وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء واپس آگئے جہاں ادب عربی کی اونچی کتابوں کی تدریس کے ساتھ مولانا علی میاں ندوی کی قائم کردہ 'مجلس رابطۂ ادب اسلامی' کی نظامت کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ 'البعث'، الرائد، تعمیر حیات، اور ندائے ملت، کے ذریعہ نام ونمود کی پرواہ کئے بغیر مولانا علی میاں اور ان کے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مسلک ومشرب کے مطابق ملت اسلامیہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اپنی ذہانت، اعلیٰ صلاحیت، ملکۂ تحریر وتقریر، ذوقِ نقد وتحقیق نیز ترجمہ وانشاء اور اردو عربی پر یکساں قدرت کے اعتبار سے وہ ایک نمایاں حیثیت کے حامل عالم ہیں۔ اللہ کرے کہ ان کی خدمات اسلام کی صادق ترین تعبیر تحریک اہل حدیث اور اس کے بنیادی مشن توحید خالص اور اتباع سنت کے کام آسکیں۔

مقالۂ درج ذیل کے کاتب ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر عبدالعلیم مولانا عبدالعظیم صاحب رحمہ اللہ کے سب سے چھوٹے لیکن سب سے لائق وفائق خلف ہیں، ان کی تعلیم کا بیشتر وقت بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں گزرا، علم حدیث کی تکمیل کے لئے وہ اخیر میں جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لائے اور یہاں سے انہیں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ جس جگہ بھی رہے ان کی ذہانت، ان کی بھرپور جدوجہد اور مفوضہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں ان کی امانت ودیانت کی روح نے انہیں نمایاں اور ممتاز مقام بخشا۔ طالبعلمی کے دور میں تقریباً تمام متداول علوم وفنون میں انہیں اپنے معاصر ساتھیوں پر سبقت حاصل رہی۔ ندوہ، جامعہ

سلفیہ، جامعہ اسلامیہ، جامعہ ام القریٰ، جامعہ از ہر ہر جگہ علمی نتائج اور دینی واخلاقی معیار الغرض ہر میدان میں یہ ممتاز اور نمایاں رہے۔

ان کی سنجیدگی، اپنے مقصد سے ان کا گہرا لگاؤ اور اپنے موضوع سے ان کی گہری دلچسپی کا یہ نتیجہ رہا کہ ان کے قلم اور زبان سے کوئی غیر معیاری اور سطحی بات نہیں نکلی، جو کچھ بھی انہوں نے اپنے قلم سے لکھا یا اپنی زبان سے کہا عقیدہ وفکر اور مسلک ومنہج سلف کی معیاری ترجمانی اس کا طغرائے امتیاز رہا۔ عربی اور اردو زبانوں میں یکساں قدرت اور انگریزی سے حسب ضرورت واقفیت نے ان کے سامنے علمی اور تحقیقی کاموں کے دروازے کھول دیئے۔ ڈاکٹر عبدالعلیم ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنہیں اپنے دور کے عظیم لغوی، سامی زبانوں کے ماہر، انگریزی، فرنچ، جرمنی، اردو اور فارسی زبانوں کے عالم، عربی ادب وبلاغت اور نظم ونثر کے امام ومرجع، توحید وسنت کے داعی، علوم حدیث کے شیدائی علامہ محمد تقی الدین ہلالی کی خصوصی عنایات اور تربیت سے بہرہ ور ہونے کے قیمتی مواقع ملے۔ ڈاکٹر ہلالی رحمہ اللہ کے آخری دور میں ان سے جن چند خوش نصیب طالب علموں کو استفادہ اور ان کی خصوصی توجہات سے فیض یاب ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ان میں ڈاکٹر عبدالعلیم، ڈاکٹر وصی اللہ عباس تھے اور ان دونوں حضرات سے کچھ دن قبل تقریباً دو سال کی مدت تک اس سیہ کار کو بھی یہ نعمت حاصل رہی۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سے ممتاز نمبرات سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد انہوں نے ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ (اس وقت کی **كلية الشريعة وقسم الدراسات الاسلاميه جامعة الملك عبدالعزيز الاهلية جدة**) سے ۱۳۹۸ھ میں ایم اے کیا۔ ایم اے کا موضوع '**الاحاديث الواردة فى المهدى فى ميزان الجرح والتعديل**' تھا۔

مکہ مکرمہ میں آپ کو ڈاکٹر محمد امین مصری جیسے محقق، سلفی محدث ومورخ اور ڈاکٹر محمد ابوشہبہ اور ڈاکٹر سید صقر جیسے اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ آپ نے جب اپنا مندرجہ بالا مقالہ پیش کیا تو آپ کی تحقیق اور تتبع اور آپ کے نقد ونظر اور آپ کی اصابت رائے نے سارے ممتحنین کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس مقالہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ امام العلماء شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ باز اور استاذ محترم شیخ عبدالمحسن حمد العباد سابق وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ نے اسے اپنے موضوع پر غیر مسبوق کارنامہ قرار دیا اور یہ رسالہ اس وقت سے آج تک پوری دنیا میں اپنے موضوع پر سب سے اہم مرجع قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے امام عجلی کی کتاب ''الثقات'' اپنی تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع کی اور اس باب میں آپ کا دوسرا اہم شاہکار "**الامام الجوزجانی ومنهجه فى الجرح والتعديل مع تحقيق كتابيه: احوال الرجال وامارات النبوة**' ہے جو علم جرح وتعدیل اور احوال الرجال پر محراب فی الباب کی حیثیت رکھتا ہے اور آپ کی تحقیق وتخریج نے اس کتاب کو مرجعیت کا مقام دلا دیا ہے۔

یہ دونوں کتابیں زیر طباعت ہیں، ان دونوں کتابوں کے علاوہ آپ نے امیر المومنین فی الحدیث، سید الفقہاء امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات پر مشہور محقق، ناقد اور مصنف، محدث العصر مولانا عبیداللہ رحمانی حفظہ اللہ صاحب

مرعاۃ المفاتیح کے والد محترم مولانا محمد عبدالسلام محدث مبارکپوری رحمہ (۱۲۸۹۔۱۳۴۲ھ) کی مشہور تصنیف ''سیرۃ البخاری'' کا بہترین ترجمہ عربی میں کیا ہے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ اس اہم کتاب کا وہ ترجمہ بھی کرتے اور نئے سرے سے ترجمہ کو ایڈٹ کرتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی صحیح بخاری کی شان میں گزشتہ سوسال سے جو گستاخیاں کی گئی ہیں ان کا بھرپور تجزیہ کرتے اور ہندوستان میں عمر کریم پٹنوی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی سے لے کر مولانا مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا ظفر احمد تھانوی اور مولانا محمد یوسف بنوری تک اور عرب دنیا میں محمود ابوریہ سے لے کر زاہد کوثری اور ان کے شاگرد عبدالفتاح ابوغدہ تک نے محدثین کرام بالخصوص امام بخاری اور صحیح سند سے ثابت شدہ اخبار آحاد بالخصوص احادیث صحیحین کی توہین کی جو ناروا کوششیں کی ہیں ان کا پوسٹ مارٹم اور اس سلسلہ میں امام عبدالعزیز رحیم آبادی (متوفی 1918) کی ''حسن البیان''، علامہ احمد محمد شاکر (المتوفی ۱۹۵۸ء) علامہ عبدالرحمن یحییٰ معلمی یمانی رحمہ اللہ صاحب ''التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الاباطیل'' مولانا محمد اسماعیل سلفی (المتوفی ۱۹۶۸ء) رحمہم اللہ اور علامہ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ کی دفاع سنت کے سلسلہ میں ہمہ گیر خدمات سے استفادہ کرتے ہوئے ملت اسلامیہ کو ایک شاہکار تصنیف سے نوازتے، لیکن عدیم الفرصتی کے باعث ایسا نہ کر سکے۔ سیرۃ البخاری کے ترجمہ کے علاوہ آپ نے برصغیر ہندوپاک کے عربی و اردو کے مشہور انشاء پرداز، محقق، مورخ اور مصنف عالم مولانا مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ کی مشہور تصنیف ''محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم و بدنام مصلح'' کا بہترین ترجمہ کیا اور برصغیر ہندوپاک میں عربی زبان وادب کے مجدد، مسعود عالم ندوی رحمہ اللہ نیز مولانا عبدالعلیم اور میرے استاذ گرامی قدر اور مصلح وموحد، امام وداعی علامہ ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ نے اس ترجمہ پر نظر ثانی فرمائی اور اس پر ایک قیمتی مقدمہ بھی رقم فرمایا اور ترجمہ کی صحت کی داد دی۔

مولانا مسعود عالم ندوی ایک نیم سیاسی مسلم تنظیم سے وابستہ تھے، اس کے نتیجہ میں برصغیر ہندوپاک کی جماعت اہل حدیث، اس کے علماء خاص طور پر نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ اور مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ علیہ کی بابت بہت سی غلط فہمیاں ان کے ذہن میں پیدا ہوگئی تھیں جن کا اظہار کہیں صراحتاً اور کہیں کنایتاً اپنی تحریروں میں کرتے رہتے تھے اور اس بات میں ان کا تحقیقی ذوق بالکل کند ہوجاتا تھا۔ ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے اس کتاب کے ترجمہ کے ضمن میں جہاں تک ان کی رسائی مختلف مراجع تک ہوسکی مولانا ندوی کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا ازالہ بھی مدلل انداز میں کردیا ہے۔

یوں تو ان کے اور بہت سے تحقیقی اور علمی شاہکار ہیں، لیکن ان کا آخری شاہکار ''سنن ابی داؤد'' کی چوتھی جلد کی تخریج وتحقیق اور تعلیق ہے جس پر انہیں ازہر یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی اور انہوں نے ممتاز ترین پوزیشن حاصل کی۔ میں نے ان سے درخواست کی ہے کہ وہ کسی صورت سے وقت نکال کر مکمل سنن ابی داؤد کی تخریج، تعلیق اور تحقیق کردیں تو یہ علم حدیث کے طلباء پر ان کا بڑا احسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت وعافیت اور فراوانی وقت کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ یہ کام انجام دے سکیں۔

پی ایچ ڈی کے لئے سنن ابی داؤد جلد رابع کی تخریج وتحقیق اور تعلیق کرتے ہوئے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی، ان کے علمی مقام اوران کی کتاب 'سنن ابی داؤد' کے مقام ومرتبہ پر مشتمل انہوں نے ایک شاندار مقدمہ لکھا ہے، میری درخواست پر موصوف نے یہ مقدمہ 'التوعیۃ' میں اشاعت کے لئے مرحمت فرمایا ہے جس کی ترجمانی برادر عزیز مولانا رفیق احمد سلفی ایڈیٹر 'التوعیۃ' نے کی ہے اور حق یہ ہے کہ انہوں نے ترجمانی کا پوراحق ادا کیا ہے۔ مؤلف ومترجم کی خواہش پر میں نے بھی اس ترجمہ پر ایک نظر ڈال لی ہے۔

اس موقع پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ 'التوعیۃ' کے باشعور قارئین کی توجہ سعودی عرب کی موحد حکومت کے ایک عظیم کارنامہ کی طرف مبذول کراؤں جس کے نتیجہ میں انہیں اس مقالہ سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے بانی شاہ سعود بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اوران کے اخلاف شاہ فیصل، شاہ خالد رحمہما اللہ اور شاہ فہد اوران کے ولی عہد واخوان حفظہم اللہ تعالیٰ کو اللہ جزائے خیر دے کہ ان لوگوں کی جدوجہد سے اس اسلامی ادارہ سے پوری دنیا کے ذہین طلباء مستفید ہوئے اوران کے ذریعہ توحید خالص اور سنت صحیحہ کا مشن چاردانگ عالم میں عام ہوا۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کو شروع ہی میں شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ جیسے مرجع خلائق مخلص سلفی، موحد اور متبع سنت عالم وامام کی قیادت مل گئی اوراس کے ابتدائی دور میں حدیث کے مدرس کی حیثیت سے مصلح وقت، امام العصر، مجدد علوم سنت وعقیدۂ سلف علامہ ناصرالدین البانی حفظہ اللہ کی شخصیت میسر آ گئی، جس نے اپنے مختصر ترین دور تدریس حدیث میں حدیث کے اتنے چراغ روشن کردیئے جن کے سامنے سلف صالح کے دشمنوں، جہمیت اوراعتزال کے علم برداروں، حدیث وسنت کے منکروں اور سنت کی غلط تاویل کرنے والوں کے چراغ بجھنے لگے۔ اگر حسد، بغض اور دشمنان اسلام کی سازشیں آڑے نہ آجاتیں تو امام اہل سنت علامہ عبدالعزیز بن باز اور مجدد توحید وسنت، امام المحدثین علامہ ناصرالدین البانی کے باہمی تعاون سے حق کوشوں، توحید وسنت کے فدائیوں اوراصلاح وتجدید کے شہ بازوں کا ایک ایسا عظیم قافلہ وجود میں آجاتا جو مدینہ نبوی سے عقیدہ وسنت نبوی کی روشنی لے کر اللہ کی نصرت وتوفیق سے پوری دنیا کی ظلمت دور کردیتا، لیکن ماشاء اللہ کان ومالم یشا لم یکن۔

جامعہ اسلامیہ میں میرے استاذ شیخ عبدالمحسن بن حمد بن العباد کی سراپا زہد واخلاص، موحد ومتبع سنت شخصیت نے اپنی ادارت کے دور میں پھر علامہ ناصرالدین البانی کو جامعہ کی گورننگ باڈی میں لاکران کا فیض عام کرنے کی کوشش کی لیکن اسلامی انقلاب کے خوشنما الفاظ کے پردے میں چھپے ہوئے عرب دنیا کے مختلف گوشوں سے سعودی عرب میں پناہ لینے والے جہمیت پسند، کوثریت زدہ، توحید خالص اور سنت صحیحہ کے دشمنوں کی سازش مزید تیز ہوگئی اور پھر شاہراہ کتاب وسنت کے اس امام کے فیوض سے طالبان علوم محروم کردیئے گئے "الحق یعلو ولا یعلیٰ"، "الحق ابلج" کے دائمی ضابطے کے تحت رب العالمین نے ایک نیا راستہ اس امام وقت کے لئے بمصداق "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب" کھول دیا اوراس کی نادر تصنیفات اور تحقیقات وتعلیقات، صحیح نسائی، صحیح ابن ماجہ، صحیح ترمذی، اور ضعیف ترمذی، ضعیف نسائی اور ضعیف

ابن ماجہ کے نام سے (مکتب التربیۃ العربی لدولی الخلیج ریاض سے) شائع ہونے لگی ہیں۔ اگر چہ سنت کے دشمنوں نے ایک نیا فتنہ علامہ البانی حفظہ اللہ کی کتابوں اور تحقیقات وتعلیقات کے سب سے بڑے ناشر، دمشق و بیروت کے ایک اخوانی کتب فروش کو (جو تقریباً ایک چوتھائی صدی سے پوری چالاکی کے ساتھ اپنے ذاتی مفادات کے لئے علامہ البانی کے علم اوران کی شہرت ومقبولیت کو استعمال کرتا آرہا تھا) علامہ البانی کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کے لئے استعمال کرنا شروع کردیا ہے، پھر بھی اس ناشر سمیت سارے اعداء سنت کو جن سے اہل سنت والجماعت اچھی طرح واقف ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ رب العالمین کا ارشاد ہے: **یمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔**

بات لمبی ہوگئی، عرض یہ کررہا تھا کہ جامعہ اسلامیہ کے فیض سے پوری دنیا بالخصوص برصغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش کے ذہین اور باصلاحیت طلباء بے انتہاء مستفید ہوئے اور تقسیم ملک کے حادثہ میں تصنیف وتالیف ونقد وتحقیق بالخصوص خدمت سنت کی حرکت میں جو جمود آ گیا تھا وہ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ اوراس کے زیر اثر سعودی عرب وغیرہ کی دوسری جامعات میں تعلیم اور علامہ البانی، علامہ عبدالعزیز بن باز اوران کے پیش رو علامہ احمد محمد شاکر اور دیگر دعاۃ توحید وسنت سے احتکاک اوران کی تصنیفات سے استفادہ کے نتیجہ میں ایک کھیپ ابھر کر سامنے آئی جس نے توحید وسنت اور علوم سلف کا تسلسل باقی رکھنے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ ہمارے دوست ڈاکٹر عبدالعلیم، اسی طرح مولانا عبدالرحمن مبارکپوری، ڈاکٹر وصی اللہ، مولانا عبدالقدوس محمد نذیر، ڈاکٹر محمد لقمان، مولانا عبدالسلام کیلانی، حافظ ثناء اللہ، صہیب حسن، حفیظ الرحمن عمری مدنی، ڈاکٹر اختر جمال، صلاح الدین مقبول احمد، شمیم احمد سلفی، بدر الزماں، عزیر شمس، ڈاکٹر فضل الرحمن، اقبال سلفی، ڈاکٹر محفوظ الرحمن، ڈاکٹر صغیر، ڈاکٹر عبدالرحمن پریوائی، عبدالحکیم عبدالسلام، شیخ عبدالمعید، عبدالقیوم محمد شفیع اور عبدالباری فتح اللہ وغیرہم اسی فیض کا نتیجہ ہیں۔ کیا میں ان بھائیوں اور عزیزوں سے توقع رکھوں کہ وہ اپنے اس غریب مجلہ ''التوعیۃ'' اور اپنے غریب ادارہ ''مجمع البحوث الاسلامیہ'' اور 'مرکز ابوالکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیہ' کو بھی اپنے فیض، اپنی مولفات، اپنی تحقیقات اور مقالات سے نوازنے کی زحمت فرماتے رہیں گے۔ ہم غریبوں کے پاس ان کے لئے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہم اپنی سیہ کاریوں کے باوجود اپنے اوران کے لئے یہ دعا کریں۔:

زادنا اللہ وایاکم علماً نافعاً وعملاً متقبلاً ووفقنا وایاکم لخدمۃ الدین الحنیف ونصرۃ الحق ونشر علوم الکتاب والسنۃ الصحیحۃ وزودنا وایاکم بالاخلاص وصالح الاعمال ویحسن لنا ولهم الخاتمۃ. انہ سمیع قریب۔

(ماہنامہ التبیان دہلی ستمبر ۲۰۱۶)

❑❑❑

عم محترم علامہ ڈاکٹر عبد العلیم بن عبد العظیم بستوی مدنی رحمہ اللہ

مولانا سعید اختر مدنی، ممبئی

حامداً ومصلیاً اما بعد!

موت برحق ہے، یہ اللہ تعالی کی سنت ہے، اسی سنت کے مطابق عم محترم بھی اپنے طبعی انجام کو پہنچے، ان تمام حقیقتوں کو تسلیم کرنے کے باوجود آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں، دل غمگین ہوتے ہیں، ہم لوگوں کے بھی دل غمگین ہیں لیکن ایسے موقع پر بھی ہم وہی الفاظ وکلمات کہتے ہیں جو ہمارے خالق کو راضی کریں: للہ ما اعطی ولہ ما أخذ وکل شئ عندہ بمقدار ولنصبر ولنحتسب وانا للہ وانا الیہ راجعون۔ لیکن یہ صرف ہمارے خاندان کا غم اور خسارہ نہیں ہے، یہ تو اپنی جماعت کا بہت بڑا خسارہ اور پیروان کتاب وسنت کا مشترکہ غم ہے۔

عم محترم۔رحمہ اللہ۔ چار بھائی تھے اور ان کی چار بہنیں تھیں، سب سے بڑے مولانا عبد الودود صاحب، دوسرے نمبر پر میرے والد ماجد مولانا عبد الصبور صاحب رحمانی، تیسرے مولانا عبد النور صاحب ندوی ازہری المعروف بہ نور عظیم ندوی اور سب سے چھوٹے صاحب تذکرہ تھے، عم محترم اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے اور بھائیوں میں ان کا انتقال بھی سب سے آخر میں ہوا، ابھی ان کی ایک ہمشیرہ باحیات ہیں جو اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی ہیں۔ عم محترم کے والد محترم یعنی میرے دادا مولانا عبد العظیم ۔رحمہ اللہ۔ ایک بلند پایہ عالم دین تھے، جماعت کے مایہ ناز عالم جلیل، مترجم قرآن، سلسلۂ محمدیات کے مولف علامہ محمد جونا گڈھی۔رحمہ اللہ۔ کے ہم سبق تھے، اٹوا قصبہ کے قریب موضع پپری کے رہائشی تھے جو کہ شرک وبدعات کا گڑھ ہے، اس لئے دادا کو وہ جگہ راس نہ آئی اور آپ اپنے ننہال اکرہرا چلے آئے اور یہاں دعوت وتبلیغ اور علم کتاب وسنت اور عقیدۂ صحیحہ کی ترویج واشاعت میں لگ گئے، اس سلسلہ میں دادا کا کام صرف زبانی دعوت وتبلیغ تک محدود نہیں تھا بلکہ اکرہرا میں محرم کے جتنے تھان وغیرہ تھے ان سب کو اپنے ہاتھوں سے نیست ونابود کیا اور انہیں بیخ وبن سے اکھاڑ دیا۔ ۱۹۷۱ء میں مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ۔ بستی میں دینی تعلیمی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے آئے تھے تو میرے گاؤں اکرہرا میرے گھر پر بھی تشریف لائے تھے، واپسی میں اپنا تاثر اپنی ہینڈ رائٹنگ میں لکھا تھا جس میں لکھا تھا کہ میں مولانا عبد العظیم صاحب سے ملنے کے لئے آیا تھا، آج بھی علی میاں۔رحمہ اللہ کا یہ خط میرے پاس محفوظ ہے۔ جب میں مدینہ میں زیر تعلیم تھا تو اس وقت مولانا علی میاں صاحب مدینہ تشریف لائے تھے کہ آپ مدینہ یونیورسٹی کے تاسیسی رکن تھے، مولانا مدینہ میں بستان نورولی میں قیام پذیر تھے، دیگر طلبہ کے ساتھ میں بھی ملاقات کے لئے حاضر ہوا، تعارف ہوا تو مولانا نے فرمایا: میں تمہارے گھر پر گیا تھا تمہیں یاد ہے؟ میں نے عرض کیا: اچھی طرح یاد ہے۔

عم محترم کی تعلیم ان کے والد گرامی کے بدست اکرہرا گاؤں کے مکتب سے شروع ہوئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا کی گئی

ذہانت وفطانت شروع ہی سے عیاں تھی، مکتب ہی کے تعلیمی ایام میں قاضی عدیل عباسی۔ رحمہ اللہ کی طرف سے بستی شہر میں منعقدہ مسابقہ علمیہ میں شریک ہوئے اور تیس (۳۰) سوالوں کے مکمل اور صحیح جواب دے کر اولین انعامات سے سرفراز ہوئے، پھر تو ان کی علمی فتوحات اور حصولیابیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ جامعہ سلفیہ سے فضیلت کی سند حاصل کرنے کے بعد کچھ مدت کے لئے جونپور کے مدرسہ چشمۂ رحمت میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور اس کے بعد آپ کا جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ (مدینہ یونیورسٹی) میں داخلہ ہوا۔

مدینہ یونیورسٹی میں ان کے جوہر کھلے اور یہاں سے علمی ترقی کے مدارج طے کرتے گئے، مدینہ یونیورسٹی سے ۱۹۷۳ء میں آپ نے گریجویشن (B.A.) کیا اور پوری یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی، یہ بات ذہن میں رہے کہ اس وقت مدینہ یونیورسٹی میں اسی (۸۰) ممالک کے طلباء زیر تعلیم تھے (ہم لوگ جب ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۵ء تک مدینہ یونیورسٹی میں تھے تو یونیورسٹی میں ۱۰۹ ممالک کے طلبہ زیر تعلیم تھے۔ اللھم زدفزد) عم محترم کی یہ بہت بڑی کامیابی اور حصولیابی تھی، یہ کامیابی ذاتی طور پر ان کے لئے، ان کے خاندان اور گاؤں کے لئے بلکہ وطن عزیز ہندوستان کے لئے بھی باعث صد افتخار تھی، اس وقت سعودیہ کے وزیر تعلیم ہندوستان دورہ پر آئے تھے اور کسی پروگرام میں بڑی خوشی سے اعلان کیا کہ آپ کے ہندوستان کے ایک سپوت عبدالعلیم بن عبدالعظیم بستوی نے پوری دنیا میں ہندوستان کا نام روشن کیا ہے کہ پوری مدینہ یونیورسٹی ٹاپ کر کے پہلی پوزیشن حاصل کی اور ۹۹ فیصد اور کچھ پوائنٹ نمبر حاصل کئے ہیں اور یوں اکرہرا گاؤں کا یہ ستارہ مطلع طیبہ پہ درخشندہ آفتاب بن کر چمکا اور بفضلہٖ تعالیٰ نصف صدی تک عرب وعجم میں اپنی کرنیں بکھیرتے ہوئے اسی مقدس خاک میں غروب ہو گیا (بالکل اسی طرح عم محترم کے بڑے بھائی مولانا عبدالنور ندوی المعروف بہ نور عظیم ندوی۔ رحمہ اللہ نے بھی جامعہ ازہر میں ایم اے کی سند بدرجہ ممتاز مع شرف اولی حاصل کر کے ہندوستان کا نام روشن کیا تھا، ان کے مناقشہ کے بعد ان کی کامیابی کی خبر مصری اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی (عالم هندي يفوز بدرج ممتاز) ان کے ایم اے کے مناقشہ بورڈ کے ممتحنین نے اعتراف کیا کہ اس طالب علم کی تحقیق سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوا ہے، حالانکہ وہ ممتحنین اور اساتذہ اپنے فن میں ماہر سمجھے جاتے تھے)۔

پھر آپ نے مکہ مکرمہ کی ام القریٰ یونیورسٹی سے ایم اے کیا جو اس وقت تک كلية الشريعة والدراسات الاسلامیہ سے موسوم تھی، ایم اے میں آپ کے تحقیقی رسالہ (تھیس) کا عنوان تھا "المهدي المنتظر في ضوء الاحاديث والآثار الصحيحة واقوال اهل العلم وآراء الفرق المختلفة"، یعنی امام مہدی کے تعلق سے وارد احادیث کی تحقیق اور اس تعلق سے اہل علم کے اقوال اور مختلف فقہی مکاتب فکر کی آراء۔

الحمدللہ یہ رسالہ کتابی شکل میں شائع ہوا اور آج علماء اور ریسرچ کے طلباء کے لئے حوالہ اور مصدر وماخذ بن چکا ہے۔ ایم اے کے بعد وہیں مکہ ہی میں رابطہ عالم اسلامی (ورلڈ مسلم لیگ) میں آپ کو کام کرنے کا موقع ملا، رابطہ میں آپ نے مختلف دعوتی اور علمی شعبہ جات میں قابل قدر خدمات انجام دیں، اپنی صلاحیت اور اخلاص کی بدولت کئی شعبوں کی سربراہی آپ کو ملی، تعلیمی امور کے شعبہ کے بھی آپ نگراں رہے، سکریٹری جنرل محمد علی حرکان، ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف اور موجودہ سکریٹری بھی آپ کی صلاحیتوں اور علمی گہرائیوں کی

وجہ سے آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور اپنے مشیر کار کے طور پر سفر وحضر میں آپ کو اپنے ساتھ بھی رکھتے تھے اور بیرون ملک کانفرنسوں میں اپنا نمائندہ بنا کر بھی بھیجتے تھے۔ آپکے تواضع اور علمی حیثیت کی وجہ سے رابطہ کے اکثر مہمان آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور آپ کے ساتھ وقت گذارتے تھے، ذاتی طور پر میں شارجہ کے عالم الشیخ عبداللہ علی المحمود۔ رحمہ اللہ۔ کو جانتا ہوں جن سے عم محترم کے بہت قریبی تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ رابطہ کی مدت ملازمت میں آپ نے رابطہ کے پلیٹ فارم سے دینی مدارس اور اداروں کو سرکاری سطح پر کافی تعاون بہم پہنچایا جو ان شاء اللہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔ عم محترم کے مادر علمی اکرہرا مدرسہ کی نئی عمارت آپ کے اسی صدقۂ جاریہ کا ایک نمونہ ہے جو رابطہ کے فنڈ سے سعودی سفارت خانہ کے توسط سے تعمیر ہوئی۔ رابطہ کی مدت ملازمت کے دوران ہی آپ نے سنن ابی داؤد کے بعض اجزاء کی چار جلدوں میں تحقیق کی اور اس پر جامعہ ازہر سے بدرجہ ممتاز ڈاکٹریٹ (PHD) کی ڈگری لی۔ ایک طرف ملازمت کی ذمہ داریاں اور اس سلسلے میں سعودیہ کے باہر کے اسفار، اعزہ واقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کے تقاضے، ہندوستان سے آنے والے حجاج کی میزبانی تھی، گھریلو ذمہ داریاں تھیں پھر بھی مشق سخن جاری تھی جس کا ثبوت اتنا بڑا علمی ورثہ ہے جو علمی مقالات اور کتابوں کی شکل میں آپ چھوڑ کر گئے ہیں۔

تصنیف وتالیف اور مقالات: جامعہ سلفیہ کے دور طالب علمی ہی سے آپ نے مقالہ نگاری شروع کر دی تھی، اس زمانے کی بعض تحریریں مجلّات کی زینت بنیں اور تالیف کے ساتھ ساتھ مضامین ومقالات کا سلسلہ تادم آخر جاری رہا، تین سال قبل میں سفر عمرہ کے دوران عم محترم کے شرائع والے گھر میں مقیم تھا، اس وقت آپ ایک عراقی کے ان اعتراضات کا جواب لکھ رہے تھے جو انہوں نے امام مہدی کے تعلق سے آپ کی بعض تحقیقات پر کیا تھا، اس سلسلے کی بعض اقساط شاید جامعہ سلفیہ کے عربی مجلہ ''صوت الامة'' بنارس میں شائع ہوئی تھیں، بیماری کی وجہ سے درمیان میں یہ سلسلہ رک گیا تھا، اسی بیماری کی حالت میں ہندوستان آئے تھے، واپسی کے بعد چچی محترمہ نے بتایا کہ پھر لائبریری میں بیٹھ کر اسی علمی رد کو مکمل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس کارد مکمل ہوا یا نہیں؟ یکم رمضان کو حسب معمول مجھ سے، میرے بچوں سے فردا فردا، گاؤں میں میرے چھوٹے بھائی مسعود سے بات کی، ہماری چھوٹی پھوپھی یعنی اپنی ہمشیرہ سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ وہ بھی اپنے علاج کے سلسلہ میں گھر سے باہر تھیں اس لئے ان سے گفتگو حسرت ہی رہ گئی۔ اسی طرح سے صوت الامۃ ہی میں اشراط الساعة کے باب میں وارد حدیث (**وان تلد الامة ربها اوربتها**) پر نہایت ہی مدلل اور جامع تحقیقی مقالہ کئی قسطوں میں لکھا تھا جو اہل علم میں کافی مقبول ہوا تھا۔

تراجم: (ا) محمد بن عبدالوهاب مصلح مظلوم ومفترى عليه: اپنی تمام دفتری ذمہ داریوں، بیرونی دعوتی وتعلیمی اسفار، گھریلو ذمہ داریوں کے باوجود آپ کا تصنیف وتالیف کا مشغلہ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت تادم واپسیں جاری رہا، آپ نے اردو کی دو بڑی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا اور ترجمہ کا حق ادا کر دیا، سب سے پہلے مولانا مسعود عالم ندوی۔ رحمہ اللہ کی مشہور تالیف ''محمد بن عبدالوہاب۔ ایک مظلوم اور بدنام مصلح'' کو عربی قالب میں ڈھالا، اللہ تعالیٰ نے اس ترجمہ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی، اس میں

صرف ترجمہ ہی کا کمال نہیں تھا، وہ تو تھا ہی، مجدد وداعی اکبر محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور انکے توحیدی مشن کے ساتھ عم محترم کی ہم آہنگی اور ذوق کا بھی بڑا دخل تھا کہ کتاب اتنی اچھی شکل میں سامنے آئی، اس ترجمہ کے کئی ایڈیشن اب تک سعودیہ میں سرکاری وغیر سرکاری اداروں سے شائع ہو چکے ہیں، اس کا دوسرا اور تیسرا ایڈیشن جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض سے شائع ہوا اس کے بعد کا ایڈیشن سعودی عرب کی وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ کی طرف سے شائع ہوا، اس کتاب کے لئے عم محترم کے شفیق استاذ علامہ ہلالی رحمہ اللہ نے بڑا وقیع علمی مقدمہ تحریر فرمایا تھا جس میں موضوع کی اہمیت کے ساتھ ساتھ مترجم کی شخصیت، ان کی عربی دانی اور دیگر امور کی بہت تعریف کی تھی، جس سے کتاب کی وقعت اور بڑھ گئی تھی، علامہ ہلالی خود بھی کئی زبانوں کے ماہر تھے اور ترجمہ کی فنی نزاکتوں اور باریکیوں سے واقف تھے (کسی وجہ سے بعد کے سرکاری ایڈیشن میں علامہ ہلالی کے یہ تعریفی کلمات نکال دئے گئے) اس ترجمہ میں عم محترم نے مناسب مقامات پر مفید اور ضروری تعلیق اور حواشی بھی لگائے ہیں جن سے کتاب کی معنویت میں اضافہ ہوا ہے۔

(۲) **سیرۃ البخاری**: اس کتاب کے مصنف مولانا عبدالسلام مبارک پوری رحمہ اللہ ہیں، عم محترم نے اس کا ترجمہ عربی میں دو حصوں میں کیا ہے، یہ ترجمہ بھی نہایت عمدہ ہے اور مترجم کی دونوں زبانوں پر یکساں قدرت کو ظاہر کرتا ہے، اس ترجمہ نے بھی اہل علم کی نظر میں اپنا مقام بنایا اور اسے بھی ایک حوالہ اور مرجع کی حیثیت حاصل ہے۔

تالیفات: آپ کی جملہ تالیفات کی تعداد گیارہ سے زیادہ ہے اور اکثر محدثین اور علماء قدیم کی کتابوں کی تحقیق ہیں، امام مہدی سے متعلق کتاب آپ کے ایم اے کی تھیسس ہے جو مہدی سے متعلق احادیث کے جمع وتحقیق سے عبارت ہے، اسی طرح سنن ابی داؤد کے بعض اجزاء کی تحقیق بھی آپ کے پی ایچ ڈی کی تھیسس ہے جو آپ نے ازہر سے کی تھی، دیگر کتابیں بھی علم حدیث ورجال کی تحقیق ہیں، جیسے: امام عجلی کی **معرفة الثقات دراسة وتحقيق**، دو جلدوں میں ساتھ ہی امام عجلی اور فن حدیث وعلم رجال میں ان کے منہج کے متعلق بھی تفصیلی تحقیق ترتیب دی تھی، **الشجرة فی احوال الرجال، للامام الجوزجانی دراسة وتحقيق، المهدی المنتظر فی الاحاديث والآثار الصحيحة واقوال اهل العلم وآراء الفرق المختلفة، الموسوعة فی احاديث المهدی الضعيفة والموضوعة، سوالات الآجری اباداؤد السجستانی فی الجرح والتعديل، دراسة وتحقيق حافظ ابن حجر العسقلانی** کی، **اتحاف المهرة** کی گیارہویں جلد کی تحقیق اور **لسان الميزان** کی الگ الگ جلدوں کی تحقیق کا کام **مركز خدمة السنة النبوية مدينه طيبه** کی طرف سے مدینہ یونیورسٹی کے بعض فارغین کو دیا گیا تھا جو تحقیق کے کام میں لگے ہوئے تھے) حافظ ابن حجر کی **لسان الميزان** کی چھٹی جلد کی تحقیق اور "**فوائد فی علوم الحديث وكتبه**" یہ اردو میں **تحفة الاحوذی** کے دوسرے جزو کی تحقیق ہے، یہ کتاب بھی ان کی تحقیقی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے، اس کتاب کی علمی حیثیت ومقام کی وجہ سے سعودی وزارت تعلیم نے اس کو ایم اے کے نصاب میں شامل کیا ہے، اس کتاب پر شیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ، ممبر علماء کمیٹی رابطہ عالم اسلامی، نے تین چار سال پہلے **صوت الامة**

میں اداریہ بھی لکھا تھا اور عم محترم کے تعلق سے بھی لکھا تھا، موصوف اسی سال اپنے سفر مکہ کے دوران عم محترم سے ان کے گھر پر ملاقات کر کے آئے تھے۔ ان تالیفات کے جمع وتحقیق کے دوران کبھی کبھی مجھے بھی حاضری کا موقع ملتا تھا، جب میں چھٹیوں میں مدینہ سے مکہ آتا تھا، خاص طور سے معرفۃ الثقات کی پروف ریڈنگ اور مقابلہ کا مجھے شرف حاصل ہے، اس زمانہ میں عم محترم کے گھر پہ فضیلۃ الشیخ وصی اللہ عباس حفظہ اللہ اور ڈاکٹر عبدالوہاب وغیرہ آیا کرتے تھے اور رجال اور رواۃ پر گفتگو اور مناقشہ کا دور چلتا تھا۔

کانفرنسوں میں شرکت: رابطہ کے وفد کی شکل میں رکن، مترجم، یا صدر مجلس کی حیثیت سے مختلف ممالک کی کانفرنسوں مثلا (پاکستان، مکہ مکرمہ، ملیشیا، مدینہ طیبہ، تھائی لینڈ، بنگلہ دیش، اور ہندوستان وغیرہ) میں شریک رہے۔

اساتذہ کرام: ہندوستان میں ندوہ میں دوران تعلیم بڑے بڑے علماء سے استفادہ کیا، پھر جامعہ سلفیہ میں اس وقت کے چوٹی کے علماء سے کسب فیض کیا جس سے آپ کی صلاحیتوں کو جلا ملتی رہی، جامعہ سلفیہ میں عرب شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا موقع ملا، اس موقع کا آپ نے بھر پور فائدہ اٹھایا، عرب شیوخ اور اساتذہ سے آپ کا یہ ربط وتعلق تاحیات برقرار رہا، جن میں بطور خاص علامہ ربیع المدخلی، علامہ عبدالمحسن العباد، محدث افریقہ ومدینہ شیخ حماد الانصاری وغیرہ نمایاں تھے، شیخ حماد الانصاری آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے، کئی بار مجھے بھی آپ کے ہمراہ شیخ حماد کے گھر پر جانے کا موقع نصیب ہوا، ان کی مجلس میں صرف حدیث اور رجال حدیث پر گفتگو ہوتی تھی، شیخ حماد کہتے تھے: عبدالعلیم تم نے فلاں فلاں کتاب خریدی؟ اور ان تمام ہستیوں میں نمایاں مقام علامہ تقی الدین ہلالی کو حاصل تھا جن سے آپ نے ندوہ کی ایام تعلیم میں استفادہ کیا تھا، پھر مراقش علامہ کے گھر پر مقیم رہ کر ان کے علم کی خوشہ چینی کی تھی، علامہ بھی اپنے اس شاگرد کے اندر موجود جوہر کو پہنچانتے تھے کہ ''قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری''۔ علامہ ہلالی نے اپنے اس لائق شاگرد کی ہمیشہ تعریف اور ہمت افزائی کی، محمد بن عبدالوہاب، ایک مظلوم اور بدنام مصلح کے عربی ترجمہ پر بہت شاندار مقدمہ لکھا جس سے کتاب کی علمی قیمت دو چند ہوگئی اور مترجم یعنی اپنے شاگرد کی بھی بہت تعریف کی۔ ۱۹۸۰ء جامعہ سلفیہ میں مؤتمر الدعوۃ والتعلیم میں شرکت کے لئے علامہ تقی الدین ہلالی بھی اپنی کبرسنی کے باوجود تشریف لائے تھے، اس وقت علامہ کی بینائی بھی جا چکی تھی، میں اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ جامعہ کے مہمان خانہ میں ملاقات کی غرض سے علامہ ہلالی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ٹوٹی پھوٹی عربی میں اپنا تعارف کرایا کہ میں الشیخ عبدالعلیم کا بھتیجہ ہوں، تو علامہ بہت خوش ہوئے اور چچا کے تعلق سے یہ جملہ ارشاد فرمایا ''ہو من افضل تلامذتی''۔ اسی طرح سے سعودیہ کے مفتی اعظم عالم ربانی علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے بھی عم محترم کے خصوصی تعلقات تھے، شیخ کی مجلس میں برابر شریک ہوتے تھے، ایام حج میں شیخ کے توعیہ کے دفتر میں کام بھی کرتے تھے، شیخ ابن باز رحمہ اللہ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے، سعودیہ کے دیگر علماء اور ائمہ حرمین سے بھی آپ کا رابطہ تھا، ان تعلقات کو آپ نے کیش نہیں کرایا، ہاں بعض دوسروں کو ان علماء ومشائخ سے ملایا لیکن اپنا صرف اور صرف علمی اور دینی رابطہ ہی برقرار رکھا۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے اسی تعلق خاطر کی وجہ سے جب میرے والد صاحب مولانا عبدالصبور رحمانی۔ رحمہ اللہ پہلی بار ۱۹۷۳ء میں حج کے لئے گئے تو آپ والد صاحب کو شیخ ابن باز

کے پاس لے گئے اور شیخ نے والد صاحب کو دارالافتاء کی طرف سے کافی مقدار میں عربی کی امہات الکتب جیسے فتح الباری وغیرہ ہدیہ کیں، آج بھی دارالافتاء کی مہر لگی یہ کتابیں گاؤں میں ہماری لائبریری کی زینت ہیں۔

کتابوں کا ذخیرہ: کتابیں ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھیں، دیگر اخوان کی طرح آپ کی لائبریری بھی بہت بڑی تھی بلکہ زیادہ ہی بڑی تھی، زیادہ تر حدیث، تاریخ اور رجال وادیان وفرق کی کتابیں تھیں، علامہ البانی رحمہ اللہ کی جملہ کتب مسلسل آپ کے مطالعہ میں رہتی تھیں، کیونکہ آپ بھی زیادہ کام رجال ہی پر کرتے تھے اور اسی کا نتیجہ اور آپ کی رجال کی مہارت ہی تھی کہ ایک راوی کے بارے میں علامہ البانی کو وہم ہوگیا تو آپ نے بذریعہ خط علامہ کو یاددہانی کرائی اور علامہ کا بڑا پن کہ علامہ نے نہ صرف یہ کہ اس راوی کے تعلق سے اپنے وہم کا اعتراف کیا، نظرثانی کی بلکہ عم محترم کا وہ خط صحیحہ کی ساتویں جلد میں نام کے ساتھ شامل بھی کیا، انتقال کے بعد ان کی بیٹی کا واٹس اپ پر میسیج آیا کہ کئی سالوں سے والد محترم کی زندگی اسی لائبریری تک محدود تھی اور انتقال کے بعد میں ان کی لائبریری میں گئی تو علامہ البانی کی "احکام الجنائز وبدعھا" میز پر کھلی پڑی تھی۔

زبانیں: عم محترم اپنی مادری زبانوں اردو اور ہندی کے بعد فارسی، عربی اور انگریزی پر بحمد اللہ مکمل عبور اور دسترس رکھتے تھے، آپ اپنی اردو اور عربی کی تحریروں میں ادب عالیہ کا استعمال کرتے تھے، آپ عربی کے شہسوار تو تھے ہی، انگریزی زبان آپ نے پروفیشنل انداز کی سیکھی تھی، اس کے لئے آپ نے لندن کا سفر کیا تھا اور صرف کتابی انگریزی نہیں بلکہ اہل زبان کا لہجہ سیکھنے اور بول چال میں مہارت کے لئے لندن میں ایک انگریز خاندان کے مہمان تھے جس کو اصطلاح میں (Paing Guest) کہا جاتا ہے یعنی ایسا مہمان جو اپنے قیام وطعام کا خرچ خود برداشت کر کے یا ادا کر کے کسی کے یہاں ٹھہرے اور اسی انگریزی دانی اور اردو وفارسی وعربی دانی کی وجہ سے بھی رابطہ کی طرف سے بیرون سعودیہ کانفرنسوں وغیرہ کے لئے رابطہ کے وفود میں شریک ہوتے تھے، تحریری ترجمہ یا کتابوں کے ترجمہ کے علاوہ فوری ترجمہ بھی نہایت سلیس کرتے تھے، اس طرح کی بڑی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی تھیں۔

اخلاق وعادات: عم محترم کی زندگی اصول پسندی اور انضباط کا ایک نمونہ تھی، اپنے کام سے کام رکھتے تھے، ان کی شروع کی زندگی کا بہت ہلکا سا عکس میرے قرطاس ذہن پر مرتعش ہے کہ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا، اتنا یاد آتا ہے کہ بنارس اور لکھنؤ سے دونوں بھائی (صاحب تذکرہ اور ان کے بڑے بھائی نورعظیم ندوی رحمہا اللہ) چھٹیوں میں آتے تو کبھی مچھلی کے شکار (کٹیا لگانے) میں ہم بچے لوگ بھی شریک رہتے یا کبھی قریب کے بڑھنی قصبہ میں سودا سلف کی خریداری میں ساتھ رہتے اور پیدل بازار جاتے تو عام طور سے راستے میں دونوں بھائی سیاسی امور پر یا دینی تحریکوں پر گفتگو کرتے، عم محترم نورعظیم ندوی ایک ماہر سیاسی تجزیہ نگار، سیاسی قلم کار اور سیاسی اداریے لکھنے والے صحافی تھے، آپ کی کئی سیاسی پیش گوئیاں درست بھی ثابت ہوتی تھیں، دینی تحریکوں اور دینی مدارس واداروں کی تمام باریکیوں، حقائق اور نشیب وفراز سے واقف تھے لیکن تبصروں میں نہیں الجھتے تھے، صرف ایک بار اپنے بڑے بھائی نورعظیم ندوی کے انتقال پر مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی رحمہ اللہ کے مجلہ "التوعیہ" میں مضمون لکھا تھا، اس مضمون میں جہاں اپنا خاندانی بائیوڈاٹا تحریر کیا تھا وہیں اپنے مدارس واداروں پر نہایت جامع اور مبنی برحقیقت چند باتیں حوالہ قلم کی تھیں (جس کی وجہ سے

بعض لوگوں کی پیشانیوں پر شکنیں بھی پڑی تھیں لیکن رحمانی صاحب نے پورے کا پورا مضمون بغیر ایڈٹ کئے شائع کیا تھا) کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اشخاص کی غیبت وچغلی کا ان کے پاس نہ وقت تھا نہ ان کی عادت تھی، ان کی زندگی بہت منظم، ان کی گفتگو نہایت نپی تلی تھی، رابطہ سے تین بجے یا اس سے دیر میں واپس آتے، کھانا کھانے کے بعد ذرا دیر آرام کرتے کہ عصر کی اذان ہو جاتی، صلاۃ کے فوراً بعد اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو تحفیظ القرآن کے مدرسہ میں پہنچاتے، واپس آکر اپنا تالیف وتحقیق کا کام شروع کر دیتے اور پھر عشاء کے وقت بچوں کو واپس لانے کیلئے جاتے، ان کے پاس بہت زیادہ لوگوں کے پاس آنے جانے کا وقت ہی نہیں تھا، جس کی وجہ سے خود بھی بہت سی خرافات سے بچے ہوئے تھے۔ خود اپنے وطن ہندوستان آنے کا بھی انہیں کم ہی اتفاق ہوتا تھا، لیکن اقرباء نوازی، صلہ رحمی اور حقوق کی ادائیگی کا پورا خیال رکھتے تھے، اپنی مادر علمی کا اور بعض اداروں کا بہت خیال رکھتے تھے اور بہت بڑا تعاون دیتے تھے، چار سال قبل ان کا ہندوستان کا آخری سفر ہوا تھا، سوئے اتفاق گاؤں پہنچتے ہی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی جس کی وجہ سے گھر ہی میں محدود ہو کر رہ گئے، گاؤں کے مدرسہ کے طلباء واساتذہ کے لئے شیرینی منگوائی، وہ تقسیم کی گئی لیکن خود مدرسہ پر نہ جا سکے، اس وقت میرے ہی گھر پر قیام پذیر تھے، گاؤں کا چھوٹا بڑا، امیر غریب، مسلم غیر مسلم ہر فرد، جملہ رشتے دار، علاقہ کے علماء وعمائدین سے میرا گھر بھرا ہوا تھا، پردیس میں رہنے کے باوجود ایسی ہر دلعزیزی ان کو اللہ کی طرف سے ملی ہوئی تھی جو کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اس موقع پر فضیلۃ الشیخ عبداللہ عبدالتواب المدنی رحمہ اللہ نے علماء کے جلو میں عم محترم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ ہم لوگوں کو کچھ وصیت ونصیحت کیجئے؟ عم محترم نے نہایت جامع مانع مختصر الفاظ میں ایسی نصیحت ووصیت کی کہ سب کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، آپ نے فرمایا تھا ’کتاب وسنت کو لازم پکڑیئے منہج سلف کی آبیاری کرتے رہیئے‘۔

مہمان نوازی: مکہ، مدینہ، ریاض میں پڑھنے والے رشتہ داروں کا تو ہر سفر عمرہ وحج یا دیگر اسفار مکہ میں ان کے گھر قیام وطعام کا معقول انتظام رہتا ہی تھا، وطن سے آنے والے حجاج کی ضیافت بھی آپ ضرور کرتے تھے، پہلے خود اپنی گاڑی سے لے کر آتے تھے بعد میں دوسرے ذرائع سے حجاج ضرور آپ کے گھر پہنچتے تھے اور ان کی ضیافت ہوتی تھی، آپ کی زندگی جہد مسلسل اور عمل پیہم سے عبارت تھی، طالبان علوم نبوت کے لئے بطور خاص ان کی زندگی نمونہ ہے، مقصد کی لگن اور اس پر ترکیز، غیر ضروری امور سے اجتناب آپ کی زندگی کا عنوان تھا، اپنی کتابوں اور اپنے اعمال اور اپنے انفاق کی بدولت ہزاروں دلوں میں زندہ ہیں، آپ کی کتابوں سے طلباء ومحققین آج استفادہ کر رہے ہیں، اور ان شاء اللہ یہ صدقہ جاریہ ہوگا، یہی تو حدیث میں ہے "**او علم ینتفع بہ**" عم محترم کے ساتھ یادوں کی اور بھی تہیں آہستہ آہستہ کھلتی جا رہی ہیں لیکن مجلہ کے صفحات کا دامن تنگ ہوتا ہے ورنہ اور بھی پہلو لائق تحریر ہیں، خاص طور سے ان کا منہج تحقیق خصوصی مقالے کا متقاضی ہے تا کہ ان کا منہج بھی ریسرچ اسکالرس کے لئے مشعل راہ بنے۔

آخر میں رب کریم سے دعا گو ہوں کہ عم محترم کی مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنائے، ان کے علمی ورثہ کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ملت وجماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین (ماہنامہ التبیان دہلی ستمبر ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

عالم عرب وعجم کی عظیم المرتبت شخصیت

ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم بستوی رحمہ اللہ: حیات وخدمات

جنوری ۱۹۴۸ء۔جون ۲۰۱۶ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

نام ونسب: عبدالعلیم بن عبدالعظیم بستوی اکرہروی۔

تاریخ ومقام پیدائش: آپ کی پیدائش آپ کے آبائی گاؤں اکرہرا میں یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو ہوئی جیسا کہ مرحوم نے خود تحریر کیا ہے(ماہنامہ التوعیہ: اپریل ۱۹۹۳،ص:۱۵)

آبائی وطن اور محل وقوع:

آپ کا آبائی وطن موضع اکرہرا، بڑھنی بازار، ضلع بستی (حال ضلع سدھارتھ نگر) ہے۔جو ہندونیپال کی سرحد بڑھنی اور جماعت کے مشہور ادارہ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر نیپال سے سات آٹھ کلومیٹر جنوب کی طرف بڑھنی۔اٹوا روڈ پر واقع ہے۔قدیم زمانے سے اس گاؤں کو علم وثقافت، علاقائی سیاست اور زمینداری میں شہرت حاصل ہے۔اس گاؤں کے ایک علمی اور متدین گھرانے میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔آپ کے والد صاحب کے ساتھ ساتھ آپ کے سارے بھائی علم اور میدان تعلیم ودعوت سے جڑے ہوئے تھے۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد مولانا عبدالعظیم رحمہ(۱۹۰۰ء۔۱۹۷۷ء)ایک مصلح اور جید عالم دین تھے۔ویسے تو آپ کا اصلی وطن اٹوا کے قریب ایک موضع بھاؤپور پپری ہے جو کہ شرک وبدعت اور ہر قسم کی خرافات اور توحید وسنت کے بجائے بے جا رسوم ورواج میں شہرت کا حامل گاؤں ہے، یہاں کے مشرکانہ ماحول اور غیر شرعی اطوار وعادات میں آپ پروان چڑھے مگر آپ کی طبیعت اس ماحول سے اچاٹ ہوگئی اور صاف وشفاف ماحول کی تلاش میں آپ نے یہاں سے ہجرت کرکے اپنے ننہالی گاؤں اکرہرا میں آکر سکونت اختیار کرلی اور توحید وسنت کی تلاش اور اس کی جستجو میں سرگرداں رہے۔اللہ نے آپ کی مدد کی اور دہلی میں متشدد اہل حدیث عالم مولانا عبدالوہاب صدری کی بارگاہ میں پہونچ گئے اور وہیں آپ کی خدمت میں رہ کر دینی علوم سے فیض یاب ہوئے۔یہاں آپ کے

ساتھیوں میں مولانا محمد جونا گڈھی جیسے جید عالم اور عظیم المرتبت مصلح اور داعی بھی تھے جن کی رفاقت نے آپ کے عقیدہ وعمل کو تازگی اور توحید وسنت کی دعوت اور اس کی اشاعت کا مزید حوصلہ عطا کیا۔

تعلیم کے بعد آپ نے آبائی وطن اور علاقے کو ہی اپنی دعوت واصلاح کا مرکز بنایا اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی شرک وبدعات کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ یوں تو فراغت کے بعد آپ نے مولانا محمد جونا گڈھی کے ساتھ رہ کر دعوت وتبلیغ کا منصوبہ بنایا تھا لیکن اللہ کی مشیت سے وطن لوٹ آئے اور اپنی سرگرمیوں کا آغاز دعوت وتبلیغ کے ساتھ اپنے گاؤں میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو بلا معاوضہ تعلیم وتدریس سے کیا آپ مطالعہ کے بے حد شوقین تھے علامہ ابن القیمؒ اور ابن تیمیہؒ کی کتابیں اور تصنیفات ہمیشہ زیر مطالعہ رہتی تھیں اور انہیں کے علوم سے فیضیاب ہو کر میدان عمل میں لوگوں کو اصلاح اور رہنمائی کا کام کیا کرتے تھے۔

ایک مدت تک آپ آل انڈیا کانفرنس کے مبلغ اور واعظ وداعی بھی رہے۔ آپ کے علم وتقویٰ اور زمینداری کی وجہ سے علاقے میں بڑا اثر ورسوخ تھا اور بڑی شہرت اور طاقت کے مالک تھے۔ آپ کا شمار علاقے کے باغیرت اور صاحب شوکت علماء وداعیان میں کیا جاتا تھا۔ مورخ جماعت ہمارے استاذ گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ: ”آپ کے والد مولانا عبدالعظیم ایک بااثر زمیندار گھرانے کے باغیرت اہل حدیث عالم تھے۔ علم، تقویٰ، حق گوئی، توحید خالص اور سنت صحیحہ کی اشاعت اور بدعات وخرافات کے خلاف جہاد میں ان کا نمایاں مقام تھا رحمہ اللہ وغفرلہٗ (مجموعہ مقالات: ۴/ ۲۵۳)

محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ اور جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے بانی الحاج نعمت اللہ خان (والد بزرگوار خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہ) اور اسی طرح مولانا عبدالغفور بسکوہری وغیرہ علاقے میں منعقد ہونے والے تبلیغی جلسوں اور دعوتی دوروں میں ہمیشہ آپ کو ساتھ ساتھ لے کر چلتے تھے اور اس ان بزرگوں کی مشترکہ کاوشوں سے پورے علاقے میں دعوت وتبلیغ اور اصلاح معاشرہ کا کام اور توحید وسنت کی نشر واشاعت اور اصلاح معاشرہ کا کام اور توحید وسنت کی نشر واشاعت کا عمل بڑی تیزی اور ذمہ داری سے انجام پذیر ہوا کرتا تھا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: تراجم علمائے اہلحدیث: ۱/ ۲۶، مجموعہ مقالات رحمانی صاحب: ۲/ ۳۵۸) آپ کے بھائیوں میں مولانا عبدالودود صاحب (جھنڈانگر) مولانا عبدالصبور رحمانی اور مولانا نور عظیم ندوی ازہری تھے اور سب کے سب جید اور ممتاز علماء میں سے تھے۔

ذہین گھرانے کا ایک ذہین اور ہونہار فرد:

آپ کا گھرانہ دینداری، تقویٰ شعاری اور طہارت وایمانداری کے ساتھ ذہانت وفطانت میں بھی ضرب المثل تھا۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا عبدالصبور رحمانی اور تیسرے بھائی مولانا عبدالنور ازہری اپنے زمانے کے بلا کے ذہین طلباء اور علماء میں شمار کئے جاتے تھے، ڈاکٹر عبدالعلیم رحمہ اللہ بھی بچپن سے فطری طور پر رب العالمین کی اس نعمت سے مالا مال تھے مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ اس بابت تحریر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: ”ان کے تینوں چھوٹے صاحبزادگان ذہانت وفطانت میں اپنے معاصرین میں ضرب

المثل تھے۔مولانا عبدالصبور رحمانی دارالحدیث رحمانیہ کے فارغ التحصیل ہیں،دور طالب علمی میں مضمون نگاری،تقریر وتحریر،نقد وتحقیق میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور آج بھی معاملہ فہمی،دوراندیشی اور متانت وسنجیدگی میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔تیسرے صاحبزادے زیر تذکرہ مولانا عبدالنور صاحب تھے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے ہمارے دوست ڈاکٹر عبدالعلیم ہیں جو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے شعبہ نصاب تعلیم کے ایک اہم منصب پر فائز ہیں اور طالب علمی کے دور سے اب تک اپنی ذہانت وفطانت،اپنے تعمیری ذہن،اپنی تحقیقات وتصنیفات اور قلم کی روانی اور افکار کی ندرت،عربی اردو،دونوں زبانوں میں تصنیف وتالیف وتحقیق وخطابت وتکلم پر بھرپور قدرت اور انگریزی سمجھنے،لکھنے اور بولنے کی واجبی صلاحیت کے اعتبار سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں'' (مجموعہ مقالات: ۳۶۸/۲)

آپ کی ذہانت وفطانت کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے بھتیجے شیخ سعید اختر مدنی رقمطراز ہیں:''اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا کی گئی ذہانت وفطانت شروع ہی سے عیاں تھی،مکتب ہی کے تعلیمی ایام میں قاضی عدیل عباسی رحمہ کی طرف سے بستی شہر میں منعقدہ مسابقہ علمیہ میں عم محترم شریک ہوئے اور تیس سوالوں کے مکمل اور صحیح جواب دے کر اولین انعامات سے سرفراز ہوئے۔پھر تو ان کی علمی فتوحات اور حصولیابیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا'' آگے لکھتے ہیں کہ ۱۹۷۳ء میں آپ نے مدینہ یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن سے بی اے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی۔اس وقت مدینہ یونیورسٹی میں ۸۰/ممالک کے طلباء زیر تعلیم تھے۔عم محترم کی یہ بڑی کامیابی تھی،یہ کامیابی ذاتی طور پر ان کے لئے،ان کے خاندان اور گاؤں کے لئے بلکہ وطن عزیز ہندوستان کے لئے بھی باعث صدافتخار تھی۔اس وقت سعودی عرب کے وزیر تعلیم ہندوستان دورہ پر آئے تھے اور کسی پروگرام میں بڑی خوشی سے یہ اعلان کیا کہ آپ کے ہندوستان کے ایک سپوت عبدالعلیم بن عبدالعظیم بستوی نے پوری دنیا میں ہندوستان کا نام روشن کیا ہے اور پوری یونیورسٹی میں ٹاپ کر کے پہلی پوزیشن حاصل کی ہے اور ۹۹ فی صد کچھ پوائنٹ نمبر حاصل کیا ہے۔(مجلہ التبیان ستمبر ۲۰۱۶)

آپ کے والد مولانا عبدالعظیم رحمہ اللہ کی منہجی غیرت اور مسلکی حمیت:

آپ کے والد بزرگوار مولانا عبدالعظیم رحمہ اللہ چونکہ اساطین حدیث مولانا عبدالوہاب صدری دہلی اور اپنے ساتھی مولانا محمد جوناگڈھی وغیرہ جیسے علماء سے فیض یافتہ تھے اسی لئے اپنے بیٹے عبدالنور (ازہری) کے بعد جب عبدالعلیم کو ندوہ تعلیم کے لئے بھیجا تو انہیں وہاں کے تعصب زدہ ماحول اور متصوفانہ نظریات اور اس کے غلط اثرات کو اپنے چھوٹے بیٹے پر بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا جس کے نتیجہ میں آپ کی غیرت نے وہاں عالمیت کر لینے کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس مولانا نذیر احمد املوی جیسی عبقری شخصیت اور وہاں کے صاف ستھرے سلفی ماحول میں روانہ کیا۔اور وہیں سے آپ نے سند فضیلت لی اور پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ کے شرف سے بہرہ ور ہوئے،استاذ گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کی دردمندانہ تحریر اس سلسلے میں لائق مطالعہ ہے،آپ لکھتے ہیں کہ:''مولانا عبدالنور کے ندوہ میں موجود ہونے کے باعث ان کے چھوٹے بھائی عبدالعلیم صاحب بھی ابتدائی تعلیم کے معاً بعد دارالعلوم

ندوۃ العلماء چلے گئے اور وہیں تعلیم حاصل کی لیکن مولانا عبدالعظیم رحمہ اللہ نے ندوہ کے ماحول کے اثرات بڑی شدت سے محسوس کئے اور ندوہ کے مقلدانہ جمود اس کی متصوفانہ گمراہی اور مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کے مخصوص مزاج وتصور کے اثرات کے نتیجہ میں مولانا عبدالنور ندوی کے اندر سلفیت کی غیرت وحمیت جس طرح کمزور پڑی اور ندوہ اوراس کے ماحول اور مولانا علی میاں ندوی اوران کے خاندان کے ساتھ غیر مشروط وفاداری کے باوجود اہلحدیث خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے ان کے اوپر علمی ترقی کے دروازے جس طرح بند کئے گئے اور علم وفضل میں ان سے کمتر لوگوں کو جس طرح ان پر ترجیح دی گئی ان سب کو دیکھتے ہوئے مولانا عبدالعظیم رحمہ کے اپنے چھوٹے صاحبزادہ مولانا عبدالعلیم کو اس گھٹن ،تعصب ،تقلید وجمود اور متصوفانہ خرافات کو برداشت کرنے کی فضا سے نکالنے کے لئے عا لمیت کے بعد جامعہ رحمانیہ بھیج دیا تا کہ وہاں علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ جیسے غیور امام اور مولانا عبدالمتین رحمہ اللہ جیسے مجتہد اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے معارف کے واقف کار کی بنائی ہوئی فضا میں رہ کر وہ ندوہ کے غلط اثرات سے نجات حاصل کر کے غیرت حق اور حمیت توحید وسنت کا نمونہ بن سکیں۔ بحمد اللہ مولانا عبدالعظیم کی کوششیں ڈاکٹر عبدالعلیم کے سلسلے میں سو فیصد کامیاب ہوئیں اور وہ جامعہ رحمانیہ سے نکل کر مدینہ منورہ پہنچے جہاں علامہ عبدالعزیز ابن باز، ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی، شیخ عبدالمحسن حمد العباد اور ڈاکٹر امین مصری کے فیوض اور علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تحقیقات وتصنیفات اور مجالس نے انہیں کندن بنا دیا۔(مجموعہ مقالات: رحمانی صاحب: ۳۵۹/۲)

ابتدائی اوراعلیٰ تعلیم مختلف تعلیمی ڈگریاں اوراسناد:

☆ آبائی گاؤں اکرہرا میں:

ابتدائی تعلیم ،قرآن مجید اور دیگر علوم وفنون اپنے والد ماجد مولانا عبدالعظیم رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷۷ء) سے حاصل کی جو کہ ایک متدین اور باصلاحیت ممتاز عالم دین اور ماہر مربی تھے۔

۱۹۵۴ء میں جب آپ کے گاؤں اکرہرا میں اسلامی اور عربی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ کا عمل قیام میں آیا (جو مدرسہ اسلامیہ اور المعہد الاسلامی اکرہرا کے نام سے آج بھی شہرت یافتہ ہے) تو آپ کو عربی اور دینی تعلیم کے لئے گاؤں کی ایک درسگاہ میں داخل کرادیا گیا۔(۱۹۶۰ء۔۱۹۵۹) تک آپ نے یہاں تعلیم حاصل کی اوراس کے علمی فیض سے سیراب ہوئے۔

☆ **لکھنؤ کا سفر:** عربی ادب اور دیگر علوم فنون میں اعلیٰ تعلیم کی غرض سے ۱۹۶۱ء میں آپ نے ہندوستان کی مشہور ومعروف درسگاہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کا سفر کیا جہاں پہلے سے آپ کے بھائی (مولانا عبدلنور ازہری) تعلیم حاصل کر رہے تھے۔اور عربی سوم میں داخلہ لے لیا۔آپ نے اپنے بھائی کی نگرانی میں ندوہ کے اساتذہ سے عربی ادب اور دیگر فنون میں بھرپور استفادہ کیا اور پانچ سال مسلسل علم کی راہ میں لگے رہے اور ۱۹۶۶ء میں سند عا لمیت لے کر ندوہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔

☆ **جامعہ سلفیہ بنارس سے سند فضیلت:** ۱۹۶۶ء کو ندوہ سے سند عالمیت لینے کے بعد علم وعقیدہ میں نکھار اور اہل حدیث

اساطین علم وفن سے خوشہ چینی کے لئے مرکزی سلفی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں فضیلت کے لئے داخل ہو گئے اور وہاں مولانا نذیر احمد املوی، مولانا عبدالمتین اور دیگر ماہرین حدیث وتفسیر سے دوسالوں تک علمی تشنگی اور پیاس بجھاتے رہے اور بفضل الٰہی امتیازی پوزیشن سے کامیاب ہوکر سند فضیلت سے سرفراز کئے گئے۔

☆ **عالمی یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ اور تعلیم:** موصوف بڑے ذہین اور ہونہار تھے، ہمیشہ امتیازی نمبرات کے مستحق ٹھہرائے جاتے اور ممتاز پوزیشن پاتے تھے آپ کا نام ان چند خوش نصیبوں میں نکلا جنہیں عالم اسلام کی مشہور یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ مل گیا۔ ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں اس سعادتمندی اور شادکامی سے سرفراز ہونے کیلئے سوئے طیبہ روانہ ہوئے اور وہاں داخلہ لے کر جامعہ کی علمی فضاؤں میں مختلف اساطین علم وفن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اور اتنا نکھرے کہ عالم عرب اور اسلام میں بعد میں چل کر اپنی ایک منفرد علمی، وتحقیقی شناخت بنالی۔

چار سالوں تک کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سے منسلک رہے اور ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں لیسانس 'بی اے' کی ڈگری امتیازی نمبرات سے ہی نہیں بلکہ ٹاپ پوزیشن سے حاصل کی۔ آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ۹۹ پوائنٹ کچھ فیصد حاصل کر کے پوری یونیورسٹی ٹاپ کی اور سعودی عرب میں صرف اپنا اور اپنے خاندان اور ادارہ کا ہی نہیں بلکہ ہندوستان کا بھی نام روشن کیا۔

☆ **ماجستر (M.A.) کا رسالہ اور اس کی علمی شان:** جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی علمی فضاؤں میں رہتے ہوئے آپ ایک علمی اور تحقیقی ذوق کے باکمال ریسرچ اسکالر کی حیثیت پا چکے تھے اور یہ ذوق آپ کے معروف ادیب ڈاکٹر تقی الدین ہلالی اور علامہ ابن باز جیسے عالمی رہنماؤں سے ورثہ میں ملا تھا۔ چنانچہ مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد اپنے اس تحقیقی ذوق کی تکمیل اور علمی ورثہ کے احیاء کے لئے جدہ کی مشہور یونیورسٹی جامعۃ الملک عبدالعزیز میں کلیۃ الشریعہ والدراسات الاسلامیۃ میں داخلہ لے لیا (یہ یونیورسٹی فی الوقت ام القریٰ یونیورسٹی کے نام سے مشہور ومعروف ہے) ماجستر میں آپ کے رسالہ کا عنوان تھا "الاحادیث الواردۃ فی المھدی المنتظر فی میزان الجرح والتعدیل" بڑی محنت اور جدوجہد سے آپ نے اپنا یہ علمی رسالہ مکمل کیا اور اپنی علمی صلاحیتوں کے جوہر ایسے بکھیرے کہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں آپ کو نہ صرف یہ کہ امتیازی پوزیشن سے ڈگری تفویض کی گئی بلکہ علم وتحقیق کی دنیا میں آپ کا یہ رسالہ اپنے عنوان پر ایک مستند علمی مرجع شمار کیا جانے لگا۔ یہ رسالہ بعد میں "المھدی المنتظر فی ضوء الاحادیث والآثار الصحیحہ واقوال اھل العلم وآراء الفرق المختلفۃ" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا اور آج بھی مرجع کے طور پر علماء وطلباء کی لائبریریوں کی زینت ہے۔ مؤرخ جماعت مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ اس رسالے کے بارے میں رقمطراز ہیں: جب آپ نے اپنا مندرجہ بالا مقالہ پیش کیا تو آپ کی تحقیق اور تتبع اور آپ کے نقطۂ نظر اور آپ کی اصابت رائے نے سارے ممتحنین کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس مقالہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ امام العلماء شیخ بن باز اور استاد محترم شیخ عبدالمحسن حمد العباد سابق وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے اسے اپنے موضوع پر غیر مسبوق قرار دیا اور یہ رسالہ اس وقت سے آج تک پوری دنیا میں اپنے موضوع پر سب سے اہم

مرجع قرار دیا گیا۔ (مجموعہ مقالات: ۴/ ۲۵۵)

☆ **جامعہ ازہر مصر سے دکتوراہ (P.H.D.) کی تکمیل:** ماجستر کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ نے یوں تو باضابطہ رابطہ العالم الاسلامی میں ملازمت اختیار کر لی مگر ابھی بھی آپ کا شوق طلب فرو نہیں ہوا تھا چنانچہ دکتورہ کی تکمیل کے لئے دوران ملازمت ہی جامعہ ازہر مصر میں داخلہ کے لئے کوششیں شروع کر دیں اور بالآخر اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے پی ایچ ڈی کیلئے منتخب کر لئے گئے اور سنن ابی داؤد کی چوتھی جلد کی تخریج، تحقیق اور تعلیق وحاشیہ کے عنوان پر رسالے کا کام شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ ایک عظیم علمی شاہکار تیار کر کے جامعہ ازہر میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ۱۴۰۹ھ۔۱۹۸۹ء میں مناقشہ ہوا اور مناقشین کی اعلیٰ علمی کمیٹی نے آپ کو اس رسالے پر ممتاز پوزیشن سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی۔ آپ کا یہ رسالہ بھی علمی دنیا میں ابوداؤد کے بعض حصوں کی تحقیق پر ایک مستند اور لاجواب شاہکار ہے۔ بعض احباب نے آپ سے اس منہج پر مکمل ابوداؤد کی تخریج وتحقیق کی خواہش ظاہر کی تھی مگر اپنی مصروفیتوں اور رابطہ کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ اس پر مزید کام نہ کر سکے۔

امام ابوداؤد پر ایک علمی مقدمہ:

سنن ابی داؤد کی تخریج وتحقیق کے ضمن میں پی ایچ ڈی کے اس رسالے پر آپ نے امام ابوداؤد کی سوانح اور علمی مقام ومرتبہ پر ایک شاندار اور وقیع مقدمہ تحریر کیا ہے جس کا ترجمہ مولانا رفیق احمد سلفی سابق ایڈیٹر التوعیہ نے (التوعیہ نئی دہلی نومبر ۱۹۸۹ء میں) شائع کیا تھا اور سرخیل جماعت مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کا اس پر ایک گرانقدر ادارتی نوٹ بھی شائع ہوا تھا جو ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی اور ان کے اس مقالے اور اس کی خصوصیات واعلیٰ مقام ومرتبہ کے سلسلے میں ایک جامع اور قابل مطالعہ تحریر ہے۔

(مجموعہ مقالات: ۴/ ۲۵۳۔۲۵۷)

رابطہ عالم اسلامی میں ملازمت اور ذمہ داریاں:

جامعۃ الملک عبدالعزیز (حال جامعہ ام القریٰ) سے ماجستر کی ڈگری حاصل کر لینے کے بعد ۱۳۹۸ء مطابق ۱۹۷۸ء میں آپ نے رابطہ عالم اسلامی (مسلم ورلڈ لیگ) میں بحیثیت ریسرچ اسکالر اور مترجم ملازمت اختیار کر لی اور ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء یعنی مسلسل ۳۵ سالوں تک اس سے وابستہ رہے کبھی مترجم کے طور پر کبھی ریسرچ اسکالر اور باحث کے طور پر تو کبھی مختلف شعبوں کی سربراہی اور نگرانی کے طور پر، کبھی جنرل سکریٹری کے مشیر خاص کے طور پر مختلف مناصب اور عہدوں پر فائز رہے رابطہ عالم اسلامی کے ذمہ داران اور منتظمین کا آپ پر بھر پور اعتماد اور بھروسہ تھا جس کی وجہ سے عالم عرب وعجم میں منعقد ہونے والی عالمی کانفرنسوں میں آپ رابطہ کی نمائندگی بھی کرتے رہے اور اپنے علمی وتحقیقی صلاحیتوں سے پوری دنیا کو فیض پہنچاتے رہے۔ تھائی لینڈ، صومالیہ، بنگلہ دیش، اور دیگر ممالک کے دورے اور وہاں کی کانفرنسوں میں شرکت اور مقالے کی خواندگی اور رابطہ کی نمائندگی اس کی روشن مثالیں ہیں بالخصوص رابطہ کے جنرل

سکریٹری عبداللہ عبدالمحسن الترکی آپ کی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے آپ کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور سفر وحضر میں ساتھ رکھنے کے علاوہ بیرون ملک کانفرنسوں میں آپ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھی بھیجتے تھے۔ اور یہ سب کچھ آپ کی علمی صلاحیت اوراخلاص وامانت کی وجہ سے ممکن ہوسکا تھا۔ آپ اپنے ذاتی اثر ورسوخ کی وجہ سے ہندوستان کے بے شمار اداروں کو مدد پہنچانے میں ہمیشہ تعاون اور رہنمائی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نیکیوں کو آپ کیلئے صدقہ جاریہ بنائے آمین۔

آپ کے مشہور اساتذہ:

ہندوستان کی دو عظیم درسگاہوں ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جامعہ سلفیہ بنارس اور اسی طرح عالم اسلام کی مشہور یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے آپ کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے چندہ نام درج ذیل ہیں: (۱) مشہور ادیب اور کئی زبانوں کے ماہر ڈاکٹر تقی الدین ہلالی (۲) محدث مدینہ شیخ عبدالمحسن حمد العباد (۳) شامی ادیب شیخ محمد المجذوب (۴) علامہ محمد امین الشنقیطی (۵) ڈاکٹر محمد امین المصری (۶) شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی (۷) مولانا نذیر احمد املوی (۸) ڈاکٹر ابوشھبہ (مکہ مکرمہ) (۹) ڈاکٹر سید صقر (مکہ) (۱۰) شیخ ربیع ہادی مدخلی، ☆ اس کے علاوہ شیخ ابن باز اور علامہ ناصر الدین البانی اور شیخ حماد انصاری جیسے اساطین علم کے دروس اور ملاقاتوں سے استفادہ اور علمی سیرابی بھی حاصل کی تھی۔

☆ **سند اجازہ:** آپ نے (۱) محدث مدینہ شیخ حماد بن محمد انصاری اور (۲) شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ سے سند اجازہ حاصل کیا تھا۔

تصنیفات وتحقیقات:

آپ کے رشحات قلم نے تالیف وترجمہ اور تحقیق وتعلیق کے میدان میں بہترین اور قابل قدر جوہر دکھائے ہیں جس سے عالم عرب وعجم کو ایک نئی راہ اور منزل ملی ہے۔ ذیل میں آپ کی تالیف کردہ کتابیں تحقیقات وتعلیقات اور اسی طرح مختلف اردو کتابوں کے عربی ترجمے ہدیہ ناظرین ہیں:

(۱) **محمد بن عبدالوهاب مصلح مظلوم ومفتری علیه:** مولانا مسعود عالم ندوی کی معرکۃ الآراء کتاب محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح کا بہترین اور مستند عربی ترجمہ اور اس پر تعلیق وحاشیہ جو اپنی افادیت اور مرجعیت کی وجہ سے عالم عرب میں بے حد مقبول ہے اور متعدد ایڈیشن سرکاری وغیر سرکاری اداروں سے شائع پذیر ہو کر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

(۲) **تحقیق ودراسة معرفة الثقات للامام العجلی**

(۳) **تحقیق ودراسة الشجرة فی احوال الرجال للامام الجوزجانی**

(۴) **تحقیق ودراسة امارات النبوة**

(۵) **تحقیق ودراسة سوالات الاجری ابا داؤد السجستانی فی الجرح والتعدیل (دو جلد)**

(۶) تحقیق ودراسة الجزء الحادی العشر من کتاب اتحاف المهرة لابن حجر (اتحاف المهرة کی گیارہویں جلد کی تحقیق وتخریج مرکز خدمة السنة مدینہ کی فرمائش پر)

(۷) تحقیق ودراسة الجزء السادس من کتاب لسان المیزان لابن حجر (مرکز خدمة السنہ کی فرمائش پر)

(۸) تحقیق ودراسة فوائد فی علوم الحدیث واهله وکتبه للمبارکفوری صاحب تحفة الاحوذی (یہ کتاب مرجع کی حیثیت سے سعودی عرب میں نصاب میں داخل ہے)

(۹) المهدی المنتظر فی ضوء الاحادیث والآثار الصحیحه واقوال اهل العلم وآراء الفرق المختلفة (یہ آپ کے ماجستر کا رسالہ ہے جو عالم عرب وعجم میں اپنے موضوع پر بطور مرجع تسلیم کیا جاتا ہے)

(۱۰) الموسوعة فی احادیث المهدی الضعیفة والموضوعة (تالیف)

(۱۱) سیرة الامام البخاری: مولانا عبدالسلام مبارکپوری کی مایہ ناز اردو کتاب سیرۃ البخاری کا عربی ترجمہ (دو جلدوں میں مقبول خاص وعام ہے)

(۱۲) رسالة الدکتوراة: تحقیق وتخریج القسم الرابع من سنن ابی داوٗد (اور اس پر ایک وقیع علمی مقدمہ جو امام ابوداوٗد کی سوانح پر مشتمل ہے)

محاضرات وکانفرنسیں:

اپنی علمی وتحقیقی صلاحیتوں کی وجہ سے عالم اسلام اور پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں بھی آپ مدعو کئے جاتے تھے اور بسا اوقات رابطہ کمیٹی کی نمائندگی بھی کیا کرتے تھے۔ ذیل میں ان کانفرنسوں کا ذکر ہے کہ جس میں آپ نے شرکت کی اور اپنے علمی مقالات اور نمائندگی سے اہل اسلام کو بھرپور فائدہ پہنچایا۔ فجزاه الله عنا خیر الجزاء۔

(۱) ۱۳۹۸ھ الموتمر الاسلامی الآسیوی الاول کراچی (وزارة الاوقاف والشئون الاسلامیة کی طرف سے)

(۲) ۱۳۹۹ھ وزارة الاوقاف والشئون الاسلامیه کی پہلی کانفرنس مکہ مکرمہ میں۔

(۳) ۱۴۰۰ھ وزارة الاوقاف والشئون الاسلامیه کی دوسری کانفرنس مکہ مکرمہ میں۔

(۴) ۱۴۰۱ھ وزارة الاوقاف والشئون الاسلامیه کی تیسری کانفرنس مکہ مکرمہ میں۔

(۵) ۱۴۰۰ھ دورات تدریب الائمة والدعاة مقدیشو صومال میں (محاضرات پیش کئے)۔

(۶) ۱۴۰۲ھ الموتمر الاقلیمی لمنظمة الدعوة الاسلامیة لجنوب شرق آسیا (ملیشیا میں)

(۷) ۱۴۰۳ھ دورات تدریب الائمة والدعاة (بانکوک رتھائی لینڈ)

(۸) ۱۴۰۴ھ المؤتمر العالمی الثانی لتوجیه الدعوة واعداد الدعاة (مدینہ منورہ)

(۹) ۱۴۰۵ھ دورات تدریب الائمة والدعاة (کوکس بازار، بنگلہ دیش)

(۱۰) ۱۴۰۸ھ المؤتمر الاسلامی العام الثالث (مکہ مکرمہ)

(۱۱) ۱۴۰۸ھ الندوة العالمية عن حياة شيخ الاسلام ابن تيميه (بنارس) (یہ ہماری طالب علمی کا دور تھا اور ہم طلباء اس میں بطور رضا کاران اسٹیج ومہمانان علماء کی خدمت پر مأمور تھے)

(۱۲) المؤتمر الاسلامی العالمی لمناقشة الاوضاع الحاضرة فی الخلیج (مکہ مکرمہ)

مقالات:

ڈاکٹر عبدالعلیم ایک علمی وتحقیقی شخصیت کے مالک تھے، مختلف کتابوں کی تحقیق اور تصنیف کے ساتھ ساتھ آپ نے بے شمار مقالات تحریر کئے جو ملک وبیرون ملک بالخصوص رابطہ کے مجلّات اور ہندوستان میں صوت الامۃ یا دیگر اردو جرائد محدث اور التوعیہ وغیرہ میں شائع ہوتے رہے، زیر تذکرہ کچھ مقالات جو دستیاب ہوسکے ہیں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ اہل علم کے لئے استفادہ ممکن ہوسکے:

(۱) اقرأ باسمك مجلة رابطه العالم الاسلامی عدد: ۳۳۱/صفر ۱۴۱۳ھ

(۲) فی الوقت الضائع مجلة رابطه العالم الاسلامی عدد: ۳۳۳/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

(۳) لاتكن بخيلاً مجلة رابطه العالم الاسلامی عدد: ۱۳۰۵/۲۲ رمضان ۱۴۱۳ھ

(۴) صلوا والناس نيام مجلة رابطه العالم الاسلامی عدد: ۹/۹/۱۳ ۱۴ھ

(۵) من اوغال الحضارة: مجلة رابطه العالم الاسلامی عدد ۱۴۲۹ھ

(۶) الی الجنة بالسلاسل مجلة رابطه العالم الاسلامی عدد: ۱۸۹۴ھ ۱۳ جمادی الآخرة ۱۴۲۶ھ

(۷) ایک عظیم مفکر ایک عظیم داعی محب الدین خطیب/مقالہ نگار علامہ ممدوح فخری/مترجم عبدالعلیم بستوی۔ (ماہنامہ التوعیہ نئی دہلی: اپریل مئی/۱۹۸۸ء)

(۸) استاذ محترم علامہ ہلالی کے ساتھ یادوں کا ایک سفر (ماہنامہ التوعیہ نئی دہلی اکتوبر/۱۹۹۳ء)

(۹) میرے مشفق بھائی اور مربی مولانا عبدالنور ندوی رحمہ اللہ (ماہنامہ التوعیہ نئی دہلی اپریل ۱۹۹۳ء)

اور اس کے علاوہ دیگر علمی وتحقیقی مضامین ہیں جو ملکی اور عالمی مجلّات: صوت الامۃ، محدث بنارس اور دیگر مجلّات میں شائع ہوئے ہیں، یہ تو بطور نمونہ پیش خدمت تھے۔

☆ **معروف سلفی ادیب اور مورخ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ کے توصیفی کلمات:** ڈاکٹر تقی الدین ہلالی رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد عبدالعلیم بستوی کی کتاب "محمد بن عبدالوهاب مصلح مظلوم ومفترىٰ عليه" کے

مقدمے میں آپ کی علمی خدمت اور تحقیقی صلاحیتوں کے سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ ''اگر اس عظیم الشان کام کو اردو زبان میں انجام دینے میں میرے ایک شاگر استاذ مسعود عالم ندوی کی کاوشوں کا عمل دخل ہے تو عربی قالب میں ڈھالنے اور اس کا سلیس اور عمدہ عربی ترجمہ میرے دوسرے شاگرد عبدالعلیم بن عبدالعظیم کی محنتوں کا نتیجہ ہے جو جامعہ اسلامیہ مدینہ سے فارغ التحصیل اور فی الوقت مکہ میں ماجستر (ایم اے) کرر ہے ہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ مترجم کتاب نے بے حد عمدہ ترجمانی کی ہے اور شروع سے اخیر تک مجھے پڑھ کر سنایا ہے، میں نے انہیں کچھ مشورے بھی دیئے ہیں، پھر آگے لکھتے ہیں: ''فجاء هذا الكتاب جوهرة نفيسة وتحفة لا تقدر بثمن خصوصاً وقد زيّنه المترجم بحواشي عديدة تكملة لبحث ناقص وايضاً حَلّ شيء غامض وانا اقترح على سماحة رئيسنا الجليل الاستاذ عبدالعزيز بن باز اطال الله بقائه۔ ان يقرا هذا الكتاب وان يامر بطبعه ونشره لتعم فائدته لجميع طلاب العلم من المسلمين وغيرهم'' چنانچہ یہ کتاب ایک عمدہ جوہر اور بیش بہا تحفہ ہے جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا خاص طور سے مترجم کتاب نے مختلف جگہوں پر اپنی علمی اور وضاحتی حاشیہ آرائی سے اسے چار چاند لگادیا ہے اس لئے میں اپنے محترم رئیس اور استاذ شیخ ابن باز (اللہ آپ کی عمردراز کرے اور ترقی کے اعلیٰ منازل تک پہنچائے) کو مشورہ دینا چاہوں گا کہ اس کتاب کو پڑھیں اور اس کی طباعت واشاعت کا انتظام کریں تا کہ اس کا فائدہ تمام طلباء اور اہل علم تک عام ہوسکے۔ (مقدمہ: ہلالی، علی کتاب محمد بن عبدالوہاب مصلح مظلوم ومفتریٰ علیہ: ص: ۱۲)

مورخ جماعت استاذنا الجلیل علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کا وقیع علمی وتاریخی تبصرہ:

ڈاکٹر عبدالعلیم کے گرانقدر مضمون ''امام ابوداوٗد سجستانی حیات اور علمی درجہ مقام'' کے اردو ترجمہ پر اپنے ادارتی نوٹ میں ان کی علمی شان اور قدرومنزلت میں ایک وقیع علمی اور تاریخی تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''مقالہ درج ذیل کے کاتب ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر عبدالعلیم مولانا عبدالعظیم صاحب رحمہا اللہ کے سب سے چھوٹے لیکن سب سے لائق وفائق خلف ہیں۔ ان کی تعلیم کا بیشتر وقت بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں گزرا، علم حدیث کی تکمیل کے لئے وہ اخیر میں جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لائے اور یہیں سے انہیں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جانے کی سعادت نصیب ہوئی، یہ جس جگہ بھی رہے انکی ذہانت، ان کی بھرپور جدوجہد اور مفوضہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں ان کی امانت ودیانت کی روح نے انہیں نمایاں اور ممتاز مقام بخشا طالب علمی کے دور میں تقریباً تمام متداول علوم وفنون میں انہیں اپنے ساتھیوں پر سبقت حاصل رہی، ندوہ، جامعہ سلفیہ، جامعہ اسلامیہ، جامعہ ام القریٰ، جامعہ از ہر ہر جگہ علمی نتائج اور دینی واخلاقی معیار الغرض ہر میدان میں ان کا گہرا لگاؤ اور اپنے موضوع سے ان کی گہری دلچسپی کا یہ نتیجہ رہا کہ ان کے قلم اور زبان سے کوئی غیر معیاری اور سطحی بات نہیں نکلی جو کچھ بھی انہوں نے اپنے قلم سے لکھا اپنی زبان سے کہا عقیدہ وفکر اور مسلک ومنہج کی معیاری ترجمانی اس کا طغرائے امتیاز رہا۔

عربی اور اردو زبانوں میں یکساں قدرت اور انگریزی سے حسب ضرورت واقفیت نے ان کے سامنے علمی اور تحقیقی کاموں کے دروازے کھول دیئے۔

ڈاکٹر عبدالعلیم ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنہیں اپنے دور کے عظیم لغوی، سامی زبانوں کے ماہر، انگریزی، فرنچ، جرمنی اردو اور فارسی زبانوں کے عالم، عربی ادب و بلاغت اور نظم ونثر کے امام و مرجع توحید وسنت کے داعی، علوم حدیث کے شیدائی، علامہ محمد تقی الدین ہلالی کی خصوصی عنایات اور تربیت سے بہرہ ور ہونے کے قیمتی مواقع ملے۔ (مجموعہ مقالات: رحمانی صاحب ر ۴ر ۲۵۴)

اور ایک اور جگہ رقمطراز ہیں کہ: ''تیسرے صاحبزادے زیر تذکرہ مولانا عبدالنور صاحب تھے اور چوتھے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے ہمارے دوست ڈاکٹر عبدالعلیم ہیں جو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے شعبہ نصاب تعلیم کے ایک اہم منصب پر فائز ہیں اور طالب علمی کے دور سے اب تک اپنی ذہانت وفطانت، اپنے تعمیری ذہن، اپنی تحقیقات تصنیفات اور زبان کی روانی اور افکار کی ندرت، عربی اردو دونوں زبانوں میں تصنیف وتالیف وتحقیق اور خطابت وتکلم پر بھرپور قدرت اور انگریزی سمجھنے، لکھنے اور بولنے کی واجبی صلاحیت کے اعتبار سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ کتاب وسنت اور صحیح منہج سلف کی فکری وعملی تعبیر اور عالمی انداز میں اسکو برپا کرنے کے سلسلے میں اپنے تعمیری افکار اور موجودہ دور کی شخصیات کے مراتب کی تعیین میں انہیں خاص ملکہ حاصل ہے۔تخریج وتحقیق حدیث اور علم اسماء الرجال میں فاضلانہ حیثیت کے حامل ہیں۔ (مجموعہ مقالات ررحمانی صاحب ر ۳ر ۳۵۸)

پسماندگان اور اہل خانہ: آپ کے چار بھائی تھے اور چار ہی بہنیں تھیں، بھائیوں میں سب سے بڑے (۱) مولانا عبدالودود سلفی مرحوم مدرس جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر (۲) اس کے بعد مولانا عبدالصبور رحمانی مرحوم (والد مولانا سعید اختر مدنی اور مسعود عالم عرف مسو بھائی (اکرہرا) (۳) تیسرا نمبر پر مشہور اسکالر مولانا عبدالنور ازہری معروف بہ نور عظیم ندوی (مرحوم) اور چوتھے خود آپ تھے۔ آپ نے اپنے پیچھے ایک بیوی اور دو لڑکے اور چھ لڑکیاں اور اس کے علاوہ پوتوں اور نواسوں کی ایک بڑی تعداد چھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ سبھی کو صبر جمیل اور ایمان پر سلامتی عطا فرمائے۔ آمین۔

وفات: کئی سالوں سے آپ ذیابطیس کے مہلک مرض میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے گردے کی تکلیف رہا کرتی تھی۔ قضاء الٰہی آپہنچی اور ۱۲ رمضان ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۸ رجون ۲۰۱۶ء بروز سنیچر بوقت ظہر مکہ مکرمہ میں عمر کی ۶۷ بہاریں دیکھ کر اللہ کو پیارے ہوئے (اناللہ وانا الیہ راجعون) اہل خانہ کا بیان ہے کہ آخری وقت میں جو کتاب آپ کے زیر مطالعہ آپ کے پرسنل لائبریری میں میز پر ملی وہ شیخ البانی رحمہ اللہ کی ''احکام الجنائز'' تھی جو کھلی ہوئی میز پر سامنے موجود تھی۔ آپ کی نماز جنازہ بعد نماز مغرب حرم مکی میں لاکھوں مقتدیوں کے ہجوم میں پڑھی گئی اور مکہ کے قدیم قبرستان شرائع میں تدفین ہوئی۔ خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

''اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واللھم ذویہ الصبر والسلوان واسکنہ فسیح الجنان، آمین، تقبل یارب العالمین'' (ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی، اکتوبر ۲۰۱۶ء)

□□□

حضرت مولانا انعام اللہ فاروقی رحمہ اللہ

(بانی دارالعلوم سلفیہ احباب کالونی ناگپور)

ڈاکٹر افہام اللہ فاروقی

موضوع پریوا نارائن پور نزد لال گوپال گنج ضلع الہ آباد یوپی اپنی مردم خیزی، شادابی، دینی اور علمی خدمات کے لئے معروف ہے۔اس بستی نے علمی وتمدنی جلوے بکھیرے ہیں۔اس بستی سے حضرت مولانا ابوالخیر فاروقی صاحب، مولانا اسماعیل خاں صاحب، مولانا عبدالستار صاحب، مولانا شیث فاروقی صاحب، مولانا حکیم محمد اکبر فاروقی جیسے عمائدین سلفیت کا تعلق رہا ہے۔آج بھی آس پاس کے علاقوں میں جو بھی اہل حدیث اجتماعات منعقد ہوتے ہیں ان میں پریوا کا کردار نمایاں رہتا ہے۔آج بھی یہ بستی حضرت مولانا عبدالرحمن پریوائی (استاذ جامعہ امام سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض) مولانا محمد حسان خاں (ناظم اعلیٰ جامعہ ابوہریرہ لال گوپال گنج) حضرت مولانا ابوالقاسم فاروقی (استاذ جامعہ سلفیہ بنارس) مولانا شفاء اللہ فاروقی (سابق صدر مدرس جامعہ رحمانیہ بنارس) مولانا راحت اللہ فاروقی مدنی (استاذ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں) مولا ڈاکٹر وحید اللہ فاروقی (پرنسپل طبیہ کالج مالیگاؤں) مولانا محمد فرقان فاروقی مدنی وغیرہم کی علمی، دعوتی اور سماجی خدمات سے معمور ہے۔انہی سنہری کڑیوں میں سے ایک کڑی مشہور عالم دین باوقار مدرس بے باک خطیب استاذ الاساتذہ حضرت مولانا انعام اللہ فاروقی صاحب تھے آپ کی جماعتی اور علمی ودعوتی خدمات بہت زیادہ طویل اور گراں قدر ہیں۔

نام ونسب:

انعام اللہ ابن ہدایت اللہ ابن احسان اللہ ابن الٰہی بخش۔

خاندانی پس منظر:

آپ کے والد معمولی پڑھے لکھے زمین دار حوصلہ منداور غیور انسان تھے۔مولانا انعام اللہ فاروقی کے والد محترم پانچ بھائی تھے۔(۱) محمد ابراہیم فاروقی (۲) محمد الیاس فاروقی (۳) محمد زکریا فاروقی (۴) ہدایت اللہ فاروقی (۵) محمد عثمان غنی فاروقی آپ کے دادا احسان اللہ فاروقی میں اہل حدیثیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔آپ کے بڑے تایازاد بھائی مولانا حکیم محمد اکبر فاروقی صاحب اور مولانا ابوالخیر فاروقی صاحب دارالحدیث رحمانیہ کے ممتاز فارغین میں سے تھے۔

ولادت: ۱۹۳۲ء میں بمقام پریوا۔

تعلیم وتربیت:

آپ کی ابتدائی پرائمری چہارم تک کی تعلیم گاؤں کے سرکاری اسکول میں مکمل ہوئی پھر اسلامی فنون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اس زمانہ کے مشہور مدرسہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس میں ۱۹۴۸ء میں داخلہ لیا۔ یہاں رہ کر آپ نے مولوی، عالم، فاضل کے امتحانات عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے اول درجات میں پاس کئے اور آپ نے مدرسہ رحمانیہ سے فراغت ۱۹۵۸ء میں حاصل کی۔ رفقائے درس واحباب میں مولانا عبدالحمید رحمانی مرحوم، مولانا عبدالسلام رحمانی مرحوم (بونڈیہار) مولانا عبدالصبور رحمانی (مالیگاؤں) مولانا حکیم جلال الدین رحمانی (بستی) مولانا حکیم الدین (بونڈیہار) مولانا عبدالصمد مظفر پور، مولانا محمد زکریا بنارس، مولانا محمد ہاشم ابن حافظ عباس بنارسی وغیرہم تھے۔

مشفق اساتذہ:

ابتدائی دینی تعلیم محمد یوسف خاں اور عبدالخالق صاحب سے حاصل کی، جامعہ رحمانیہ میں جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان کے نام حسب ذیل ہیں (۱) مولانا عبیداللہ رحمانی پیغمبر پوری (۲) مولانا عبدالعزیز عمری مئوناتھ بھنجن (۳) مولانا فضل الرحمن عمری (۴) مولانا نذیر احمد رحمانی (۵) مولانا عبدالوحید رحمانی (سابق شیخ الجامعہ۔ جامعہ سلفیہ بنارس) مولانا عبدالجبار صاحب (بہار)۔

تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد ۱۹۵۸ء میں ناگپور میں اہل حدیث ادارہ دارالعلوم یوسفیہ میں درس وتدریس کے فرائض کی انجام دہی کے لئے مدرسہ کے صدر حاجی اسحاق صاحب کی درخواست پر تشریف لائے اس وقت بانیان ادارہ میں سے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کھاروی (سیونی) بحیثیت صدر مدرس خدمات انجام دے رہے تھے۔ مولانا فاروقی صاحب نے آپ کی قیادت میں بحیثیت مدرس کام کرتے رہے۔ اس دوران مولانا ابراہیم خاں صاحب اپنے وطن کھاری تشریف لے گئے اور وہاں مختصر علالت میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ پھر مجلس انتظامیہ نے مولانا فاروقی صاحب کو مدرسہ کا صدر مدرس منتخب کیا، مولانا انعام اللہ فاروقی صاحب نے محترم مولانا عبدالرشید علیگ (صدر) اوملاجی محمد یوسف صاحب (متولی) محترم ماسٹر عبدالعزیز قریشی (ناظم) کے ساتھ وہاں مسجد مدرسہ تعمیر کروایا اور وہاں ۳۰ سال سے زائد عرصہ تعلیم اور تدریس اور دعوت کی راہ میں لگا دیا۔ منہج سلف کی نشر واشاعت میں آپ کی کوششیں گراں قدر ہیں۔ حضرت مولانا فاروقی صاحب کے دوران صدر مدرسی مولانا صفی الرحمن مبارکپوری اور مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی، عبدالغفار مدنی، ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی صاحب نے تدریسی خدمات انجام دی تھی۔ آپ نے یہاں ۱۹۸۸ء تک سرگرم عمل رہ کر تعمیر مدرسہ اور تعمیر مسجد میں اہم کردار ادا کیا پھر یہاں حالات کچھ اس طرح پیش آئے کہ دل برداشتہ ہوکر آپ نے علیحدگی اختیار کر لی اور ملازمت کرنے کا خیال دل سے نکال دیا۔ ۲ سال بعد جماعتی درد اور کسک نے اور پرانے رفقاء کاروں خصوصاً حاجی عبدالسلام

اور محمد ایوب صاحب، عمر دراز خاں صاحب، عبدالرفیق صاحب کے مسلسل اصرار اور مولانا نذیر احمد ازہری صاحب (ممبئی) مرحوم امان اللہ چوگلے اور احمد اللہ صاحب (باؤٹا بیڑی مدراس) اوران کے خاندان کی عملی تعاون پر آپ نے شہرنا گپور کے نئے علاقہ احباب کالونی میں ۱۹۹۰ء میں دارالعلوم سلفیہ کا قیام کیا اس ادارہ کی تقریب سنگ بنیاد میں حضرت مولانا عبداللہ مدنی نیپال، حضرت مولانا عبدالرشید خاں جہاں پوری، مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی مالیگاؤں بحیثیت مقرر خصوصی شرکت کی اور سنگ بنیاد مولانا عبدالوہاب خلجی، مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی، مولانا عبداللہ مدنی، جسٹس قاضی محب الدین، ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا، پروفیسر رفیع الدین، مولانا عبدالرشید علیگ (سیونی) ملاجی محمد یوسف صاحب، حاجی عبدالسلام صاحب اور دیگر عمائدین جماعت اور شہر کے ہاتھوں رکھی گئی۔ جو آج بھی رواں دواں اپنے مقاصد میں کامیاب ہے اور حلقہ ودر بھ اور آس پاس کے صوبوں میں اپنی دینی اور تبلیغی کوششوں کے سبب مشہور ومعروف ہے۔گاہے بگاہے ملک کے مختلف علماء وخطباء بھی دعوتی کام اور ملت کی بیداری واصلاح کے لئے بلائے جاتے ہیں۔ آپ کی تدریسی ودعوتی کوششوں سے شہرنا گپور میں منہج سلف کو بڑا استحکام حاصل ہوا۔مولانا بڑے زندہ دل، ملنسار اور مسلک کے تئیں بے حد فکر مند انسان تھے۔صاحب فراش ہونے کے باوجود ہمیشہ علماء سے ملاقات اور دعوت وتبلیغ کے لئے فکر مند رہا کرتے تھے۔

تلامذہ اور مستفیدین:

مختلف اوقات میں آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد طویل ہے جو ملک اور بیرون ملک اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں مولانا سراج احمد گیتے (قطر) مولانا ہارون مدنی (سعودی عرب) مولانا عبدالودود مدنی صدر مدرس فیض العلوم (سیونی) مولانا حبیب الرحمن خاں صدر مدرس سمیہ (بوری سیونی) مولانا ہارون خاں (نرکھیڑ) مولانا محمد عابد جناردیو، مولانا عبدالجبار سلفی (ناگپور) مولانا عبدالقدوس عمری۔مولانا صادق الرحمن (کانیوواڑہ) مولانا محمد جمیل (سیندر جنا گھاٹ) مولانا عبدالجلیل (آٹھنیر) معروف ہیں۔ ان کے علاوہ محمد امین صاحب (بیتول) محمد رفیق صاحب جناردیو، مولانا صالح مہگاؤں، مولانا محمد ابراہیم بیرول بازار، مولانا محمد مبین، مولانا محمد فاروق (آشنہ سیونی) مولانا ثناء اللہ الرحمن کھیری، مولانا عتیق الرحمن ناگپور، مولانا عبدالشکور مہسلہ رائے گڑھ، مولانا محمد اسلم قادری مہسلہ، مولانا عبدالحمید قاضی پابرہ رائے گڑھ، مولانا محمد اسماعیل ہرزک، مولانا محمد اقبال قاضی رائے گڑھ، مولانا سیف الحق مہسلہ رائے گڑھ، مولانا عبدالجبار مواڑ، مولانا عتیق الرحمن ناگپور، مولانا محمد یحییٰ کھاری سیونی، مرحوم مولانا اسماعیل جناردیو، مولانا محمد عثمان (ممبئی سیونی) مولانا محمد جابر (سیندر جنا گھاٹ) یہ تمام حضرات آپ کے شاگرد تھے۔اس کے علاوہ شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے جو ہندوستان کے مختلف مقامات پر خدمت انجام دے رہے ہیں۔

قلمی خدمات:

زمانہ طالب علمی میں بھی آپ نے بیشتر مضامین لکھے ہیں جو طلباء انجمن میں تقریر کے لئے شاید آپ نے لکھا تھا یہ کاپی آج بھی موجود

ہے۔فراغت کے بعد آپ اس زمانہ میں شائع ہونے والے اہل حدیث جرائد میں مضامین لکھا کرتے تھے۔آپ نے کئی کتابچے تحریر کئے ہیں جسے دار العلوم کی شعبہ دعوت و تبلیغ کی جانب سے شائع کر کے مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔

عہدہ و مناصب:

جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کی ترویج و ترقی کے لئے آپ نے مولانا مختار احمد ندوی صاحب، مولانا امین ریاضی، مولانا عبدالحق قاسمی، عبدالعزیز انصاری وغیرہم کے ساتھ کام کیا اور بعد میں صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کا صوبائی دفتر مالیگاؤں میں قائم ہونے پر سیٹھ محمد خلیل فیضی مرحوم اور عبدالقیوم فیضی صاحب (ناظم اعلیٰ) کے ہمراہ صوبائی جمعیت کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔آپ محمد خلیل فیضی مرحوم صاحب اور عبداللطیف فیضی مرحوم کے دوران صدارت جمعیت کے نائب صدر رہے۔مولانا عبدالوحید صاحب کے دور صدارت میں آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس شوری کے رکن تھے۔مرکزی جمعیت اہل حدیث کے پروگراموں میں آپ شرکت کرتے تھے۔

دعوتی و تبلیغی خدمات:

آپ مرحوم حاجی محمد اسحاق خاں صاحب، ملاجی محمد یوسف صاحب، حاجی عبدالسلام صاحب، مولانا عبدالرشید علیگ کے ہمراہ ضلع سیونی کے اکثر و بیشتر علاقوں میں دعوتی خدمات کے لئے تشریف لے جاتے۔کانیواڑہ دوروں کا مرکز رہا کرتا تھا اور اس علاقے کے زمیندار عبدالرحمن خاں پٹیل کا گھر علماء کا مرکز ہوا کرتا تھا۔موضع جام ضلع بالا گھاٹ میں عبدالقدوس خاں صاحب کی دعوت پر اکثر خطاب فرماتے تھے، ناگپور کے آس پاس کے علاقوں مثلاً دیولی اور وردھا، سیندر جنا گھاٹ، بیتول، آٹھنیر، آکولہ، آکوٹ، جناردیو، جبل پور، بھلائی، بلاس پور، ممبئی، بھیونڈی، احمد نگر، مالیگاؤں، شولاپور، میں اکثر آپ کے خطابات منعقد ہوا کرتے تھے۔اس کے علاوہ گجرات میں سورت، سامرود، نڑیاد، راج کوٹ اور مدراس (تامل ناڈ) کے اکثر و بیشتر علاقے ہنسور، ترچناپلی، پرنام بٹ، گڑیاتم، سرسی، ہیگڑے گٹہ، رانی بنور، ہری ہر گریاتم، ہیرور، داونگیرہ، یوپی کے قنوج، گنج ڈونڈواڑہ، کانپور، آگرہ، اس کے علاوہ بھوپال، اندور، مہو کے بیشتر علاقوں میں آپ تشریف لے جاتے اور خطابات فرماتے اور جب تک آپ صحت یاب رہے آپ ہر سال عیدالفطر کا خطبہ مدراس میں ادا فرماتے تھے۔

۱۹ جون ۲۰۱۶ء بروز اتوار بموجب ۱۳؍رمضان ۱۴۳۷ھ تقریباً رات گیارہ بجے اللہ کو پیارے ہو گئے۔نماز جنازہ دوسرے دن بعد نماز ظہر عیدگاہ گراؤنڈ جعفر نگر میں مولانا رحمت اللہ فاروقی نے ادا کرائی۔بلالحاظ مسلک کثیر تعداد میں لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی اور تدفین جری ٹیکا قبرستان میں ہوئی۔

(جریدہ ترجمان دہلی۔۱۶۔۳۱؍اگست ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

بزرگ عالم مولانا انعام اللہ فاروقی بھی چل بسے

مولانا ابوالقاسم فاروقی

بتاریخ ۱۹/جون ۲۰۱۶ء گیارہ بجے شب جماعت اہل حدیث کے نامور مقرر مولانا انعام اللہ فاروقی دارفانی سے دارالبقا سدھار گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میرے خاندان کے بزرگوں میں وہی باقی رہ گئے تھے، کافی دنوں سے صاحب فراش تھے، بہترین مقرر اور جماعت کے سرگرم رکن تھے۔ جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر کے رکن رکین اور دارالعلوم سلفیہ، ناگپور کے موسس اور بانی تھے، اکیلے دم پر پورا مدرسہ چلاتے تھے۔

آپ ۱۹۳۶ء میں پرتاپ گڑھ کی مشہور اہل حدیث بستی پریوا نرائن پور میں پیدا ہوئے، ۱۹۴۶ء یا ۱۹۴۷ء میں والد محترم مولانا ابوالخیر صاحب فاروقی (م ۱۹۸۰ء) نے جامعہ رحمانیہ مدن پورہ، بنارس میں داخل کرایا، ازابتدا تا انتہا تعلیم مدرسہ مذکورہ میں حاصل کی، جب بھی آپ وطن آتے بشرط صحت بنارس ضرور تشریف لاتے۔ مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی گونڈوی (فیجی والے) آپ کے ہم سبق تھے، رحمانیہ میں ممتاز اور ذہین طالب علموں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ عربی وفارسی بورڈ سے مولوی، عالم اور فاضل کا امتحان فرسٹ ڈویزن میں پاس کیا، آپ کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد صاحب املوی، مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی، مولانا فضل الرحمن صاحب مئوی اور مولانا عبدالعزیز صاحب مئوی کا نام اہم ہے۔ فراغت کے بعد دارالعلوم تلسی باغ، ناگپور میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے لگے اور ناگپور کو وطن ثانی بنالیا، مدتوں آپ نے بخاری ومسلم کا درس دیا، بعد میں آپ نے احباب کالونی، ناگپور میں دارالعلوم سلفیہ کے نام سے اپنا مدرسہ قائم کرلیا۔

نہایت خوش اخلاق اور شعلہ بار مقرر تھے، جلسوں میں کثرت سے آپ کو بلایا جاتا، غیرت منداور پرجوش داعی تھے، اپنے خاندان سے ہمیشہ رابطہ رکھتے اور ان کی ضروریات پوری کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے، ۸۲ سال کی عمر پائی، پس ماندگان میں اہلیہ، دو بیٹے، اور بیٹیاں ہیں۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ عنہ واسکنہ فسیح جناتہ۔

(محدث بنارس، ۲۰۱۶)

□□□

ارض سنابل کے ایک درویش صفت مربی
مولانا محمد سعود سلفی رحمہ اللہ

مولانا نثار احمد سنابلی (عمید جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی)

قحط الرجال کے اس نازک دور میں جب کہ ہر سو مادیت کا غلبہ ہے۔ ہندوستان کے طول وعرض سے عصری اداروں کے بمقابل طلبہ کی ایک محدود تعداد مدارس اسلامیہ کی جانب علمی تشنگی بجھانے کا قصد کرتی ہے اور ایک زمانہ تک ان کے علمی وروحانی ماحول میں قال اللہ اور قال الرسول کی صدائے دلنواز سے مشام جاں کو معطر کرتی ہے اور غیر معمولی اہمیت کے حامل مہ وسال گزار کر علم وہنر اور ادب وشائستگی کے نایاب موتیوں سے اپنے دامن مراد کو بھر کر عملی میدان میں قدم رنجہ ہوتی ہے۔ ان میں کچھ تو مادیت زدہ معاشرہ کی نذر ہو جاتے ہیں، کچھ عصری یونیورسٹیوں کے مغربیت زدہ ماحول سے متاثر ہو کر اپنی شناخت ہی نہیں بلکہ بعض تو فرائض اسلام ہی سے غافل ہو جاتے ہیں اور کچھ عرب ممالک کا رخ کر کے وہاں علمی، عملی اور دعوتی امور کے لئے اپنے کو وقف کر کے صرف نسبت اور زیارت کی حد تک ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں، ایسے میں مساجد، مدارس اور دعوتی مراکز کو لازم پکڑ کر ہندوستانی سماج ومعاشرہ میں دین کی شمع روشن کرنا انتہائی قابل تحسین اقدام اور قابل ستائش عمل ہے۔

ان معدودے چند افراد میں جو حلم وبردباری، تقوی وپرہیزگاری، تواضع وخاکساری، سادگی وقناعت، صبر ورضا، زہد وورع، اخلاص وللّٰہیت، ایمانداری وتوکل کے خوگر، صلاحیت وصالحیت کے پیکر، احساس ذمہ داری کے جذبہ سے سرشار اور اصول پسندی کی دولت سے مالا مال ہوں، خال خال نظر آتے ہیں۔ جو بیک وقت کامیاب مدرس، شعلہ بار واعظ وخطیب، درشتی وتلخی سے دور انتہائی نرم، مشفق اور رقیق القلب مربی، طلبہ کی اصلاح وتربیت کی سچی تڑپ رکھنے والے، شب زندہ دار ہوں، ان اوصاف کے حامل ہمارے ممدوح شیخ محمد سعود سلفی۔ رحمہ اللہ تھے، جس کا اعتراف ارض سنابل کا چپہ چپہ ہی نہیں بلکہ جن جن دانشگاہوں میں آپ کا فیض ہوا ہے وہاں کا ذرہ ذرہ اس پر شاہد ہے۔

یہ دنیا دار فانی ہے، ہزاروں روزانہ آتے ہیں اور اپنی حیات مستعار کے ماہ وایام گزار کر دار بقا کی جانب رخصت ہو جاتے ہیں، ان میں بیشتر اپنی گمنامی اور نا قابل ذکر کارناموں کے سبب جلد ہی طاق نسیاں کی نذر ہو جاتے ہیں، جب کہ اپنے علمی کارناموں مخلصانہ جہود اور اپنے خوشہ چیں طلبہ کے یہاں ہر دلعزیزی کے سبب ان میں سے بعض کے نقوش ذہن ودماغ پر تادیر ثبت رہتے ہیں، شیخ رحمہ اللہ ان ہی ہستیوں میں سے ایک تھے، جنہوں نے خلاق ارض وسماء کی جانب سے مختصر سی مدت پائی تھی، زندگی کی چار دہائیوں کو

عبور کیا تھا کہ تقدیر حائل ہوگئی اور اپنے معصوم بچوں، ہندو بیرون ہند دعوتی، تدریسی اور رفاہی وغیرہ مختلف میدانہائے عمل میں مشغول اپنے فیض یافتگان کو سسکتا بلکتا چھوڑ کر اچانک داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

جس طرح معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ۳۶ سال میں، ابراہیم تیمی ۳۸ سال میں، عمر بن عبدالعزیز ۴۰ سال میں، بدیع الزماں ہمدانی ۴۰ سال میں، امام حازمی ۳۶ سال میں، صاحب المحرر فی الحدیث امام ابن عبدالہادی ۴۰ سال میں، ابوالفتح السبکی ۳۹ سال میں، صاحب معارج القبول حافظ الحکمی ۳۶ سال میں، سلیمان بن عبداللہ بن شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب ۳۴ سال کی مختصر مدت میں رہتی دنیا تک یاد رکھے جانے والے کارناموں کو انجام دے کر آخرت کی جانب روانہ ہوگئے، اسی طرح ہمارے استاذ مکرم شیخ سعود رحمہ اللہ ۴۵ سال اس دنیا میں گزار کر رب کی ندا پر لبیک کہتے ہوئے اس دنیا سے چل بسے۔

آیئے آں محترم کی زندگی کے چند اہم گوشوں سے پردہ اٹھانے کی ایک معمولی کوشش ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔



نام: محمد سعود بن عبداللطیف بن عبدالعزیز

تاریخ ومقام ولادت: ۱۵/۵/۱۹۷۰ء بمقام آبائی وطن برہیٹ، ضلع صاحب گنج، جھارکھنڈ۔

تعلیم وتعلم: ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ اس کے بعد وطن مالوف ہی میں واقع مدرسہ اصلاح المومنین عالیہ میں مکتب کی تعلیم مکمل کر کے مدرسہ شمس الہدیٰ دلال پور میں عربی کے چند درجات تک کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی جو اس وقت معہد التعلیم الاسلامی کے نام سے مشہور تھا، میں ۱۹۸۵ء میں ثالثہ متوسطہ میں داخل ہوئے اور یہاں تین سال تک علمی تشنگی بجھاتے رہے بالآخر ۱۹۸۷ء میں ثانیہ ثانویہ کی تعلیم مکمل کر کے جامعہ سلفیہ بنارس روانہ ہوگئے جہاں آپ نے فضیلت تک تعلیم مکمل کی، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مفتاح العلوم مئوناتھ بھنجن سے بھی سند فراغت حاصل کی اور دہلی میں قیام کے درمیان جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے عربی میں ڈپلومہ بھی کیا۔

ممتاز اساتذہ وشیوخ: آپ رحمہ اللہ نے کئی اہم اساطین علم وفن سے کسب فیض کیا۔ ان میں سے چند کے اسماء یہ ہیں: علامہ عبدالحمید رحمانی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری، مولانا رئیس الاحرار ندوی رحمہم اللہ، ڈاکٹر خلیل الرحمن مدنی، مولانا عاشق علی اثری، مولانا عزیز الرحمن سلفی، مولانا عبدالحلیم اور مولانا محمد ابراہیم حفظہم اللہ۔

درس وتدریس: فراغت کے بعد آپ سب سے پہلے دار الکتاب والسنۃ پان منڈی، صدر بازار دہلی میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس کے بعد جامعہ ریاض العلوم دہلی میں کچھ دنوں تدریسی خدمات انجام دیں۔ وہاں سے منتقل ہو کر ایک سالہ آپ کا تدریسی دور جامعہ ریاض العلوم میساڈوری، بیر بھوم بنگال میں گزرا، پھر وہاں سے آپ اپنی مادر علمی جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی میں تدریس کا فریضہ انجام دینے کے لئے تشریف لائے اور یہاں پر آپ نے مسلسل آٹھ سال تک پوری محنت وجانفشانی سے دیگر اضافی ذمہ داریوں کے ساتھ تدریس کا فریضہ انجام دیا، والدہ کی علالت کے سبب ان کی خدمت کی غرض سے وطن سے قریب رہنے کو ترجیح دی

اور بادل نخواستہ یہاں سے مستعفی ہونے پر مجبور ہوئے اور اپنے علاقہ کے گومانی سریکنڈ کے کلیہ ابوبکر صدیق اور کلیہ عائشہ میں پانچ سالوں تک تدریسی خدمات انجام دے کر والدین کی اجازت سے دوبارہ اپنی مادر علمی جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی کو زینت بخشی اور یہاں تقریباً تین سالہ مدت گزار کر والد کے حکم پر دوبارہ یہاں سے رحلت پر مجبور ہوئے اور ایک مدت تک کلیہ ابوبکر صدیق اور کلیہ عائشہ میں تدریسی سلسلہ کو بحال رکھا۔ وفات سے قبل مغربی چمپارن کے ایک مدرسہ منظر العلوم پرسا مرجدوا سے وابستہ ہوئے۔ رمضان میں آپ رحمہ اللہ مدرسہ کے تعاون کی خاطر دہلی تشریف لاتے تھے اور استاذ گرامی سے ملاقات کا حسین موقع دستیاب ہوتا رہتا تھا۔

شیخ رحمہ اللہ کا علمی مقام ومرتبہ: استاذ محترم بچپن ہی سے انتہائی محنتی طالب علم تھے، آپ کے ہم سبق ساتھی شیخ وسیم احمد سنابلی مدنی حفظہ اللہ جامعہ اسلامیہ سنابل میں آپ کے زمانہ طالب علمی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ہم طلبہ میں اپنی محنت، علم اور تواضع وخاکساری میں ممتاز تھے۔ ہمارے مابین نحو وصرف اور قواعد وغیرہ علوم میں مرجع سمجھے جاتے تھے، ساتھیوں کا مذاکرہ کرانا اور اسباق کے تعلق سے طلبہ کا آپ کی جانب رجوع کرنا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ کی محنت کا تذکرہ کرتے ہوئے استاذ الاساتذہ محترم ماسٹر محمد ثروت صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ لوگ کاغذات سے پھول بنانے کا ہنر سکھلانے کی غرض سے سنابل کے کیمپس میں آئے۔ وقفہ کی گھنٹی میں تمام اساتذہ وطلبہ میدان میں یکجا ہوئے اور ان کے جوہر دیکھ رہے تھے کہ کسی کلاس سے ایک طالب علم کے کچھ یاد کرنے کی آواز سنائی دی تو میں کلاس کی جانب گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تمام طلبہ کو چھوڑ کر صرف مولانا سعود صاحب کلاس روم میں اسباق یاد کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ دریافت کرنے پر آپ نے جواب دیا کہ کچھ سبق یاد کرنے سے باقی تھا اسے پورا کرنے کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکا۔ گویا امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد رشید یحییٰ بن یحییٰ الاندلسی کے قول کی روشنی میں کہ اندلس سے مدینہ اتنی دور کی مسافت طے کر کے ہاتھی دیکھنے نہیں آیا ہوں، آپ نے کہا کہ میرے والدین نے اتنی دور سے پھول پتی بنانے کے لئے نہیں بلکہ آپ ماہرین علم وفن سے کسب فیض کے لئے بھیجا ہے۔

زمانہ تدریس میں آپ کی ہمت اور بلند حوصلگی کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ذمہ داران کی جانب سے تفویض کردہ ہر فن سے متعلق مطول ومختصر کتابوں مثلاً عقیدہ، نحو، صرف، حدیث، تفسیر، بلاغت اور منطق وفلسفہ بلاچوں چرا کے قبول فرماتے اور پورے مطالعہ کے بعد ہی کلاس میں تشریف لاتے تھے۔ بسا اوقات آپ کی مفوضہ کسی نئی کتاب کے تئیں طلبہ آپ سے تبدیلی کا مطالبہ کرتے تو آپ انہیں جواب دیتے کہ اگر میں قبول کرنے سے انکار کردوں تو لوگ کہیں گے کہ سعود محنت سے جی چراتا ہے۔ آپ کے تعلق سے انگریزی کے استاذ محترم ماسٹر رخسار عالم صاحب کا وہ جملہ آج بھی یاد ہے، آپ فرماتے تھے کہ شیخ سعود صاحب اتنے سادہ لوح ہیں کہ انگریزی جس میں آپ کی دلچسپی بالکل نہیں ہے اگر اس کی تدریس کا آپ کو مکلف بنادیا جائے تو تھوڑی دیر تامل کے بعد اس کی تدریس کے لئے تیار ہوں جائیں گے۔ آپ سخت سردی وگرمی میں لائٹ ہو یا نہ ہو عصر بعد مکتبہ جامعہ یا اسٹاف روم میں اپنے کمرہ میں مغرب بعد اور عشاء بعد کچھ دیر تک اور فجر سے کافی پہلے اٹھ کر پوری عرق ریزی اور دماغ سوزی کے ساتھ محو مطالعہ نظر آتے تھے، جو اس دور کے طلبہ کے لئے مقام عبرت تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ صحیح مسلم جیسی کتاب کا طویل نصاب ہو یا کوئی اور کتاب، اوقات دوام میں ان کی

تدریس کا معاملہ ہو یا اضافی اوقات میں، آپ پوری سنجیدگی اور ہر ہر لفظ اور مسئلہ کی بابت بالاستیعاب گفتگو فرماتے۔ آپ کا درس انتہائی معلوماتی اور ہر گوشہ کو محیط ہوا کرتا تھا، ہر ہر سوال کا تشفی بخش جواب دیتے اور خارجی سوال سے متعلق آپ تھوڑی دیر خموشی اور اس کے بعد مختصر تمہید اور مدلل انداز میں پوری حاضر جوابی کے ساتھ جواب دیتے، اسلوب انتہائی نرالا اور اچھوتا ہوا کرتا تھا۔ جو آج بھی آپ کے تلامذہ کے ذہن پر نقش ہے۔ بعض دفعہ کچھ شوخ اور ظریف الطبع طلبہ آپ سے مسجع و مقفع جملے اور مشکل اردو کے الفاظ ومحاورات سننے کی غرض سے آپ کو کلاس میں غصہ دلانے کی کوشش کرتے، پھر کیا تھا؟ بہت سارے کاپی قلم لے کر اور بعض ویسے ہی ان دلچسپ باتوں کو نوٹ کرتے تھے۔ گویا آپ کو عربوں کی صحبت میں رہ کر عربی بول چال کا ماحول نہیں مل سکا لیکن نادی الطلبہ کی ہفتہ واری انجمن میں اشراف کے وقت جس طرح روانی اور طلاقت لسانی سے آپ طلبہ کی تقاریر اور تحریروں پر تبصرہ کرتے اور مفید وگرانقدر مناہج بحث سے طلبہ کو روشناس کراتے وہ آج بھی ذہن میں تازہ ہے۔

اخلاق وکردار: مولانا رحمہ اللہ انتہائی متواضع اور خاکسار انسان تھے، سادگی وسادہ لوحی آپ کی شخصیت کا جزء لاینفک تھا، طلبہ کی اصلاح وتربیت کے تئیں آپ انتہائی سخت تھے لیکن حد درجہ شفیق اور نرم دل بھی تھے۔ طلبہ کی غلطیوں پر زجر وتوبیخ اور بعد میں اپنے کمرہ میں بلا کر مخلصانہ انداز میں پند ونصیحت کرنا آپ کا معمول تھا۔ آپ طلبہ کی تعلیم وتربیت اور ان کے مستقبل کے تئیں اس قدر فکر مند رہا کرتے تھے کہ بسا اوقات جب کچھ طلبہ کی شرارتوں سے آپ بہت پریشان ہوجاتے تو عمید جامعہ سے ان کی شکایت پر مجبور ہوجایا کرتے تھے۔ عمید جامعہ آپ سے مطالبہ کرتے کہ آپ ان تمام کے نام دے دیں تاکہ ان کے خلاف کارروائی کی جاسکے تو اس پر آپ خاموش ہوجاتے کہ کہیں ان بچوں کا اخراج نہ ہوجائے اور میں ان کی تعلیم کے ترک کرنے اور ان کے مستقبل کو تاریک کرنے کا سبب بنوں۔ آپ کے حسن خلق اور تواضع کا اعلیٰ نمونہ آپ کی وفات سے ایک دو دن پہلے آپ کی بیماری کے عام ہونے کے بعد کا ہے کہ علاقہ کے بچے، بوڑھے، مرد وعورت، ہندو مسلم سبھی لوگ امنڈ پڑے اور ہر کوئی آپ کی بیماری کو لے کر پریشان نظر آرہا تھا بلکہ ایک غیر مسلم یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ مولانا کے علاج پر جو بھی خرچ آئے گا اس کی ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں، آپ لوگ ان کا اچھی طرح علاج کرائیں۔

شیخ رحمہ اللہ کی دینداری: آپ ایک انتہائی نیک طبیعت کے انسان تھے، والدین کے حد درجہ مطیع وفرمانبردار کہ ان کی اطاعت اور خدمت کی خاطر دو دفعہ آپ جامعہ اسلامیہ سنابل جیسے ادارہ میں اپنے من پسند علمی ماحول کو ترک کرنے پر مجبور ہوگئے۔ زمانہ تدریس میں کئی دفعہ کھانے کی میز پر اساتذہ وطلبہ کے عام کھانے میں اگر کبھی اساتذہ کے لئے کوئی خاص چیز دیکھتے تو ملازم پر ناراض ہوتے اور واپس کرا دیتے اور کہتے کہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرو کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کی ایمانداری کا یہ عالم تھا کہ بازار یا کہیں اور سودا کے لئے جاتے تو حسب معمول واپس ہونے پر پورے خرچ کا جائزہ لیتے تھے۔ آپ کے برادر نسبتی مولانا ضیاء الحق فیضی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں قیام کے درمیان دریا گنج جرمن میڈیکل اسٹور سے دوا لینے کی غرض سے آپ کا جانا ہوا واپسی پر جب آپ نے حساب کا جائزہ لیا تو پچاس روپئے زائد برآمد ہوئے تو آپ پریشان ہوگئے اور میڈیکل اسٹور پر موجود خاتون کو فون کر کے حقیقت حال

سے آگاہی چاہی۔ جب اس نے اپنے پورے دن کی آمدنی کا جائزہ لیا تو پچاس روپئے کم ہوئے تو آپ نے اپنے برادر نسبتی کو کہا کہ آپ یہ رقم کل لے جا کر میڈیکل اسٹور کے حوالہ کر دیں۔ آپ کی دینداری کا یہ عالم تھا کہ بچوں کی تعلیم کی بابت دینی تعلیم کے علاوہ کسی قسم کی تعلیم کے روادار نہ تھے۔ استاذ محترم ماسٹر محمد ثروت صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے موبائل فون سے بات کرتے تو کال طویل ہوتی یا قلیل ایک ایک پیسہ ادا کئے بغیر نہ رہتے اور یہی حال آپ کے دوسرے معاملات میں بھی تھا ؎

ایسے کہاں ملیں گے تمہیں نیک طبع لوگ
افسوس تم کو میرے سے صحبت نہیں رہی

مختصر یہ کہ آپ انتہائی بااصول، پابند صلاۃ، ہر وقت مطالعہ میں مشغول رہنے والے، طلبہ، اساتذہ اور عوام وخواص میں مقبول اور ہر دلعزیز تھے جس کی زندہ مثال آپ کی بیماری میں لوگوں کی امنڈنے والی بھیڑ اور پانچ ہزار سے زائد علماء، طلبہ اور عوام کا آپ کے جنازہ میں شرکت تھی۔ نیز کسی اہم عہدہ ومنصب، چھوٹی یا بڑی جمعیت یا بڑے مدرسہ سے عدم وابستگی کے باوجود تمام لوگوں کے یہاں عموماً اور آپ کے سنابلی خوشہ چیں طلبہ کے یہاں خصوصاً بلا رسمی اطلاع کے اچانک آپ کی وفات کی خبر جنگل میں آگ کی مانند پھیل گئی اور ہر خاص وعام آپ کی خوبیوں کے گن گانے لگا اور آپ کے حق میں دعاء ومغفرت کی صدائیں بلند ہوئیں۔

بیماری اور وفات حسرت آیات: آپ کے قریبی لوگوں کی جانب سے موصول اطلاع کے مطابق استاذ محترم رحمہ اللہ کے پیٹ میں ۴ مارچ بروز ہفتہ اچانک درد اٹھا (غالباً یہ درد اپنڈکس کا تھا) اور معمولی علاج کے بعد افاقہ ہو گیا لیکن چند ساعتوں کے بعد پھر سے دوبارہ درد شروع ہو گیا اور آپ کو ضلع مغربی چمپارن، کے ایک اسپتال میں علاج کے لئے لے جایا گیا، وہاں آپ کا الٹرا ساؤنڈ ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کی ایک آنت پھٹ گئی ہے، اس کے بعد ڈاکٹروں نے آپ کو پٹنہ ریفر کر دیا، وہاں ڈاکٹروں نے سرجری کا فیصلہ کیا لیکن آپریشن تھیٹر (O.T.) میں داخل کرنے کے بعد چیک اپ سے معلوم ہوا کہ دل نے حرکت کرنا بند کر دیا ہے۔ اس حالت میں سرجری کرنا ممکن نہیں ہے۔ ادھر چیک اپ ہو رہا تھا، سرجری کے ڈاکٹروں کی ٹیم موجود تھی مگر رب کو کچھ اور ہی منظور تھا، قضا حائل ہوتی گئی اور اپنے ہزاروں طلبہ، مستفیدین، ساتھیوں اور اعزاء واقرباء کو سوگوار چھوڑ کر ۸ مارچ ۲۰۱۶ء بروز منگل صبح ۶ بجے P.H.C. ہاسپیٹل، پٹنہ میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

پسماندگان: آپ رحمہ اللہ نے اپنے پیچھے اپنی بیوہ کے علاوہ پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑا ہے جن میں ابھی صرف بڑی بچی کو رشتۂ ازدواج سے منسلک کرا سکے تھے بقیہ سب بچے چھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے، ان کے اہل خانہ کی کفالت فرمائے اور شیخ کی لغزشوں کو درگزر فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے طلبہ کو آپ کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین۔

(ماہنامہ التبیان نئی دہلی، اپریل ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

مولانا خلیل الرحمن رحمانی جوار رحمت میں

مولانا عبدالحق عمری رمولانا عبدالودود مدنی

جمعیت اہل حدیث مدھیہ پردیش کے نامور عالم دین معروف شخصیت مولانا خلیل الرحمن رحمانی بتاریخ ۲۳ جولائی بروز سنیچر مختصر علالت کے بعد حرکت قلب بند ہونے سے ۸۶ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا عبدالودود مدنی حفظہ اللہ نے آپ کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ آپ فکری وتعمیری کارناموں کے لئے معروف تھے، جماعت وجمعیت اور منہج وعقیدہ ملت وانسانیت کے مخلص وہمدرد تھے، اصابت رائے ودور اندیشی کے لئے مشہور تھے سنجیدگی ومتانت وسادگی کے پیکر تھے۔

آپ کے دادا مولانا احمد اللہ صاحب پرتاپ گڈھی کے مشورہ پر آپ کو ہندوستان کی مشہور درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ میں داخل کیا گیا لیکن مدرسہ بند ہوجانے کی وجہ سے سند فراغت حاصل نہ کرسکے اور مدرسہ بھوپال میں تعلیم مکمل کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بلا اجرت ۴۰ سال اپنی بستی کی مرکزی مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ مدھیہ پردیش کے واحد اقامتی ادارہ مدرسہ فیض العلوم سیونی کے تادم حیات سرپرست رہے۔

ضلع جمعیت اہل حدیث سیونی کے دس سال امیر بھی رہے۔ صوبائی جمعیت مدھیہ پردیش کے امیر مولانا عبدالقدوس عمری وناظم عبدالصمد سوز وجملہ ذمہ داران واراکین صوبائی جمعیت نے نیز ذمہ داران مدرسہ فیض العلوم نے سخت رنج وغم کا اظہار کیا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اور پسماندگان، اعزہ واقارب کو صبر جمیل بخشے۔ آمیں۔ (عبدالحق عمری نائب ناظم صوبائی جمعیت ایم پی)

(جریدۃ ترجمان ۱۵۔ استمبر ۲۰۱۶)

جماعت کے بزرگ علماء کی قریب المنتہی کڑی مولانا خلیل الرحمن سیونی کا ۸۶ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ مولانا مرحوم دارالحدیث رحمانیہ کی یادگار کڑیوں میں سے تھے۔ آپ ۱۹۳۰ء میں موضع اری سیونی ایم پی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا محمد تقی مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی کے بھتیجے تھے۔ مولانا خلیل الرحمن رحمانی نے اپنے بھائی عطاء الرحمن کے ساتھ جامعہ رحمانیہ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۴۷ء میں واپس گھر آئے، حالات معمول پر آگئے تو دہلی گئے مگر مدرسہ رحمانیہ ندارد تھا۔ مدرسہ سید نذیر حسین محدث دہلوی میں داخلہ لیا اور آخر میں بھوپال سے تعلیم مکمل کی اور آپ مولانا مختار احمد ندوی کے ہم درس تھے۔ آپ نے تعلیم وتدریس اور دعوت وارشاد کا مرکز سیونی کو ہی بنایا تھا۔ آپ مدرسہ فیض العلوم سیونی کے تاحیات سرپرست رہے۔ آپ کی عزت وتوقیر علاقے میں مسلّم تھی۔ آپ کو مرجع خلائق کا درجہ حاصل تھا۔ کبر سنی میں بھی آپ نشیط تھے۔

عبدالودود مدنی رصدر مدرس مدرسہ فیض العلوم سیونی۔ (نوائے اسلام راگست ۲۰۱۶)

❑❑❑

باب پنجم

مرحومین أعیان جماعت و ہمدردان جمعیت ۲۰۱۶ء

جماعت کی بزرگ ہستی حاجی عباس صاحب پونہ نہ رہے

محسن جماعت جناب عبدالشکور بھائی رئیس پونہ وبرادران کو صدمہ

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

شہر پونہ ہندوستان کا ایک علمی وتمدنی شہر ہے اور پورے ملک میں اپنی تاریخی، تہذیبی اور کاروباری سرگرمیوں کی وجہ سے معروف ومشہور ہے۔ یہاں پر مسلمانوں کی قابل قدر آبادی ہے اور ان کی تعلیم گاہیں ہیں اعظم کیمپس اور دیگر ادارے اس کی عالمی شہرت کا ذریعہ ہیں۔ مگر بدقسمتی کہیئے کہ یہاں توحید وسنت اور خالص اسلام کی نمائندگی اور اس کی نشرواشاعت کی کوئی قابل ذکر تاریخ ہمیں دستیاب نہیں ہے۔ کم وبیش تیس چالیس سال پہلے یہاں توحید وسنت اور اس کی دعوت کا کوئی تذکرہ ڈھونڈنے سے نہیں ملتا حالانکہ اس فترہ میں یہاں مسلمانوں کی قابل قدر آبادی تھی۔ اللہ جزائے خیر دے گونڈہ، بستی، سدھارتھ نگر اور مشرقی ہندوستان کے ان اہل حدیث جیالوں کو جنہوں نے تین چار دھوں پہلے یہاں بغرض تجارت سکونت اختیار کی اور اپنی تجارت کے ساتھ ساتھ توحید وسنت کی نشرواشاعت اور اس کی دعوت کو عام کرنے کی فکرمندی بھی کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم یہاں دعوتی گہما گہمی بھی دیکھ رہے ہیں اور جماعت کی مسجدیں بھی بڑی تعداد میں آباد ہیں اور توحید وسنت کی دعوت بھی عام کی جارہی ہے۔ انہیں اہم شخصیات میں سرخیل اور قافلہ سالار کی حیثیت سے محسن جماعت جناب عبدالشکور صاحب رئیس پونہ وچیئرمین المنار اسکول کے والد محترم حاجی عباس صاحب بھی ہیں جنہوں نے اپنے فرزندان باوقار کے ساتھ شہر پونہ ومضافات میں توحید وسنت کی شمع روشن کی اور دھیرے دھیرے یہ شمع ایک عظیم تاریخ میں تبدیل ہوگئی اور اس کی روشنی سے پورا علاقہ منور ہوگیا۔ آپ کی کاوشوں کے نتیجہ میں مسجد اہل حدیث مورواڑی، جامع مسجد اہل حدیث اور المنار اسکول وشعبہ تحفیظ پوار بستی، مسلم قبرستان اور اس کے بعد کئی مسجدوں کا قیام عمل میں آیا اور آج بڑے پیمانے پر دعوت حق کی آبیاری کا کام چل رہا ہے۔ اور ان شاء اللہ العزیز آپ کی اور آپ کے فرزندان وافراد خانہ بالخصوص محسن جماعت عالی جناب عبدالشکور صاحب، ذکراللہ بھائی، حبیب بھائی اور دیگر احباب جماعت اور علماء بشمول مولانا سعید احمد سلفی، عبدالخالق بھائی اور پونے کی حالیہ سرگرمیوں کو نئی تحریک دینے والے برادرم ابوزید ضمیر ودیگر رفقاء کی کاوشیں تاریخ کے صفحات پر جلی حروف میں لکھی جائیں گی۔ اللہ قبول فرمائے۔

بڑے افسوس کے ساتھ یہ خبر لکھی جارہی ہے کہ جماعتی استحکام اور عظیم قربانیوں کے سرخیل حاجی عباس صاحب پونہ اب ہمارے

درمیان نہ رہے۔ اور ۵ جولائی ۲۰۰۹ء کو عمر کی ۷۵ بہاریں گزار کر اس دار فانی سے رخصت ہو کر مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اغفرلہ واسکنہ الفردوس۔ اللہ تعالیٰ فرزندان عالی وقار کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ذیل میں جریدہ ترجمان دہلی میں آپ کی وفات پر شائع شدہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

محترم عبدالشکور صاحب رئیس پونہ کے والد ماجد جناب حاجی عباس کا تقریباً ۷۵ سال کی عمر میں پونا مہاراشٹر میں ۲۹ رمضان مطابق ۵ جولائی ۲۰۱۶ء کو انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے صاحب زادگان میں عبدالشکور، ذکر اللہ اور حبیب صاحب ہیں اور تین بیٹیاں ہیں جن کی شادی ہو چکی ہے۔ تینوں بھائیوں کو اللہ نے دین ودنیا کی نعمتوں سے نوازا ہے اور دل کھول کر اپنی تجارت کے ساتھ نیکی کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں جماعتی کاموں میں ان تینوں حضرات کو کافی دلچسپی اور لگاؤ ہے اسی جماعتی لگاؤ کی بنیاد پر آپ تینوں بھائی ہمہ وقت کتاب وسنت کے فروغ کے لئے کوشاں رہتے ہیں، جماعت وجمعیت اور تعلیم وتعلم کے کاموں کو پروان چڑھا کر خوش ہوتے ہیں۔ اپنے والد ماجد کی حسن تربیت، تلقین وترغیب کی وجہ سے اللہ کے راستہ میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور ان کی نصیحتوں اور وصیتوں کی وجہ سے ہر طرح کے لایعنی امور سے گریز کرتے ہوئے دعوت وتبلیغ، علم دین اور عصری تعلیم کے نشر واشاعت میں سرگرداں رہتے ہیں، عدیم الفرصتی کے باوجود علماء، مدرسین، خطباء واعظین، فقراء اور مساکین کی دلجوئی اور دادرسی کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں، ان صاحبان کو جذبہ خیر، سخاوت وفیاضی، جماعت کی تعمیر وترقی کی لگن وفکر والد ماجد حاجی عباس صاحب سے ورثہ میں ملی ہے۔ ان کے بیٹوں کے علاوہ تین بیٹیاں ہیں آپ کے مالی صدقہ جاریہ کے علاوہ نیک اولاد بھی صدقہ جاریہ ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، مگر تین چیزوں کی وجہ سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے صدقہ جاریہ، نفع بخش علم اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔ (جریدہ ترجمان ۱۵۔ ۱/اگست ۲۰۱۶)

❑❑❑

میرے نانا مرحوم: الحاج عباس علی چودھری رحمہ اللہ پونہ

عبدالخالق خان پوار بستی پونہ

یہ خبر انتہائی المناک ہے کہ شہر پونہ کی ایک عظیم شخصیت جناب الحاج عباس علی چودھری (والد بزرگوار عالی جناب عبدالشکور چودھری و برادران) کم وبیش ۷۵ سال کی طویل عمر پا کر بتاریخ ۵ ر جولائی بروز منگل اچانک دل کا دورہ پڑنے سے اپنے دولت کدہ پر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف انتہائی دین پسند اور کتاب وسنت پر سختی سے عمل پیرا رہنے والے اور شعائر اسلام کے پابند تھے یوں تو آپ کی پیدائش ضلع سدھارتھ نگر کے ایک معروف گاؤں اجگرا میں ہوئی اور وہیں پروان چڑھے اور بڑے ہوئے مگر سن شعور کے بعد ہوش سنبھالا تو حالات اور زمانے کی مجبوری کی وجہ سے ممبئی کسب معاش اور روزی کی تلاش میں نکل پڑے۔ ۱۹۵۵ء کے آس پاس آپ ممبئی پارلا پہنچے۔ انتہائی محنتی اور لگن وجذبۂ عمل وال تھے، بڑی دلجمعی سے اپنا کاروبار شروع کر دیا اللہ نے راستے کھول دیئے، معاملات ہموار ہوتے گئے، ترقی کی راہیں کھل گئیں۔ روزی کمانے کے ساتھ ساتھ آپ نے بچوں کی تعلیم وتربیت پر کافی دھیان دیا۔ ایک طویل عرصہ یہاں گزارنے کے بعد ۱۹۹۶ء میں آپ پونہ چلے آئے اور یہیں پر تادم حیات زندگی گذاردی۔

پونہ آنے کے بعد آپ نے جماعتی اور دعوتی کاموں کی طرف توجہ دی۔ اور اس میدان میں کئی کارنامے نمایاں انجام دیئے ہیں ، سب سے اہم مورواڑی کے علاقے میں مسجد عمر بن خطاب کے نام سے ایک عظیم اور شاندار اہل حدیث مسجد ومرکز کا قیام ہے۔ آپ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پوار بستی میں المنار ایجوکیشن سوسائٹی اور مسجد اہل حدیث کی تعمیر اور اس کی تاسیس میں آپ کا بڑا اہم رول ہے۔ قبرستان نہ ہونے کی وجہ سے وہاں لوگوں کو کافی پریشانی تھی، چنانچہ موشی روڈ پر مسلم قبرستان کی خریداری اور تزئین میں آپ پیش پیش رہے۔ آج ایک وسیع وعریض اہل حدیث قبرستان پوری سہولیات کے ساتھ موجود ہے۔

آپ کا تعلق ایک دیندار اور اچھے گھرانے سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وسائل کی فراہمی بھی عطا کر رکھی تھی مگر تواضع اور خاکساری کے ساتھ زندگی گذاردی اور صوم وصلوۃ کے پابند رہے۔ اور نیکی وخیر کے کاموں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ انتہائی خلیق وملنسار اور کھلے دل ، مسکراتے چہرے والے ایک دردمند انسان تھے۔ فرائض کے ساتھ نوافل ومستحبات پر عمل پیرا رہا کرتے تھے۔ ایک لمبی عمر پائی اور عمل وکردار بلند رہا گویا کہ حدیث رسول من طال عمرہ وحسن عملہ کی آپ سچی تعبیر تھے، مگر موت سے کس کو رستگاری ہے۔ وقت پورا ہو گیا اور عمر کی ۷۵ بہاریں گزار کر رب العالمین کو پیارے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین۔

تقبل یارب العالمین۔

□□□

محسن جماعت الحاج عبدالقیوم کوڈیا جوارِ رحمت میں

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی (ممبئی)

جماعت اہل حدیث کے ایک بزرگ محسن مختلف مساجد ومدارس کے ٹرسٹی وبانی، صحاح ستہ ودیگر کتب حدیث پر سلفی تحشیہ کے اعداد وترتیب اوراس عظیم علمی مشن کے سرپرست وروح رواں جناب عبدالقیوم کوڈیا لکڑا والا ممبئی کا ۵ نومبر ۲۰۱۶ء کو کئی دنوں کی علالت کے بعد صبح ۸ بجے انتقال ہوگیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

آپ کی نماز جنازہ امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی مولانا عبدالسلام سلفی کی امامت میں ادا کی گئی اور ہزاروں سوگواروں کے ہجوم میں بعد نماز ظہر بڑا قبرستان مرین لائن ممبئی میں سپرد خاک ہوئے۔ ''خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را''

آپ کا مختصر سوانحی خاکہ افادۂ عام کے لئے ہدیۂ قارئین ہے۔

نام ونسب: عبدالقیوم بن سلیمان کوڈیا (عرف لکڑا والا)

آبائی وطن: جام نگر گجرات۔

تاریخ ومقام پیدائش: ۱۶؍جولائی ۱۹۴۰ء کو گھوگھاری محلہ پائید ہونی میں پیدا ہوئے۔

تربیت ونشوونما: ۱۹۴۱ء میں والد کی وفات ہوگئی، اس لئے نانا، نانی کی پرورش میں پروان چڑھے۔

۱۹۵۵ء میں نانا، نانی کے فوت ہونے کے بعد آپ کے ماموں نے آپ کی کفالت کی۔

۱۹۶۴ء میں ممبئی میں آپ کا نکاح ہوا اوراس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ۵ لڑکے اور چار لڑکیوں سے نوازا۔ آپ کے صاحبزادے سلیم بھائی کوڈیا شہر ممبئی کے ایک معروف تاجر اور جماعتی خدمت میں اپنے والد کے نقش قدم پر رواں دواں ہیں۔

تعلیم: (۱) ابتدائی تعلیم درجہ چہارم تک گجراتی میڈیم سے جام نگر گجرات میں حاصل کی۔

(۲) اس کے بعد پانچویں سے بارہویں تک کی تعلیم ممبئی میں مکمل کی، اس وقت کالجز اور اسکولوں میں فارسی کی بھی تعلیم ہوتی تھی۔ آپ نے فارسی بھی ساتھ ساتھ پڑھی۔

علماء کی صحبت اوراہل علم کی مجلسوں کے شائق تھے۔ رب العالمین نے آپ کو مشہور ومعروف محدث مولانا عبدالجلیل سامرودی کی بارگاہ علم میں پہونچنے کا موقع دیا۔ اور پھر اس قدر متاثر ہوئے کہ تقلید کی بندشوں سے نکل کر مسلک حق پر گامزن ہوگئے اور تاحیات اس کی خدمت میں لگے رہے۔

اکابرین علماء جن سے فیض یاب ہوئے: (۱) مولانا عبدالجلیل سامرودی، (۲) مولانا محمد داؤد راز (شارح بخاری)، (۳) مولانا مختار احمد ندوی، (۴) مولانا عبدالحمید رحمانی، (۵) ڈاکٹر عبدالعلی ازہری (لندن)، (۶) شیخ محمد عزیز شمس

(مکہ)، (۷) مولانا عبدالمتین میمن جوناگڈھی (بنگلور)، (۸) مولانا حامد میمن جوناگڈھی، (۹) مولانا یعقوب میمن جوناگڈھی، (۱۰) ڈاکٹر وصی اللہ عباس (مکہ)، (۱۱) ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، (۱۲) مولانا شیر خان جمیل عمری (لندن)، (۱۳) شیخ احمد (مدینہ) اوراس کے علاوہ دیگر اساطین علم وفن اور آپ سے ملاقات کے لئے آنے والے مہمان علماء وخطباء کی مجلسوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلکی غیرت اوراس کی نشرواشاعت کا رب العالمین نے آپ کو جذبہ فراواں عطا فرمایا اوراس کے مطابق خدمت دین کی توفیق بھی ملی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

خدمات وذمہ داریاں: (۱) مسجد غرباء اہل حدیث میمن واڑہ کے قیام کے بعد مولانا سامرودی کی ایماء پر آپ کو امیر جماعت منتخب کیا گیا اور کچھ سالوں تک آپ امیر رہے۔ (۲) گجرات کے مشہور شہر سورت میں واقع دارالعلوم محمدیہ عربیہ محلہ لوہار شری سنگرام پور کے صدر نشین رہے۔ (۳) جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں جیسی عظیم الشان دینی درسگاہ کی نظامت علیا کی ذمہ داری بھی کچھ دنوں تک بحسن وخوبی انجام دی۔ (۴) ۲۰۰۳ء میں مرادآباد یوپی میں جماعتی مدرسہ نہ ہونے کی وجہ سے لڑکیوں کا ایک ادارہ بنام ''مدرسہ فاطمۃ الزہراء'' اور دوسرا ادارہ بنام ''ماریہ گرلس انٹر کالج'' قائم کیا اور تاعمر اس کی نگرانی اور تعلیمی ترقی کے لئے وہاں گاہے بگاہے پیرانہ سالی کے باوجود آتے جاتے رہے۔ (۵) آپ کی سب سے عظیم خدمت جو ایک مشن اور تحریک کی شکل میں آپ نے شروع کیا تھا اور صحاح ستہ پر سلفی تحشیہ اوراس کی ترتیب واشاعت کے لئے اہل علم سے علمی خدمات کا حصول ہے جو ابھی تاحیات جاری تھی۔ اللہ کرے کہ آپ کا یہ مشن پایہ تکمیل کو پہنچے اور جماعت اس علمی اور تحقیقی خدمت سے بہرہ اندوز ہو۔

آپ نے ایک اشاعتی علمی مکتبہ دارالسلام کے نام سے قائم کیا تھا جہاں سے مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوچکی ہیں: (۱) ضوء المصابیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، (۲) الاتقان فی صحاح جامع شعب الایمان، (۳) مختصر شعب الایمان بنام ایمان محمدی، (۴) مجموعہ صحیح مشکوٰۃ المصابیح، (۵) زہرۃ ریاض الابرار مایغنی الناس عن حمل الاسفار، (۶) بلوغ المرام انگلش، (۷) وظائف محمدی، (۸) طلاق، (۹) نبی کی نماز، (۱۰) قوانین شرح محمدی، (۱۱) اللھم، (۱۲) ۳زبانوں میں قرآن وحدیث سے مزین اسلامی کیلنڈر، (۱۳) ان کے علاوہ انگریزی زبانوں میں کئی رسالے اور پمفلٹ بھی شائع کئے تھے، (۱۴) علامہ سامرودی کی شرح مشکوٰۃ بھی چھپوائی ہے جو مرکزی جمعیت سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ پر تحشیہ کی ذمہ داری بھی ماہرین فن اور اساطین علم کو دی تھی۔

صحیح ڈھنگ اور منظم طریقہ پر جماعتی کام کرنے کا جذبہ رکھتے ہوئے، کئی مرتبہ آپ کی مجلسوں میں بعض جماعتی امور کے متعلق حاضری کا موقع ملا، بے حد فقیہانہ اور حکیمانہ گفتگو کرتے اور طول طویل محنتوں سے بچتے ہوئے مسئلہ کی جڑ تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔ ایسے مواقع پر آپ کی جماعتی دردمندی، فکرمندی، اور حق وانصاف پر مبنی گفتگو قابل دید اور مستند تھی۔ جب بھی ملاقات ہوتی بڑی قدردانی، اہل علم کے تذکرے اور جماعتی کام اوراس کی ترقی اور تنظیم کے تئیں بھرپور بحث وگفتگو ہوتی۔ رب العالمین آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

وفات: ۵رنومبر ۲۰۱۶ء صبح ۸ر بجے رب العالمین کا بلاوا آگیا اور ہزاروں نیک خدمات سمیٹے اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین۔ ❑❑

آہ! محسن جماعت اسماعیل لکڑاوالا اب نہ رہے

مقصود علاء الدین سین

عروس البلاد ممبئی کی مشہور و معروف شخصیت اسماعیل بھائی لکڑاوالے یوں تو غرباء جماعت سے جڑے تھے اور برسوں تک ممبئی میں اس کے میر کارواں رہے، مگر ہمیشہ بحیثیت ایک توحید پرست جماعت اہل حدیث اور اس کے مساجد واداروں اور دعوتی وتعلیمی کاموں کو پسند کرتے تھے اور کافی تعاون فرماتے تھے اور سب سے بڑی خوبی یہ کہ اپنے پورے خانوادہ کی اسی طرح تربیت کی تھی۔ انور بھائی، ابراہیم بھائی، عثمان بھائی و دیگر اخوان آج بھی اپنے دینی جذبات اور جماعت کے دعوتی واشاعتی مشن سے مضبوط تعلق رکھنے اور ہمہ وقت اس کی مدد کرنے کے لئے مشہور و معروف ہیں۔ اور جماعتی کاموں اور اس کے استحکام میں کافی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

رب العالمین آپ کے والد ماجد کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے اور تمام بھائیوں کو دنیا وآخرت کی رحمتیں وبھلائیاں عطا فرمائے۔ آمین (مرتب)



۱۲ر نومبر عصر بعد کوکن اسلامک لائبریری کھیڈ، رتنا گیری میں شیخ عبدالواحد انور یوسفی و دیگر ذمہ داران کے ساتھ مرکز الدعوۃ کے مسائل پر تبادلہ خیال کر رہا تھا کہ تقریباً پانچ بجے برادرم ایاز قاضی کا فون آیا اور انہوں نے یہ غمناک خبر سنائی کہ جناب اسماعیل بھائی لکڑا والا کا ابھی تھوڑی دیر پہلے انتقال ہوگیا ہے۔ بے ساختہ زبان سے "انا للہ وانا الیہ راجعون" کے کلمات نکلے۔

تھوڑی دیر بعد پھر ان کے صاحبزادے انور لکڑا والا صاحب کا فون آیا انہوں نے بھی یہی خبر دی اور کہا مولانا عبدالسلام سلفی صاحب کا فون نہیں لگ رہا ہے تم انہیں خبر دیدو کہ تدفین رات نو (۹) بجے ہوگی۔ میں نے بتایا کہ مولانا عبدالسلام یوپی کے سفر پر ہیں اور میں کوکن میں ہوں، تو وہ بولے کوئی بات نہیں آپ اپنی ترتیب سے آیئے کوئی جلدی مت کیجئے، پھر بھی میں نے فوراً ریلوے اسٹیشن جا کر ٹرین پکڑنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

اسماعیل بھائی کافی دنوں سے علیل تھے اور بستر پر ہی تھے۔ میری آخری ملاقات ۵ر نومبر کو جناب عبدالقیوم لکڑا والا کی تدفین کے بعد امیر جمعیت شیخ عبدالسلام سلفی، عبدالحمید خان، شیخ محمد مقیم فیضی، شیخ عنایت اللہ مدنی، شیخ محمد رحمانی، شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی کے ہمراہ ہوئی تھی جب ہم سب ان کی عیادت کے لئے ان کے گھر گارڈن ہال ناگپاڑہ گئے تھے، اس وقت وہ غنودگی کی حالت میں تھے۔

متوسط قد، چہرے پر سفیدی شرعی داڑھی، سفید قمیص اور پتلون، سر پر ٹوپی، اسلامی وضع قطع کے پابند اور بارعب شخصیت کے

مالک تھے اسماعیل بھائی لکڑاوالا۔

ان کا پورا نام اسماعیل محمد لکڑاوالا ہے، صوبہ گجرات کے ضلع راجکوٹ کے رین گاؤں میں ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے، اور دس سال تک وہیں رہ کر چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی، اور ۱۹۵۰ء میں اپنے والد کے ساتھ ممبئی آئے ممبئی آنے کے بعد دو تین سال تک تعلیم حاصل کی، غالباً ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ پھر والد صاحب کے ساتھ لوہے کا کاروبار کرنے لگے اور کچھ عرصہ بعد خود اپنا Buliding Demolitaion کا کام شروع کیا، پھر پرانے لکڑے اور پترے وغیرہ کا کام بھی شروع کیا۔ جری مری، کرلا، ممبئی مختلف جگہوں پر دکانیں کھولیں، ایک عرصہ بعد ان کی اولاد موسیٰ، انور، عثمان وغیرہ بھی کاروبار سے جڑ گئے تو کرلا میں فوزیہ ہسپتال قائم کیا، نیز کنسٹرکشن کمپنی قائم کر کے تعمیراتی کام بھی کرنے لگے، ممبئی کے مختلف علاقوں میں کئی ٹاور اور بلڈنگیں تعمیر کی ہیں، ان کی اولاد اب بھی اسی پیشے سے جڑی ہوئی ہے۔

یہ تھی ایک جھلک ان کی شخصیت اور کاروباری زندگی کی، اب دینی خدمات کے حوالے سے کچھ یادیں و باتیں سپرد قلم کرتا ہوں۔

اسماعیل بھائی پہلے حنفی دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، ۱۹۷۰ میں ابو بھائی تیلی (یوسف بھائی کے بڑے بھائی) کے ذریعہ اہل حدیث ہوئے، اہل حدیث ہونے کے بعد مولانا عبدالجلیل سامرودی رحمہ اللہ، ان کے بیٹے مولانا عبدالرحمن سلفی و مولانا عبدالواحد صدری دہلوی رحمہ اللہ سے قریبی تعلق رہا اور ان ہی سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس لئے جماعت غرباء اہل حدیث سے منسلک ہو گئے بلکہ بنیادی ذمہ داران میں سے رہے، اور زندگی بھر جماعت کی خدمت بھی کی، دعوت و تبلیغ اور دین کی نشر و اشاعت کا اچھا جذبہ رکھتے تھے، اسی لئے انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے ابراہیم کو جامعہ محمدیہ منصورہ میں داخل بھی کرایا تھا لیکن وہ وہاں تعلیم مکمل نہیں کر سکا۔ اہل حدیث ہونے کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کے تعاون سے مدرسہ محمدیہ و مسجد اہل حدیث میمن واڑہ، مسجد اہل حدیث کلیان بلڈنگ گرانٹ روڈ، چیتا کیمپ، گولی بار سانتا کروز، جوگیشوری، گوریگاؤں، ملاڈ، ممبرا، اناپ ہل وڈالا، نیرول، گھوگھا مسجد (گجرات) وغیرہ قائم کیا اور ان مساجد و مدارس کو تکمیل تک پہنچایا۔ اسی طرح سورت سنگھرامپورہ کے مدرسہ اور احمد آباد کی جماعت کی بھی بنیادی مدد اور رہنمائی کرتے رہے۔ ممبئی میں جماعت اہل حدیث کے شایان شان اپنے خرچ پر ایک بڑا ادارہ قائم تو کر سکتے تھے لیکن اس کو سنبھالنا ایک بڑا کام ہے اس سے بہتر ہے کہ جماعت کے جو ادارے ہیں ان کو مضبوط کیا جائے اور صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی کے دعوتی کام میں تعاون کر کے اسے بڑھایا جائے۔ اس کے علاوہ دینی و فلاحی اور تعلیمی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور حتیٰ المقدور تعاون بھی کرتے تھے۔ ممبئی کے المومنہ گرلز اسکول کے قیام کے ابتدائی دنوں میں بھی اپنا تعاون اور مشورہ ذمہ داران کو دیتے تھے، جس سے ان کے حوصلے بڑھے۔

کوئی ضرورتمند پہنچتا تو اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے تھے کبھی کسی ضرورت مند خصوصاً علماء کے بارے میں ان کو معلوم ہوتا کہ ان کی مالی حالت اچھی نہیں ہے تو ان کو وقتاً فوقتاً مالی مدد ان کے طلب کیے بغیر بھی بھیجتے تھے، جو دور دراز رہتے ان کو بینک سے ٹرانسفر کرواتے، گجرات کے بعض حصوں احمد آباد وغیرہ میں قربانی کا بھی نظم کرتے تھے، اسی طرح کئی غریب طلباء کی کفالت بھی کرتے۔ کبھی اقامتی

مدارس میں کھانا یا اناج بھی بھجواتے۔ کچھ لوگوں کو میرے ذریعہ بھی نقدی وغیرہ بھجواتے تھے، کاش اس کا کوئی ریکارڈ موجود ہوتا تو وہ تاریخ کا حصہ بن جاتا لیکن اللہ کے یہاں سب درج ہے وہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے ان شاء اللہ۔

ویسے میں پچھلے سولہ (۱۶) سالوں سے حصول معاش کے لئے ان کے صاحبزادے انور لکڑا والا کے ساتھ ان کی کمپنی سے جڑا ہوں، لیکن اسماعیل بھائی سے میرے تعلقات تقریباً ۲۳ رسالوں سے ہیں، اس لئے میں ان کو بہت قریب سے جانتا ہوں، مجھے ان کے ساتھ گجرات، دہلی، یوپی وغیرہ کا سفر بھی کرنے کا موقع ملا ہے۔

ان کی ایک بہت بڑی اور قابل ذکر خوبی یہ بھی تھی کہ جب کبھی ملک کے کسی بھی حصہ سے کوئی نئی مسجد یا مدرسہ کی تعمیر کے سلسلے میں تعاون کے لئے ان کے پاس کوئی آتا تو اس سے ساری تفصیلات لے کر اپنے تئیں تحقیق کرتے اور کام کی تصدیق ہونے پر خود تو بھرپور تعاون کرتے ہی تھے اپنے مخلص ساتھیوں خصوصاً یوسف بھائی تیلی، عبدالقیوم لکڑا والا، اقبال مکوانہ (جواب اس دنیا میں نہ رہے اللہ انہیں غریق رحمت کرے) اور عبدالقیوم گوشت والا وغیرہ سے بھی تعاون دلاتے تھے۔ کبھی فون کر کے پوچھتے اور ان کا تعاون بھی خود ہی ادا کرتے پھر ان سے لے لیتے۔ (جس سے ضرورت مند کا کچھ حد تک کام بھی ہوتا اور کسی کسی کا تو پورا کام ہو جاتا تھا) اور کبھی کبھی ادارہ کے ذمہ داران سے بات کر کے ان ہی کے پاس براہ راست بھیج دیتے۔

آج سے تقریباً بیس سال قبل میں نے بھی مرکز الدعوہ کے لئے سونس کھیڈ میں جگہ لی تھی تو مولانا عبدالحق قاسمی رحمہ اللہ کے کہنے پر ان کے پاس گیا تھا مجھے بھی اسی طرح اپنے ساتھیوں سے لے کر اور خود ملا کر ۲۰۰۰۰ (بیس ہزار) روپئے دیئے تھے اس وقت میرے لئے یہ بہت بڑا کام تھا اور مجھے بھی باقی پچاس ہزار کی رقم جمع کرنے میں حوصلہ ملا۔

ان کی اور ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ وسیع دل و دماغ کے مالک تھے، کئی جگہ کے جھگڑے اور اختلاف ختم کرنے اور صلح کرانے میں بڑا رول ادا کرتے تھے، ان کے وسیع دل و دماغ کا ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کے اور ان کے لڑکے انور لکڑا والا کے عمل اور جماعت کے لوگوں و علماء سے تعلق و اچھے برتاؤ اور کوششوں سے غرباء اہل حدیث اور جمعیت اہل حدیث کے درمیان بعض مسائل کے اختلاف کی وجہ سے جو دوری تھی وہ بہت حد تک کم ہوئی، اور اب دونوں جماعتوں کے بیچ کافی خوشگوار تعلقات ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے تیسرے صاحبزادے عثمان لکڑا والا صاحب صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے تین میقات سے خازن ہیں۔

صوبائی جمعیت کے امیر مولانا عبدالسلام سلفی صاحب سے بھی ان کا خصوصی تعلق تھا، بعض معاملات میں وہ مولانا عبدالسلام سلفی سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے، اور مرحوم کے مولانا یعقوب جونا گڑھیؒ، مولانا مختار احمد ندویؒ اور مولانا عبدالحمید رحمانیؒ، مولانا عبدالحق قاسمیؒ، مولانا محمد امین ریاضی، قاری نجم الحسن فیضی، مولانا حیدر (گجرات) جیسے جمعیت و جماعت کے متعدد علماء سے ان کے اچھے تعلقات تھے جن کی ایک طویل فہرست ہے۔ مولانا مختار احمد ندوی نے کئی سال پہلے ایک لمبے عرصہ بعد جماعت کا پروگرام کیا تھا اس میں بھی اسماعیل بھائی پیش پیش تھے۔

ویسے عمومی طور پر جماعت کے اجتماعات اور کانفرنسوں میں شرکت کا شوق رکھتے تھے، دور دراز ممبئی کے باہر دہلی، گجرات اور کوکن

وغیرہ کے بھی جلسوں میں جاتے تھے بلکہ اس میں بھرپور تعاون کرتے بھی تھے۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی ''دین رحمت کانفرنس'' کے موقع پر جلسہ گاہ میں خود حاضر ہوکر انہوں نے اپنی سائٹ کے مزدوروں کو بلاکر عارضی وضوخانہ استنجا خانہ اور باتھ روم بنوایا تھا اور عوام کے لئے کھانے کا بھی انتظام کرایا تھا۔

صوبائی جمعیت کا موجودہ آفس بھی انہی سے خریدا گیا تھا جس کا محل وقوع بہت اہم ہے اور وہ ایک قیمتی پراپرٹی تھی لیکن جمعیت کے لئے انہوں نے بہت ہی مناسب اور رعایتی قیمت پر دیدیا۔ اور اس میں اپنی طرف سے بھی گراں قدر تعاون فرمایا۔

بہت سی یادیں اور باتیں قابل ذکر ہیں لیکن یہ یاداشت اتنی مضبوط ہے اور نہ ہی قلم میں بہت زیادہ پختگی ہے کہ بروقت اور بہ عجلت کچھ تفصیلی مضمون لکھ سکوں۔

الغرض اسماعیل بھائی لکڑا والا پوری زندگی کاروبار کے ساتھ جماعت کی خدمت میں مشغول رہے، اپنی زندگی میں صوبائی جماعت غرباء اہل حدیث ممبئی کے دس سال ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۸ء تک امیر رہے اور پھر ایک لمبے عرصہ ۱۹۸۸ء سے ۲۰۱۰ء تک خازن بھی رہے۔

جماعت غرباء اہل حدیث کے علاوہ گجراتیوں کی گھانچی جماعت میں بھی ان کا ایک مقام ومرتبہ تھا، اس جماعت کے بھی پندرہ سے بیس سال صدر رہ کر ۲۰۰۵ء میں مستعفی ہوئے۔

زندگی کے آخری سالوں میں چار سال قبل ۲۰۱۲ء کو دل کا آپریشن ہونے کے بعد ان کی طبیعت پہلے جیسی نہ رہی، دن بدن طبیعت ڈھلتی گئی، آخری چند ماہ بستر علالت پر ہی رہے اور بالآخر قانون الٰہی (**كل نفس ذائقة الموت**) (الانبیاء) کے تحت ۱۲ر نومبر عصر بعد تقریباً (4:40pm) کو داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

موت کے قانون کا پابند قانون حیات
موت کی زد میں بہر لحظہ ہے پوری کائنات

انتقال کے بعد ان کے لڑکوں نے فیصلہ لیا کہ تجہیز وتکفین اور قبر کی تیاری میں جتنا وقت درکار ہے اس کے بعد تدفین کی جائے گی اور عشاء بعد نو (۹) بجے تدفین کے وقت کا اعلان کیا۔ جو عین سنت کے مطابق تھا کہ میت کی تدفین میں تاخیر نہ کی جائے۔ نماز جنازہ حافظ فیاض بصر نے پڑھائی۔

انہوں نے اپنے پیچھے ایک اہلیہ، پانچ لڑکے، (۱) موسیٰ (۲) انور، (۳) عثمان، (۴) محمد، (۵) ابراہیم اور دو لڑکیاں (۱) سلمہ (۲) فاطمہ نیز دو پوتے، گیارہ پوتیاں، دو نواسے اور چار نواسیاں چھوڑی ہیں۔ اللہ سب کو صبر کی توفیق دے۔

تمام لڑکے اللہ کے فضل سے والد محترم کی طرح دین مسلک اور جماعت کی فکر کرنے والے اور معاون ہیں، اللہ سب کو ثابت قدم رکھے اور مرحوم کے درجات کو بلند کرے اور ان کی تمام نیکیوں کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔

❑❑❑

والد مرحوم کی یاد میں

الحاج عبدالمعبود محمد بشیر خان ملگہیا، سدھارتھ نگر

ولادت: ۱۹۲۰ء وفات: ۸/ جولائی ۲۰۱۶ء

نام ونسب: عبدالمعبود بن محمد بشیر بن محمد گلاب (بابا) خان۔

سن ولادت: ۱۹۲۰ء تقریباً

خاندانی پس منظر:

گلاب بابا اوران کے دیگر اخوان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اہل خاندان کی طرف سے ظلم وجور بڑھتا گیا اوراس طرح یہ لوگ دین وایمان کی حفاظت کے لئے ’گوما‘ اسٹیٹ اترولہ میں اپنی زمینداری اور بھاری جائیداد چھوڑ کر ہجرت اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اس میں کچھ اپنے قریبی تعلق کی وجہ سے بڑھنی کے علاقہ میں اس زمانے کے مشہور چودھری بال جی (والد پپو چودھری) کے یہاں نوکری چاکری کرنے لگ گئے اور کچھ لوگ بجوا بیروا اور کچھ اونرھوا ضلع بلرام پور میں جابسے۔ محمد گلاب بابا کل پانچ بھائی تھے:

(۱) میرن بابا، (۲) سلیمان بابا، (۳) لالو بابا، (۴) جانے بابا، (۵) گلاب بابا۔

میرن بابا بجوا بیروا میں آباد ہوئے اور آج ان کا خاندان اوران کی نسل وہاں آباد ہے جو کسی زمانے میں مشہور ماہر فرائض مولانا عبدالرحمان بجواوی کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا اور دیگر تین بھائی سلیمان بابا، لالو بابا اور جانے بابا اونرھوا میں آباد ہوئے جو ضلع بلرام نزد پچپڑوا بازار ایک مشہور ومعروف اہل حدیث گاؤں ہے اور گلاب بابا بال جی چودھری کے مشہور اسٹیٹ واقع بڑھنی کے پاس آباد ہوئے، رفتہ رفتہ وہاں کی غیر آباد زمینوں کو خریدا اور آباد کیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں اپنی محنت ومشقت اور ایمانداری کی وجہ سے پورا قبیلہ زمیندار بن گیا۔ علاقے کے غیر مسلم زمینداروں کو یہ چیز راس نہ آئی کئی مرتبہ لڑائی جھگڑے ہوئے، قتل تک کی نوبت آگئی، مقدمات دائر کئے گئے مگر بفضل الٰہی کامیابی گلاب بابا اوران کے ابناء اور اہل قبیلہ کو ملی۔ چنانچہ یہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اپنی استقامت اور ثبات قدمی کی وجہ پورے علاقے میں بے حد مقبول ہوئے۔ رفتہ رفتہ اہل علم اور علماء ودعاۃ جماعت سے وابستگی بڑھی اور علماء کے قافلے یہاں آنے جانے لگے۔ اوراس طرح پورا خاندان صحیح عقیدہ اور سنت رسول کا شیدائی بنا اور مسلک اہل

حدیث کا داعی ومنادھوا۔ بڑھنی کے علاقے میں چونکہ مولانا اظہر شاہ بہاری متوفی ۱۹۲۵ھ کی دعوتی واصلاحی کاوشوں کے حسین تذکرے تاریخ اہل حدیث کے صفحات پر نقش ہیں اور جو کچھ بھی توحید وسنت کی باد بہار چلی ہے سب آپ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے اس کے بعد اس علاقے میں مولانا عبدالرحمان بجواوی (تلمیذ محدث عبدالرحمن مبارکپوری) جو کہ جماعت کے ماہر الفرائض عالم دین مانے جاتے تھے اور آپ کے مولد ومسکن بجوا گاؤں جو بڑھنی جھنڈانگر سے دس کلومیٹر اور ملگہیا سے چار کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے وہاں میاں سید نذیر حسین کے تلامذہ میں سے مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا محمد بشیر سہسوانی تشریف لاچکے تھے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی اور مولانا محمد یوسف شمس فیض آبادی (۱۳۰۰ھ۔۱۳۵۷ھ) تو بارہا اس علاقے میں تشریف لایا کرتے تھے۔ ۱۹۱۸ء میں مولانا محمد یوسف شمس فیض آبادی بڑھنی میں بغرض مناظرہ تشریف لائے اور بریلویوں اور احناف کو شکست دی۔ ۱۹۲۷ء میں اجلاس منعقد بڑھنی میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، محدث کبیر علامہ محمد عبدالرحمن مبارکپوری، مولانا محمد جونا گڈھی، مولانا ابوالقاسم محمد سیف بنارسی، مولانا عبدالتواب غزنوی جیسی عظیم المرتبت شخصیتوں کی شرکت ہوئی۔

(کاروان سلف جلد اول ص:۱۷ یادگار مجلہ ص:۵۵،۵۶، تذکرۃ نعمت ص:۹۲)

اسی روح پرور اور ایمان افزاء ماحول میں اس خاندان کی نشوونما ہوئی اور والد صاحب کی پیدائش ہوئی۔ اور توحید خالص اور سنت صحیحہ کی محبت اور اتباع میں پروان چڑھے۔

اہل علم اور جماعتی علماء سے لگاؤ:

۱۹۲۰ء میں آپ کی پیدائش ہوئی اور سن تمیز کے اوائل میں ۱۹۲۷ء کو بڑھنی میں عظیم الشان کانفرنس ہوئی جس میں مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کی آمد کا غلغلہ تھا۔ والد صاحب کا بیان ہے کہ اس اجلاس میں اپنے والد محمد بشیر اور دیگر اہل خاندان کے ساتھ شریک رہے اور ان کے ساتھ مولانا امرتسریؒ کی پالکی دیکھنے کا بھی انہیں موقع ملا مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا محمد اسحاق رحمانی، (چیونٹھوا) مولانا محمد حسن رحمانی (اونرھوا) مولانا عبدالجلیل رحمانی (ششہنیاں) مولانا امر اللہ عارف سراجی (کونڈراگرانٹ) مولانا پنجابی، مولانا رامپوری نیز ماہر فرائض مولانا عبدالرحمن بجواوی جیسے اساطین علم وفن کے زیر سایہ ہمیشہ جماعت ومسلک سے وابستگی رہی اور انہیں اکابرین کے نقوش زندگی سے توحید وسنت کی روشنی اخذ کرتے اور فیضیاب ہوتے رہے۔

اللہ کا فضل ہے کہ دینی، جماعتی اور سماجی ماحول میں پرورش وپرداخت کی وجہ سے آپ کو علاقہ میں بڑی عزت وقدردانی ملی، جس کی وجہ سے پورے علاقے میں دور دراز تک اور متعلقین ورشتہ داران میں مناسب پنچایتی فیصلوں کے لئے جانے پہچانے اور بلائے جاتے تھے۔ علاقے کے چھوٹے بڑے سیاست دانوں کے یہاں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اہل علم علماء، دعاۃ سے وابستگی، علماء نوازی، علم دوستی اور جماعت وملت کی بہی خواہی وہمدردی آپ کے رگ وریشے میں کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ستر، اسی، نوے کی دہائیوں میں ہمارا گھر اہل علم کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری (بنارس) مولانا رئیس الاحرار ندوی (بنارس) مولانا ابوالعرفان محمد

عمر سلفی (بونڈیہار) مولانا عبدالحنان فیضی (جھنڈانگر) مولانا عبدالمبین منظر (سمرا) مولانا محی الدین (تلسی پور) مولانا عبدالحمید رحمانی (دہلی) مولانا عبدالرؤف رحمانی (جھنڈانگری) مولانا عبدالقیوم رحمانی (دودھونیاں) قاری عبدالمنان (شنکرنگر) مولانا ابوالبرکات (جھنڈانگر) اور مولانا عبداللہ مدنی (جھنڈانگر) رحمہ اللہ اجمعین جیسے اساطین علماء اور اس کے علاوہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے بیشتر اساتذہ بالخصوص مولانا مختار احمد مدنی، مولانا عبدالرشید سلفی، مولانا فضل حق مدنی، مولانا سلیم الدین مدنی (مرحوم) مولانا عبدالمنان سلفی، مولانا خورشید احمد سلفی، ودیگر علماء کی آمد سے ہمیشہ ہمارے گھر رونق رہا کرتی تھی۔ ایک زمانہ تھا کہ جب آپ کی علم دوستی مولانا منیر احمد خان (ہمارے چچازاد وخالہ زاد بھائی جواب مرحوم ہو چکے ہیں) کے واسطے ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری جیسی عظیم المرتبت اور قلیل الاسفار شخصیت کو اپنے گھر کھینچ لائی۔ ۱۹۸۲ء کے آس پاس ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری (مرحوم) اپنے بچوں سمیت تقریباً ہفتہ دنوں تک ہمارے گھر پر قیام پذیر رہے اور اپنے علم وعمل سے لوگوں کو فیضیاب کرتے رہے۔

مولانا رئیس الاحرار ندوی، مولانا محمد عمر سلفی (بونڈیہار) سے دوران تدریس جھنڈانگر میں آپ سے بے حد گہرے روابط تھے اور یہ دونوں بزرگان اپنے قدوم میمنت سے ہمارے گھر اور گاؤں کو رونق پہنچاتے رہے، اور اس طرح آپ کی پوری زندگی علماء کی صحبت، قدردانی، علم دوستی اور جماعت وجمعیت سے وابستہ رہی۔ اور ہمیشہ توحید خالص اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشر واشاعت اور اس کی خدمت میں لگے رہے۔ اور ملک میں ہونے والی بڑی چھوٹی تمام جماعتی کانفرنسوں میں شریک رہتے۔

گاؤں کے مدرسہ کی تعمیر وترقی اور انجمن تعلیمات دین سے وابستگی:

۱۹۶۲ء میں ہمارے یہاں مکتب کا قیام عمل میں آیا تو اس میں پیش پیش رہے، اور زندگی کے آخری وقت تک (بیماری کے آخری دس سال چھوڑ کر) ہمیشہ اس کی ذمہ داری سنبھالتے رہے گاؤں میں جامع مسجد اہل حدیث کی تعمیر، قبرستان کی زمین اور اس کی نگرانی نیز عیدگاہ کی تعمیر وتوسیع میں آپ نے گاؤں اور اہل خاندان کو ساتھ لے کر ہمیشہ قائدانہ کردار ادا کیا۔ اور تاحیات بچوں کی دینی تعلیم اور مکتب کی تعمیر وترقی میں لگے رہے اور انہیں جذبات کے پیش نظر انجمن تعلیمات دین کے بانی قاضی عدیل عباسی اور انجمن کے دیگر ضلعی اراکین سے ذاتی مراسم تھے ایک عرصہ تک انجمن کے ممبر بھی تھے، میٹنگوں میں جایا کرتے تھے، ہمارے یہاں مکتب کا سالانہ امتحان انجمن ہی کی نگرانی میں ہوا کرتا تھا۔

اسی طرح بڑھنی بازار کے چوراہے پر جب آبادی بڑھی اور وہاں لوگوں کو جمعہ جماعت کے لئے ایک مسجد کی ضرورت پیش آئی تو (بیرہوا) کے مرحوم ماسٹر عبدالمعبود کو ساتھ لے کر مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ سے بتوسط ڈاکٹر عبدالمبین خاں ایک مسجد کی تعمیر کے لئے بجٹ منظور کروانے میں کامیاب ہوئے اور الحمدللہ شاندار مسجد قائم ہوگئی جہاں ایک مدرسہ اصحاب صفہ کے نام سے جاری وساری ہے۔

الغرض دین محمدی اور اسلامی تعلیم کے بے حد دلدادہ تھے اور پورے علاقے میں مکتبی نظام تعلیم کے خواہاں اور اس کی تحریک میں ہمیشہ شریک کار تھے۔ اپنی اولاد، پوتے پوتیوں اور دیگر اہل خانہ کو ہمیشہ عمل صالح کی تلقین کرتے، خلاف شرع کام پر بے حد ناراضگی

بلکہ حد درجہ نفرت کا اظہار کرتے اور انسانیت نوازی کی تعلیم دیتے، آپ کی یہ عادت مبارکہ رہی کہ ہمیشہ دوسروں کے دکھوں کو اپنے سکھوں پر فوقیت دیتے اور بیواؤں، یتیموں کے ساتھ غمگساری کرتے اور طلبہ وعلماء کی بے حد قدر دانی کرتے تھے۔ ۱۹۹۶ء میں حج بیت اللہ اوراس کی زیارت سے سرفراز ہوئے اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے میرے ساتھ عزیزیہ کی جامع مسجد میں ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اللہ تعالی قبول فرمائے۔

بیماری اور وفات:

کافی عرصے سے پروسٹیٹ یعنی پیشاب میں غدود کی بیماری کا عارضہ تھا۔ اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے مگر دواعلاج چلتا رہا اور چلتے پھرتے رہے اور دن کی نمازیں مسجد میں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ قضاء آ پہنچی، یکم جولائی ۲۰۱۶ء مطابق ۲۷/رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ کو اچانک بیمار پڑے، لکھنؤ لے جایا گیا، وہاں ایڈمٹ تھے صحت یاب ہوگئے اور واپس گھر لائے گئے پھر دو تین دنوں کے بعد ۸/جولائی ۲۰۱۶ء بروز جمعہ واپس طبیعت بگڑی، لکھنؤ لے جانے کی تیاری تھی مگر اس بار آپ نے خلاف عادت سختی سے منع کر دیا۔ بلا آخر شام سورج ڈھلے موت اور اس کی کٹھن گھڑیوں کو جھیلتے ہوئے مسلسل تسبیحات اور توبہ واستغفار کے کلمات ورد کرتے ہوئے اس جہان فانی سے رخصت پذیر ہو گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

اللہ مغفرت فرمائے اور ہمیں آپ کا سچا جانشین بنائے آمین۔

دوسرے دن ۹/جولائی بروز سنیچر ۲۰۱۶ء کو تدفین عمل میں آئی اور اپنے گاؤں کی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ کے پسماندگان میں چھ بیٹے خاکسار عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی، مولانا عبدالرشید سراجی وغیرہم ہیں اور کئی پوتے پوتیاں ہیں جن میں عبدالسلام شکیل سلفی مدنی جو جالیات سعودی عرب میں داعی ہیں اور عزیزم جنید احمد رحمانی جو مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کررہے ہیں، اللہ سبھوں کو نیک توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی۔ ممبئی
۲۰ دسمبر ۲۰۱۷ء

❑❑❑

استاذ گرامی ماسٹر ابوذر رحمہ اللہ نئی دہلی: مختصر سوانحی خاکہ

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

استاذ گرامی علامہ عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے قائم کردہ ادارے معہد التعلیم الاسلامی ومرکز ابوالکلام آزاد کے اوائل مدرسین میں ہمارے استاذ ماسٹر ابوذر رحمہ اللہ بھی تھے۔ جو انگریزی زبان وادب کے ساتھ اردو پر بھی بہترین عبور رکھتے تھے اور مکمل اسلامی وضع قطع کے ساتھ عصری علوم کی تدریس میں رواں دواں رہتے تھے۔ معہد کے ابتدائی قیام کے زمانے میں ۱۹۸۴ سے ۱۹۸۷ء تک خاکسار کو بھی آپ سے خوشہ چینی کا شرف ملا اور جن اساتذہ کرام اور ان کی صلاحیتوں سے میں متاثر رہا ان میں آپ کا نام اور آپ کی صلاحیت بھی میری نگاہوں میں ہمیشہ گردش میں رہا کرتی تھی۔ معہد سے نکلنے کے بعد بھی آپ سے ہمیشہ دہلی آتے جاتے ملاقات رہی۔ وہی رنگ وروپ وہی اسلامی ماڈل اور وہی طرز گفتگو بڑا اچھا محسوس ہوتا اور سکون کا ذریعہ بنتا، ایسی مرنجان مرنج طبیعتیں آج کے زمانے میں عنقا نظر آتی ہیں، رب العالمین سے دعا ہے کہ آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ آپ کی مختصر سوانح ہدیہ قارئین ہے، امید کہ باعث استفادہ ہوگا۔

نام ونسب: آپ کا نام آخر الزماں بن انور حسین خاں ہے بعد میں رحمانی رحمہ اللہ نے آپ کا نام بدل کر ابوذر رکھ دیا اور اسی نام سے بعد میں مشہور ہوئے۔

پیدائش وآبائی وطن: ۶ جولائی ۱۹۶۱ء کو اپنے آبائی وطن برگدوا سیف، پچپڑوا، ضلع گونڈہ حال بلرامپور میں پیدا ہوئے۔

تعلیم ولیاقت: ۱۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ ۲: ۱۹۷۵ء میں ہائی اسکول، لوک مانیہ تلک انٹر کالج پچپڑوا گونڈہ سے پاس کیا۔ ۳: ۱۹۷۷ میں انٹرمیڈیٹ ایم پی بی انٹر کالج بلرام پور سے پاس کیا۔ ۴: بی اے ۱۹۸۲ء میں اودھ یونیورسٹی فیض آباد سے مکمل کیا۔ ۵: بی ایڈ ۱۹۸۸ء میں اتکل یونیورسٹی بھونیشور اڑیسہ سے کیا۔ ۶: آپ اردو ہندی وانگریزی زبانوں پر عبور رکھتے تھے اور بڑی اچھی صلاحیت کے مالک تھے۔ ۸: طریقہ تدریس بڑا انرالاعمدہ اور اچھوتا تھا اور افہام وتفہیم وطلبہ پر کمانڈ کی صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ انتہائی سنجیدہ اور منکسر المزاج اور حساس وذہین انسان تھے۔

خدمات وذمہ داریاں: ۱: ۱۹۷۷ - ۱۹۸۲ء تک جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر نیپال میں مدرس رہے۔ ۲: ۱ اگست ۱۹۸۲ء سے تاحیات معہد التعلیم الاسلامی جوگابائی دہلی، مرکز ابوالکلام آزاد اور اس کے ذیلی اداروں بالخصوص جامعہ اسلامیہ سنابل سے وابستہ رہے اور تدریس وتعلیم کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور یہیں پر وفات بھی ہوئی۔ ۳: مرکز کے ماتحت ادارہ کے مقدمات اور اس کی قانونی چارہ جوئی بھی آپ کے ذمہ تھی۔ ۴: پراپرٹی وجائداد اور اسکے ساتھ شعبۂ تعمیرات کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ ۵: مرکز کے

حساب وکتاب اور واؤچرس کی چیکنگ وتصدیق بھی کیا کرتے تھے۔ ۶: مرکز کے ذیلی ادارہ خدیجۃ الکبریٰ پبلک اسکول کے اسسٹنٹ منیجر بھی تھے۔ ۷: ابوالکلام آزاد بوائز اسکول ابوالفضل انکلیو کے منیجر بھی برسوں رہے۔

وفات: ۱۲؍اگست ۱۹۸۲ء سے لے کر ۲۴ نومبر ۲۰۱۵ء تک آپ مسلسل مرکز اور اس کے اداروں سے وابستہ رہے اور اسکے بعد بیمار ہوگئے، علاج ومعالجہ چلتا رہا بالآخر ۲۰؍اگست ۲۰۱۶ء کو ۵۵ سال کی عمر پوری کرکے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اللہ مغفرت فرمائے اور اعلی علیین میں جگہ عطا کرے۔ آپ کی نماز جنازہ جامعہ اسلامیہ سنابل کے وسیع گراؤنڈ میں مولانا محمد رحمانی نے پڑھائی اور بٹلہ ہاؤس قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ (ماخوذ از ماہنامہ التبیان دہلی ستمبر ۲۰۱۶ء؍مجلہ سنابل نئی دہلی ۲۰۱۶۔ ۲۰۱۷)



باب ششم

علمائے موجودین ۲۰۱۶ء

محسن ملت ڈاکٹر بہاء الدین محمد سلیمان حفظہ اللہ تعالیٰ

مولانا شیر خان جمیل احمد عمری برطانیہ

یہ مضمون مولانا شیر خان جمیل عمری حفظہ اللہ نے ارسال کیا ہے۔ موصوف جماعت کے نامور عالم دین ہیں اور فی الوقت برطانیہ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے نائب ناظم ہیں۔ آپ کے قابل قدر کارناموں میں سے ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ کے جماعتی تاریخ اور تحریک ختم نبوت کے موسوعی عمل واشاعت میں معاونت، اشراف اور ہر طرح کی مواد فراہمی اور اس عظیم عمل کی تکمیل میں بھر پور حصہ داری ہے۔ آپ کے شکریہ کے ساتھ یہ مضمون سالنامہ ۲۰۱۶ء میں شامل اشاعت ہے۔ (مرتب)

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد!

معزز قارئین! ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر جن کا قلمی نام ڈاکٹر محمد بہاء الدین ہے، بابائے تبلیغ حضرت مولانا عبداللہ گورداسپوریؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ تقسیم ہند سے کچھ عرصہ قبل دھاریوال ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں وڑائچ میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد آپ اپنے والدین کے ساتھ پاکستان منتقل ہو گئے۔ کچھ عرصہ رائے ونڈ میں رہنے کے بعد مستقل طور پر بورے والا (ضلع ملتان) میں جابسے۔

آپ نے صرف ونحو اور ابتدائی دینی تعلیم، ترجمہ قرآن پاک، بلوغ المرام اور مشکوٰۃ شریف تک اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور قاری خدا بخش سہارنپوری سے قرآن کریم ناظرہ پڑھا، ساتھ آپ نے عصری تعلیم بھی جاری رکھی، ۱۹۶۸ء میں بورے والا ڈگری کالج میں اول آنے پر گولڈ میڈل حاصل کیا، پھر پنجاب یونیورسٹی لاہور میں دو سال پڑھ کر علوم اسلامیہ میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور پورے پنجاب کے طلبہ میں امتحان میں اول پوزیشن حاصل کر کے یونیورسٹی گولڈ میڈل کے مستحق ٹھہرے۔ معلوم رہے کہ اس وقت پورے پاکستانی پنجاب میں صرف ایک ہی یونیورسٹی تھی۔ اسی یونیورسٹی میں ایک سال عربی کی مزید تعلیم حاصل کر کے فرسٹ ڈویژن میں ایم اے کر کے ڈبل ایم اے ہو گئے۔

ایم اے عربی کی تعلیم کے دوران ہی آپ کو جامعہ سلفیہ لائل پور (حالیہ فیصل آباد) میں انگریزی کے استاد کی حیثیت سے متعین کیا گیا، ساتھ میں جامعہ سلفیہ لائبریری کے انچارج کے ساتھ ساتھ طبع وتالیف کا بھی ذمہ دار بنا دیا گیا۔ اس موقع کو غنیمت جان کر آپ نے جہاں اس لائبریری میں موجود بیشتر کتب کھنگال ڈالیں، وہیں اس کی ترتیب وتزوید تنظیم اور ترقی میں بہت اہم رول ادا کیا۔

طبع وتالیف کے شعبہ سے آپ نے تھوڑے سے عرصہ میں درجن بھر کتابچے مختلف عنوانات پر شائع کروائے جن میں اسلام کا تصور قانون از مولانا غلام احمد حریری، مروجہ ماتم حسین اور اس کی شرعی حیثیت از مولانا محمد صدیق کرپالوی، برصغیر پاک وہند میں تحریک اہل حدیث اور اس کی خدمات از مولانا محمد اسماعیل سلفی، پروفیسر عبدالقیوم، شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت از پروفیسر محمد سلیمان اظہر، اہل حدیث کی نمایاں شخصیات از منیر احمد ایم اے گوجرانوالہ، اہل حدیث کی نمایاں شخصیات، از پروفیسر محمد سلیمان اظہر، برصغیر میں تعلیم وترویج حدیث از پروفیسر محمد سلیمان اظہر، عیدالاضحیٰ کے احکام ومسائل از مولانا محمد داؤد غزنوی۔ عیدالفطر کے احکام ومسائل از مولانا محمد اسماعیل سلفی وغیرہ شامل ہیں۔

فیصل آباد (لائل پور) قیام کے دوران عمیرا کیڈیمی کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ بنایا جس کے تحت کشف الاسرار بجواب نعیم الابرار، اورام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ شائع کیں۔ بعد میں منہاج السنہ کے نام سے طبع وتالیف کا ایک ادارہ بنایا، اس کے لیٹر پیڈ پر آپ کی ایک قلمی تحریر حال ہی میں ڈاکٹر عبدالرشید اظہر مرحوم کے کاغذات میں سے تلاش کر کے ان کے صاحبزادے حافظ مسعود حفظہ اللہ نے صاحب تحریر کو ارسال فرمایا ہے۔

بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے سیالکوٹ اور لاہور کے مشہور سرکاری کالجز میں بھی تدریسی فرائض انجام دیئے، لاہور کے قیام کے دوران آپ نے کالجوں اور نیورسٹیوں میں زیر تعلیم اہل حدیث طلباء کو منظم کرنے کے لئے کام کیا کیونکہ اہل حدیث جماعت کی کوئی ایسی تنظیم موجود نہ تھی جو عصری تعلیم کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کام کرتی ہو، ڈاکٹر صاحب نے جماعت کے اکابرین کے سامنے اس ضرورت کو اجاگر کیا اور جب وہ ایک ایم اے کرنے کے بعد دوسرے ایم کے طالب علم کی حیثیت سے یونیورسٹی اور اورینٹل کالج لاہور کے وولنر ہوسٹل میں مقیم تھے آپ نے مجلس طلباء ملت کے نام سے ایک تنظیم کی داغ بیل ڈالی اور لاہور کے مختلف تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم اہل حدیث طلباء کو اکٹھا کر کے اس کے انتخابات کروائے جس کی خبر ہفت روزہ اہل حدیث لاہور کے اپریل ۱۹۷۱ء کے ایک شمارے میں شائع ہوئی۔ یہی تنظیم بعد ازاں نام کی تبدیلیوں کے متعدد مراحل سے گزر کر اہل حدیث یوتھ فورس کی پیشرو ہے۔

اسی طرح پاکستان میں مدارس سلفیہ کے وفاق کی تجویز بھی آپ ہی نے سب سے پہلے تحریری شکل میں جماعتی قائدین کے سامنے پیش کی جو اخبار اہل حدیث لاہور میں شائع ہوئی۔ چند سال بعد انہی کے مجوزہ خطوط پر وفاق المدارس سلفیہ کا قیام عمل میں آیا جو ایک تن آور درخت بن چکا ہے۔

۱۹۷۶ء میں آپ کی تعیناتی اسلامیہ یونیورسٹی بہاؤلپور میں ہوگئی جہاں آپ تاریخ اسلام اور تقابل ادیان کے مضامین ایم اے کے طلباء کو پڑھاتے رہے۔ حکومت پاکستان نے ۱۹۷۹ء میں آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے برطانیہ بھیجا اور آپ نے اڈنبرا یونیورسٹی سکاٹ لینڈ میں ۱۹۸۳ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور حسب معاہدہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاؤلپور پاکستان لوٹ گئے۔ تین سال بعد دوبارہ برطانیہ تشریف لا کر اڈنبرا یونیورسٹی میں پوسٹ ڈاکٹورل فیلو کی حیثیت سے وابستہ ہو کر کئی سال تک ریسرچ کرتے رہے۔ اسی دوران

۱۹۸۷ء میں مولانا محمود احمد میر پوری ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی دعوت وشدید مطالبہ پر جمعیت کے ساتھ منسلک ہوکر جمعیت کے انگریزی ماہنامہ سٹریٹ پاتھ کی اڈیٹنگ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ڈاکٹر صاحب پنجاب یونیورسٹی اور اینٹل کالج میں مولانا محمود میر پوری کے نہ صرف معاصر تھے بلکہ بڑے قدرداں تھے اور مولانا میر پوری آپ سے تحقیقی و تصنیفی خدمات لینا چاہتے تھے بالخصوص انڈیا آفس لائبریری میں تحریک آزادی میں اہل حدیث کا جولٹریچر موجود ہے اس کی تلاش وجستجو کا کام لینا چاہتے تھے لیکن کارحادثے میں ان کی شہادت کے بعد کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا۔

ڈاکٹر صاحب طالب علمی کے دور ہی سے تقریر وتحریر کے میدان میں ممتاز رہے ہیں۔ہائی اسکول کی تعلیم کے دوران آپ نے سکول میں بیسٹ اوریٹر کا ایوارڈ حاصل کیا، ڈگری کالج کے میگزین الفرید کے اڈیٹر رہے، اور اس میں آپ کا انگریزی میں Predestination کے زیرعنوان ایک مضمون شائع ہوا۔

ایم اے اسلامک سٹڈیز میں آپ نے کم ازکم دوسیمناروں میں مقالات پیش کئے۔ایک مقالہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منسوب تدوین فقہ والی کمیٹی کے بارے تھا، اور ایک وہابی تحریک پر تھا، ثانی الذکر مقالہ بعدازاں ترمیم واضافات کے ساتھ اہل حدیث اور دیگر رسائل وجرائد میں شائع ہوتا رہا اور جامعہ سلفیہ سے بھی بصورت کتابچہ شیخ محمد عبدالوہاب اوران کی دعوت کے عنوان سے شائع ہوکر مقبول عوام ہوا۔ایم اے کے دوران ہی آپ کا ایک مقالہ یورپی علم وفن پر مسلم اثرات کے عنوان سے ہفت روزہ اہل حدیث میں شائع ہوا۔

آپ نے مضامین ومقالات بے شمار ہیں جن میں سے چندایک کے نام یہاں درج کئے جاتے ہیں:

- شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اوران کی دعوت
- وہابی تحریک، حدیث نجد، شریف مکہ
- تحریک ختم نبوت میں مولانا محمد حسینؒ بٹالوی کی خدمات
- سرگزشت یہود، یہود کا مذہبی لٹریچر
- کنعان کنعانیوں کا ہے، فلسطین فلسطینیوں کا ہے،
- تحریک ختم نبوت، حقائق کے آئینے میں،
- تحریک آزادی کی تاریخ مسخ کرنے کی کوشش،
- حضرت عیسیٰؑ انجیل کے آئینہ میں،
- حضرت عیسیٰؑ تاریخ کے آئینہ میں،
- عہد رسالت کے قریش کی حربی صلاحیت،
- عبدالمطلب اور بنوخزاعہ کا باہمی معاہدہ اور عہد رسالت میں اسکے اثرات
- شاہ احمد رضا خان
- مولانا فضل حق خیرآبادی،
- خلیفہ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیقؓ کتب شیعہ کی روشنی میں
- پیغمبر ﷺ کا وصی کون؟،
- انیسویں صدی کی واحد سیاسی جماعت
- سیدہ ام کلثومؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
- علم نحو کا آغاز وارتقاء
- امام دارالھجر ۃ
- حضرت خضر علیہ السلام
- حضرت موسیٰ علیہ السلام
- جنگ بدر میں حضرت عباسؓ کی شرکت کی نوعیت

- قلب بدر مہمات کے شرکاء اور مقاصد،
- سید احمد شہیدؒ کا سر کہاں دفن ہے
- تحریک ختم نبوت کے گم شدہ اوراق
- مہر علی گولڑوی یا محمد حسین بٹالوی
- ۱۹۰۰ء میں لاہور کا جلسہ عام
- تحریک ختم نبوت میں غزنوی علماء کا کردار
- غزنی کا سید
- جامع اموی دمشق
- حیات جاوید سے ایک اقتباس
- سید نذیر حسینؒ دہلوی: برصغیر میں اگر وہابی نہ ہوتے
- یہ الہامات اور پیش گوئیاں
- بنی اسرائیل کا مذہبی لٹریچر
- وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا
- تاریخ اہل حدیث کی تدوین: وقت کی اہم ضرورت
- مقدمۃ اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام
- مولانا محمود حسنؒ اور ان کی ایضاح الادلہ
- عہد رسالت کے مکہ میں قحط
- برطانوی ہند میں تنسیخ جہاد کی بحث
- تحریک ختم نبوت کے ابتدائی دو سال

تحریک ختم نبوت کا میر کارواں کون؟

- مباحثہ دیوبند
- شیخ الکل کا سفر حج اور مقلدین کا متحدہ محاذ
- بالاکوٹ سے چمرقند
- اصحاب ثلاثہ کا سفر دہلی
- کوفیوں کے خطوط کدھر گئے؟
- محمد حسین بٹالوی اہل حدیث کی ایک ناقابل فراموش شخصیت
- ابلیس کی حقیقت و ماہیت
- آیا تھا جب مزاج ترا امتحان پر
- مدرسہ رحیمیہ دہلی
- اہل حدیث اور اہل الرائے
- آئینہ نبوت پر تبصرہ
- مرزا صاحب دہلی میں یا گیدڑ شہر میں
- کیا حضرت عمرؓ نے سزائے قطع ید منسوخ کر دی تھی؟
- شیخ الاسلام مولانا محمد حسینؒ بٹالوی نے سید نذیر حسینؒ سے مرزا قادیانی کے کفر کا جو فتوی حاصل کر کے اشاعۃ السنہ میں شائع کیا تھا اسے مرتب کیا جو بعد ازاں مکتبہ سلفیہ لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا۔

ڈاکٹر بہاؤالدین صاحب کا پہلا پروجیکٹ: تحریک ختم نبوت

آج سے تقریباً دو دو ہائیوں قبل کی بات ہے کہ برطانیہ کے ایک اردو اخبار میں تحریک ختم نبوت کے حوالے سے ایک مضمون شائع ہوا جس میں مضمون نگار نے علمی اور تاریخی خیانت کرتے ہوئے تاریخ بیانی کے بجائے تاریخ سازی کی کوشش کی تھی، اس پورے قصے کا خلاصہ یہ تھا کہ صاحب مضمون نے تحریک ختم نبوت کے کام کو نہ صرف ایک مکتب فکر کا کام ٹھہرا دیا تھا بلکہ یہ تاثر دیا تھا کہ کسی دوسرے مسلک کے حامل بزرگوں نے اس ضمن میں کوئی کام کیا ہی نہیں ہے۔ یہ سراسر غلط بیانی تھی تاریخ سازی تھی۔ مورخ اہل حدیث ڈاکٹر محمد بہاؤالدین صاحب اس مضمون کو پڑھ کر کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے جنہوں نے اپنی جوانی اسلامی

تاریخ اور تحریک ختم نبوت کی تاریخ کو پڑھنے میں لگادی تھی جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اپنی جوانی ہی میں تاریخ اہل حدیث اور تحریک ختم نبوت پر بہت کچھ لکھ کر جماعتی وغیر جماعتی اہل علم کو حیران کر دیا تھا۔ بہر حال تاریخ سازی کا یہ مضمون ڈاکٹر صاحب نے کیا پڑھ لیا تھا کہ آپ کا ایمان اور مسلکی غیرت آپ کو جھنجھوڑ رہی تھی کہ اس غلط بیانی کی تصحیح ہو اور تاریخی ریکارڈ، کو درست کیا جائے، **اودھر اللہ مسبب الاسباب** کی ذات کریمی آپ سے کام لینے کا فیصلہ کر چکی تھی چنانچہ تحریک ختم نبوت کی تاریخ کے ریکارڈ، کو درست کرنے کی خاطر آپ نے قلم تھام لیا اور برطانیہ میں اس موضوع پر آپ کے کام کا یہی نکتہ آغاز بنا لہٰذا اس موضوع پر پہلا جوابی مضمون بصورت پہلی قسط ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم کی زینت بنا اور اس کے بعد یہ سلسلہ مضامین ساٹھ قسطوں میں شائع ہو کر ۶ سال بعد بند ہو گیا لیکن ڈاکٹر صاحب کا ماننا تھا کہ صراط مستقیم میں شائع ہونے والی قسطیں محض سفر کا آغاز تھیں ابھی آپ کو اس سفر کی کئی منزلیں طے کر کے ساحل تک پہنچنا تھا منزل تو بہت دور اور بہت کٹھن تھی لیکن یقین مانئے یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی کام جذبہ واخلاص سے ہو تو اللہ اس میں نہ صرف خیر و برکت نازل کرتا ہے بلکہ اس راہ کی منزلیں آسان فرما دیتا ہے **والذین جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا** (العنکبوت:۶۹) اللہ جل شانہ کی نصرت غیبی نے اس دشوار گزار سفر کو آسان کر دیا۔ آج تحریک ختم نبوت کی تقریباً ۷۵ جلدیں تیار ہو چکی ہیں پاکستان سے ۳۸ جلدیں ڈاکٹر صاحب نے اپنے صاحبزادے چوہدری محمد سہیل اظہر کے اہتمام سے شائع کروادی ہیں اور انڈیا میں مرکزی جمعیت اہل حدیث نے ۲۴ جلدیں شائع کر دی ہیں جب کہ ۵۳ جلدیں پہلے ہی ویب سائٹ پر اپ لوڈ ہو چکی ہیں۔

تحریک ختم نبوت میں ماہنامہ اشاعۃ السنہ کی کم وبیش آٹھ جلدیں سما چکی ہیں، مولانا بٹالوی نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ انہوں نے ردقادیانیت میں دو ہزار صفحات لکھے ہیں، یہ عظیم کام اب پھر سے محفوظ ہو چکا ہے۔

اسی طرح شحنہ ہند میرٹھ کے ضمیموں میں تقریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل کام ردقادیانیت کے ابتدائی دور کا ہے اس میں کم وبیش ڈیڑھ ہزار صفحہ از سر نو محفوظ ہو چکا ہے، مجلہ ضیاء السنہ کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اس میں بھی ردقادیانیت پر کافی کام ہے ہمیں ضیاء السنہ تقریباً سارے کا سارا مل گیا ہے لیکن ردقادیانیت پر کام اس میں بہت محدود ہے شائد دس صفحات سے بھی کم ہے، جسے محفوظ کر دیا گیا ہے، ہفت روزہ اخبار اہل حدیث امرتسر میں ردقادیانیت پر بے پناہ کام موجود ہے، اسے کم وبیش سولہ جلدوں میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔

امرتسر کے مجلہ مبلغ میں بھی ردقادیانیت پر کام ہے اسے بھی اللہ کی مہربانی سے سلسلہ کتب کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

یہ کام فی الحال ۱۸۹۱ء سے ۱۹۴۷ء (تقسیم ہند) تک یعنی ستاون برس کی روداد ہے اور تا حال نامکمل ہے۔

ڈاکٹر بہاؤالدین صاحب کا دوسرا پروجیکٹ تاریخ اہل حدیث:

ڈاکٹر بہاؤالدین محمد سلیمان اظہر کا دوسرا پروجیکٹ تاریخ اہل حدیث ہے۔ سب سے پہلے میں بتادوں کہ تاریخ اہل

حدیث دراصل تاریخ اسلام ہے۔آج سے تقریباً دس سال قبل کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ اجتہاد ورائے کے مقابلے میں حدیث پیش کرنے والوں کی زبان کھینچ لی جاتی تھی۔نماز میں رفع سبابہ پر انگلی کاٹی جاتی تھی رفع الدین کرنے والے حدیث پر عمل کرتے ہوئے سینے پر ہاتھ باندھنے والے اور آمین بالجہر کہنے والوں کو زدوکوب کیا جاتا تھا قرآن وحدیث پیش کرنے والوں کو مساجد سے نکالا جاتا تھا،ان کے کتابچوں کو جس پریس نے چھاپا ہے اس کو بھی جلا دیا جاتا تھا الغرض یہ بہت تلخ اور طویل داستان ہے ان حالات میں برصغیر میں جن نفوس مقدسہ نے قرآن وحدیث پر عمل کیا اور اس کی دعوت دی یہ دراصل اسلام کی حفاظت کا کام تھا قرآن وحدیث کی اشاعت کا کام تھا۔آج انہی بزرگوں کی کاوشوں اور قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ برصغیر میں قرآن وحدیث کا چلن عام ہوا ہمارے اسلاف نے ماریں کھا کے، تکلیفیں اٹھا کر کتاب وسنت کی بالا دستی اور ترویج کے لئے جو کاوشیں اور محنتیں کی ہیں آج اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف قرآن وحدیث کا بول بالا ہے۔

جب تحریک ختم نبوت کی چند جلدیں انڈیا اور پاکستان میں شائع ہوئیں تو دنیا بھر سے مسلک اہل حدیث سے وابستہ اہل علم نے ڈاکٹر صاحب سے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ چلتے قلم کو روکے بغیر تاریخ اہل حدیث مرتب کر دیں۔ادھر بہت پہلے مکہ مکرمہ سے میرے مخلص ڈاکٹر عزیر شمس صاحب حفظہ اللہ نے ڈاکٹر صاحب کو خط لکھ کر اس کا مطالبہ کیا تھا آپ کے خط کے مشمولات میں سے چند سطریں پیش کر دیتا ہوں آپ لکھتے ہیں: افسوس کہ اب تک جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان سے پوری تصویر سامنے نہیں آتی،عربی انگریزی حتی کہ اردو میں بھی کوئی ایک کتاب ایسی نہیں جس میں اہل حدیث کا مجمل ہی سہی لیکن مکمل خاکہ ہو۔اس وقت میری نظر میں اہل حدیث کی تاریخ لکھنے کا کام آپ سے بہتر اور کوئی نہیں کر سکتا۔

بہر حال مجھ سمیت بہت سارے بزرگوں کے مطالبہ پر ڈاکٹر صاحب نے اللہ کے بھروسے تاریخ اہل حدیث پر کام کرنا شروع کر دیا الحمدللہ اب تک تقریباً پندرہ جلدوں یعنی دس بارہ ہزار صفحات پر مشتمل مواد کمپوز ہو چکا ہے ہندوستان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے اب تک سات جلدیں شائع کر دی ہیں جب کہ پاکستان میں مکتبہ اسلامیہ لاہور وفیصل آباد نے چار جلدیں شائع کر دی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے تحریک ختم نبوت اور تاریخ اہل حدیث پر اب تک جو کام کیا ہے اس کو بمصداق قول رسول: **یوضع له القبول**، دنیا کھلے الفاظ میں اعتراف کر کے ڈاکٹر صاحب کو خراج تحسین پیش کر رہی ہے ہر طرف سے آپ کے حق میں دعائیں کی جا رہی ہیں اور کئی اہم شخصیات نے تقریظات تبصرے اور تجزیئے لکھے ہیں۔اس موقع پر صرف ایک بزرگ شخصیت کا لکھا گیا ایک تجزیہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ماہنامہ محدث بنارس کے ایڈیٹر،اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کے خاندان کے چشم وچراغ،استاد الاساتذہ مولانا ابوالقاسم فاروقی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

آزادی کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ تصنیف وتالیف کے میدان میں سب سے بڑا کارنامہ ڈاکٹر بہاؤالدین حفظہ اللہ نے انجام دیا

کہ وہ علمائے اہل حدیث کے تصنیفاتی اور صحافتی سرمایہ کے ایک بڑے حصے کو جمع کر کے شائع کر رہے ہیں، یہ ایک غیر معمولی پروجیکٹ ہے جس کے لئے یورپ اور امریکہ میں بڑی بڑی اکیڈیمیاں قائم ہیں کمال یہ ہے کہ وہ اکیلے ہی اپنے بل بوتے پر یہ جوئے شیر نکال رہے ہیں۔ وہ خود ہی رہبر ہیں اور خود ہی کارواں۔ ان کے اس عظیم کارنامے نے علماء کی بازیافت کا ایک ٹرینڈ اور رجحان پیدا کر دیا ہے ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۱۹۸۰ء سے قبل ہمارے پاس مطبوعہ اور مدون تذکرے چند ہی تھے مولانا ابو یحیی امام خان نوشہروی کا تذکرہ علمائے حدیث جو ماضی قریب کے شمالی ہند کے علمائے اہل حدیث کے حالات جاننے کا سب سے اہم ماخذ تھا، تذکرے اور بھی تھے لیکن ان تک رسائی محققین ہی کے بس کی بات تھی حضرت میاں صاحب دہلوی تک کے متعلق معلومات بہت ادھوری تھیں لوگ صرف انہیں علماء کے متعلق جانتے تھے جنہوں نے شروح حدیث لکھیں وہ لوگ جنہوں نے ہزاروں بستیوں میں کتاب وسنت کو روشناس کرایا، جو مخلص داعی اور رجال دین تھے جن لوگوں نے سینکڑوں صفحات سیاہ کئے، اخبارات نکالے مخالفین کی لاٹھیاں کھائیں وہ لوگ کون تھے؟ انہوں نے کیا کارنامے انجام دیئے؟ سب گوشہ خمول میں چلا گیا، اس معاملہ میں دوسرے لوگ اس قدر حساس ہیں کہ اگر کسی کے لکھے ہوئے دو چار صفحات مل گئے تو اسے مصنف بنا دیا، اگر کسی نے دو چار کتابیں لکھ دیں تو اسے تاریخ ساز شخصیت بنا دیا، ایک ہماری جماعت کا حال ہے کہ جو سو کتابوں کے مصنف ہیں ان کا حال معلوم نہیں ہے دو چار کتابوں کا لکھنے والا گم نام ٹھہرا۔ اللہ ڈاکٹر بہاؤالدین صاحب کو سلامت رکھے، ایک جنون ہے، ایک سوداء ہے، جماعت سے والہانہ لگاؤ ہے، فضل خداوندی ہے، کہ ایک طرف تاریخ اہل حدیث کی جلدوں میں علماء مصنفین کا تعارف کرا رہے ہیں، بوسیدہ، کرم خوردہ، نایاب، کم یاب، لیکن معلومات سے بھرپور قدیم کتابوں کو جن کا ہم نے نام بھی نہیں سنا، اپنی تاریخ کی زینت بنا کر طباعت کے مراحل سے گزار کر شائقین تک پہنچا رہے ہیں۔

دوسری طرف وہ تحریک ختم نبوت جس کی قیادت وسیادت ہمیشہ اہل حدیثوں کے ہاتھ میں رہی، افسوس کہ ہم اس بات کو فراموش کر چکے تھے، آپ اس موضوع پر سارے سرمائے اور لٹریچر کو منظر عام پر لا رہے ہیں، برصغیر میں چند علماء ہی نے ان کی اس مہم میں دلچسپی دکھائی لیکن وہ کام کرتے رہے، آج تحریک ختم نبوت کی ۳۶ جلدیں پاکستان میں اور چوبیس جلدیں ہندوستان میں اشاعت کی منزلیں طے کر چکی ہیں۔ لوگ حیران ہیں کہ اہل حدیثوں کے لٹریچر کا اتنا بڑا خزانہ کہاں مدفون تھا۔ کتنا بڑا المیہ ہے وہ محمد حسین بٹالوی جس نے قادیانیت کی شہ رگ کاٹ دی، اس کی روح نکال دی، آج علمائے اہل حدیث ان کی خدمات کو نہیں جانتے۔ وہ اشاعۃ السنہ جس کی آتش ریز تحریروں سے باطل کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا، اس کے نام سے لوگ ناواقف ہیں۔ علمی حلقوں نے انہیں اتنی جلدی بھلا دیا۔ زندہ قومیں ہمیشہ اسلاف کے کارناموں کو زندہ رکھتی ہیں۔ یہی کارنامے آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ بنتے ہیں۔ ایک ہم ہیں اس مشعل ہی کو بجھانے پر تلے ہیں۔ غور فرمائیں وہ نفوس قدسیہ جن کی

وجہ سے آج ہم کو توحید اور منہج سلف کی بیش قیمت دولت ملی ہے، ہمیں نہ ان کی خبر ہے نہ ان کی دعوتی خدمات کا کچھ پتہ ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی ہستی ہے جو اپنی جوانی کے دنوں سے علماء کی بازیافت میں مشغول ہیں۔ ان کی اس تحریک کی وجہ سے نوجوان علماء کو بھی جوش آیا تذکرے لکھے جانے لگے قدیم کتابوں کی تلاش جاری ہوگئی شحنہ ہند میرٹھ، اشاعۃ السنہ، ضیاء السنہ، آثار السنن، نصرۃ السنہ، اخبار اہل حدیث کی فائلیں تلاش کی جانے لگیں۔ آج تاریخ و تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے سینکڑوں لوگ ڈاکٹر کے جمع کئے ہوئے اس عظیم سرمایہ سے فیضیاب ہورہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی کتاب سے پہلے رسالہ نجاتیہ کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی، مساجد کے مقدمات کی فائلیں (مثلیں) نظر سے نہیں گزری تھیں۔ اشاعۃ السنہ کی اہمیت نہیں جانی تھی، کتنے ایسے علماء ہیں جن کا نام اور شہرت تو ہم نے سنی ہے، لیکن ترویج دین میں ان کا کیا حصہ ہے اس سے ہم قطعاً واقف نہیں۔ صرف چند ناموں کا ذکر ہی کافی ہے، نواب صدیق حسن خان تو معروف آدمی تھے لیکن ان کے رفقاء کتنی عظیم شخصیات کے مالک تھے ہمیں اس کی خبر نہیں۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی جنہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو دہلی میں دھول چٹائی، قاضی بشیر قنوجی مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، دوالفقار علی خاں، قاضی محمد مچھلی شہری، مولانا عبید اللہ پائلی، مولانا محی الدین لاہوری، مولانا عبدالمجید دہلوی، مولانا عبداللہ جھاؤ میاں، مولانا عبدالحق بنارسی، مولانا الٰہی بخش بڑاکری، مولانا بخش بڑاکری، مولانا تلطف حسین دہلوی، حاجی شیخ احمد اللہ رحیم آبادی جنہوں نے دین حق کے لئے اپنی دولت لٹادی۔ سینکڑوں مساجد کے مقدمے لڑے، پریوی کونسل تک گئے کسی سے ایک پیسہ نہ لیا، اس طرح کے سینکڑوں نامعلوم اہل حدیث خانوادے تھے جو کتاب وسنت کی روشنی پھیلا کر اندھیروں میں کھو گئے، ان حضرات کی تلاش وجستجو کسی ایک آدمی کے بس کی بات نہیں تھی لیکن ڈاکٹر بہاؤالدین صاحب نے یہ محیر العقول کارنامہ کر دکھایا ان کے لئے بس دل سے یہی دعا نکلتی ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

شیر خان جمیل احمد عمری
سابق شیخ الجامعہ المحمدیہ مالیگاؤں
نائب ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

❑❑❑

مولانا محمد اعظمی: حیات وخدمات

شیخ اسعد اعظمی بنارس

نام ونسب: مولانا محمد اعظمی بن مولانا عبدالعلی بن عبداللہ بن علیم اللہ بن جمال الدین

کنیت: ابو اجود انصاری

مولد ومسکن:

آپ ہندوستان کے شمال مشرقی صوبہ اتر پردیش کے ایک مشہور شہر مئوناتھ بھنجن میں ۱۹۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر پہلے ضلع اعظم گڑھ کے تابع تھا، اس لئے اس کے باشندے ''اعظمی'' نسبت استعمال کرتے رہے، ۱۹۸۸ء میں شہر مئو مستقل ضلع بنا دیا گیا۔ مئو مسلم اکثریت والا چھوٹا شہر ہے، جہاں متعدد چھوٹے بڑے جامعات، مدارس ومکاتب قائم ہیں، اور پورے ہندوستان سے طلبہ ان اداروں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے علماء، ادباء، شعراء اور فضلاء پیدا ہوئے اور آج بھی یہ شہر علمی وادبی میدان میں اپنی ایک شناخت رکھتا ہے۔

مولانا کے آباء واجداد میں علم وعمل کا سلسلہ برابر قائم رہا، آج بھی آپ کا گھرانہ علمی خدمات کے لئے مشہور ہے۔ آپ کے اجداد میں سے متعدد کو شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ خود مولانا ایک واسطے سے میاں صاحب کے شاگرد ہیں۔

تعلیم:

خاندانی روایت کے مطابق ناظرہ قرآن کی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اس کے بعد شہر کے قدیم ادارہ جامعہ عالیہ عربیہ مئو میں ابتدائی تعلیم کے لئے داخل ہوئے، وہاں سے ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد ایک سال آپ نے علاقہ کے ''مسلم اسکول'' نامی عصری ادارہ میں تعلیم حاصل کی، لیکن اسکول کی تعلیم کی طرف رغبت نہ ہونے کی وجہ سے وہاں سے منتقل ہوکر دوبارہ جامعہ عالیہ عربیہ میں داخلہ لیا اور عربی تعلیم شروع کی، اس وقت وہاں کے بزرگ اساتذہ میں مولانا محمد سلیمان بن داؤد مئوی تلمیذ رشید سید نذیر حسین دہلوی بھی تھے، مولانا نے ان سے شرح جامی وغیرہ پڑھی، مولانا عبدالصمد مبارکپوری جنھوں نے تحفۃ الاحوذی کی تکمیل میں صاحب تحفہ کا تعاون کیا تھا ان سے عربی وفارسی کی ابتدائی کتابوں کے علاوہ بلوغ المرام کا کچھ حصہ پڑھا۔ ان اساتذہ کے علاوہ مولانا محمد اسحاق کھیدوپوری، مولانا عبدالباقی کھیدوپوری وغیرہ سے بھی بعض کتابوں کے چند اسباق پڑھے۔

جامعہ عالیہ کے بعد چند ماہ شہر کے ایک دوسرے مشہور اہل حدیث ادارہ جامعہ فیض عام میں بھی تعلیم حاصل کی اور یہیں پر تیسری جماعت مکمل کی، یہاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد رشید مولانا محمد احمد صاحب (معروف بہ بڑے مولوی صاحب) مئوی (متوفی ۱۹۸۲ء) سے آپ نے بلوغ المرام کا درس لیا۔ان کے علاوہ مولانا عبداللہ صاحب شائق (متوفی ۱۹۷۴ء) اور مولانا عبدالرحمن نحوی وغیرہ سے بھی کسب فیض کیا۔

اس کے بعد آپ نے جنوبی ہند کی مشہور اسلامی درس گاہ جامعہ دارالسلام عمر آباد میں داخلہ لیا، وہاں بھی خوش قسمتی سے میاں سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد مولانا محمد نعمان صاحب اعظمی منصب شیخ الحدیث پر خدمت تدریس انجام دے رہے تھے، آپ سے مولانا کو مشکوٰۃ المصابیح کا درس لینے کا موقع ملا، جامعہ دارالسلام کے دیگر اساتذہ جن سے آپ نے کسب فیض کیا ان میں مولانا ابوالبیان حماد صاحب، مولانا عبدالسبحان اعظمی صاحب، مولانا حافظ عبدالواجد رحمانی صاحب، مولانا غضنفر شاکر نائطی صاحب، مولانا محمد امین صاحب، مولانا عبدالکبیر صاحب قابل ذکر ہیں۔عمر آباد کی آب وہوا ناموافق رہنے کی وجہ سے ایک سال کے بعد مولانا واپس آ گئے۔ یہ ۴۶۔۱۹۴۷ء کی بات ہے۔

اس کے بعد آپ اس وقت کے بے مثال تعلیمی ادارہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخل ہوئے۔ یہاں جماعت رابعہ میں آپ نے مولانا نذیر احمد املوی سے شرح وقایہ جلد دوم، مولانا محمد عبدہ پنجابی سے مشکوٰۃ جلد دوم، مولانا عبدالمعز سے قطبی اور تلخیص المفتاح پڑھی، مولانا عبدالصمد مبارکپوری سے ترجمہ اور انشاء کی تمرین وتربیت حاصل کی۔اس وقت شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی کے زیر تدریس جماعت رابعہ کی کوئی کتاب نہیں تھی۔ اس لئے رسمی طور پر ان سے شاگردی نہیں حاصل ہوسکی۔افسوس کہ ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی اور تقسیم کے نتیجے میں یہ مدرسہ ہونے والے فتنہ وفساد کی نذر ہوگیا۔اس طرح اس ادارہ میں بھی مولانا کو صرف ایک ہی سال پڑھنے کا موقع ملا۔

دہلی سے واپسی کے بعد آپ نے اپنے شہر میں جامعہ عالیہ عربیہ میں دوبارہ داخلہ لیا۔اور مولانا مفتی عبدالعزیز اعظمی عمری سے جامع ترمذی اور نخبہ پڑھی اور دیگر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ایک سال کے بعد جامعہ فیض عام گئے، وہاں مولانا عبدالرحمن صاحب نحوی، مولانا عبداللہ شائق اور دیگر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، اور الہ آباد بورڈ کا عالم کا امتحان بھی دیا۔مولانا عبداللہ شائق بخاری کا درس دے رہے تھے، مگر ان کے سفر حج پر چلے جانے کی وجہ سے درس موقوف ہوگیا۔جس کی وجہ سے مولانا نے مدرسہ سعیدیہ بنارس کا رخ کیا، وہاں علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (متوفی ۱۹۴۹ء) کے پاس صحیح بخاری جلد اول، صحیح مسلم جلد اول اور تفسیر القرآن بکلام الرحمن وغیرہ پڑھنا شروع کیا۔دو تین ماہ کے بعد مولانا بنارسی پر فالج کا شدید حملہ ہوا اور ماہ صفر ۱۳۶۹ھ میں آپ وفات پا گئے۔مولانا پھر جامعہ فیض عام واپس آئے، مولانا عبداللہ شائق سفر حج سے واپس آ چکے تھے، آپ کے پاس دوبارہ صحیح بخاری اور تفسیر بیضاوی پڑھی، اور صحیح مسلم مولانا عبدالرحمن نحوی کے پاس، سنن ابوداؤد مولانا محمد احمد صاحب (متوفی ۱۹۸۲) کے پاس پڑھی۔یہیں سے آپ کی فراغت ہوئی، یہ ۱۹۴۹ء کی بات ہے۔

درس وتدریس:

تعلیم کی تکمیل کے بعد مولانا نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور درج ذیل اداروں میں مسند درس کو رونق بخشی:

☆ مدرسہ محمدیہ دیوریا، یوپی

☆ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ یوپی

☆ جامعہ فیض عام، مئو، یوپی

☆ مدرسہ فیض العلوم، سیونی مدھیہ پردیش

☆ جامعہ عالیہ عربیہ، مئو یوپی

☆ کلیہ فاطمۃ الزہراللبنات، مئو یوپی

مدرسہ محمدیہ میں ایک ماہ، پھر جامعہ عالیہ میں ۵ رسال، مدرسۃ الاصلاح میں ایک سال، فیض عام میں ایک سال، فیض العلوم میں پانچ سال، دوبارہ جامعہ عالیہ میں ۳۰ سال، اور اسی کے ساتھ کلیہ فاطمہ میں چھ سال درس دیا۔ ان اداروں میں آپ نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ افتاء اور انتظامی امور میں بھی حصہ لیا۔ جامعہ عالیہ میں آپ تقریباً (۲۰) برس تک صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، کلیہ فاطمہ کی تاسیس کے وقت سے آپ اس کے ناظم ومہتمم رہے۔ آپ کی تدریس کا سلسلہ تقریباً نصف صدی تک جاری رہا اور لگ بھگ ربع صدی تک آپ نے صحیح بخاری کا مسلسل درس دیا۔ پیرانہ سالی اور جسمانی کمزوری کی وجہ سے رسمی تدریس ترک کر دیا ہے، البتہ شائقین حدیث واسناد کے لئے آپ ہمیشہ اپنا دروازہ کھلا رکھے ہوئے ہیں۔

جامعہ سلفیہ میں تدریس کی دعوت:

ہندوستان میں عظیم سلفی درسگاہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کا ۱۹۶۳ء میں قیام عمل میں آیا اور ۱۹۶۶ء سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ اس ادارہ میں درس وتدریس کی خدمت انجام دینے کے لئے مولانا کو متعدد بار دعوت دی گئی، مگر آپ نے اپنے شہر اور علاقہ کی خدمت کو ترجیح دیا اور ہر بار جامعہ سلفیہ کی ذمہ داران سے معذرت کی۔

تلامذہ:

مذکورہ بالا اداروں میں ہزاروں طلبہ وطالبات نے آپ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ چند مشہور تلامذہ کے نام یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

۱۔ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رحمہ اللہ سابق صدر جامعہ سلفیہ بنارس

۲۔ مولانا مظہر احسن ازہری نائب صدر جامعہ سلفیہ بنارس

۳۔ ڈاکٹر عبدالعلی ازہری، پرنسپل مسلم کالج لندن

۴۔ ڈاکٹر شفیع الرحمن بہاری سابق صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی

۵۔ مولانا محفوظ الرحمن فیضی سابق شیخ الجامعہ فیض عام مئو

۶۔مولانا محمد حنیف مدنی سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

۷۔مولانا عبدالکبیر مدنی مبارکپوری استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

۸۔مولانا عزیز الحق عمری استاذ جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو

۹۔مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی استاذ جامعہ فیض عام مئو

۱۰۔مولانا محمد مظہر اعظمی استاذ جامعہ عالیہ عربیہ مئو

۱۱۔مولانا راحت اللہ فاروقی استاذ جامعہ محمد یہ مالیگاؤں

۱۲۔اسعد اعظمی، جامعہ سلفیہ، بنارس

تحریری کاوشیں:

درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے ساتھ مولانا نے اپنا قلمی سفر بھی جاری رکھا اور لگ بھگ دو درجن کتابیں منظر عام پر لائے۔ آپ کی قلمی سرگرمیوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ **تصنیفات:** آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں: • آداب زواج • کائنات کا آغاز وانجام • تذکرۃ البخاری • نواب صدیق حسن خاں اوران کی وہابیت • نماز نبوی • مستند دعائیں • نقوش رحمانی (مجموعہ مکاتیب شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی) • فضائل اعمال کے دفاع کا علمی وتحقیقی جائزہ • تین طلاقیں علماء احناف کی نظر میں • شرعی منتروں سے علاج • التحلی بالذہب للنساء (عربی) تلخیص فقہ السنۃ • متفقہ فتویٰ۔۔۔۔،مولانا ابوالکلام آزاد مذہبی فکر وعمل کے آئینے میں • لمحات موت • شریعت وعادت۔ • جمع بین الصلاتین پر ایک نظر۔

۲۔ **تراجم:** دین کیا ہے؟ • ترجمہ رسالہ ''الدین وشروط الصلاۃ، للشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، • قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کے آداب،: ترجمہ التبیان فی آداب حملۃ القرآن للنووی۔ • تبلیغی جماعت اور الاخوان المسلمون: ترجمہ القطبیۃ ھی الفتنۃ فاعرفوھا، للشیخ ابی ابراہیم بن سلطان۔ • ائمہ اربعہ کا دفاع اور سنت کی اتباع: ترجمہ جلب المنفعۃ فی الذب عن الائمۃ المجتھدین الاربعۃ (فارسی) للنواب صدیق حسن خاں بخاری قنوجی۔

۳۔ **تحقیق وتعلیق:** دعایۃ الایمان الی توحید الرحمن، للنواب صدیق حسن خان قنوجی، تحقیق، تسہیل، ترجمہ نصوص، تخریج وفہارس بقلم مولانا محمد اعظمی۔

۴۔ **مضامین ومقالات:** تصانیف وتراجم کے علاوہ مولانا کے مضامین ومقالات وقتاً فوقتاً ملک اور بیرون ملک کے مجلّات وجرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں، زیادہ تر مقالات اردو میں ہوتے ہیں، چند مقالے آپ کے عربی زبان میں بھی ہیں جو مجلۃ الجامعۃ السلفیۃ، بنارس میں شائع ہوئے ہیں یہ مجلہ اب صوت الامۃ کے نام سے نکلتا ہے۔ جن اردو جرائد ومجلّات میں آپ کے

مضامین شائع ہوتے ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: (۱) ماہنامہ محدث بنارس، (۲) پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی، (۳) مجلہ اہل حدیث دہلی، (۴) ماہنامہ آثار جدید مئو، (۵) ماہنامہ البلاغ ممبئی، (۶) ماہنامہ السراج، نیپال، (۷) ماہنامہ صراط مستقیم، برمنگھم، (۸) افکار عالیہ، مئو، (۹) التبیان۔ دہلی، (۱۰) احتساب۔ دریاباد، (۱۱) اہل حدیث گزٹ۔ دہلی، (۱۲) الہدیٰ۔ دربھنگہ۔

دعوت وارشاد:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے علمی ودعوتی پروگراموں، کانفرنسوں اور سیمیناروں میں آپ برابر شرکت کرتے رہتے ہیں اور حالات کے مطابق عوام سے خطابات کرتے ہیں، آپ کوئی پیشہ ور مقرر نہیں، بلکہ ایک داعی ومبلغ ہیں۔ پڑوس کی مسجد کے انتظام وانصرام کے ساتھ کئی دہائیوں سے اس کے امام وخطیب ہیں۔ عیدین کا خطبہ بھی ایک عرصہ تک دیتے رہے، اب بھی کبھی کبھی یہ ذمہ داری نبھاتے ہیں۔ کسی زمانے میں شہری جمعیت اہل حدیث کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد رہی، معاشرہ کی اصلاح کے لئے آپ نے اپنے رفقاء اور علماء کے ساتھ ایک انجمن قائم کی جس کے تحت مفید اصلاحی ودعوتی کام ہوتے رہتے ہیں۔ مساجد میں درس قرآن وحدیث اور تذکیر کا سلسلہ بھی وقتاً فوقتاً جاری رہتا ہے، عوام کے دینی مسائل کا جواب دینا، فتویٰ تحریر کرنا، خاندانی تنازعات میں تصفیہ کرانا یہ سب آپ کے معمولات میں داخل ہے۔

ایوارڈ:

آپ کی طویل دعوتی، تدریسی وتصنیفی خدمات کے اعتراف میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے ۲۰۰۴ میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ کے انعقاد کے موقع پر آپ کو ایوارڈ سے نوازا تھا۔

حدیث کی سند عالی:

سابقہ سطور میں یہ بات گزر چکی ہے کہ مولانا کو علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی کے متعدد شاگردوں سے براہ راست شاگردی کا شرف حاصل ہے، اس طرح صرف ایک واسطے سے آپ کی سند حدیث میاں صاحب تک پہنچتی ہے۔ اس شرف کے حامل اس وقت شاذ ونادر ملیں گے۔ موجودہ وقت میں زیادہ تر دو واسطے سے لوگوں کی سندیں میاں صاحب تک پہنچتی ہیں۔

میاں صاحب کے جن شاگردوں سے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہ کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد نعمان صاحب اعظمی۔ جامعہ دارالسلام عمرآباد (م ۱۳۷۱ھ۔ ۱۹۵۱ء)

۲۔ مولانا محمد احمد بن ملا حسام الدین۔ جامعہ فیض عام مئو (م ۱۳۶۷ھ۔ ۱۹۴۷ء)

۳۔ مولانا سلیمان بن داؤد۔ مئو (م ۱۳۷۸۔ ۱۹۵۹ء)

۴۔ مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی۔ مدرسہ سعیدیہ، بنارس (م ۱۳۶۹ھ۔ ۱۹۴۹ء)

اس سند عالی کی وجہ سے ملک اور بیرون ملک سے لوگ سند واجازہ کے لئے برابر آپ کی طرف رجوع کرتے رہتے ہیں۔ متعدد لوگوں نے حدیث کی کوئی کتاب مکمل آپ کو سنا کر اجازہ حاصل کی، بیشتر اطراف پڑھ کر سند لیتے ہیں۔

کویت کی وزارۃ الاوقاف وقتاً فوقتاً قرأت وسماع حدیث کا بڑے پیمانے پر پروگرام منعقد کرتی رہتی ہے، کئی بار مولانا اس میں شرکت کے لئے مدعو کئے جا چکے ہیں۔ ان مجلسوں میں مولانا سے اجازہ حاصل کرنے کے لئے حدیث کی درج ذیل کتابوں کی مکمل خواندگی ہو چکی ہے۔ ۱: صحیح مسلم، ۲۔ مشکوۃ المصابیح، ۳۔ صحیح ابن خزیمہ۔

ان مجلسوں میں سے ہر ایک میں (۵۰۰) تا (۶۰۰) سامعین ومستفیدین شریک رہتے ہیں جن میں خواتین بھی ہوتی ہیں۔ شرکاء کا تعلق مختلف ممالک سے ہوتا ہے۔

اسفار:

علمی ودعوتی سلسلے میں آپ نے ملک کے مختلف حصوں کے علاوہ دیگر ممالک کا بھی سفر کیا۔ جن میں نیپال، پاکستان، قطر، امارات، کویت، سعودی عرب شامل ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں آپ نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، اس کے علاوہ متعدد بار عمرہ کی ادائیگی کا بھی آپ کو شرف حاصل رہا ہے۔

اولاد واحفاد:

آپ کی اہلیہ معروف عالم دین مولانا محمد نعمان صاحب اعظمی تلمیذ رشید میاں سید نذیر حسین دہلوی کی نواسی، اور مشہور علمی شخصیت ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری کی بہن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بطن سے آپ کو بارہ اولادیں عطا کیں جن میں چھ لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے تقریباً ہر ایک کو آپ نے دینی ودنیاوی علوم سے آراستہ کیا، چنانچہ آپ کے اولاد واحفاد میں حفاظ، علماء، ڈاکٹر، انجینئر، مدرس، مؤلف، انشا پرداز سب پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کئی بیٹے بیٹیاں دینی وشرعی علوم کے درس وتدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ تمام بچے بچیاں شادی شدہ اور اصحاب اولاد ہیں۔

موجودہ مشغلہ:

مولانا عمر کی آٹھویں دہائی مکمل کر رہے ہیں۔ کبر سنی کی وجہ سے جسمانی ضعف کا شکار ہیں، پھر بھی حسب معمول امامت وخطابت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، دینی وعلمی مجالس میں شرکت، لوگوں کے سوالات کا جواب دینا، اختلافات وتنازعات میں ثالثی کرنا، اس کے علاوہ حسب موقع مقالات ومضامین لکھنا، یہ سب آپ کے موجودہ مشاغل ہیں، اور جہاں تک صحت اجازت دیتی ہے ان کاموں کی انجام دہی میں لگے رہتے ہیں۔

اللہ رب العزت آپ کی خدمات علمیہ ودینیہ کو شرف قبول بخشے اور انہیں آپ کے لئے ذریعہ نجات بنادے، آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے اور آپ کو صحت وعافیت سے نوازے آمین۔ ۱۳/۶/۱۴۳۲ھ۔ ۱۷/۵/۲۰۱۱ء (تصحیح: ۱۵/۱۲/۲۰۱۱ء)

❑❑❑

مولانا محفوظ الرحمن فیضی: مختصر سوانحی خاکہ

نام ونسب: محفوظ الرحمن فیضی بن حاجی منظور الحسن بن حاجی حافظ ثناء اللہ انصاری۔

تاریخ ومقام پیدائش: ۶؍ ۱۹۴۶ء محلہ ڈومن پورہ، مئو ناتھ بھنجن یوپی، انڈیا۔

مختصر خاندانی تعارف: مولانا موصوف کے جدامجد حاجی حافظ ثناء اللہ محلہ ڈومن پورہ کی بزرگ شخصیت اور اکابر علماء اہل حدیث مئو کے صحبت یافتہ تھے، چالیس سال سے زیادہ محلہ کی جامع مسجد اہل حدیث کے تاحیات امام رہے، نومبر ۱۹۸۲ء میں وفات سے چند برس پہلے تک اس مسجد میں ہمیشہ تراویح بھی پڑھاتے تھے، مولانا کے والد محترم حاجی منظور الحسن اس مسجد کے موذن اور جدامجد کی وفات کے بعد سے ۱۹۹۷ء تک امام رہے، آپ حافظ قرآن تو نہیں تھے، لیکن کثرت تلاوت کی بنا پر قرآن کریم کا زیادہ تر حصہ یاد تھا، مولانا کے دادا اور والد دونوں سحر خیز، حد درجہ محنتی اور جفاکش تھے، والد گرامی حاجی منظور الحسن کا جون ۲۰۰۹ء مطابق ۱۴۳۰ھ میں انتقال ہوا، رحمهم الله رحمة واسعه۔

مولانا محفوظ الرحمن فیضی حفظہ اللہ نے مذکورہ جامع مسجد میں ۱۹۷۳ء سے ۱۹۹۷ء تک کوئی مسلسل تیئیس چوبیس برس تک خطبہ جمعہ دیا ہے، لیکن محلہ ہی کے ایک مولانا کی رشک ورقابت اور ''نظر عنایت'' کی بنا پر آگے یہ سلسلہ فیض اس مسجد میں جاری نہ رہ سکا، تاہم دیگر مساجد میں یہ سلسلہ فترہ ووقفہ کے ساتھ برابر جاری ہے۔

ابتدائی، ثانوی اوراعلیٰ تعلیم: مولانا کے خاندانی دستور کے مطابق تعلیم کی بسم اللہ گھر سے والدین کے پاس ہوئی، اس کے بعد مدرسہ عالیہ عربیہ (مئو) میں داخل کئے گئے، یہاں ابتدائی درجات اردو، فارسی وغیرہ اور پھر ثانوی درجات یعنی عربی از جماعت اولیٰ تا خامسہ (جلالین، مشکوۃ وغیرہ تک) پڑھا، ۱۹۶۳ء میں جامعہ فیض عام میں داخلہ لیا، اور یہاں عالمیت وفضیلت کی تکمیل کی اور شعبان ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں سند تکمیل وفراغت سے سرفراز ہوئے۔ تعلیم کے دوران عربی وفارسی بورڈ یوپی کے امتحانات مولوی، عالم، فاضل دینیات اور فاضل ادب عربی پاس کیا، جامعہ فیض عام میں ہر سال جماعت میں اول پوزیشن لانے پر وظیفہ سے بھی سرفراز ہوتے رہے۔

اساتذۂ کرام: جامعہ عالیہ: مولانا عبدالعلی (متوفی ۱۹۶۷ء جامعہ عالیہ میں فارسی کی تمام اور عربی درجات خامسہ تک کی اکثر کتابیں فصول اکبری، کافیہ، شرح جامی، مشکوٰۃ، جلالین، قطبی، شرح تہذیب، گلستان، بوستاں، یوسف زلیخا، سکندر نامہ وغیرہ آپ ہی سے پڑھیں) مولانا فضل الرحمن عمریؒ (متوفی ۱۹۹۸ء) حکیم مولانا ابوبکرؒ (متوفی ۲۰۰۳ء) مولانا شیخ محمد اعظمی (حفظہ اللہ)۔

جامعہ فیض عام: مولانا شمس الحق سلفیؒ (متوفی ۱۹۸۶ء) مولانا عبدالمعید بنارسیؒ (متوفی ۱۹۸۰ء) مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضیؒ (۱۹۹۶) مولانا محمد عظیم اللہ مئویؒ (متوفی ۱۹۹۳ء) مولانا محمد جمیل مئویؒ (متوفی ۱۹۷۲ء)، صحیحین اولا مولانا شمس الحق سلفی کے پاس پڑھی، مگران کے اثنائے تعلیمی سال میں مدرسہ فیض عام سے چلے جانے کے بعد صحیح مسلم مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی سے اور صحیح بخاری مولانا محمد عظیم اللہ صاحبؒ

سے پڑھی۔ مؤطا امام مالک اور جامع ترمذی مفتی صاحب سے، سنن ابوداؤد مولانا محمد جمیل صاحب سے، اور سنن نسائی وسنن ابن ماجہ مولانا شمس الحق صاحب سے، توضیح تلویح اور تفسیر بیضاوی مولانا عبدالمعید صاحب سے پڑھا۔

تدریسی خدمات: مولانا موصوف کے جامعہ فیض عام میں فضیلت کے آخری سال میں زیر تعلیم ہونے کے ساتھ، فصول اکبری جو درس نظامیہ میں علم صرف کی اہم کتاب ہے آپ کو پڑھانے کو ملی تھی، اور شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں فراغت کے بعد شوال ۱۳۸۶ھ ہی میں بطور مدرس درجات عربیہ جامعہ (فیض عام) میں آپ کی تقرری ہوگئی، اس وقت سے جون ۲۰۰۸ میں ریٹائر ہونے تک جامعہ فیض عام میں تدریسی خدمات انجام دی، اس دوران تقریباً ہر فن کی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا۔

تفسیر میں جلالین، مدارک، بیضاوی، حدیث میں بلوغ المرام، مشکوٰۃ، جامع ترمذی، موطا، صحیح بخاری، اصول تفسیر وحدیث میں الفوز الکبیر، نزہۃ النظر، فقہ میں قدوری، شرح الوقایہ، بدایۃ المجتہد، اصول فقہ میں اصول الشاشی، ونورالانوار، عقائد میں شرح العقائد النسفیہ، والعقیدۃ السنیہ، ادب عربی میں ازہار العرب، دیوان المتنبی، معلقات سبعہ، دیوان الحماسہ، مقامات حریری، مختارات، بلاغت میں دورس البلاغہ، تلخیص المفتاح، مختصر المعانی، عروض وقوافی میں متن الکافی، معقولات میں شرح تہذیب قطبی، ملاحسن، ہدایۃ الحکمۃ۔

شیخ الحدیث مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی (متوفی نومبر ۱۹۹۶ء) کے وفات سے چند سال پہلے پڑھانے سے معذور ہوجانے کی بنا پر صحیح بخاری کا درس مولانا (محفوظ الرحمن صاحب) کے ذمہ ہوا اور صحیح مسلم کا درس مولانا حافظ نثار احمد صاحب کے سپرد ہوا۔

جامعہ فیض عام کے ناظم مولانا محمد احمد صاحب کی فروری ۱۹۸۲ء میں وفات کے بعد جامعہ کے صدر مدرس مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب جامعہ کے ناظم منتخب ہوئے تو ان کی جگہ مولانا فیضی کو صدر مدرس بنایا گیا اور اسی عہدہ پر رہتے ہوئے جون ۲۰۰۸ء میں جامعہ فیض عام سے ریٹائر ہوئے ہیں، پوری مدت تدریس وصدارت میں ناظم وارکین اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ کامل توافق رہا کہیں کوئی ناخوش گوار صورت حال پیش نہیں آئی۔ اس کے بعد جامعہ محمدیہ کھیدوپورہ مئو کے ناظم وارکین کی طلب وخواہش پر بحیثیت شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ سے وابستگی ہوئی اور وہاں صحیح بخاری وتفسیر بیضاوی وغیرہ کی تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ ساتھ ہی دیگر تعلیمی وانتظامی امور میں بھی معاونت فرماتے ہیں۔ یہاں بھی ناظم وارکین، اساتذہ وطلبہ کا کامل اعتماد حاصل ہے۔

جامعہ فیض عام سے مولانا کی وابستگی روز اول ہی سے انتہائی مخلصانہ ووالہانہ نوعیت کی رہی اور جامعہ کی ہمہ جہتی تعلیمی وتعمیری ترقی میں آپ کی جوبیش قدر خدمات اور مساعی جمیلہ ہیں محتاج بیان نہیں۔ وہ سب معلوم خواص وعوام ہیں، اور ناقابل فراموش ہیں، جامعہ فیض عام کی شہادات (عالمیت وفضیلت) کے سعودی جامعات سے معادلہ کا معاملہ ہو یا سعودیہ وکویت وامارات سے حصول مساعدات کا یہ سب آپ ہی کی سعی وتدبیر کے رہین منت ہیں، مولانا ایک کامیاب مدرس بھی ہیں اور منتظم بھی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

افتاء کی خدمات: مولانا کے تدریسی سلسلہ کے ابتدائی زمانہ ہی سے شیخ الحدیث مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحبؒ جو جامعہ فیض عام میں مفتی بھی تھے۔ نقل فتاوی کے ساتھ بعض استفتاء کے جوابات بھی آپ سے لکھواتے رہے اور یوں مولانا کے فتویٰ نویسی کی تربیت ہوتی رہی، نومبر ۱۹۹۶ء میں مفتی صاحب کی وفات کے بعد دارالافتاء جامعہ فیض عام کی ذمہ داری مولانا موصوف کے کندھے

پر آئی، آپ نے بکثرت فتاوے لکھے، مگر ان سب کی نقول رکھنے کا اہتمام نہیں کیا، تاہم ایک ضخیم رجسٹر کے بقدر ضرور محفوظ ہے، آپ کی فتویٰ نویسی کا انداز علماء اہل حدیث کی فتویٰ نویسی کا ہے آپ کے فتاوے براہ راست قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل اور حسب ضرورت مفصل بھی اور مختصر بھی ہوتے ہیں علماء اہل حدیث اور دیگر علمائے مذاہب کی تحقیقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بحث وتحقیق کی روایت کو قائم رکھا ہے۔

تعلیمی ایوارڈ: مولانا کی طویل تعلیمی خدمات کے اعتراف میں اپریل ۲۰۱۰ء میں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند نے ایوارڈ سے نوازا۔ اس کا اعلان تیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس بعنوان 'عظمت صحابہ کانفرنس' منعقدہ ۱۰/۱۱ اپریل ۲۰۱۰ء بمقام دہلی میں کیا گیا۔

تصانیف: درس وتدریس کے ساتھ ترجمہ وتصنیف کا سلسلہ بھی جاری ہے، چند تراجم وتصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ثنائیات موطا امام مالک (عربی ۱۵۳، احادیث ثنائیہ کا مجموعہ۔ مطبوع ۲۰۰۱ء۔ طبع جدید: غراس۔ کویت ۲۰۱۲ء/ ۱۴۳۳ھ
یہ اپنے موضوع پر اولین اور منفرد کتاب ہے۔

۲۔ زیورات میں زکوٰۃ۔ اس کتاب میں ہر قسم کے مستعمل وغیر مستعمل زیوراتِ زر وسیم میں وجوب زکوٰۃ کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہ کتاب دو باب پر منقسم ہے، پہلے باب میں قائلین وجوب کے دلائل کا ذکر ہے اور دوسرے باب میں قائلین عدم وجوب کے دلائل مذکور ہیں۔ دلائل کی تحقیق وتنقیح کے بعد وجوب کو ترجیح دی گئی ہے۔ مطبوعہ ۱۹۸۸ء/ ۲۰۰۱ء

۳۔ تذکرہ مولانا محمد احمد ناظم صاحب جامعہ فیض عام۔ مطبوع ۱۹۸۸ء، ناظم صاحب کے مفصل حالات کے ساتھ ہی مولانا فیض اللہ صاحب اور مولانا محمد احمد وبڑے مولوی صاحب کے حالات بھی تحریر کئے گئے ہیں۔

۴۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں دو متضاد نظریئے۔ مطبوع ۱۹۸۶ء و ۲۰۰۱ء۔

یہ کتاب مولانا منظور نعمانیؒ کی ایک کتاب کے رد میں لکھی گئی تھی، ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوریؒ نے اس کتاب کا عربی ترجمہ "وجہتان متضادتان فی شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب" کے نام سے کیا تھا جو جامعہ سلفیہ (بنارس) سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔

۵۔ مسئلہ امام مہدی آخر الزماں اور اس کی شرعی حیثیت۔ مطبوع ۲۰۰۴ء

۶۔ دین ومذہب اور کمیونزم (کمیونزم کارد) مطبوع ۱۹۸۲ء ۱۹۸۶ء

۷۔ مبادی اصول حدیث۔ مطبوع بار اول ۱۹۷۵ء بعدہ مسلسل

۸۔ مبادی عروض وقوافی مطبوع ۱۹۸۳ء

۹۔ خلیج کی خطرناک صورت حال (جنگ عراق وکویت کے تناظر میں) مطبوع ۱۹۹۱ء۔

۱۰۔ رکوع کے بعد قومہ میں ارسال یدین نہ کہ وضع یدین۔ مطبوع ۲۰۰۴ء

۱۱۔ صف بندی کا مسنون طریقہ وصل نہ کہ فصل۔ مطبوع ۲۰۰۸ء

۱۲۔ آدم وحواء علیہا السلام سے متعلق تین اہم علمی مسائل۔ مطبوع ۲۰۱۰ء

۱۳۔ ہبہ وعطیہ میں اولاد کے درمیان عدل اور چند متعلقہ مسائل۔مطبوع ۲۰۱۱ء
۱۴۔ یتیم پوتے کی وراثت ومحجوبیت۔غیر مطبوع (مکتوب ۱۹۹۵ء
۱۵۔ مشروع وممنوع حلالہ۔مطبوع ۱۹۸۶ء
۱۶۔ تذکرہ خادم الحرمین الشریفین امیر فیصلؒ۔مطبوع ۱۹۷۵ء
۱۷۔ نماز نبوی۔مطبوع باراول ۱۹۷۹ء بعدہ مسلسل۔
۱۸۔ قبروں پر مساجد کی تعمیر اور اسلام (ترجمہ تحذیر الساجد۔۔۔۔۔للعلامہ الالبانیؒ) مطبوع ۱۹۸۲ء و۱۹۸۸ء۔
۱۹۔ اتباع سنت اور تقلید ائمہ اربعہ کی نظر میں (ترجمہ مقدمہ صفۃ صلاۃ النبیؐ البانی) مطبوع باراول ۱۹۸۱ء بعدہ متعدد بار
۲۰۔ اصول دین (ترجمہ ''الاصول الثلاثۃ وادلتہا'' للشیخ محمد بن عبدالوہاب النجدیؒ) مطبوع ۱۹۸۳ء
۲۱۔ سنت فجر کے احکام ومسائل (علامہ شمس الحق محدث عظیم آبادیؒ کی جامع تصنیف۔'اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر' کا ترجمہ مطبوع ۲۰۱۱۔
۲۲۔ تشہد میں اشارہ اوراس کی ہیئت وکیفیت۔مطبوع ۲۰۱۲ء
۲۳۔ سفر وحضر میں جمع بین صلاتین۔مطبوع ۲۰۱۳ء
۲۴۔ ثم ارجع البصر کرتین فی مسئلۃ الجمع بین الصلاتین، ۲۰۱۴ء
۲۵۔ استدراکات (مجموعہ مضامین) مطبوعہ ۲۰۱۵ء
۲۶۔ تارک الصلوۃ کا حکم، مطبوعہ ۲۰۱۶ء
۲۷۔ نماز میں تشبہ بالحیوان کی ممانعت، مطبوعہ ۲۰۱۶ء
۲۸۔ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ثبوت ودیگر مسائل متفرقہ جنائز، زیر طبع۔
۲۹۔ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی کے مئوی تلامذہ۔

ترجمہ وتالیف اور مضامین لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔مضامین اکثر ماہنامہ ''نوائے اسلام'' (دہلی) نیز ''ترجمان'' (مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند)، ماہنامہ ''التبیان'' (دہلی)، اور ''معارف'' (دارالمصنفین اعظم گڑھ) وغیرہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

جمعیۃ اہل حدیث سے وابستگی: مولانا موصوف جمعیۃ اہل حدیث ہند کے ساتھ ۱۹۷۰ء سے مسلسل وابستہ ہیں۔شہری وضلعی جمعیۃ اہلحدیث مئو کے کبھی ناظم، کبھی امیر کبھی فقط رکن، صوبائی جمعیۃ اہل حدیث کے کبھی رکن مجلس شوریٰ کبھی نائب امیر، ۱۹۹۰ تا ۲۰۱۰ء مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کی مجلس شوری کے رکن رہے۔جمعیت اہل حدیث سے اتنی طویل مسلسل وابستگی مئو میں مولانا کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہے۔مولانا موصوف جمعیۃ کے کاز اوراس کے استحکام کے لئے اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں اور مرکزی جمعیۃ کے لئے بالخصوص مئو میں سرگرم کردار ادا کرتے ہیں۔

حج بیت اللہ: ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۹ء میں مع اہلیہ حج وعمرہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

موجودہ مشغلہ: موصوف جامعہ محمدیہ کھیدوپورہ، مئو میں بحیثیت شیخ الحدیث تدریسی خدمات، صحیح بخاری وتفسیر بیضاوی وغیرہ کے درس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، ساتھ ہی فتاویٰ اور مقالات ومضامین لکھنے کی گراں قدر علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(ماہنامہ ''نوائے اسلام'' دہلی شمارہ جون ۲۰۱۰ء میں شائع شدہ سوانحی خاکہ سے ماخوذ مع اضافہ یسیرہ)

تلامذہ: تلامذہ کی تعداد کثیر ہے، معروف تلامذہ میں چند نام یہ ہیں:

مولانا محمد حنیف فیضی چمپارنی، مولانا مفتی عبید الرحمن مدنی مئو، مولانا قاری نجم الحسن فیضی پرتاب گڑھی، ڈاکٹر شیخ عبد الباری فتح اللہ المدنی، مولانا عبد الکبیر مدنی مبارکپوری، مولانا مشتاق احمد فیضی ریاضی، مولانا قمر ساجدی، مولانا محمد مقیم فیضی، مولانا سمیع اللہ فیضی بستوی، ڈاکٹر عبد اللہ جولم عمری مدنی، مولانا عبد الحمید فیضی، مولانا عبد الواجد فیضی، مولانا حماد الرحمن سلفی، مولانا شیخ ظفر الحسن مدنی، مولانا مقصود الحسن فیضی، مولانا محمد جرجیس کریمی فیضی، مولانا اقبال احمد محمدی، مولانا عبد المبین فیضی، مولانا مظہر علی مدنی، مولانا شمیم احمد عمری، مولانا ڈاکٹر لیث محمد عمری، مولانا محمد ابراہیم مدنی، مولانا حافظ عبد اللطیف اثری، مولانا محمد موسیٰ بندوی، مولانا خالد صدیقی، مولانا شہاب الدین مدنی، مولانا مطیع اللہ مدنی بستوی، مولانا ڈاکٹر عبد المنان مدنی چمپارنی، مولانا عتیق الرحمن مبارکپوری، مولانا عبد الغنی فیضی، مولانا عبد الرحیم امینی، مولانا نسیم احمد فیضی مئو، مولانا حافظ شمیم املوی، مولانا خالد دمکاوی، مولانا قطب الدین دمکاوی، مولانا الطاف حسین فیضی، مولانا محمود احمد فیضی ممبئی، مولانا عبد الجبار فیضی سیونی، مولانا محمد اسماعیل کشمیری، مولانا سرفراز کانپوری، مولانا مصطفی نیپالی، مولانا شہاب الدین نیپالی مدنی، مولانا وحید رضا فیضی، مولانا ذکی انور مدنی، مولانا ابو سعید فیضی، مولوی عزیز الرحمن فیضی ومولوی شفیق الرحمن فیضی (مکتبہ الفہیم مئو) مولوی سرفراز احمد فیضی، مولانا معین الحق فیضی، مولانا عزیز الرحمن فیضی مالدی، مولانا ڈاکٹر جابر زماں فیضی بن مولانا عبد الغنی فیضی، مولانا ڈاکٹر فاروق عبد اللہ فیضی مدنی۔

عرب تلامذہ: متعدد بلاد عربیہ کے شباب اہل علم نے اپنے وطن میں رہتے ہوئے بذریعہ موبائل یا اپنی زیارت ہند کے دوران مولانا فیضی کے پاس آکر روبرو مولانا کے صحاح ستہ کے اطراف سنا کر یا مولانا کی کتاب ''ثنائیات موطا مالک'' سنا کر آپ سے سند اجازہ حاصل کیا ہے۔ ان میں سے چند نام یہ ہیں:

یوسف بن احمد العلاوی(اردن) منصور بن عبداللہ الکواری(قطر) عبداللہ بن الحسین الفیلکاوی(کویت) دکتور عمر بن جبریل الشواھین (اردن) محمد سعید ھاشم (لبنان) محمد زیاد التکلۃ (ریاض) بدر سوار (ریاض) صھیب المرزوقی (مدینہ منورہ) عمر بن سراج حبیب (جدہ) قاسم محمد ظاھر (لبنان) احمد بن العربی (مراکش) رشید مجاھد(مراکش) دسان بن محمد الحجازی (حلب) حمد المری (قطر) سعد بن عبد العزیز القمیش (دمام، سعودیہ) ماھر صدیقی، الفلسطینی (لبنان) علی محمد سالم حسن المصری، محمد علی عبداللہ ابو الروغۃ الزعابی، نایف یوسف محمد ناصر المنصوری، عبد القادر محمد نور عجال (کلھم من راس الخیمہ، الامارات العربیہ المتحدہ)۔ ☐☐

خودنوشت

استاذ گرامی مولانا عبدالسلام مدنی ٹکریا سدھارتھ نگر

سابق استاذ حدیث جامعہ سلفیہ بنارس

مولانا عبدالسلام مدنی حفظہ اللہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے آپ جماعت کے جید اور کہنہ مشق اساتذہ اور صف اول کے خطباء وعلماء میں شمار کئے جاتے ہیں، عمر دراز کا قیمتی حصہ جامعہ سلفیہ بنارس میں کتب حدیث اور اس سے متعلقہ فنون کی تدریس میں لگا چکے ہیں۔ فی الوقت اپنے وطن ٹکریا میں اقامت پذیر رہ کر علمی کاموں کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ استاذ محترم کو صحت وعافیت عطا فرمائے آمین۔

(عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی)

اسم: ابوعبدالحق عبدالسلام بن ابواسلم جمن مدنی،

والدہ: فہیمہ خاتون بنت تعلقدار، ساکن ٹکریا، ڈومریا گنج، سدھارتھنگر، یوپی انڈیا

ولادت: بروز سوموار ۱۲/ ۲/ ۶۳ ۱۴ھ مطابق ۷/ ۲/ ۱۹۴۴ء موضع ٹکریا، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا۔

تعلیم: تعلیم کا آغاز گاؤں ٹکریا کے مدرسہ ''مفتاح العلوم'' میں ہوئی۔ مکتب درجہ دوم تک یہیں پڑھا، چونکہ ماموں مولانا خلیلصاحب رحمانیؒ (جو جامعہ رحمانیہ دہلی کے آخری فارغین میں سے تھے) جامعہ سراج العلوم، بونڈیہار بلرام پور میں اونچی کلاسوں کے مدرس تھے، والدین رحمہا اللہ نے علم دین کی سچی تڑپ کی وجہ سے مجھے ۷/ ۸ سال کی عمر ہی میں اپنی آنکھوں سے دور ماموں صاحب کے پاس بھیج دیا، وہاں میں نے ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۰ء کل ۹ تعلیمی سال گزارا اور مکتب کی تعلیم پوری کر کے فارسی کورس کے ۲/ سال، پھر عربی درجات میں ابتداء سے مشکوٰۃ ج ۱ شرح الوقایہ ج ۱ تک پڑھا۔

اور ۱۹۶۰ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس چلا گیا، مشکوٰۃ ج ۱، بخاری ج ۱، ومسلم ج ۱، کی تعلیم حاصل کی، وہاں ۱۹۶۶ء تک ۷ سال گذارا۔ سالانہ امتحان میں مدرسہ میں دوسری پوزیشن رہی تو بروقت جامعہ رحمانیہ بنارس کے ناظم مولانا محمد زبیر صاحب (رحمانیؒ) نے جامعہ سلفیہ کے تعلیمی افتتاح کے لئے تشریف لائے ہوئے شیخ شیبۃ الحمد سے چار بچوں کے لئے مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کی سفارش کی ان میں ایک میں بھی تھا۔

مدینہ منورہ میں ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۰ء تک ۴ سال کلیۃ الدعوۃ میں تعلیم حاصل کی اور ''لیسانس'' کی ڈگری حاصل کی۔ فللہ الحمد والشکر۔

علمی لیاقت: ۱۔ شہادۃ ''مولوی'' ۲۔ ''عالم'' ۳۔ ''فاضل ادب عربی'' یوپی بورڈ، ہر امتحان بتقدیر فرسٹ اور ''شہادۃ اللیسانس'' مدینہ یونیورسٹی بتقدیر جید جدا حاصل کیا۔

اساتذہ کرام: ● شیخ نذیر احمد رحمانی املوی شیخ عبید اللہ رحمانی مبارکپوریؒ (اجازۃ) ● شیخ محمد اقبال رحمانیؒ ● شیخ محمد عابد رحمانیؒ ● شیخ عبدالوحید رحمانیؒ، (بنارس) ● شیخ عبدالغفار حسن رحمانیؒ ● شیخ عبدالمحسن العباد حفظہ اللہ ● دکتور تقی الدین الہلالیؒ ● شیخ محمد امین الشنقیطیؒ ● شیخ ابوبکر جابر جزائریؒ ● شیخ ممدوح فخری شامیؒ، وغیرہم من الفضلاء۔۔۔

شاگردان: ● دکتور رضاء اللہ محمد ادریسؒ ● شیخ صلاح الدین مقبول ● شیخ عبداللہ سعود (بنارس) ● شیخ ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری ● شیخ احسن جمیل سلفی ● شیخ محمد انور سلفی (کویت) ● شیخ نعیم الدین مدنی ● شیخ جمیل احمد مدنی (دہلی) ● شیخ شمیم احمد سلفی (قطر) ● شیخ عبدالسلام سلفی (ممبئی ● شیخ اصغر علی امام مہدی مدنی ● شیخ ظفر الحسن (شارجہ) ● شیخ کفایت اللہ (کویت) وغیرہم کثیر من الفضلاء۔۔۔۔۔

تدریس: میں نے صرف جامعہ سلفیہ بنارس ہی میں تدریس کا فریضہ انجام دیا ہے۔۱۰/۱۲/۱۹۷۰ء سے ۳۰/۶/۲۰۱۱ء تک کل ۴۳ر تعلیمی سال گزارا ہے۔ وہاں میرے پاس حدیث کی عام طور پر ۲ کتابیں اور ایک کتاب تو ہر سال رہی ہے۔ مشکوٰۃ ج ۲، ۵ سال، سنن النسائی ج ۲، ۴۳ر سال، صحیح مسلم ج ۱، ۸ سال، صحیح بخاری ج ۱، ۱۱ سال، صحیح بخاری ج ۲، ۱۰ سال، (گویا کل تعلیمی ۶۷ سال) اصول حدیث میں **قصب السکر، الباعث الحثیث، نزهة النظر**، عقیدہ کی کتابوں میں **الواسطیة، الطحاویة**۔ ادب عربی میں **کلیلة ودمنه، حماسه باب الادب، مختارات** ج ۲۔ فقہ میں **شرح الوقایه** ج ۱، وج ۲، فللہ الحمد والشکر۔

تصنیف: ۱) التعلیق المنتقی علی سنن المجتبی ج ۲ (عربی مطبوع)

۲) التعلیق الملیح علی مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲ (عربی مطبوع)

۳) تصحیح وتهذیب الحواشی لکتاب نزهة النظر (عربی مطبوع)

۴) مجموعہ احادیث نبویہ مع ترجمہ اردو (مرکزی جمعیۃ کے لئے مطبوع)

۵۔ دروس حدیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو آپ کے سامنے مطبوع ہے)

اہل خانہ: والدین (رحمہا اللہ) نیک بیوی آمنہ خاتون بنت مولانا محمد خلیل رحمانی، شادی ۲۷/۲/۱۹۶۳ء کو ہوئی، اس وقت میری عمر ۲۰ سال کی تھی۔ بحمد للہ ۵ لڑکے اور ۵ بچیاں ہیں: ۱۔ عبدالحق (فاضل بنارس وسرجن) ۲۔ دکتور عبدالنور (حافظ، عالم بنارس) ۳۔ عبدالباسط (عالم، طبیب) ۴۔ عبدالظاہر (عالم، ایم، ایس، ڈبلیو۔ سوشل انٹرپرنیور) ۵۔ عبدالواسع (انٹر بائیولوجی) ۱۔ شمیمہ خانم (درجہ ہشتم) ۲۔ راشدہ خانم (درجہ ہشتم) ۳۔ مرشدہ خانم (عالمہ وفاضلہ) ۴۔ عائشہ خانم (عالمہ وفاضلہ) ۵۔ شیماء خانم (عالمہ اور بی اے کی طالبہ)۔

ربنا هب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماماً۔ آمین یا رب العالمین۔

وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلی آله واصحابه اجمعین۔

عبدالسلام مدنی (ٹیکریا، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی، الہند)

(ماخوذ از کتاب دروس حدیث نبوی ص: ۵۔۷)

خودنوشت

استاذ گرامی شیخ محمد مستقیم سلفی پھلوریا سدھارتھ نگر

سابق شیخ الجامعہ السّلفیہ بنارس

استاذ گرامی کا شمار جامعہ سلفیہ کے قدیم ومعمر اساتذہ نیز جماعت اور علماء اہل حدیث کی تاریخ وخدمات پر لکھنے والے اہل قلم میں صف اول میں شمار کیا جاتا ہے۔ استاذ گرامی مولانا مستقیم سلفی ایک بابصیرت اور مسئولیت وذمہ داری کے ماہر کہنہ مشق مدرس جانے جاتے ہیں، آپ جامعہ سلفیہ کے ان بزرگ اساتذہ میں ہیں جنہیں جامعہ میں خوشہ چیں کے ساتھ ایک طویل عرصے سے تدریس کا شرف بھی حاصل ہے۔ اور جماعت کے ان بے لوث قلمکاروں میں آپ کا شمار ہے جنہوں نے جماعتی تاریخ اور علماء اہل حدیث کی خدمات کا بیڑا اٹھایا ہے۔ جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات اوراس کے علاوہ بے شمار علمی وتاریخی کتابوں کے مصنف ہیں اور اہل علم وقلم سے داد تحسین پا چکے ہیں۔ انتہائی شریف النفس ،متواضع ،منکسرالمزاج اوراپنی ذمہ داریوں کے تئیں سنجیدہ اورفعّال مدرس ہیں۔ ۳سالوں تک منصب شیخ الجامعہ پر فائز رہ چکے ہیں اورتدریس وتربیت کے ساتھ اپنے علمی کاموں کی تکمیل میں رواں دواں ہیں، اب تک ہزاروں شاگرد جامعہ سلفیہ سے فیض پاکر میدان عمل میں مصروف کار ہیں اورآپ کے لئے صدقہ جاری، ہیں آپ ضلع سدھارتھ نگر کے مشہور ومعروف گاؤں پھلوریا کے رہنے والے اورعلاقے میں اچھی شہرت اور علمی مقام کے مالک اورلوگوں کی نگاہ میں خدمت دین اور شرافت ومتانت کے لئے مشہور ومعروف ہیں۔ رب العالمین سے دعا ہے کہ آپ کو عمر دراز صحت وعافیت کے ساتھ عطا فرمائے۔ اور بقیہ علمی کاموں کی تکمیل کی سعادت بخشے آمین۔ شکریہ کے ساتھ افادہ عام کے لئے آپ کی خودنوشت سوانح ھدیۂ قارئین ہے۔

(عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی)



نام ونسب: محمد مستقیم بن سعید بن دولہ بن بندے علی بن گلزار خاں بن جبین خان۔

جبین خاں اٹوا بازار کے قریب موضع کھونیاؤں کے باشندہ تھے، یہ علاقہ راجا بانسی کا تھا، جبین خاں اس وقت کے بہت بڑے ٹھیکیدار تھے اور راجا انہیں بہت مانتا تھا، جبین خاں کے کل چار لڑکے تھے، (۱) گلزار خان (۲) اللہ بخش (۳) گلاب بخش (۴) مڑھئی۔ جبین خاں کے انتقال کے بعد گلزار خاں (جو اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے) کو راجا ان کے باپ جبین خاں کی طرح مانتا تھا، راجا کے یہاں لڑکی کی شادی تھی۔ گلزار خاں کا بلاوا آیا، اتفاق سے یہ گھر نہیں تھے، گھر کے کسی فرد نے یا کارکرتاؤں میں سے کسی نے نامناسب بات کہہ دی، قاصد نے جاکر بڑھا چڑھا کر راجا سے ان کی شکایت کردی۔ راجا نے بلا تحقیق اپنے حلقہ سے فوراً نکل جانے کا حکم دے دیا، چارونا چار مجبور ہوکر ان لوگوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا اور علاقہ الیدہ پور (جو ایک انگریز کی جاگیر تھی) میں آکر جنگل کاٹ کر ایک جگہ بس گئے آج وہی بستی گلزار خاں کے نام پر موضع پھلوریا سے جانا جاتا ہے۔

گلزار خاں کے کئی لڑکے تھے جن میں سے چار لڑکے بقید حیات رہے ان چاروں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ (۱) بندے علی

(۲) بیچو (۳) کھدیرو (۴) کلے ۔ ان چاروں کی اولاد موضع پھلوریا میں موجود ہیں۔

گلاب بخش کے تین لڑکے بقید حیات رہے (۱) عبدالرحمن (۲) قاسم (۳) محمد حسین، ان تینوں کی اولاد پھلوریا گاؤں سے قریب موضع جھنڈانگر میں موجود ہیں۔

اللہ بخش کے چار لڑکے بقید حیات رہے (۱) محمد عیسیٰ (۲) جمن (۳) رمضان (۴) اکبر، ان چاروں میں سے دو اول الذکر لاولد تھے اور رمضان خاں کی اولاد موضع مہتھا بازار ضلع سدھارتھ نگر میں آباد ہیں اور اکبر بابا ضلع گیا بہار میں جاکر آباد ہو گئے، معلوم نہیں کہ اس وقت ان کی اولاد ہیں یا نہیں۔

ولادت: میری پیدائش صحیح معلوم نہیں البتہ سند میں لکھی ہوئی پیدائش ۲۵رمئی ۱۹۴۶ء ہے۔

تعلیم: میں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے آبائی مدرسہ دارالسلام میں شروع کی اس مدرسہ میں اس وقت ایک ہی مدرس تھے جن کا نام تھا مولانا عبدالشکور گوپال پوری (سدھارتھ نگر)، میں چونکہ یتیم تھا میرے والدین کا سایہ میرے سر سے بچپن میں ہی اٹھ گیا تھا، میری پرورش و پرداخت میری بڑی بہن نے کی، ان کی شادی ننہال میں موضع رومندیوی (سدھارتھ نگر) میں ہوئی تھی وہ مجھ کو اپنے ساتھ رکھتی تھیں میرے بہنوئی کی زمینداری رومندیوی سے قریب تقریباً تین میل کے فاصلہ پر موضع ندولیا، امہوا میں تھی، میرے بہنوئی وہیں رہتے تھے، میں قریب آٹھ سال کا ہوگیا تو میری بہن نے مجھے مدرسہ بحرالعلوم انتری بازار (سدھارتھ نگر) جو ندولیا وامہوا سے قریب ہے پڑھنے کے لئے داخل کردیا۔ میں نے وہاں پر دو سال فارسی پڑھ کر ۱۹۶۱ء کے شروع میں بہن کو خبر دیئے بغیر مولانا عبدالحنان صاحب فیضی حفظہ اللہ کے ساتھ بنارس چلا آیا، مدرسہ بحرالعلوم انتری بازار کے اساتذہ میں سے مولانا عبدالحنان فیضی کے والد محترم مولانا محمد زماں صاحب (مرحوم) اور مولانا عبدالحمید صاحب شفیقی قابل ذکر ہیں، مولانا عبدالحنان صاحب فیضی چونکہ بحیثیت استاذ مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی کے مدرسہ سعیدہ میں آئے ہوئے تھے لہذا میں نے اس مدرسہ میں داخلہ لیا اور تین سال یہاں رہ کر عربی کی ابتدائی کتابیں نحو وصرف اور حدیث کی پہلی کتاب بلوغ المرام اور ترجمہ کلام پاک پڑھا، اس مدرسہ کے اساتذہ میں سے مولانا عبدالآخر بن مولانا محمد سعید محدث بنارسی اور مولانا عبدالحنان صاحب فیضی ہیں۔

اس کے بعد جامعہ رحمانیہ مدنپورہ بنارس میں آکر عربی کی تیسری جماعت میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۶ء تک اس مدرسہ میں زیر تعلیم رہا، ۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء مطابق ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ بروز دوشنبہ کو شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد پروفیسر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے جب جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کا تعلیمی افتتاح کیا، پھر باقاعدہ تعلیم ۲۶رذی القعدہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۸راپریل ۱۹۶۶ء یوم دوشنبہ سے شروع ہوئی تو جامعہ رحمانیہ کے وہ طلبہ جو عالمیت وفضیلت میں پڑھ رہے تھے اس جامعہ میں منتقل کردیئے گئے۔ انہیں طلبہ میں ایک میں بھی تھا۔ پھر اس جامعہ سے میں نے ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں فضیلت کی سند حاصل کی، اور دوران طالب علمی ۱۹۶۵ء میں الہ آباد بورڈ سے فرسٹ ڈویژن سے مولوی پاس کیا اور دوران تدریس جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۹۰ء میں فرسٹ ڈویژن سے عالم پاس کیا اور ۱۹۸۷ء میں جامعۃ الملک سعود ریاض (سعودیہ عربیہ) سے تدریب المعلمین کی ڈگری بھی حاصل کی۔

اساتذہ: مدرسہ جامعہ رحمانیہ مدنپورہ بنارس کے اساتذہ میں ● مولانا نذیر احمد رحمانی املوی ● مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی ● مولانا

عبدالوحید رحمانی شیخ الجامعۃ● مولانا محمد عابد رحمانی● مولانا محمد یوسف رحمانی بہرائچی، اور جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے اساتذہ میں● مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی● مولانا محمد عابد رحمانی● مولانا عبدالوحید رحمانی (شیخ الجامعۃ)● ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری● مولانا عبدالمعید بنارسی● مولانا عظیم اللہ مئوی● مولانا شمس الحق سلفی● ماسٹر شمس الدین بنارس● شیخ صالح عراقی● شیخ ربیع ہادی مدخلی● شیخ ہادی بن احمد الطالبی ہیں۔

تدریسی خدمات: فارغ ہونے کے بعد چند مہینے جالوادہ ضلع بیجاپور (میسور) میں عربی کی ابتدائی کتابوں کا درس دیا یہ مدرسہ ابھی نیا قائم ہوا تھا۔ مالی بحران کی بنا پر چل نہ سکا۔ لگ بھگ ۷ ماہ یہ مدرسہ چل کر بند ہو گیا جس کی بنا پر میں گھر چلا آیا اور تقریباً ڈیڑھ ماہ گھر رہ کر وڈھن ضلع سیدھی (مدھیہ پردیش) پڑھانے کے لئے چلا گیا اور ڈیڑھ سال وہاں رہ کر ۱۹۷۲ء میں مستعفی ہو کر گھر چلا آیا اور گھر پر رمضان کا مہینہ گذار کر موضع گلرہا ضلع گونڈہ مدرسہ قاسم العلوم میں آکر مشکوٰۃ ج ا، اور کلیلہ دمنہ وغیرہ پڑھایا، یہاں کی آب وہوا مجھے راس نہیں آئی، کسی طرح سال مکمل کیا پھر جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں آکر درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے لگا یہاں پر میرے زیر تدریس مشکوٰۃ المصابیح ج ا، ہدایۃ الحکمۃ اور مختارات جیسی اہم کتابیں تھیں۔ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۶ء اس جامعہ میں تدریسی فرائض انجام دیتا رہا۔ اس کے بعد مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار ضلع گونڈہ چلا آیا اور تدریسی فرائض پر مامور ہوا۔ یہاں پر میرے زیر تدریس مشکوٰۃ المصابیح ج ا، ہدایۃ الحکمۃ، اصول الشاشی، اور مختارات وانشاء جیسی اہم کتابیں تھیں پھر ۱۹۷۹ء میں بحیثیت مدرس جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس چلا آیا اور تا حال یہیں پر تدریسی خدمات پر مامور ہوں۔

جب میں سراج العلوم جھنڈا نگر میں تدریسی فرائض انجام دے رہا تھا تبھی جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ کا خط میرے پاس آیا کہ بنارس جامعہ سلفیہ میں بحیثیت مدرس آپ آجائیں لیکن اپنی کچھ مجبوریوں کی بنا پر میں نہیں آیا۔ لیکن جب میں جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں پڑھا رہا تھا تو اس وقت میرے بزرگ استاد مولانا عبدالمعید صاحب بنارسی بونڈیہار تشریف لائے اور چند دن ان کا قیام جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں تھا۔ ایک دن مولانا میرے کمرے میں تشریف لائے اور کہنے لگے کہ میں جامعہ سلفیہ بنارس سے تم کو لینے کے لئے یہاں آیا ہوں تم ناظم اعلیٰ صاحب کے بلانے پر بنارس کیوں نہیں آرہے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں ڈرتا ہوں وہاں پر عالم اول سے پڑھائی ہوتی ہے ایسا نہ ہو کہ میں طلبہ کو مطمئن نہ کرسکوں، مولانا نے فرمایا کہ تم کیوں ڈرتے ہو تمہارے اساتذہ سب موجود ہیں جہاں شبہ ہو ان سے پوچھ لو، ڈرتا وہ ہے جو یتیم ہو، الحمدللہ تمہارے تو بہت سے اساتذہ موجود ہیں، مولانا کی اس ہمت افزائی پر مجھے انتہائی خوشی ہوئی، سال پورا کر کے میں جامعہ سلفیہ بنارس چلا آیا اور تا حال تدریسی فرائض انجام دے رہا ہوں۔

منصب شیخ الجامعہ: ۲۹/۳۰ مارچ ۲۰۰۳ء مطابق ۲۴/۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ بروز سنیچر واتوار کو ممبئی میں بمقام باندرہ کرلا کمپلیکس صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی دین رحمت کانفرنس میں شرکت کے لئے ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لے گئے تھے، اور وہیں ۳۰ مارچ کو حرکت قلب بند ہونے کی بنا پر آپ کی وفات ہوگئی جس کی وجہ سے جامعہ سلفیہ بنارس کا منصب خالی ہو گیا، چند ماہ گذر جانے کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس کی انتظامیہ نے مجھے لاکھ معذرت کے باوجود شیخ الجامعہ بنا دیا، مجبوراً تین سال تک میں اس منصب پر فائز رہا، اپنی خرابی صحت کی بنا پر استعفیٰ دے

دیا، بڑی مشکل سے استعفیٰ منظور ہوا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ طلباء جامعہ کی نگرانی کی ذمہ داری آپ ہی کے سر رہے گی۔ میں نے ذمہ داری قبول کر لی اور تا حال جامعہ میں تدریسی فرائض انجام دینے کے ساتھ طلباء جامعہ کی نگرانی بھی کرتا ہوں۔

شاگردان: میرے شاگردوں کی تعداد زیادہ ہے جن کا شمار کرنا مشکل ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔ (۱) مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی (ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند (۲) مولانا محمد ابراہیم حفیظ الرحمن ناظم اعلیٰ ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر (۳) مولانا عبدالمنان ایڈیٹر السراج جھنڈا نگر نیپال (۴) مولانا عبدالمتین مدنی استاد جامعہ سلفیہ بنارس (۵) مولانا نیاز احمد طیب پوری (۶) مولانا ارشد فہیم الدین استاد جامعہ ابن تیمیہ بہار (۷) مولانا ارشد سراج الدین سلفی بارہ غازیپور (۸) مولانا حمید اللہ سلفی ممبئی (۹) مولانا اکرم مختار ازہری جامعہ محمدیہ مالیگاؤں مہاراشٹر (۱۰) مولانا عبدالسلام عبدالسمیع سلفی امیر صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی وغیرہ۔ (مجھ خاکسار عبدالحکیم عبدالمعبود کو بھی آپ نے ۱۹۸۸ء۔۱۹۸۹ء میں خوشہ چینی کا شرف حاصل ہے)

تبلیغی خدمات: میں جہاں کہیں بھی رہا برابر اطراف وجوانب میں تبلیغی خدمات انجام دیتا رہا۔ مساجد میں خطبہ دینا، سیمیناروں اور جلسوں واجتماعات میں شرکت کرنا برابر جاری ہے۔

مضمون نگاری: مختلف موضوع پر مضامین برابر لکھتا رہتا ہوں، دینی واصلاحی مضامین میں زیادہ تر محدث بنارس، السراج جھنڈا نگر نیپال، الفرقان ڈومریا گنج سدھارتھ نگر، جریدہ ترجمان دہلی وغیرہ میں چھپا کرتے ہیں۔

تصنیفی خدمات: تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری ہے، کچھ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں اور کچھ زیر طبع ہیں۔ اب تک مندرجہ ذیل کتابیں تالیف تصنیف کر چکا ہوں۔

(۱) جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات (۲) گمراہ ومنحرف فرقوں کی تردید میں جماعت اہل حدیث کی خدمات (۳) برہان التفاسیر لاصلاح سلطان التفاسیر (۴) علمائے اہل حدیث ہند اوران کے حیات وخدمات (۵) فارغین جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) اوران کے حیات وخدمات (۶) پردہ کی اہمیت (۷) بشریت مصطفی (بشکل مکالمہ) (۸) الادیان والفرق (۹) رد عیسائیت میں علمائے اسلام کی تصنیفی خدمات (۱۰) حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح ج ۲، (۱۱) حاشیہ سنن ابی داؤد ج ۱، (۱۲) برصغیر ہند میں جماعت اہل حدیث کی صحافتی خدمات (۱۳) علمائے اہل حدیث ہند کی خدمات احادیث۔

شادی واولاد: میری شادی دوران طالب علمی میں ہی ضلع بلرام پور (گونڈہ) کے ایک مشہور گاؤں اونرھوا میں عبدالستار صاحب کی چھوٹی لڑکی عبیدہ خاتون سے ہوگئی جن کے بطن سے کل چھ اولاد ہوئیں پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا۔ سب کے سب بحمد للہ بقید حیات ہیں، ترتیب اولاد اس طرح ہیں۔ (۱) زینت خاتون (۲) امامہ خاتون (۳) سلمہ خاتون (۴) ریحانہ خاتون (۵) رضوانہ خاتون (۶) محمد ابراہیم، بحمد للہ سب کی شادی ہو چکی ہے اور سب صاحب اولاد ہیں سوائے ایک بچی رضوانہ خاتون کے اللہ تعالیٰ اس کو بھی صاحب اولاد کر دے اور سب کو نیک وصالح بنائے آمین۔

محمد مستقیم محمد سعید سلفی

۱۴/۴/۲۰۱۶ء

❑❑❑

باب ہفتم

مناظرات ومتفرقات

روداد مناظرہ بڑھنی ۱۹۱۸ء/۱۳۳۶ھ اور
مولانا محمد یوسف صاب شمس محمدی فیض آبادیؒ

آپ کی ولادت ۱۷/ذی الحجہ ۱۳۰۰ء شیعی گھرانے میں ہوئی اورنوابی خاندان شجاع الدولہ والی اودھ وعامر فیض آباد جن کی سطوت کا ڈنکا انگریزوں کے آنے تک چاردانگ عالم میں بجتارہا، اساتذہ میں شیعہ عالم رہے حکیم سید مشتاق علی صاحب دیوبندی سے قرآن مجید حفظ کیا، علم تجوید بھی حاصل کیا، اورفن مناظرہ میں مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادیؒ (صاحب حسن البیان) سے استفادہ کیا، آپ کی خدمت میں باریابی سے پہلے اگر چہ آبائی مذہب (شیعہ) سے دست بردار ہو چکے تھے مگر ابھی عمل بالحدیث سے کوسوں دور یعنی بریلوی عقیدہ پر تھے، بتدریج عمل بالحدیث پر پہنچے، اور جماعت اہل حدیث کے سرگرم رکن رہے، ۱۹۰۸ء سے ماہنامہ رسالہ ''اہل الذکر'' جاری کیا۔

مولانا موصوف شعر بھی کہتے تھے، آل انڈیا اہل حدیث اجلاس کے موقع پر نظم سنایا کرتے تھے، جس کوسن کر علامہ امرتسریؒ نے آپ کو 'حسان' کے خطاب سے سرفراز فرمایا، آپ کی وفات ۲۴/رمضان ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۸/نومبر ۱۹۳۸ء کو ہوئی۔

(تراجم علمائے اہل حدیث ہند۔ص/۴۸۱)

بروایت والد محترم کہ جب مولانا محمد یوسف صاحب شمس محمدی پہلی بار جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کے سالانہ جلسہ میں تشریف لانے والے تھے، توجملہ اساتذہ، علماء، وطلبہ ورؤساوغیرہم استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن گئے چار بجے والی ٹرین اعظم گڑھ سے آئی، پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہی بآواز بلند کہا (یا علی مشکل کشا) اس پر سب لوگ حیران ہوگئے، کسی طالب علم نے کہا مولانا یہ توشیعوں کا نعرہ ہے، اس پر مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا کیا ہنستے ہو؟ سنو! قرآن بھی ''علی'' کو خدا کہتا ہے اس پر اور بھی تعجب کرنے لگے مولانا نے فرمایا سنو ''علی'' اللہ تعالی کا ایک صفتی نام ہے میں اہل حدیث نہیں بلکہ اہل حدیث گر ہوں اس لئے میری مراد یہ ہے کہ ''یاعلی'' یعنی یا اللہ مشکل کشا اس میں کس کو شک ہے؟

آپ بڑے ظریف الطبع تھے کسی نے پوچھا کہ مولانا اس ''بکس'' میں کیا ہے؟ کہا اس میں ''دیو'' بند ہے پھر پوچھا اس میں کیا ہے تو پھر یہی جواب ملا کہ اس میں ''دیو'' بند ہے پھر ایک شعر سنایا ؎

گل کھلے ہیں بریلی و علمائے دیوبند
پاگل وہاں ہیں بند یہاں دیو بند ہیں

آپ انیس کتابوں کے مصنف ہیں جس میں ''قطع الوتین'' قابل ذکر ہے اور ماہنامہ رسالہ ''اہل الذکر'' جوابات سے پر ہے۔

بعد نماز عشاء جب خطاب عام کے لئے اسٹیج پر تشریف لائے تو فرمایا کہ اس جلسے میں جتنے حافظ ہیں وہ اچھی طرح بیٹھ جائیں اور جن آیتوں میں اسلام، مسلمین و مسلمات ان تین لفظوں میں سے کوئی نہ رہے، تو فوراً ٹوک دیں، پھر خطبہ کے بعد ''ان الدین عند اللہ الاسلام'' کی تلاوت کی اور ڈیڑھ گھنٹہ تک اپنے مواعظ حسنہ سے سامعین کو نوازتے رہے۔ (والد محترم مولانا بشیر اللہ صاحب اعظمی حفظہ اللہ کا یہ پہلا حسن اتفاق تھا کہ اس عظیم الشان اجلاس میں ۱۰ منٹ تقریر کرنے کا صدر جلسہ نے موقع دیا، موصوف جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کے شعبہ عربی کے استاد اور جامع مسجد فیض عام میں بیس سال تک خطیب بھی رہے اس دوران اکثر صوبائی اہل حدیث کانفرنس یوپی اجلاس میں بحیثیت خصوصی مقرر شریک ہوا کرتے تھے، آج بھی جب کہ نوے سال کی عمر ہو چکی ہے الحمد للہ صحیحین (بخاری و مسلم) کا درس دے رہے ہیں۔ (از مرتب)

علامہ عبداللہ صاحب شائق مئوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی شان میں ایک شعر کہا تھا وہ یہ ہے ؎

حضرت یوسف کہ فیض آباد ہے جن کا وطن
شمسؔ کی صورت ہیں جو روشن خیال آنے کو ہیں

جماعت اہل حدیث کی فتح

مناظرہ بڑھنی ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء

ضلع بستی میں جماعت اہل حدیث کی ایک معقول تعداد اور بحمد للہ اچھی حالت میں ہے، پیرزادوں کی خدائی کے دام تزویر سے جہاں آزادی حاصل ہوگئی وہاں حق پھیلے گا۔

خیر صاحب! گورکھپور سے گونڈہ تک بی این ڈبلو آر کا ایک سلسلہ کوہ نیپال کے دامن میں چلا گیا ہے، اس سلسلہ میں جماعت اہل حدیث کی بستیاں بھی ہیں اور بحمد للہ اچھی حالت میں ہیں، ایک حنفی مولوی محمد ادریس صاب جو اپنے کو دہلی کا رہنے والا بتاتے ہیں، ایک سال کے عرصہ سے اس علاقہ میں کچھ اپنا رنگ جمائے ہوئے ہیں، جماعت اہل حدیث کے مقابلہ میں تلے ہوئے ہیں، اپنے لوگوں کو پیر پرستی وغیرہ امور پر قائم رکھنے میں کوشاں ہیں، تاکہ یہ ہاتھ سے نکل نہ جائیں، سنتے رہے کہ مولوی صاحب بڑے علمدار ہیں، مباحثہ میں بہت سے مولویوں مثلاً (مولوی عبدالرحمن گدی وغیرہ) پر غالب آچکے ہیں عام طور سے علمائے اہل حدیث کو چیلنج دے رہے ہیں، یہ ہے وہ ہے، لیجئے وہ دن آ گیا کہ اونٹ پہاڑ کے نیچے آجائے۔

اسٹیشن بڑھنی کے سامنے وسیع میدان تماشائیوں کے مجمع سے بھرا نظر آتا ہے، دیہات سے لوگ جوق در جوق چلے آرہے ہیں، مذہبی پہلوانوں کا دنگل ہے، آج ہی ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ تاریخ مناظرہ مقرر ہے، ایک طرف مولوی محمد ادری صاحب، مولوی محمد یوسف صاحب الہ آبادی نظر آتے ہیں تو دوسری جانب محمد جعفر صاحب و مولوی عبدالرزاق صاحب اہل حدیث سے دیگر گاؤں کے

دکھائی دیتے ہیں، مولانا عبدالرزاق صاحب ایک نیک دل خدا پرست دیندار عالم ہیں، انہیں کے اہتمام وادعاء سے یہ خاکسار محمد یوسف (شمس محمدی) بھی آگیا، مولوی صاحب موصوف کی مہربانی اور تمام علمائے اہل حدیث کے اتفاق سے مناظرہ کے لئے بھی میں ہی منتخب کیا گیا، میرے حاضر ہوتے ہی گفتگو شروع ہوگئی، پہلے صدر جلسہ وثالثہ کا انتخاب ہوا، مولوی محمد ادریس صاحب نے ایک غیر کوثالث بنانا چاہا مگر خاکسار نے خود حنفیوں ہی میں سے ایک لائق معزز شخص (مسمی شرف الدین صاحب) کوثالث مان لیا، جماعت اہل حدیث کی اس بلند حوصلگی وہمت پر تعجب ہوا کہ انہیں سے بحث ہوا اور انہیں میں سے ثالث ہو۔

شرائط مباحثہ لکھے گئے جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ یہ مباحثہ مابین جماعت اہل حدیث وحنفیہ ہوگا اور یہ کہ ہر فریق اپنے مسلمات سے ملزم ہوگا اور یہ کہ شرائط مسلمہ کی خلاف ورزی کرنے والا معلوب ہوگا۔

شرائط لکھے جانے کے بعد میں نے کہا ان پر پہلے دستخط کردیجئے، پھر مسلمات لکھے جائیں گے، مولوی محمد ادریس صاحب دستخط کرنے سے رکے، مگر بالآخر ثالث کے فیصلہ سے دستخط کرنے پر مجبور ہوئے پھر مسلمانت لکھے جانے لگے، میں نے قرآن مجید اور حدیث صحیح مرفوع کو حجت مانا، پھر فریق ثانی کی باری آئی، اب لگے سوچنے، قرآن شریف لکھوا کر سوچنے لگے، پھر کہا حدیث صحیحین، میں نے کہا صحیحین میں تو ہزاروں حدیثیں ہیں لہٰذا بصیغہ مفرد غلط، پھر کچھ سوچ کر بولے اچھا لکھوا احادیث صحیح مرفوع، میں نے عرض کیا، پھر غلط، کیوں کہ احادیث تو لفظ جمع ہے، اس کی صفت مرفوع بصیغہ مفرد غلط، مگر آپ نے اس اصلاح کو قبول نہ کیا، اس کے بعد خاموش ہوئے، میں نے کہا مولوی صاب یہی دو مسلمات آپ کے ہیں یا اور بھی، میں انہیں دو سے بحث کروں گا، میں نے کہا مباحثہ درمیان اہل حدیث وحنیفہ ہے لہٰذا آپ کو کل مسلمات حنیفہ لکھانے ہوں گے، یا ان کو لکھایئے یا یہ لکھئے کہ میں ان کو نہیں مانتا، اس پر تھوڑی دیر باہم گفتگو ہوئی، بالآخر ثالث نے حنفی مولوی سے کہا یا تو لکھئے کہ میں مانتا ہوں یا یہی لکھ دیجئے کہ میں نہیں جانتا، اس پر سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے اور حنفی مولوی صاحب خفیف ہوئے، تھوڑی دیر اور گفتگو ہونے کے بعد ثالث یا منصف نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا آپ ان کو معاف فرمایئے یہ بحث کے قابل نہیں ہیں، میں نے لائق صدر کی اس بات کو قبول کر کے کہہ دیا کہ جاؤ بھیا میں نے تم کو معاف کیا، یہ جملہ میرے منہ سے نکلا ہی تھا کہ حنفی مولوی محمد ادریس صاحب اس طرح تشریف لے گئے کہ گھبراہٹ میں وہ صرف ایک جوتا پہن سکے اور ایک جلسہ میں چھوڑ گئے، جو بعد میں انہیں بھیج دیا گیا، "ذالك فضل الله يو تيه من يشاء"

پھر اسی مجمع میں وعظ شروع ہوا پہلے ایک دیہاتی مولوی صاحب نے تقریر کی، پھر تمام حاضرین اور ثالث کے اصرار سے یہ خاکسار کھڑا ہوا اور حقانیت مذہب اہل حدیث پر ایک بسیط تقریر کی کہ جس سے اہل جلسہ خصوصاً صدر جلسہ بہت محظوظ ہوئے پھر سب لوٹے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ مولوی ادریس صاحب اوروں پر جادو کیا کرتے تھے، آج تو گویا انہیں پر جادو کردیا گیا۔

نوٹ: جمعہ فی القریٰ بھی مسئلہ چھڑا تھا، مولوی ادریس صاحب جاتے وقت اپنی جماعت سے یہ کہہ گئے کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا چاہیے اور جن کو پہلے جمعہ پڑھنے سے روکا تھا ان کو نہ صرف اجازت دی بلکہ تاکید کردی۔

خاکسار: شمس محمدی فیض آبادی (اہل الذکر ممبئی ۱۹۱۸ء فیض آباد)

❑❑❑

تعارف واپیل: جماعتی تاریخ کی ترتیب وریکارڈ کا ایک جامع منصوبہ

تاریخ اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

زیر نگرانی: مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی و بڑھنی بازار سدھارتھ نگر یوپی

برصغیر ہندوپاک میں جماعت اہل حدیث اور علماء اہل حدیث کی تاریخ بے حد قدیم ہے اور ہمارے اکابرین علماء، فضلاء، داعیان اور ائمہ وخطباء نے توحید خالص اور سنت صحیحہ کی نشر واشاعت اور ملک کی آزادی اور اس کی تعمیر وترقی میں بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں اور یہ سلسلہ خیر الحمدللہ آج بھی جاری وساری ہے۔

علماء کی ایک بڑی تعداد مدارس، جامعات اور مکاتب میں موجود ہے تو دوسری طرف ائمہ، خطباء اور داعیان قوم کی شکل میں ایک قابل قدر جماعت مساجد کے منبر ومحراب کو سجائے ہوئے ہے، دعوت وتعلیم، تصنیف وتالیف اور تاسیس مدارس ومراکز کی ہمہ جہت خدمات انجام دینے والوں کی بھی ایک معتد بہ تعداد ہے، اور اسی کے پہلو بہ پہلو مساجد ومدارس اور دینی اداروں سے جڑے رہنے والے ہزاروں محسنین ومخیرین کی بھی ایک لمبی فہرست ہے جو منہج وجماعت کی خدمت کے لئے اپنے مال وزر اور وقت کی قربانی دے رہے ہیں، مگر افسوس کہ مرور ایام کے ساتھ ان تمام علما، وائمہ، خطباء، دعاۃ، مدرسین، ہمدردان جماعت ومحسنین کی جماعتی اور دعوتی خدمات قصہ پارینہ بن جاتی ہیں، نہ تو ان کا کوئی مناسب ومنظم ریکارڈ دستیاب ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی زندگی کے تجربات، خدمات، اور قربانیوں کے مختلف پہلوؤں سے ہمیں آگاہی ہوتی ہے تاکہ جماعت، قوم اور نسل نو ان سے فائدہ اٹھائے، اس لئے خاکسار نے ''اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا'' کے نام سے بلاتفریق تمام اکابرین واصاغرین، علماء، ائمہ، خطباء، مدرسین واعظین محسنین ومخیرین، ہمدردان جماعت اور ذمہ داران مدارس، مراکز، جامعات اور مساجد کی تاریخ نویسی کا ایک طویل المیعاد جامع منصوبہ بنایا ہے، تاکہ آپ تمامی حضرات کی خدمات اور کاوشوں سے دنیا کو آگاہی ہو اور نسل نو اس سے توحید خالص کی نشر واشاعت اور جماعتی استحکام میں فائدہ اٹھائے، نیز تاریخ کے اوراق میں آپ کی قابل قدر خدمات اور قربانیاں ثبت ہوں، ان شاء اللہ العزیز اسے بعد میں مکمل طور پر کمپیوٹرائز کیا جائے گا، اور اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا کے نام سے شائع کیا جائے گا اور گوگل ودیگر مفید سائٹس پر یہ معلومات ہمہ وقت ایک کلک پر دستیاب ہونگی۔

امید کہ آپ حضرات اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا فارم کی خانہ پری کرکے ہمیں ارسال کریں گے، اور جماعتی خدمات کا موقع دیں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ تمام حضرات کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور دنیا وآخرت میں اس کا بہترین صلہ عطا کرے آمین۔

دعا گو: عبد الحکیم عبد المعبود المدنی، ممبئی (موبائل نمبر: ۹۸۶۹۳۹۵۸۸۱)

اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا

فارم شخصی معلومات

برائے علماء/دعاۃ/مدرسین/ائمہ وخطباء ودیگر

نام ونسب اور خاندانی پس منظر:..

....

....

آبائی وطن: ....

تاریخ ومقام پیدائش: ....

حالیہ رہائش اور پتہ: ....

....

موبائل/ٹیلیفون/ای میل آئی ڈی: ....

....

ابتدائی واعلیٰ تعلیم: ....

....

جامعہ/مدرسہ جہاں سے فراغت حاصل کی: ....

....

سن فراغت اور تعلیمی لیاقت: ....

....

مشہور اساتذہ: ....

....

مشہور تلامذہ: ....

....

اہم دعوتی رتدریسی رتصنیفی رصحافتی ودیگر خدمات: ....

....

....

....

تصنیف رتالیف کردہ اہم کتابیں ررسالے رفتاوے ر: مطبوع رغیر مطبوع کی تفصیل کے ساتھ: ....

....

....

اہم مناصب رعہدے رذمہ داریاں: ....

....

....

اولاد واحفاد: ....

....

....

سن وفات (صرف مرحومین کے لئے): ....

علمی ودعوتی اسفار: (دینی کانفرنسوں ردورات اور اجتماعات کے حوالے سے) ....

....

دعوتی رتدریسی تجربات رتجاویز رمشورے جو جماعت وملت کے لئے مفید ہو سکتے ہیں: ....

....

....

نوٹ: (۱) مزید معلومات درج کرنے کے لئے علیحدہ اوراق استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

(۲) فارم کی خانہ پوری کر کے درج ذیل پتہ یا (ای میل آئی ڈی) پر ارسال کریں:

tareekh.ahlehadees@gmail.com, dulhakimmumbai@gmail.com

مراسلت کا پتہ:

Abdul Hakim Madni, Jamia Rahmania Salfi Gali No.3,
Gandhi Nagar Charkop Kandivali (W) Mumbai-400067

منجانب: عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی کاندیولی ممبئی۔ موبائل نمبر: 9869395881

اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

فارم شخصی معلومات

برائے ذمہ داران/محسنین/ہمدردان جماعت ودیگر

نام ونسب اور خاندانی پس منظر:...

....

....

آبائی وطن: ....

تاریخ ومقام پیدائش: ....

حالیہ رہائش اور پتہ: ....

....

موبائل/ٹیلیفون/ای میل آئی ڈی: ....

....

تعلیمی لیاقت: ....

....

....

اہم علماء وائمہ جن سے تعلق/استفادہ رہا: ....

....

....

....

اہم مناصب وعہدے: ....

....

....

جماعتی خدمات وذمہ داریاں:..

....

....

....

....

....

....

....

تجربات رمشورے جو جماعت کے لئے مفید ہوں: ....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

نوٹ: (۱) مزید معلومات درج کرنے کے لئے علیحدہ اوراق استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

(۲) فارم کی خانہ پوری کرکے درج ذیل پتہ یا (ای میل آئی ڈی) پرارسال کریں:

tareekh.ahlehadees@gmail.com, dulhakimmumbai@gmail.com

مراسلت کا پتہ:

Abdul Hakim Madni, Jamia Rahmania Salfi Gali No.3,
Gandhi Nagar Charkop Kandivali (W) Mumbai-400067

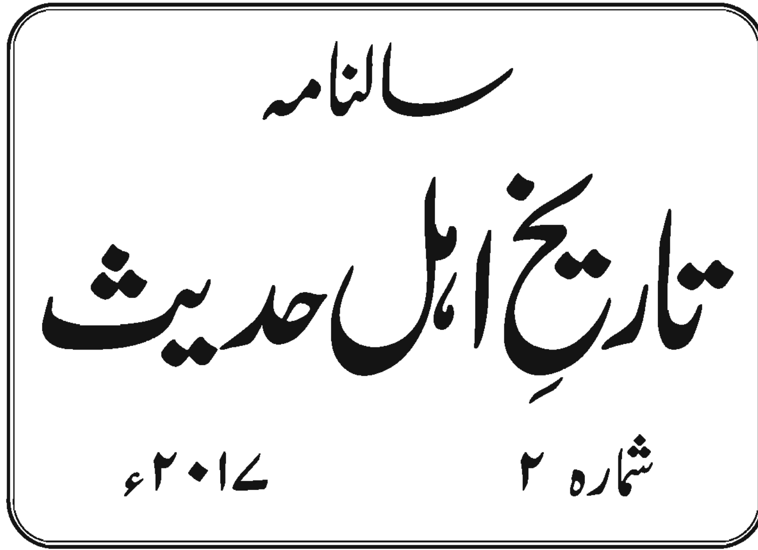
منجانب: عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی کاندیولی ممبئی۔ موبائل نمبر: 9869395881

تعارف
سالنامہ تاریخ اہل حدیث

جماعتی تاریخ کی ترتیب واشاعت کے لئے ایک سالانہ میگزین بنام ''سالنامہ تاریخ اہل حدیث'' کی اشاعت کا کام جاری ہے، ۲۰۱۶ء کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔(اوران شاء اللہ اسے آئندہ ہر سال شائع کیا جائے گا)اس سالنامے میں سال بسال وفات پانے والے علماء ومدرسین اوراعیان جماعت کے خصوصی تذکرے کے ساتھ اہل حدیث مدارس وجامعات کے تمام بڑے چھوٹے اساتذہ اورمدرسین نیز مساجد کے ائمہ وخطباء کی حیات وخدمات اوراسی طرح مسلک اہل حدیث پر مفید مقالات ومضامین اورتاریخ اہل حدیث پر اپنے قدیم وجدید علماء کی تحریریں اشاعت پذیر ہوں گی۔اوراس کے علاوہ علماء اہل حدیث کی حیات وخدمات سے منسلک بیش قیمت علمی وتاریخی معلومات بھی شامل ہوں گی۔اصحاب قلم سے گذارش ہے کہ جماعت اورعلمائے اہل حدیث سے متعلق اپنے قیمتی مقالات اورعلمی تحریریں ہمیں ضرورارسال کریں تاکہ ماضی کی روشنی میں نسل نواپنے سنہرے مستقبل کی تعمیر کرسکے۔جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی
مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی
رابطہ نمبر: 9869395881
ای میل: tareekh.ahlehadees@gmail.com

سلسلۂ تاریخ اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا
کی دوسری کڑی (ان شاء اللہ) جلد ہی منظر عام پر



اعداد وترتیب
عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

ناشر
مرکز تاریخِ اہل حدیث ممبئی
برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یوپی)

مسلک اہل حدیث کی تاریخ اور اس کے علماء کی خدمات کی منظم ترتیب واشاعت کے لئے
ہندوستان کا اولین علمی مرکز

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی ایک سنہری تاریخ ہے، جو ماضی میں قافلہ حق وصداقت کے سرفروشانہ جد وجہد، اس کی بے مثال قربانیوں، علماء کی ہمہ جہت دعوتی، تدریسی، اصلاحی اور رفاہی خدمات اور ان کی مثالی زندگیوں کے سنہرے اور تابندہ نقوش سے عبارت ہے، اسی سنہری تاریخ کی منظم ترتیب واشاعت کے لئے مرکز تاریخ اہل حدیث کا قیام عمل میں آیا، تاکہ جماعت کا یہ عظیم الشان علمی وتاریخی سرمایہ محفوظ کیا جاسکے اور ماضی کے سنہرے اوراق کی روشنی میں نسل نو اپنے حسین وتابناک مستقبل کی تعمیر کرسکے۔

بنابریں تمام علماء، دعاۃ، ائمہ، خطباء، اعیان جماعت اور ہمدردان تاریخ سے مخلصانہ اپیل ہے کہ اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا وجماعتی تاریخ کی تدوین واشاعت میں مرکز کا ہر ممکن تعاون فرمائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

دعاؤں کا طالب

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی
MARKAZ TAREEKH AHLEHADEES, Mumbai
Branch Office: Bus Stop Barhani Bazar, Siddharth Nagar, U.P.
E-mail: tareekh.ahlehadees@gmail.com, abdulhakimmumbai@gmail.com